

إِنَّ الدِّينَ فَتْرُوهُ دَنَيْهِمْ وَكَانُوا هُنَا حَسْرَةً
 خائف گروہ۔ آپ کا ان سے ذرہ بھی تعلق نہیں ہے۔
 مِنْهُمْ فِي نَفْسِي

مذہبِ شیعہ

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد شمس الدین صاحب قلم العزیز
 از

کھفہ حسنیہ

اول

علامہ البواکحات محمد اشرف السیالوی

الاسلامی سوسائٹی کراچی
 دینہ ضلع جہلم



حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین صاحب قدس العزیز
از

تخفہ حسینیہ

حصہ اول
علامہ ابوالکحانات محمد اشرف السیالوی

مالِ سنیہ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	تحفہ حسینیہ (جلد اول)
مصنف	شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی
ترجمین و اہتمام	محمد ناصر الہاشمی
اشاعت	نومبر 2007ء
تعداد	1100
قیمت	200 روپے
ناشر	اہل السنہ پبلی کیشنز دہلی (نہلم)

ملنے کے پتے

- جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام کالج روڈ سرگودھا فون نمبر: 0451-724695
- مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد فون نمبر: 041-626046
- فرید بک سٹال 38 اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-7312173
- مکتبہ جمال کرم دربارہ کیٹ لاہور فون: 042-7324948
- احمد بک کارپوریشن راولپنڈی فون نمبر: 051-5558320
- مکتبہ المجاہد بھیرہ شریف فون نمبر: 048-6691763
- شبیر برادر زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور فون نمبر: 042-7246006
- نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 11 گنج بخش روڈ لاہور فون نمبر: 042-7313885

فہرست مضامین تحفہ حسینیہ جلد اول

13	کلمۃ التقدیم
16	رسالہ مذہب شیعہ اور ترتیب مضامین
22	علامہ محمد حسین ڈھکو کی امت میں افتراق و انتشار کی سعی مذموم
24,25	تحفہ حسینیہ کی وجہ تالیف اور وجہ تسمیہ
26,27	اعتماد مؤلف اور تحفہ حسینیہ کا اسلوب بیان
30	رسالہ مذہب شیعہ میں شیعہ تقیہ کا بیان
35	شیعی عالم کی جوابی کارروائی، تقیہ اور اسلام
36	شیعی عالم کی جوابی کارروائی نفاق اور تقیہ کا فرق
38	شیعی علامہ کی فریب کاری کا بدترین نمونہ
39	”تقیہ کی تعریف میں غلطی اور محل نزاع
40	”شرعی طور پر معذورین کا بیان
44	”انسان بیش قیمت یا اس کا ایمان
44	”کیا لحم خنزیر کھانا ترقی درجات کا ضامن ہے؟
45	”کیا فربہ ہونے کے لئے لحم خنزیر کھانا جائز ہے؟
48	شیعی علامہ کا جواز تقیہ پر قرآنی سے استدلال
50	شیعی استدلال کا محل نزاع سے بے تعلق ہونا
51	تقیہ کا بطلان ارشادات مرتضویہ کے ساتھ
53	تقیہ کا بطلان امام حسینؑ کے عمل اور وصیت سے
56	تقیہ کا بطلان امام محمد باقر اور جعفر صادق کی وصیتوں سے
57	تقیہ کا بطلان شیعہ اصول و قواعد کے ساتھ
58	تقیہ کا بطلان از روئے قرآن
60	تقیہ کا بطلان از روئے سنن انبیاء و رسل علیہم السلام

- 61 تقیہ کا بطلان از روئے اجماع اہل اسلام
- 63 تقیہ کا بطلان از روئے قرآن
- 64 حضرت عمار کے کامل الایمان ہونے کا حقیقی سبب
- 65 علامہ ڈھکو صاحب کی غرابت استدلال اور انوکھی منطق
- 67 علامہ ڈھکو صاحب کی دوسری قرآنی دلیل جواز تقیہ پر
- 69 ابطال استدلال اور توضیح حقیقت
- 70 ڈھکو صاحب کی اپنے قول کی تردید
- 71 علمائے شیعہ کا تقیہ میں افراط اور تجاوز
- 72 سنی امام کے پیچھے از رہ تقیہ نماز پڑھنے کا ثواب
- 74 شیعہ کا جواز تقیہ پر استدلال سنت پیغمبر سے
- 75 تقیہ کا بطلان اور سنت پیغمبر کی حقیقت
- 78 حضرت علیؑ کے متعلق غلط فہمی کے ازالہ میں شیعہ علامہ کی لغزش
- 81 شیعہ کا جواز تقیہ پر استدلال ابوذر کی کتمان دین کے لئے حکم نبوی سے
- 81 ابطال استدلال اور بیان حقیقت
- 82 جواز تقیہ پر استدلال حضرت معاذ کی حدیث سے
- 83 شیعہ استدلال کا ابطال
- 84 شیعہ کے نزدیک تقیہ کا جواز اسوۂ انبیاء کی روشنی میں
- 85 ابطال استدلال اور توضیح حقیقت
- 91 تقیہ کا جواز بعض بزرگان دین کے عمل سے
- 92 ابطال استدلال اور اظہار حقیقت
- 94 اہل سنت کے نزدیک عند الضرورت جھوٹ بولنا واجب
- 95,96 مذہب اہل سنت کی وضاحت، صدق کی اہمیت حضرت علیؑ کے ہاں
- 97 شیعہ کی افتاد طبع اور کمزوری
- 98 شیعہ کے سچ بولنے اور تقیہ ترک کرنے کا وقت کونسا ہے

- 100 ہم اہل السنۃ کا تقیہ اور شیعہ کا تقیہ
- 103 بعض منصف مزاج علمائے اہل السنۃ کا اقرار تقیہ
- 103 شیعہ تقیہ کا کوئی سنی اقرار نہیں کر سکتا
- 104 شیعہ مذہب کے کتمان کا وجوب اور اس کے حلی اور الزامی جوابات از علامہ ڈھکو صاحب
- 106 شیعہ توجیہات کی لغویت اور اظہار دین کی ممانعت
- 112 خلیفہ اول کے ترک تقیہ کا خوفناک انجام عند الشیعہ
- 112 خلیفہ اول کی حق گوئی اور اسوہ حسنی سے تائید
- 114 شیعہ تقیہ کی حقیقت شیعہ کی زبانی
- 114 شیعہ فرقہ کی قدامت
- 115 شیعہ فرقہ ابن سبا کے نفاق کا نتیجہ ہے
- 122 حضرت علی کا فرمان سوادا عظیم کا دامن تھا مو
- 123 سوادا عظیم صرف اہل السنۃ والجماعت ہیں
- 125 شیعہ کا دعویٰ کہ اہل السنۃ امیر معاویہ کا کاشتہ پودا ہیں
- 126 شیعہ قول کی لغویت اور اہل السنۃ کی قدامت
- 129 اہل السنۃ والا مخصوص نام تجویز کرنے کی وجہ
- 131 ڈھکو صاحب کی انوکھی منطق
- 135 شیعہ کے نزدیک قرآن میں تحریف کے دلائل
- 139 تتمہ بحث تحریف القرآن
- 156 تحریف قرآن کے متعلق مشائخ شیعہ کا عقیدہ
- 158 روایات تحریف کا مستفیض و متواتر ہونا
- 158 روایات تحریف کا کتب معتبرہ میں منقول ہونا
- 159 عقیدہ تحریف شیعہ مذہب کی ضرورت دیدیہ ہے
- 160 شیعہ کے ہاں قرآن کا تحریف سے سالم رہنا محالات سے ہے
- 162 شیعہ کے نزدیک غیر امام کے لئے اصلی قرآن کا جمع کرنا ممکن ہے

- 163 اہل تشیع کا تحریف قرآن پر اجماع و اتفاق
- 165 اس قرآن کے اصلی اور کامل ہونے کا دعویٰ اور ارشادات ائمہ سے استشہاد
- 166 شیعہ دعویٰ کی لغویت اور شہادات ائمہ سے مغالطہ دہی کی ناکام کوشش
- 173 شیعہ علمائے اعلام کی تصریحات
- 173 شیعہ علماء تین صدیوں سے زائد عرصہ تک عقیدہ تحریف پر متفق رہے
- 177 تین صدیوں کے بعد جن علماء نے تحریف کا انکار کیا ان پر شیعہ علماء کی تنقید
- 179 علامہ ڈھکو صاحب قائلین تحریف کا شرعی حکم بیان کریں
- 181 بقول شیعہ بعض منصف مزاج سنی علماء کا اعتراف حقیقت
- 182 بعض سنی علماء سے توسل کی حقیقت
- 184 حضرت علیؑ کی طرف منسوب مصحف کی حقیقت
- 185 شیعہ تاویلات کا رد بلیغ اور مصحف مرتضوی کی حقیقت
- 190 یہودیوں کی طرف سے انتقامی کارروائی
- 190 تاویل کے باوجود پر نالہ وہیں رہا
- 191 شیعہ اسی قرآن کو پڑھتے پڑھاتے اور تفسیریں لکھتے ہیں
- 192 شیعہ کے قرآن کو پڑھنے پڑھانے کی حقیقت
- 193 کیا تراویح بدعت عمر فاروق ہیں؟ شیعہ الزام کا جواب
- 195 روایات موہم تحریف کے حلی جوابات
- 196 تحریف پر دال روایات کی تاویلات میں سینہ زوری
- 202 شیعہ روایات کے الزامی جواب اور اہل السنۃ پر بہتان
- 203 شیعہ الزام کا جواب اور محل نزاع کا تعین
- 208 حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام کی طرف منسوب روایات کا جواب
- 209 قرآنی سورتوں میں کمی بیشی کی حقیقت
- 220 آیات قرآنیہ کی تعداد میں اختلاف کی حقیقی وجہ
- صحابہ کرام کے فضائل کا بیان

- 222 صحابہ کے اخلاص پر شہادت عقل و خرد
- 224 فضائل صحابہ از روئے قرآن مجید
- 227 اصحاب بدر کے متعلق شہادت قرآن
- 229 اصحاب احد اور شہادت قرآن
- 232 غزوہ خندق اور شہادت قرآن
- 232 معاہدہ حدیبیہ اور شہادت قرآن
- 234 غزوہ حنین اور شہادت قرآن
- 235 غزوہ تبوک اور شہادت قرآن
- 237 اخلاص صحابہ پر تعامل نبوی کی شہادت
- 238 بدری صحابہ کے متعلق نبوی ارشادات اور شہادت
- 242 اہل حنین کے متعلق نبوی شہادت
- 243 کیا اصحاب ثلاثہ اسلام لانے میں مخلص تھے
- 243 شیعہ الزام کا اجمالی جواب
- 245 ابو بکر صاحب کے اسلام لانے کا اصلی محرک
- 246 شیعہ بہتان کار دبلغ اور وجوہ بطلان
- 259 اسلام عمر کی حقیقت
- 260 حضرت عمر کا اخلاص اور ان کا مراد خداوند اور مراد رسول ہونا
- 266 اسلام عثمان کی ماہیت
- 267 فضائل عثمان اور شیعہ بہتان کار دبلغ
- 274 کیا قول باری تعالیٰ جاہد الکفار و المنافقین کے بعد منافق ختم ہو گئے تھے
- 275 از روئے قرآن جو تعامل نبوی اہل ایمان و منافقین کا باہمی امتیاز
- 285 فضائل صحابہ کا اجمالی بیان قرآن مجید، احادیث رسول اور ارشادات آئمہ میں
- 285 شیعہ علماء کی جوابی کارروائی خلاف قاعدہ و ضابطہ ہے
- 290 شیعہ کا اہل بیت کرام اور خلفاء ثلاثہ کے خوشگوار تعلقات کا انکار

- 291 تعلقات کی ناخوشگوار ثابت کرنے میں دھاندلی
- 292 آئمہ اہل بیت کا بیان فرمودہ صحت روایات کا معیار
- 297 روایات میں تواثر کو نسا معتبر ہے
- 298 شیعہ حضرات کی طرف سے ارشادات رسول و فرمودات آئمہ میں لفظی معنوی تحریف
- 304 امام جعفر صادق کے لئے تقیہ اور کتمان حق کا عدم جواز
- 306 تحریف کرنے والوں کی وجہ سے امام صادق کا اضطراب
- 307 معیار حقانیت و صداقت کتاب اللہ ہے یا وہ سنت جو اس کے موافق ہو
- 309 عدل و انصاف کے مختلف پیمانے
- 310 علامہ ڈھکو اور مولوی امیر الدین کاراہ اسلاف سے انحراف
- 313 فضائل صحابہ کرام از نہج البلاغہ اور قرآن تائیدات
- 318 تتمہ روایات نہج البلاغہ اور تائیدات قرآنی
- 327 شیخین کی فضیلت اور رد تقیہ
- 331 فضائل شیخین پر مشتمل روایات کی تاویل میں اہل تشیع کا اضطراب
- حضرت علی نے اہل سنت کی معاونت حاصل کرنے اور اپنی خلافت کے تحفظ
- 332 کے لئے مدح شیخین فرمائی
- 333 شیعہ تاویلات کی لغویت مر تصوی ارشادات اور عمل کی روشنی میں
- 342 حضرات شیخین کی بالخصوص اور مہاجرین کی فضیلت کا بیان
- 354 صاحب کشف الغمہ کا غلو فی التشیع اور اہل السنۃ پر برہمی
- 357 شیعہ علماء کا کشف الغمہ کے حوالہ جات پر تبصرہ
- 358 صاحب کشف الغمہ کا طرز نگارش حقیقت کے آئینہ میں
- 361 فضائل ثلاثہ بزبان امام زین العابدین از کشف الغمہ
- 363 شیعہ عالم کی تاویل و تسویل کا رد بلغ
- 367 فضائل صدیق و فاروق بزبان امام زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما
- 371 حضرت زید کی شیخین کے لئے فداکاری اور جانثاری اور شیعہ کی ان کے ساتھ غداری

- 375 تاریخ التواریخ کے حوالہ جات کی شیعہ تاویلات کا ردِ بلغ
- 382 رافضی کون تھے اور یہ لقب شیعہ کو کس نے دیا اور روافض کا شرعی حکم
- 394 فضیلت صدیق بزبان امام محمد باقر رضی اللہ عنہ
- 397 فرمان امام باقر میں شیعہ تاویلات
- 398 شیعہ تاویلات کا رد اور حقیقت حال کی وضاحت
- 403 فضیلت صدیق بزبان امام جعفر صادق، تتمہ روایت کشف الغمہ
- 404 شیعہ کی سرور عالم ﷺ کی شان میں بے حیائی
- 405 شیعہ افراط و تفریط کا بیان
- 407 فضیلت شیخین بزبان امام جعفر صادق از کتاب شافی
- 409 کتاب شافی کی روایات کے متعلق علامہ ڈھکو کا داویلا
- 410 حقیقت حال کی وضاحت اور فضیلت شیخین کا اعتراف
- 416 ارشادات مرتضویہ کے بارے میں اہل السنۃ اور شیعہ کا باہمی فرق
- 424 خلافت صدیقی کے دوران حضرت علیؑ کو بیعت کی پیشکش اور آپ کا ردِ عمل
- 426 بیعت کی پیشکش والی روایات پر اہل السنۃ اور اہل تشیع متفق ہیں
- 427 بیعت کی پیشکش جناب ابوسفیان کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی کی تھی
- 429 شیخ الاسلام کا ترجمہ صحیح ہے یا غلط؟
- 430 علامہ ڈھکو صاحب کی اپنی کتب مذہب سے لاعلمی
- 431 شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کی تاویل اور اس کا رد
- 435 حضرت علی المرتضیٰ کا حضرت عمرؓ کے اعمال نامہ پر رشک
- 436 علامہ ڈھکو کی طرف سے روایتی اور درایتی سقم کا بیان
- 437 فاروقی اعمال نامہ پر رشک کی توثیق از روئے روایت و درایت
- 441 امام جعفر صادقؑ کے راویوں کا حال
- 445 شیعہ درایت کی حقیقت
- 454 حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مدح و ثنائے خلفائے ثلاثہ

- 456 علامہ ڈھکو صاحب کی تاویلات اور ان کا ردِ بلیغ
- 462 امیر معاویہؓ کے دربار میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف سے مدح مرتضیٰ
- 464 حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ مکالمات کی حقیقت
- 469 حضرت عثمانؓ کا بطور سفیر رسول جانا اور دست رسول کا دست عثمانؓ قرار پانا
- 473 غزوہ تبوک کی تجہیز پر حضرت عثمانؓ کے لئے بشارات
- 475 چاہ رومہ کے وقف کرنے اور مسجد نبویؐ میں توسیع کرنے پر بشارات
- 477 دوران محاصرہ امام حسنؓ کا حضرت عثمانؓ کے لئے پہرہ دینا
- 478 حضرت علیؓ کا بلوایوں کے خلاف جنگ کرنے کا اذن طلب کرنا
- 479 قاتلان عثمانؓ کے خلاف کارروائی کا حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرف سے وعدہ
- 482 فضیلت شیخین بزبان امام ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ
- 483 حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت بزبان علی مرتضیٰؓ رضی اللہ عنہ
- 484 ام المومنین عائشہؓ اور احترام علی مرتضیٰؓ رضی اللہ عنہما
- حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق حضرت علیؓ کے
- 485 کلمات مدح و ثنا
- 489 فرمان نبویؐ حربک حربی کا صحیح محمل اور حقیقی مفہوم
- 491 حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کا رجوع
- 494 حضرت علی مرتضیٰؓ کا محمل و کردار اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم
- 496 علامہ محمد حسین ڈھکو کا حضرت علیؓ کی بیعت سے بے بنیاد انکار
- 496 شیعہ مجتہد کی فریب کاریاں اور ثبوت بیعت
- 499 ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مرتضیٰؓ کی بیعت کا ثبوت ازناخ التواریخ
- 503 حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ علی مرتضیٰؓ کی بیعت کا ثبوت از رجال کشی
- 503 حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ علی مرتضیٰؓ کی بیعت کا ثبوت از احتجاج طبری
- 505 حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ علی مرتضیٰؓ کی بیعت کا ثبوت از کتاب الروضہ للکافی
- 506 حضرت علیؓ کی ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ بیعت کا ثبوت بطریق تواتر جنوی

- 507 حضرت علیؑ کی حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ بیعت
- 508 حضرت علیؑ کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ بیعت
- 509 خلفاء ثلاثہ کے ساتھ بیعت کا ثبوت اور جامع خطبہ
- 514 قائدہ جلیلہ بیعت مرتضوی کا جذبہ محرکہ اور فضائل صحابہ کرام
- 516 عقیدہ مرتضویہ اور عقائد صحابہ کا باہمی توافق
- 517 خاصان مرتضیٰ حضرت سلمان، عمار اور ابوذر وغیرہ کا تعامل
- 524 خوف اور تقیہ کے دعاوی کا بطلان بزبان علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
- 525 حضرت علی مرتضیٰؑ کی ذاتی قوت و طاقت کا بیان
- 530 مدح شیخین بزبان علی مرتضیٰؑ و تلامذہ آنجناب
- 535 مرتضوی عساکر شیخین کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتے تھے
- 537 حضرت علی مرتضیٰؑ کی طرف سے لشکریوں کی دلجوئی اور مدح شیخین
- 539 بقول شیعہ آئمہ اہل بیت کے حقیقی اعتقادات بحق خلفائے ثلاثہ
- 539 شیعہ علماء کے روایات و بیانات کی حقیقت
- 541 خطبہ شمشقیہ کے تواتر لفظی کا انکار خود شیعہ علماء کی زبانی
- 545 خطبہ الوسیلہ کے موضوع ہونے پر قرائن و شواہد
- 551 شیعہ کا مسلم شریف کی دور وایات سے فرعونہ عقیدہ پر استشہاد
- 552 مسلم شریف کی پہلی روایت میں مغالطہ آفرینی کی ناکام سعی
- 554 بطور وراثت حضرت عباسؓ کی خلافت بلا فصل کا عقیدہ
- 555 مسلم شریف کی دوسری روایت میں شیعہ کی فریب کاری
- 560 شیعہ کی طرف سے دیانت و امانت کا خون
- 561 اصول اسلامیہ کے مطابق مدار استدلال اور شیعہ کی بے
- کیا حضرت امیر اپنی خلافت کے آرزو مند رہے اور خلاف
- ”حقائق و واقعات کے سراسر خلاف ہے“

کلمۃ الیقین

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اما بعد !

فأعوذ بالله من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

رسول مکرم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرماتے وقت اپنے غلاموں کے لئے راہ نجات و نلاح اور صراط مستقیم اور طریق رشد بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

انی تارک فیکر ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھا
اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء إلی
الأرض وعترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یرد اعلیٰ المحوض
فانظر واکیف تخلقونی فیہما۔

(ترمذی باب مناقب اہل بیت جلد ثانی ص ۲۱۹) وکنذانی التفسیر الصافی ص ۱۰ مقدمہ
میں تمہیں دو ایسے قیمتی اثاثے چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم ان کے ساتھ وابستہ
رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے ان میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ
کی کتاب جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی (کی مانند) ہے اور دوسرا
قیمتی اثاثہ ہمیری عترت اور اہل بیت ہے۔ اور وہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے۔
یہاں تک کہ مجھ پر روز قیامت آوارہ ہوں گے۔ پس خیال رکھنا کہ تم ان دونوں میں
کس طرح میرا حق نیابت و خلافت ادا کرتے ہو۔

یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ بھی اور قدرے مختلف الفاظ کے باوجود

معنوی اور مفہومی اتحاد و موافقت کے ساتھ اہل سنت اور اہل التشیع دونوں کی مستند کتابوں میں مروی و منقول بھی ہے اور مسلم و مقبول بھی جس سے راہ ہدایت اور صراطِ مستقیم واضح ہو گیا کہ وہ مسلک اور مذہب، عقیدہ و نظریہ درست ہے جس پر کتاب اللہ اور اہل بیت کی ہر تصدیق ہو اور ہر وہ راہ و روش اور فکر و نتیجہ غلط اور باطل ہے جو اس تصدیق تائید سے محروم ہو۔ لہذا متلاشیانِ حق و صداقت کے لیے اس امر کی تفتیش و جستجو اور تحقیق و تدقیق از بس ضروری تھی کہ اسلامی فرقوں میں سے کون سا فرقہ اس معیار صداقت پر پورا اترتا ہے اور کون سا فرقہ ۳۰ معیار پر پورا نہیں اترتا۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الحق والملة والدين قدس سرہ الغریز نے بھی اسی فرمان صداقت نشان کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اہل اسلام کی خیر خواہی اور بھلائی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رسالہ "مذہب شیعہ" تالیف فرمایا اور اس میں رشد و ہدایت اور فوز و فلاح کی ضامن اور گمراہی و ضلالت سے تحفظ اور سلامتی کی مشکل صورت ان کے سامنے رکھی اور اہل اسلام کے اختلاف و نزاع کو کم کرنے بلکہ ان میں باہمی اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی سعی جمیل فرمائی اور شیعہ سنی کی حدیثوں پرانی آدینش اور جنگ و جدال کو ختم کرنے کے لیے گویا ایک مصالحتی فارمولا فریقین کے سامنے رکھا اور اس آئینہ میں ہر ایک کو اپنے نظریہ کی حقیقی صورت دیکھنے کی دعوت دی۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے قارئین کو معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اور اہل بیت کا متفق علیہ راستہ کونسا ہے۔ اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اہل بیت کی طرف منسوب نظریات و عقائد میں سے صحیح اور حقیقی نظریہ عقیدہ وہی ہو سکتا ہے جس کو قرآن مجید کی تائید اور موافقت حاصل ہے۔ اور جو قرآن مجید کے برخلاف اور برعکس ہے وہ ان پر بہتان ہے اور افتراء محض، نیز جس طرح قرآن ظاہر و باہر ہے اور ہر ایک کے سامنے کھلا ہوا ہے اسی طرح اہل بیت کا حقیقی مذہب بھی وہی ہو سکتا ہے جو انہوں نے اعلیٰ رؤسِ اخلاق پر لایا جس کا مخراب و سجد اور منہ و سندان پر درس دیا اور ضرورت پڑنے پر جس کو تلواروں کی چھاؤں، تیروں کی بارش اور نیزوں کی نگیلی نوکوں کے سامنے بھی پوری جرأت و بی باکی کے ساتھ

بیان فرمایا جس کو ہر مدعی اسلام نے بھی سنا اور اختیار نے بھی، جو کسی ایک فرقہ کے ذریعے نہیں بلکہ جملہ اہل اسلام کے تواتر کے ساتھ۔

ان سے مروی و منقول ہے اور جو
آئین جو ان مردان حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شہروں کو آتی نہیں رو باہی

کی مکمل تفسیر اور عمل نمونہ ہے اور ان مقدس ہستیوں کی شان والا اور مقام بالا کے عین مطابق جو لوگوں کو صداقت و راست بازی، حق گوئی و بے باکی، جذبات و سیاست اور حریت فکر کا درس دینے کے لیے پیا اکٹھے کئے اور حق و صداقت اور صدق و سچائی کی خاطر جان کی بازی لگا دینے اور جام شہادت نوش کرنے کا سبق دینے کے لیے دنیا میں ظاہر کئے گئے قال تعالیٰ: کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر۔ الایہ۔

اس کے برعکس خفیہ ذرائع اور راز دارانہ انداز میں چند مخصوص افراد کی زبانی منقول ہوتے والا اور ائمہ کرام کی طرف منسوب کیا جانے والا مذہب و مسلک جو اس متواتر قطعی الثبوت، علانیہ اور مہر نیم روز کی طرح روشن نظریہ و عقیدہ کے مخالف و معاکس ہو اور قرآن مجید اور فرقان حمید کے بھی سراسر خلاف ہو وہ قطعاً ان مردان حریت آموز اور جو انان سیادت پناہ کا مذہب و مسلک نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے حق میں قابل قبول اور لائق اعتماد و اعتبار، علی الخصوص جب کہ اس عقیدہ و نظریہ کے داعی حضرات کی کتب و جال میں ہی ان راویوں اور ناقلین کے متعلق کذاب و مفتری و جال و ملعون اور یہود و مجوس بلکہ ان سے بھی بدتر ہونے کے قنادی خود ائمہ کرام کی زبانی منقول ہوں اور ان لوگوں کے عقائد فاسدہ اور نظریات باطلہ سے ائمہ کرام براءت اور میزاری کا اظہار کرتے نظر آئیں جس کا مفصل بیان قارئین کی خدمت میں بعد میں پیش کیا جائے گا، تو پھر اس کو مذہب اہل بیت کہنا قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔

الغرض حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے شیعہ کتب معتبرہ سے باحوالہ اور دلکش و

دلپزیر انداز اور باوقار اسلوب بیان کے ساتھ انتہائی نامحانہ اور شفقانہ انداز میں۔
دل آزاری اور دلخراشی سے منزہ اور مبرا لہر زنگارش کے ساتھ اہل بیت کرام کا اصلی اور
حقیقی مذہب اور قرآن مجید کے ساتھ متحد و متفق نظریہ سپرد قلم فرما کر ملت اسلامیہ پر احسان
عظیم فرمایا۔

ترتیب سالہ ”مذہب شیعہ“ اور اس کے مضامین

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا بنیادی مقصد اہل بیت کرام اور صحابہ کرام علیہم
الرضوان کے درمیان اخوت و محبت، ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم، ادب و احترام اور
باہمی مروت و رواداری کا بیان ہے۔ اور علی الخصوص ائمہ اہل بیت کی زبانی صحابہ کرام
اور بالخصوص خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدح و ثنا، تشریف و توصیف
اور ان کے فضائل و مناقب کو بیان کرنا ہے اور ان میں باہمی بغض و عناد، دینی مخالفت
مناہمت اور نظریاتی اختلاف و نزاع کی لغویت اور بطلان کو ظاہر کرنا ہے۔ اور خلافت
خلفاء کی حقانیت و واقعیت کو ثابت کرنا اور خلافت مرتضویہ کی منصوبیت اور اس کی۔
وصایت وغیرہ کے دعادی کو باطل کرنا ہے اور یہی امور اس رسالے کا بنیادی مقصد
اور اس کی روح رواں ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان امور کی حقیقت بھی واضح فرمادی جن
کو خلافت خلفاء کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً حدیث منزلت، حدیث غدیر وغیرہ اور
اسی ضمن میں مطاعن صحابہ میں سے اہم ذریعہ طعن و تشنیع فک تھا۔ اس میں صدیقی
موقف کی حقانیت کو اجاگر فرمایا جس کے بعد شکوک و شبہات کا گرد و غبار آفتاب
حقیقت کے چہرہ سے ہٹ گیا۔ اور اوہام و سادس کی سیاہ گٹھائیں صداقت کے
مہر نیم روز کے آگے سے چھٹ گئیں اور کتاب ائمہ اور عزت و اہل بیت کا اصلی۔
مذہب و مسلک اور متحدہ و متفقہ نظریہ و عقیدہ ہر ایک منصف مزاج اور سلیم العقل مسلمان
پر واضح اور روشن ہو گیا۔

تحریف القرآن

میار حقانیت اور برہان مداقت جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے ثقلین ہیں۔ یعنی کتاب اللہ اور عترت رسول و اہل بیت اور ان کی تعلیمات بھی ظاہر اور واضح ہیں تو پھر اختلاف کیوں؟ اور شیعہ و سنی تفریق اور نزاع و اختلاف کا مقصد کیا؟ یہ سوال ہر شخص کر سکتا ہے اور کیا بھی جاتا ہے۔ اس لئے شیعہ صاحبان کو کو خلاصی اور چھٹکارے کی طرف ہی صورت نظر آئی کہ جس قرآن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمسک کا حکم دیا تھا۔ وہ قرآن ہی باقی نہ رہا اور اصحاب رسول علیہ السلام نے اس میں دل کھول کر رد و بدل اور تفسیر و تحریف سے کام لیا اور اس دعویٰ کے اثبات میں بقول علامہ طبرسی نوری صاحب فصل الخطاب، دو ہزار سے زائد روایات اور اقوال تیار کر لی گئیں۔ اور یہ نظریہ اللہ اہل بیت سے مستفیض بلکہ متواتر روایات سے مقبول ہونے کا دعویٰ کر دیا گیا۔ اور محدث بھر نعمت اللہ الموسوی نے انوار النعمانیہ میں اس پر شیعہ کا اجماع نقل کیا اور ۱۱۲ھ تک صرف تین شیعہ علماء کو مستثنیٰ کیا اور ان کے متعلق بھی بتلایا کہ انہوں نے انکار تحریف صرف زبانی از روئے تفسیر کیا ہے تاکہ سنی لوگ یہ طعن و تشنیع نہ کر سکیں کہ جب اس کو درست تسلیم نہیں کرتے تو اس کی نماز میں تلاوت کیوں کرتے ہو اور اس سے احکام کا استنباط کیوں کرتے ہو ورنہ درحقیقت وہ بھی تحریف کے قائل ہیں اور خود انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف پر دلالت کرنے والی روایات نقل کی ہیں۔

الثالث ان تسلیم تو اترھا عن الوحی الالہی
و کون الكل قد نزل به الروح الامین
یفضی الی طرح الاخبار المستفیضة بل
بل المتواترة الدالة بصریحها علی وقوع
التحریف فی القرآن کلاما ومادة واعرابا
مع ان اصحابنا رضوان اللہ علیہم قد اطبقوا

على صحتها والتصديق بها، نعم قد خالف فيها
المرتضى والصدوق والشيخ الطبرسي وحكموا بأن
ما بين دفتي هذا المصنف هو القرآن المنزل
لا غير (إلى) والظاهر أن هذا القول إنما صدر منهم
لأجل مصالح كثيرة، منها سد باب الطعن عليها
بأنه إذا جاز هذا في القرآن فكيف جاز العمل
بقواعد وأحكامه مع جواز لحوق التعريف لها
وسياق الجواب عن هذا كيف وهو (إلى) الإعلام
روا في مؤلفاتهم أخباراً كثيرة تشتمل على وقوع
تلك الأمور في القرآن وإن الآية هكذا انزلت ثم غيرت
إلى هذا. (انوار نعيانية جلد ثانی ص ۳۵)

اور علامہ نعمت اللہ صاحب نے خود اس مشکل کا حل یہ نکال لیا کہ اصل قرآن کے
ظاہر ہونے تک حکم اللہ کے تحت اسی سے کام چلانے کی اجازت ہے اور جب اہل قرآن
ظاہر ہو گئے تو اس کو اٹھالیا جائے گا اور اس پر عمل ممنوع ہو جائے گا۔

فإن قلت كيف جاز القراءة في هذا القرآن مع
ما لحقه من التغيير قلت قد روى في الأخبار أنهم
عليهم السلام أصرروا شيعةهم بقراءة هذا الموجود
من القرآن في الصلوة وغيره والعمل بأحكامه حتى
يظهر مولانا صاحب الزمان فيرفع هذا القرآن من
أيدي الناس إلى السماء ويخرج القرآن الذي الفه أمير
المؤمنين فيقرأ ويعمل بأحكامه (انوار النعمانية جلد ثانی ص ۳۶)
الفرق اہل تشیع نے ہمیشہ بخوبی موجود قرآن کو اصلی اور واجب العمل تسلیم کرنے
اور اس کو میاں صداقت مدار ہدایت تسلیم کرتے سے انکار کر دیا اور اس طرح نقل اکبر

کی پابندی سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے لیا۔ اس مناسبت سے حضرت شیخ الاسلام نے بحث تحریف کو ابتدائی اوراق میں ذکر فرمایا اور اس کی نقویت اور بطلان کے اظہار میں الشمس ہونے کی وجہ سے اس کے ابطال پر زیادہ زور نہ دیا۔

نظریہ تقیہ کی ایجاد

جب اہل تشیع نے دیکھا کہ ہم نے قرآن مجید کی اطاعت و اتباع سے غلامی اور چٹکارے کی جو صورت نکالی ہے وہ بالکل بے سود اور غیر مفید ہے کیونکہ اہل بیت کا مذہب و مسلک اور ان کے ارشادات اور بیانات ہمارے خلاف ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ہمارے اس نظریہ و عقیدہ کی ترویج و اشاعت ممکن نہیں ہے تو اس کامل تقیہ کی صورت میں نکال لیا گیا کہ اہل بیت کرام اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما خوف اعداء کی وجہ سے اصلی نظریہ و عقیدہ زبان پر نہیں لا سکتے تھے اور ہمیشہ تقیہ پر عمل پیرا رہے حتیٰ کہ حضرت امیر نے اپنے دو خطابت میں **ہم سرزمین حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے جو فضائل محمد و مدارج منقول ہیں وہ بھی اسی تقیہ پر مبنی ہیں اور اپنے حقیقی نظریہ کو چھپانے کے لیے تاکہ مخالفین کو حقیقی نظریات کا پتہ چلنے پر لشکر میں افرا تفری پیدا کرنے اور اسے آپ سے جدا کرنے اور آپ کے اکیلے اور بے یار و مددگار بنا دینے کا موقعہ نمل سکے، اس لیے ان کے اس قسم کے خطبات اور ارشادات کا ارشادات کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ سیاسی چال تھی یا جان بچانے کی کوشش۔ اس لیے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے اس نظریہ کو بھی بیان فرمایا اور شیعہ صاحبان کے راہ تقیین سے عدول کا جواز پیدا کرنے کی مذموم چال اور گناہی سازش کا انکشاف کر کے حضرت امام حسین شہید کربلا اور شہید راہ وفا کے عمل سے اس بہتان و افتراء کے بچنے اور میٹر کر رکھ دیئے بلکہ اس کی دجیاں اڑا کر رکھ دیں اور اہل بیت کے مقدس دامن سے اس گروہ و غبار بلکہ غلاظت و نجاست کو صاف کر دیا۔**

شیعہ مذہب کا بانی

جب مدار ہدایت قرآن مجید اور اہل بیت تھے اور ان دونوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرا دیا گیا اور ان کے علاوہ ہر چشمہ ہدایت اصحاب رسول تھے جن کے متعلق سرور عالم - صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اصحابی کا بنجوم بایہم اقتدیتمو اہتدیتمو“ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی اقتداء و اتباع کرو گے ہدایت پا لو گے (جس کو خود شیعی علماء نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو انوار نعمانیہ جلد اول ص ۱۱۱) مگر ان کو بھی صرف چار کے استثناء کے ساتھ مرتد کہہ دیا گیا۔ تو ذی اللہ اور ان چار کو بھی تقریباً تسلیم کیا گیا اور اس طرح اسلام کی بنیاد و اساس اور اس کی صداقت کے مدار و معیار کو - العیاذ باللہ منہم اور معدوم کرنا لازم آگیا جس کی جرأت کوئی حقیقی مسلمان کیونکر کر سکتا تھا اس لیے یہ کھوج لگانا ضروری تھا کہ اہل اسلام میں ان غلط اور مخالف حقیقت نوا اور باطل نظریات کو داخل کرنے والا کون ہے؟ اور اہل بیت کی محبت و عقیدت کے دعووں کے پردہ میں پوشیدہ اور مستور پردگی کی حقیقت کیا ہے اس لیے حضرت شیخ الاسلام نے شیعہ کتب سے ہی ثابت کیا کہ دراصل یہ یہودی سازش ہے اور عبداللہ بن سبا یہودی اس مکر و فریب کے جال کو بننے والا ہے اور آفتاب حقیقت کو اس عنکبوتی جال سے پھپھانے کی۔ مذموم سعی کرنے والا ہے۔

قاتلان حسین کون؟

ہر دعویٰ کی صحت و واقعیت کا اعلیٰ معیار مدعی کا اعلیٰ و کردار ہوا کرتا ہے اس لیے مدعیان محبت و قوتی کے عمل و کردار کا اعلیٰ نمونہ پیش کرنے کے لیے حضرت شیخ الاسلام نے بتلایا کہ امام مظلوم کو بلا تے والے کون تھے اور پھر ان کے اور نو نہالان گلستان زہراء کے خون سے ہاتھ رنگنے والے کون تھے تاکہ عمل و کردار کے آئینہ میں مدعی کا اعلیٰ روپ اور حقیقی چہرہ سامنے آ سکے اور عام اہل اسلام کو شکر چہرے زہر سے بچانے کا اہتمام ہو سکے۔

بعض فردعی مسائل

جب اس فرقہ کی حقیقت و ماہیت واضح ہو گئی اور جامع تعریف و کامل تصویر کا حق ادا ہو گیا تو بعض فردعی مسائل جو وجود خارجی کے مشخصات کا کام دینے والے تھے اور تعریف و ماہیت کے بعد بیان خواص کے زمرے میں آتے تھے ان کو بیان فرما کر رسالہ کو ختم فرمایا۔

علامہ محمد حسین ڈھکو

۱۹۵۶ء میں تصنیف ہونے والے اس مختصر سے رسالہ کا جواب ۱۹۶۶ء میں۔
 ”مفتیر یہ الامامیہ“ کے نام سے علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب کی قلم سے منصفہ طور پر آیا جس کی تصنیف و تالیف پر سولہ سال صرف ہوئے۔ خیال تھا کہ علامہ موصوف نے خوب داد تحقیق دی ہوگی اور حضرت شیخ الاسلام کے ہر حوالہ بلکہ ہر جملہ کا مکمل تحقیقی جواب دیا ہوگا مگر جب اس رسالے کا مطالعہ کیا تو یہ خیال سراسر سراب ثابت ہوا اور علامہ موصوف کے حجتہ الاسلام ہونے اور مجتہد العصر ہونے کا بھانڈا چوڑا ہے میں پھوٹ گیا۔

- ۱۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی پیش کردہ آیات کو ہاتھ تک نہ لگایا۔
- ۲۔ نہج البلاغہ اور اس کی شروح اور ان کے علاوہ اکثر حوالوں کو اس طرح ہضم کیا کہ ڈکارت تک نہ لیا۔

۳۔ بعض حوالہ جات کے انتہائی واضح ہونے اور کتاب کے اسی صفحہ پر مرقوم ہونے کے باوجود بڑی بے باکی سے کہہ دیا کہ یہ حوالہ نہ ملتا تھا اور نہ ملا حالانکہ ہم نے صرف حوالہ جگہ نہیں بلکہ دوسرے متعلقہ مقامات بھی چھان مارے مگر اس کا سراغ نہ ملا۔

(۴) پھر اپنی تحقیق و تدقیق بیان کرنے کی بجائے ایک جگہ حکیم امیر دین کا بے سرو پا اور مہمل طویل مقالہ و رسالہ نقل کر دیا اور بعض جگہ دوسری مناظرانہ کتب کی عبارات نقل

کردیں اور کہیں اپنی دوسری کتابوں سے ربط و تعلق کا لحاظ کیے بغیر عبارت نقل
 کر دیں اور باریں ہمہ شکل، اصغرات پر مشتمل رسالہ معرض وجود میں آیا جب کہ اس میں
 حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ کے اقتباسات بھی ہیں تو اس سے آپ علامہ ڈھکو
 صاحب کے اس جوابی رسالہ کی حیثیت کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔

۵۔ علاوہ انہی رسالہ میں علامہ موصوف نے صرف شاعرانہ تخیلات اور خیالی پرواز اور
 کھوکھے دعاوی کے ساتھ ساتھ نہایت غلط، گندی اور اخلاق سے گری ہوئی زبان۔
 استعمال کی جو صرف بازاری گنواروں کو ہی زیب دیتی ہے اور علماء و فضلاء ملک عام شرفاء
 بھی اس سے کوسوں دور رہنے میں ہی عاقبت سمجھتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے۔
 کہ دلائل کے جواب سے بجز ناتوانی نے علامہ موصوف کو یہ حربہ اختیار کرنے پر مجبور کیا
 کہاں شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا سقارب دلجو، ناصحانہ اور شفقانہ انداز بیان اور
 سرا سر خیر خواہی اور بھلائی پر مبنی دردمندانہ دعوت غور و فکر اور کہاں یہ گالی گلوچ اور
 سوقیانہ و بازاری انداز تکلم! سچ ہے ۵

مہ نشان نور سنگ عود کوکترا

علامہ موصوف کی اُمت محمدیہ میں افتراق و

انتشار کی سعی مذموم

بعض منصف مزاج شیعی علماء نے کہا ہے کہ شیعی طرق و اسانید سے جو شکوے اور
 شکایات خلفاء ثلاثہ کے متعلق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں اگر ان کا انکار
 بھی کر دیا جاوے تاکہ اہل اسلام میں صلح و اشتی پیدا ہو سکے اور ان سادات امت اور
 مقتدایان امت کے متعلق باہمی اتحاد و اتفاق، رفق و مدارات اور احسان و مروت کے
 اثبات سے عوام اہل اسلام کے قلوب و اذہان میں اخوت اور بھائی چارے کے جذبات
 پیدا کئے جاسکیں تو یہ بہت اچھا مقصد اور مستحسن اقدام ہے۔ چنانچہ علامہ ابن میثم نے

شرح نہج البلاغہ میں اور صاحب درۃ نجفیہ نے بھی شرح نہج البلاغہ میں خطبہ شقیقہ کے تحت انہیں خیالات کا بایں الفاظ اظہار کیا ہے۔

أما المنكرون لوقوع هذا الكلام منه عليه السلام فيحتمل انكاره وهو وجهين: أحدهما ان يقصدوا بذلك توطئة العوام وتسكين خواطرهم عن إثارة الفتن والتعصبات الفاسدة ليستقيم امر الدين ويكون الكل على نهج واحد فيظهر والهم انه لم يكن بين الصحابة الذين هم اشراف المسلمين وساداتهم خلاف ولا نزاع ليقترن بحالهم من سمع ذلك وهذا مقصد حسن ونظر لطيف لوقصد (شرح ابن ميثم جلد اول ص ۲۵۱، درۃ نجفیہ ص ۶۱)

لیکن جن لوگوں نے اس کلام موسوم بخطبہ شقیقہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صادر اور مرزد ہونے کا انکار کیا ہے تو ان کا انکار دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے اول یہ کہ ان کا مقصد عوام کو مطمئن کرنا اور ان کے دلوں میں تسکین پیدا کرنا اور انہیں فتنہ انگیزیوں اور تعصبات فاسدہ سے باز رکھنا ہے تاکہ امر دین درست اور استحکام پذیر ہو اور سب اہل اسلام ایک راہ پر گامزن ہوں اس لیے ان کے سامنے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جو امت کے سرور ہیں اور ان میں سے اشراف ان میں باہمی اختلاف و نزاع نہیں تھا تاکہ ستنے واسے بھی ان کی اقتداء و اتباع کریں اور یہ اچھا مقصد، لطیف نظر اور پاکیزہ سوش ہے کاش کہ اس کا قصد کیا جاتا ہے

ایک طرف شیعہ اکابر امت سے اختلاف و نزاع کو دور کرنے اور ان کے درمیان سے شر و فساد اور تعصبات فاسدہ دور کرنے کے لیے بقول علماء شیعہ بطریق تواتر ثابت خطبہ میں ایسے الفاظ کے انکار کو مقصد حسن اور نظر لطیف قرار دے رہے ہیں جو موجب اختلاف امت ہو اور باعث نزاع و انتشار مگر دوسری طرف علامہ محمد کوثر صاحب

ہیں کہ صحیح اور مستند روایات اور ارشادات الہیہ سے ثابت شدہ فضائل و خلائد کا مدن ۔
 دہاڑے انکار کر رہے ہیں اور پھر ایسا دلخراش انداز اور روح فرسا اسلوب بیان اور
 مقربان بارگاہ رسالت کے حق میں ایسی گستاخی و بے باکی کہ اس تحریر کو پڑھنے والا یہی
 محسوس کرتا ہے کہ یہ تحریر ان مقدس ہستیوں کے ہاتھوں لکھی گئی ہے نہ کہ کسی
 یہودی یا مجوسی کی ہے جو میدان کارزار میں ذلت آمیز شکست اٹھانے کے بعد زبانی سب
 و شتم کے ذریعے دل کی بھڑاس نکالنے پر تلا ہوا ہے نہ کہ کسی مدعی اسلام کی جو ان ہستیوں
 کی راہ خدا میں دی ہوئی قربانیوں سے واقف ہو اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان
 کے قریبی تعلق سے اور شجر اسلام کی آبپاری کر کے اسے اور ج شریات تک پونہ جانے کا علم
 رکھتا ہو ۔

الغرض علامہ موصوف نے امت میں افتراق و انتشار کی غلیج وسیع تر کرنے کی ناپاک
 سعی کی ہے جب کہ حضرت شیخ الاسلام کے سامنے امت کے اتحاد و اتفاق کا مقصد رفیع
 اور اہل اسلام کی یکجہتی، بھائی چاہتھا اور یہ نیک مقصد اور مستحسن اقدام ہر مدعی اسلام کے دل
 کی دھڑکن تھا اور ان کے قلب و روح کی آواز گمراہ ہو سبائی ذیلت کا جو ہر ایسے اقدام
 اور تدبیر و اہتمام کو سبوتاژ کرنے پر ہر وقت کمر بستہ ہے جو اہل اسلام میں وحدت فکر اور
 یکجہت پیدا کرنے کا موجب ہو اور سادات امت اور اشراف ملت کو اپنے خبیث طینت
 سے مورد طعن و تشنیع بنا کر ابناء اسلام میں باہم سر پھٹوں اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے
 کے درپے رہتی ہے ۔

تحفہ حسینیہ

رجال علامہ دعو کو صاحب کی یہ جوابی کوشش صرف کھسیانی بلی کے کھبا نوچنے
 کی ناکان کوشش تھی اور ان کا یہ رسالہ گالی گلوچ، سب و شتم، گستاخی و بے باکی اور
 دھمکانی و بے حیائی پر مشتمل پلندہ تھا اور قطعاً اس قابل نہیں تھا کہ اکابرین اہل سنت

اس کے جواب یار و قدر کی طرف التفات فرماتے چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ، لیکن اس بے التفاتی کا ایک دوسرا نقصان وہ پہلو بھی تھا کہ علامہ موصوف اس کو اپنی لاجواب شاہکار تصنیف قرار دیتے اور جھوٹے دعوے کرتے اور شونیوں و تعلیموں سے کام لیتے پھر اس رسالہ مذہب شیعہ کی تصنیف و تالیف میں بندہ کا بھی اس قدر حصہ تھا کہ حضور شیخ الاسلام بولتے جاتے تھے اور میں لکھتا جاتا تھا جب کہ دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام میں بحیثیت ایک طالب علم حاضر تھا اس لیے میں نے اپنا حق خدمت دوبارہ ادا کرنے کے لیے دھکوا صاحب کے رسالہ کا رد لکھنے کا عزم مصمم کیا اور بحمدہ تعالیٰ مشائخ کرام اور اساتذہ کرام کی توجہات قلبیہ کا صدقہ صرف دو ماہ سترہ دن کی قلیل مدت میں مبسوط کتاب لکھ کر تخریرہ الامامیہ کے اندر ہندرج ہرکید و کمر کی پوری طرح قلعی کھول دی اور علامہ موصوف کی شونیوں اور تعلیموں کی حقیقت اور بلند بانگ و سادہ کی حیثیت ناظرین کے سامنے ہر نیم روز کی طرح واضح کر دی ہے اور آفتاب نصف النہار کی مانند یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اللہ کرام کا حقیقی مذہب جو ان سے اہل اسلام کے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور جس پر ثقل اکبر قرآن مجید شاہد صادق اور دلیل ناہق ہے وہ صرف اور صرف اہل السنۃ والجماعت والا مذہب و عقیدہ ہی ہے جو کہ حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ ”مذہب شیعہ“ کا حقیقی مقصد اور اصلی مدعا تھا نہ وہ جو ذکر صاحبان شکم پروری زرا اندوزی اور عوامی جذبات مشتعل کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں یا دھکوا صاحب جیسے شرا نگیز حجتہ الاسلام!

وجہ تسمیہ

جو کہ شیعہ صاحبان کو تحریف قرآن اور تفسیر کا سہارا ہے بغیر اپنا مدعا و مقصد اور نظریہ و عقیدہ ثابت کرنا ممکن نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر انہوں نے ہی بہتان باندھا کہ اصلی قرآن آپ نے تالیف فرمایا مگر صحابہ نے اس کو قبول نہ کیا تو آپ نے اس کو غائب کر دیا اور پھر دوران خلافت بھی وہ تفسیر برقرار رہا اور اسی تحریف شدہ قرآن پر عمل پیرا ہے۔

اور اپنے ضمیر کی آواز بلند نہ کر سکے اور خلفاء ثلاثہ کی سنت اور سیرت پر عمل کر کے وقت گزارنے میں عاقبت کبھی جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں غریب الوطنی و محافزی بے سرو سامانی، بھوک و پیاس کی شدت، نونا لوں کی شہادت اور ررقاء و خدام کے قتل ہو جانے جیسے صبر آزمات بلکہ دل دہلانے والے منظر کو دیکھتے ہوئے بھی تقیہ نہ کر کے اور زمانہ سازی سے کام نہ لے کر اور یزیدی قوت کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر کے شیر خدا پر عائد کردہ اس افتراء و بہتان کو اپنی جوتی کی نوک سے ٹھکرا دیا اور یہ واضح کر دیا کہ ہم حق کی خاطر کٹ تو سکتے ہیں مگر باطل کے سامنے نہ جھک سکتے ہیں اور نہ ہی ازراہ زمانہ سازی باطل کے ساتھ سازگاری اور موافقت ہی کر سکتے ہیں اور یہی سبق آپ نے اہل اسلام کو میدان کربلا میں اپنے خون سے رقم کردہ انٹ تحریر سے دیا کہ ہمیں قطعاً بزدل، ڈر پوک اور تقیہ باز نہ سمجھنا اور یہ نہ تو میرے اسلاف کا مذہب ہے اور نہ ہی میرا مذہب ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز میرے خاندان کے غیور افراد بھی اسی راہ پر گامزن ہوں گے جس طرح کہ میرے ساتھ والے میرے اعزہ اور گلستان زہرا کی مسکراتی کلیوں نے اور بستان نبوی کے ہلکتے پھولوں نے بھی سرد صحر کی بازی لگادی مگر تقیہ نہ کیا اور زمانہ سازی سے کام نہ لیا اور آپ کا یہی عمل اور آپ کے ساتھیوں کا یہی کردار شیر خدا رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ اہل بیت کے مذہب و مسلک اور نظریہ و عقیدہ کی تفسیر و تعبیر ہے اور یہی ہم اہل سنت کا مذہب ہے۔ اس لیے میں نے اپنی اس کتاب کو تحفہ حسینہ کے نام سے موسوم کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور مدعیان محبت و قوتی کو شہید کر بلا امام حسین کے کردار و عمل کا آئینہ دکھلایا ہے تاکہ ان کے قلب و فکر میں کہیں حقیقت پسندی اور حق بینی کا جوہر چھپا ہو تو وہ ظاہر و آشکار ہو جائے و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔ ان ارید الا کا الاصلاح و ما توفیقی الا باللہ علیہ تو کلت والیہ انیب۔

اعتذار مؤلف

علامہ دسکو صاحب کے دلخراش و دلسوز اور میر آزمانہ تحریر کے باوجود بندہ نے

حتی المقدور اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز کیا ہے اور متانت و سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا اور جواب ال غزل کے انداز سے اقتباب کی مقدور بھر سخی کی ہے لیکن پھر بھی اگر کہیں شدت جذبات سے ایسا کوئی لفظ زبان قلم پر بالیقین طاس پڑا گیا ہو تو میں علامہ موصوف سے معذرت خواہ ہوں کیونکہ میرے ضمیر اور ضمیر کا تقاضا یہی ہے کہ دانستہ اور عمدہ کسی دشمن کی بھی دلازاری نہ کی جائے نیز ہماری مجبوری بھی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام اور بالخصوص خلفاء راشدین کی بھی بارگاہ میں کی جانے والی گستاخیاں اور بے ادبیوں کا ان مولوی صاحبان کو گالیاں دینے سے بدلہ پورا ہونے نہیں سکتا اور جن کی طرف داری کے یہ دعویدار ہیں ان کی محبت و عقیدت ہمارا جزو دین اور دین ایمان ہے بلکہ عین ایمان اور روح ایمان ہے ان کی گستاخی و بے ادبی کا ہم خواب میں بھی تصور اور خیال تک نہیں کر سکتے لہذا ہمارے لیے سوائے صبر و تحمل کے اور چارہ ہی کیا ہے۔ فافوض امری الی اللہ واللہ بصیر بالعباد!

تحفہ حسینیہ کا اسلوب بیان

سب سے پہلے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے رسالے کا متعلقہ حصہ حرف بحرف نقل کیا گیا ہے تاکہ مکمل رسالہ بھی اس تحفہ میں شامل ہو کر اس میں خیر و برکت کا موجب ہو پھر جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے اپنی طرف سے بطور تہمت و تکملہ مزید حوالہ جات اور دلائل و براہین ذکر کئے ہیں بعد ازاں علامہ ڈھکو صاحب کے رسالہ "تہذیب الامامیہ" کا متعلقہ حصہ انہیں کے الفاظ میں نقل کیا ہے مگر اختصار کے ساتھ اور بعد ازاں اس کا شوق دار و ذکر کے یہ فیصلہ ناظرین و قارئین پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ تحفہ حسینیہ کے مہر و نیروز کی تیز روشنی میں خود ہی بتلائیں کہ حق و صداقت کس طرف ہے اور رد و جہل و فریب کس طرف۔

اٹھارٹھ شکر

میں ضیاء ملت حضرت قبلہ پیر محمد کرم شاہ صاحب مظلہ العالی کا بہت ہی شکر گزار ہوں جنہوں نے ضیاء القرآن پبلیکیشنز جیسا عالی شان اور مفید ترین ادارہ قائم کر کے اہل سنت پر عظیم احسان فرمایا کہ جب بھی کوئی صاحب قلم کوئی کتاب اور رسالہ تالیف و تصنیف کرتا ہے تو اسے اس کی کتابت، طباعت اور اشاعت کے لیے فکر مند ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یہ ادارہ اور اس کے اراکین اس بارگراں سے اس قلم کار کو سبکدوش کر دیتے ہیں بلکہ اس کی کاوش اور محنت کو اپنے حسن اہتمام سے چار چاند لگا کر افادہ عوام کیلئے مارکیٹ میں لے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کے بانی اور سرپرست کو عظمیٰ عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات دائم و قائم رکھے اور اس ادارہ کو بھی دن دو گنی رات چو گنی ترقی عطا فرمائے اور اس کے معاونین، اراکین اور خدام کو جزائے جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین!

رسالہ مذہبِ شیعہ از حضرت شیخ الاسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِكَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَعَلَى
آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

آج کل خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافتِ راشدہ کے انکار میں جس شور اور شر کے مظاہرے کیے جا رہے ہیں اور اُمتِ مرحومہ کی آخرت تباہ کرنے اور اس دنیا میں افتراق و انشقاق اور فتنہ و فساد کی آگ مشتعل کرنے میں جو ہنگامے برپا کیے جا رہے ہیں اور اس تمام فتنہ پر دازی اور شرانگیزی پر پردہ ڈالنے کے لیے محبت و توتلی اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور آئمہ معصومین صادقین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اقتداء اور پیروی کا دم بھرا جاتا ہے اگر اہل بصیرت فرقہ اہل تشیع کے نظریات کا بغور مطالعہ کریں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی اور سلفِ صالحین کے ایمانی جذبات اور ان کی محیر العقول سلامی خدایا کی انجام دہی اور ان کی عقل و ادراک سے بالاتر قربانیاں بھی مطالعہ کریں تو وہ حضرات نہایت آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اہل تشیع کا نظریہ اور شریعتِ اسلامیہ کے درمیان مکمل مخالفت اور مناقضت کی نسبت ہے اور ان کا دعویٰ محبتِ اہل بیت کرام سرسبز دلائل سے مذہبِ شیعہ کی ابتداء کیسے ہوئی اور کب ہوئی تو اس کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں عرض کیا جائے گا۔

سریست یہ گزارش کرنا ہے کہ اہل تشیع نے اپنے مخصوص مذہب کی بنا ایسی روایات پر رکھی ہے جو انتہا درجہ محدود ہے کہ احادیث کے عینی شاہد یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی تعداد تاریخِ عالم کی رُو سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے اور بجز اہل تشیع کے

باقی تمام اقوام عالم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کی تعداد اس سے کم نہیں بتاتے تو اس قدر تعداد میں سے صرف چار یا پانچ آدمی کی روایت قابل تسلیم اور باقی تمام کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات ناقابل تسلیم یقین کرتے ہیں۔

دوسرا جن اصحاب سے اور اماموں سے روایتیں لینا جائز بتاتے ہیں ان کے متعلق اس ضروری عقیدہ کا دعویٰ کرتے ہیں کہ تقیہ اور کذب بیانی ان کا دین اور ایمان تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

تقیہ کا ثبوت اہل تشیع کی کتب سے

چنانچہ اہل تشیع کی انتہا درجہ معتبر کتاب ”کافی“ مصنفہ راجل تشیع کے مجتہد اعظم ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی میں مستقل باب تقیہ کے لیے مخصوص ہے اور اس کو اصول دین میں شمار کرتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک دور روایتیں امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب پیش کرتا ہوں۔

۱۔ عن ابن ابي عمير الامعبي قال قال لي ابو عبد الله عليه السلام يا ابا عبد الله ان تسعة اعشار الدين في التقية ولا دين لمن لا تقية له۔

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خاص شیخ ابن ابی عمیر الامعبی سے فرمایا کہ دین میں نوے فیصدی تقیہ اور جھوٹ بولنا ضروری ہے اور فرمایا کہ جو تقیہ (جھوٹ) نہیں کرتا وہ بے دین ہے (باقی دس کی کسر بھی نہ رہی)

دیکھو اصول کافی صفحہ ۴۸۲ اور صفحہ ۴۸۳ پر بھی کثرت کے ساتھ روایات ہیں جن میں سے دو تین نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں

۲۔ عن ابی بصیر قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ ؟ قلت من دین اللہ ؟ قال ای واللہ من دین اللہ ۔
یعنی ابوبصیر جو امام عالی مقام امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا وزیر و مشیر تھا اور روایت میں اہل تشیع کا مرکز ہے کہتا ہے :

کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے میں نے عرض کیا کہ اللہ کا دین ہے ؟ تو امام صاحب نے فرمایا : اللہ کی قسم ہاں تقیہ (جھوٹ) اللہ کا دین ہے ۔

۳۔ عن عبد اللہ ابن ابی یعفور عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال اتقوا علی دینکم واحجبوا بالتقیۃ فانہ لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ ۔

یعنی ابن ابی یعفور جو امام عالی مقام صادق علیہ السلام کا ہر وقت کا حاضر باش تھا وہ کہتا ہے کہ :

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا : کہ تم اپنے مذہب پر خوف رکھو اور اس کو ہمیشہ جھوٹ اور تقیہ کے ساتھ چھپائے رکھو کیونکہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں ۔

اور صفحہ ۴۸۴ کی روایات میں سے بھی ایک دو روایتیں پیش کرتا ہوں

۴۔ عن معمر بن خلاد قال سئلت ابا الحسن علیہ السلام عن القيام للولایۃ فقال قال ابو جعفر علیہ السلام التقیۃ من دینی و دین آباءی و لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ

یعنی حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص شیعہ معمر بن خلاد کہتا ہوں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے یہ سئلہ دریافت کیا کہ ان کے امیروں اور حاکموں کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ تقیہ کرنا

میرا مذہب ہے اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)
اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

اسی طرح اسی صفحہ پر محمد بن مروان اور ابن شہاب زہری کی روایتیں بھی قابلِ دید
ہیں علیٰ ہذا القیاس صفحہ ۲۸۵، ۲۸۶ اور ۲۸۷ تمام کے تمام یہ صفحات تقیہ، مکروفریب
اور کذب بیانی پر مشتمل روایات سے مملو ہیں۔

۵۔ صفحہ ۲۸۶ پر معلیٰ بن الخنیس کی ایک روایت بھی یاد رکھیں، وہ کہتے ہیں:

عن معلی بن خنیس قال قال ابو عبد الله عليه السلام يا معلى
اكرم امرنا ولا تذعده فانه من كتموا امرنا ولو يزعم
اعنك الله به في الدنيا وجعله نورا بين عينيه في الآخرة
تقوه الى الجنة يا معلى من اذاع امرنا ولو يكتسه اذله الله
به في الدنيا ونزع نورا من بين عينيه في الآخرة وجعله
ظلمة تقوه الى النار يا معلى ان التقية من ديني ودين
آبائي ودين لمن لا تقيه له

یعنی امام جعفر صادق صاحب کاشیہ خاص اور امام صاحب موصوف سے کثیر
الروایات معلیٰ بن خنیس کہتا ہے کہ:

امام صاحب نے مجھے فرمایا کہ ہماری باتوں کو چھپاؤ اور ان کو مت ظہر
کرو کیونکہ جو شخص ہمارے دین کو چھپاتا ہے اور اس کو ظاہر نہیں کرتا تو
اللہ تعالیٰ چھپانے کے سبب سے اس کو دنیا میں عزت دے گا، اور
قیامت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور پیدا کرے گا جو
سیدھا جنت کی طرف اس کو لے جائے گا۔ اے معلیٰ! جو شخص بھی ہماری
باتوں کو ظاہر کرے گا اور ان کو نہ چھپائے گا تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اس سبب
سے اس کو ذلیل کرے گا اور آخرت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان
سے نور کو سلب کر لے گا اور اس کے بجائے ظلمت اور اندھیرا بھر دے گا۔

جو اس کو جہنم کی طرف لے جائے گا اے معلیٰ تقیہ کرنا میرا دین ہے اور میرے
آباؤ اجداد کا دین ہے جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

غرضیکہ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر روایتیں ہیں کس کس کو لکھیں اور اہل تشیع کی
جس کتاب کو دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ صادقین و معصومین کی طرف حق کو چھپانے
اور تقیہ و کذب بیانی پر مشتمل روایات منسوب کرنے کی غرض سے یہ کتاب تصنیف فرمائی
گئی ہے۔ چونکہ کتاب ”کافی“ کلینی اہل تشیع کی تمام کتابوں کا منبع اور ماخذ ہے اور تمام
کتابوں سے ان کے نزدیک انتہا درجہ معتبر ہے حتیٰ کہ اس کتاب کے شروع میں اسکی
وجہ تسمیہ میں جلی حروف سے یہ لکھا ہوا ہے:

”قال امام العصر وحجة الله المنتظر عليه سلام الله
أملك الأکبر فی حقہ هذا کاف لشیعتنا“

یعنی اس کتاب کے متعلق امام حجة الله المنتظر مہدی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارے
شیعوں کے لیے یہی کتاب کافی ہے تو اسی لیے اس ضروری مسئلہ تقیہ و کتمان حق
کے ثبوت میں اسی کافی کی روایات کو کافی سمجھتا ہوں دل تو یہی چاہتا ہے کہ ہر ایک
کتاب سے بطور نمونہ ایک ایک روایت پیش کر دوں مگر طوالت کے خوف سے اسی
پر اکتفا کرتا ہوں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جن اصحاب سے روایتیں کرنا اہل تشیع جائز سمجھتے ہیں یا
بتاتے ہیں ان کے متعلق کہتے ہیں کہ تقیہ اور کتمان حق ان کا عقیدہ تھا اب اس کا نتیجہ
ظاہر ہے کہ ایک انتہا درجہ محب اور علمبردار تشیع جو نہی ان حضرات سے کوئی حدیث
سنے گا اور کسی امر کا اظہار معلوم کرے گا اس کے لیے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ صحیح اور حق
بات قطعاً انھوں نے فرمائی ہی نہیں جو بھی ان سے روایت کی گئی ہے سراسر بے حقیقت
اور واقعات کے خلاف ہے اور نفس الامر کے معاکس، وہ مجھلا اپنا اور اپنے آباؤ اجداد کا
دین کیسے چھوڑ سکتے ہیں یا ان کے وہ حاضر باش اور رات دن ان کے خدمت گزار جنت
کو چھوڑ کر جہنم کا راستہ کیسے اختیار کر سکتے ہیں تو لہذا جو روایات بھی اہل تشیع کی کتابوں میں

لکھی گئی ہیں اور جلسوں اور محفلوں میں بلکہ آجکل تو لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے بلند آہنگی کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں سراسر کذب اور واقعات کے خلاف ہیں کون محبِ اہل بیت اور کون شیعہ آئمہ طاہرین کے صریح واضح اور غیر مبہم تاکید کی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بے دین و بے ایمان اور جہتی اور ذلیل ہونا پسند کرے گا۔ اس مقدمہ کو اہل فکر کے غور و خوض کے سپرد کرتا ہوں اور گزارش یہ کرتا ہوں کہ بانیانِ مذہبِ تشیع نے اصل اور حقیقت پر مبنی دین اسلام کو ختم کرنے اور شرعیت مقدسہ کو کلیتہً فنا کر دینے کے لیے یہ سیاسی چال چلی۔

کون شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین جس طرح واسطہ ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت تک آنے والی ساری اُمت کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی واسطہ ہیں اعنی مقدس لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تفسیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی اور اعنی مقدس لوگوں نے صاحبِ اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامیہ اور اعمالِ عالیہ اور سیرت مقدسہ کی دولت کو براہِ راست حضور کی ذات سے حاصل کیا جس کو ان کے شاگردوں یعنی تابعین نے ان سے حاصل کیا۔ علیٰ ہذا القیاس وہ مقدس شریعت ہم تک پہنچی ہے اب جبکہ ابتدائی واسطہ یعنی صحابہ کرام کی ذات قدسی صفات ہی کو قابلِ اعتماد تسلیم نہ کیا جائے۔ یعنی تین چار کے بغیر ظاہری مخالفت کی بنا پر قابلِ اعتبار نہ رہیں اور یہ تین چار باوجود انتہائی دعویٰ محبت و تولی کے سخت ناقابلِ اعتماد ثابت کیے جائیں کہ جو بھی ان کی روایات ہوں گی یقیناً غلط اور خلاف واقعہ امر کی طرف رہنمائی کریں گی یا تو خود ان مہتیروں نے ہی تقیہ و کتمانِ للحق غلط اور خلاف واقعہ فرمایا اور یا ان کے مہمانِ خدمت گاران شیعوں نے یہ تعمیل آئمہ کذب، جھوٹ اور خلاف واقعہ روایت فرمائی بہ صورتِ ان روایات کو صحیح کہنا اپنی بے دینی اور بے ایمانی پر واضح دلیل پیش کرنا ہے۔

تتہزہیہ الامامیہ
از علامہ محمد حسین دہلوی
باب اول _____ فصل اول

مسئلہ تقیہ اور اسلام

پیر سیالوی نے اپنا سلاف کی تقلید و تاسی میں سب سے پہلے مسئلہ تقیہ پر طبع آزمائی فرمائی ہے اور اپنے نامہ اعمال کی طرح رسالہ کے قریباً آٹھ صفحات سیاہ کر ڈلے ہیں۔ اصل حقائق کو مسخ کر کے اور توڑ مروڑ کے پیش کیا ہے۔ مذہب حق کے خلاف دل کھول کر زہر اگلا ہے مگر افسوس کام کی کوئی ایک بات بھی نہیں کی (ص: ۱۰)

تحفہ حسینیہ _____ محمد اشرف سیالوی

دھکڑ صاحب بلا وجہ آتش زیر پا ہو گئے اور دریدہ دہنی پر اتر آئے ہیں اور پوری کتاب میں ان کے جواب کا دار و مدار اسی گالی گلوچ پر ہی ہے اور بقول سعدی شیرازی سے

اذا میں الانسان طال لسانہ

جوابات سے عاجز اگر گندی زبان سے اس کمی و کوتاہی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

مقام غور ہے کہ روایات اہل تشیع کی کتاب ان کی جس پر امام منتظر کی تائید و تصدیق اور اس کے شیعہ کے لیے کافی ہونے کا مشرودہ جانقرا اور اس سے منقول روایات

آئمہ کرام کی طرف منسوب پھر ایک عنوان قائم کر کے ان کو درج کیا گیا جس سے صاف ظاہر کہ عنوان دعویٰ ہے اور اس کے تحت مندرج روایات اس پر دلائل اور شواہد ہیں اندریں صورت اگر روایات پر از روئے اسنادات جرح و قدح کی گنجائش ہو تو بھی مذہبے مسلک اور عقیدہ تقیہ میں خلل پیدا نہیں ہو سکتا بلکہ دوسرے دلائل کی طرف رجوع کر لیا جائے گا کیونکہ مسلم قانون ہے کہ ایک دلیل کے بطلان سے دعویٰ کا بطلان لازم نہیں آتا۔ لہذا ڈھکوصاحب کا دعویٰ کہ اپنے نامہ اعمال کی طرح اوراق سیاہ کیے اور کام کی کوئی ایک بات بھی پیش نہیں کی۔ سراسر سینہ زوری ہے بلکہ منہ زوری۔ اور اپنی روایات کا مذاق اڑانے کے مترادف کیونکہ اگر وہ صحیح ہوتیں اور کسی کار خیر مشتمل تو ان کا ذکر کار آمد بات ہوتی اور موجب نورانیت نہ کہ نامہ اعمال کو سیاہ کرنے کے مترادف بلکہ اگر صرف لکھنے والا اور وہ بھی حقیقت حال کی طرف توجہ دلانے کے لیے اس تنزل کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر اس پر عمل پیرا لوگوں کے اعمال نامہ اور قلب و روح کی سیاہی کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

تتذکرہ الامامیہ علامہ محمد حسین ڈھکوصاحب

فصل دوم

تقیہ و نفاق کا باہمی فرق..... ڈھکوصاحب

فاضل مؤلف نے تقیہ کو ”منافقت“ سے تعبیر کر کے کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہنوز ان کو تقیہ اور نفاق کے درمیان جو نمایاں فرق ہے وہ بھی معلوم نہیں ہے حالانکہ اسلامی مبادیات پر نظر رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ تقیہ ”البطان ایمان و اظہار خلاف ایمان“ یعنی دل میں ایمان کو پوشیدہ رکھ کر عند الضرورت خلاف ایمان بات کے ظاہر کرنے کا دوسرا نام ہے اور نفاق اس کے برعکس ہے۔

عقل سلیم، طبع مستقیم اور شرع قدیم کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ جب انسان کے لیے
دو ضرر موجود ہوں اور ان میں سے ایک کا برداشت کرنا ناگزیر ہو تو بڑے ضرر سے بچنے
کے لیے مختصر سے ضرر کو برداشت کرنا چاہیے اور وہ شریعتِ سہلہ جو انسانی اقتدار کی بلندی
کے پیش نظر جان بچانے کی خاطر بھوک سے نڈھال اور قریب المرگ آدمی کے لیے مُردار اور
خنزیر کے گوشت کو بقدر ضرورت و سدرِ مرق جائز قرار دیتی ہے

فَمِنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

رَحِيمٌ (پس بقرہ ع ۵)

جو ناچار ہو جائے اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں میں سے کسی چیز
کے کھالینے کا بھی) گناہ نہیں ہے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(ترجمہ ڈپٹی تدبیر احمد)

کیا وہی شریعت مقدسہ اس بات کو گوارا کر سکتی ہے کہ انسان کی گراں قدر جان
تلف ہو جائے مگر خلاف واقع بات کا منہ سے اظہار نہ کرے؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یا تو انسان اس قدر بیش قیمت ہو کہ اس کی بقا کی خاطر لحم الخنزیر کھانا روا ہو
یا اس قدر بے قیمت اور ارزاں ہو جائے کہ اس کے تحقق کے لیے خلاف واقع بات کا
اظہار بھی ناروا ہو۔ کجا اں شورا! شوری و کجا ایں بے نمکی؟ خالق عقل و عقلا کی شریعت
مقدسہ میں ہرگز یہ تضاد و تغادوت نہیں ہو سکتا“ (ص ۱۲، ۱۳)

تقیہ یا نفاق

مغالطہ آفرینی اور فریب کاری کا بدترین نمونہ

ڈھکوصاحب نے بڑی تعلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام کو اسلامی مبادیات سے بے خبر کہنے کی جسارت کی ہے اور تقیہ اور نفاق میں فرق ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے مگر سوچنے کی بات صرف اتنی ہے کہ اگر ایک سُنی یہ معمول بنائے کہ بظاہر قول و فعل میں شیعہ کی موافقت کرتا رہے اور اپنی جان اور مال کے تحفظ کے لیے یہ حربہ اختیار کیے رکھے تو ڈھکوصاحب اس کو کیا کہیں گے؟ کیا یہ نفاق ہوگا اور مکر و فریب یا تقیہ اور ابطانِ ایمان و اظہارِ کفر۔ اگر یہ ڈھکوصاحب کے مذہب میں تقیہ نہیں اور نہ ابطانِ ایمان تو پھر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے مذہبِ مُسلک کی رُو سے شیعہ صاحبان کی یہ کارستانیاں بھی ابطانِ ایمان نہیں ہیں بلکہ نفاق کا بدترین نمونہ اور فریب کاری اور دسیہ کاری کی گھٹیا چال۔

فرزندِ اسلام کی ضربِ کاری سے ڈر کر جن لوگوں نے ”وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ كَفَرُوا قَالُوا آمَنَّا“ کا وطیرہ بنالیا تھا اور درحقیقت اپنے اباؤ اجداد اور اسلاف مذہبِ پر دل و جان سے فریقیت تھے اور راسخ القدم۔ کیا ان کا یہ طریقہ بھی تقیہ کہلائے گا۔ حالانکہ وہ اپنے دھرم کی رُو سے دل میں ایمان چھپائے ہوئے تھے اور کفر کو ظاہر کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے انبی کلام میں ان کو کہیں ”وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ“ فرمایا اور کہیں ”إِذَا جَاءَكَ الْمُتَافِقُونَ“ سے تعبیر فرمایا اور ان کے اس عذر کو قطعاً قبول نہ کیا کہ ہم نے تو اپنے دھرم کی رُو سے دل میں ایمان چھپایا ہوا ہے اور کفر کا

بظاہر اظہار اور ارتکاب کیا ہے تو پھر شیخ الاسلام قدس سرہ کے نزدیک شیعہ صاحبان کا یہ عذر کیوں کر درخور اعتناء اور قابل التفات ہو سکتا ہے۔

تقیہ کی تعریف میں غلطی

ڈھکو صاحب نے تقیہ کا معنی بیان کیا ہے ”ابطان ایمان و اظہار خلاف ایمان“ ایمان کو پوشیدہ رکھنا اور اس کے خلاف کو ظاہر کرنا یہ تعریف بھی درست نہیں کیونکہ یہ صرف عقائد میں تقیہ کرنے پر تو سچی آسکتی ہے اعمال میں دوسرے لوگوں کی موافقت پر سچی نہیں آسکتی مثلاً وضو سنہوں کی طرح کرنا، نماز مانتہ باندھ کر پڑھنا، تراویح بیس رکعت باجماعت ادا کرنا، تین طلاق کو تین سمجھنا، متعہ سے اجتناب کرنا وغیرہ حالانکہ شیعہ صاحبان نے آئمہ معصومین کی طرف ان امور میں بھی سواد اعظم کی ظاہری موافقت اور مطابقت کے باوجود حقیقت میں ان امور سے بیزار اور مخالف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لہذا یہ تعریف بھی سراسر ناقص اور ناتمام ہے اور علمی شیخی کے منہ پر زور دار محفیط۔

محل نزاع

ڈھکو صاحب نے اس اہم اور نازک اختلافی مسئلہ میں خواہ مخواہ تلبیس اور اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور بلاوجہ ورق پر ورق سیاہ کرتے چلے گئے ہیں۔ اور محل نزاع بیان کرنے سے کلی طور پر گریزا اور اجتناب سے کام لیا ہے لہذا ہم پہلے اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت اور شیعہ صاحبان کے درمیان محل نزاع بیان کرتے ہیں اور پھر مذہب شیعہ میں شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کی طرف سے ان کی نقل کردہ روایات میں غور و فکر اور ان کے مقاصد بلکہ مقاصد کی طرف اہل فکر اور ارباب دانش کو توجہ دلائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

ہم سر دست علامہ آلوسی کی تحقیق کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جبکہ دونوں حضرات کی تحقیق کا حاصل بالکل ایک ہے۔ فرماتے ہیں:

التقية محافظة النفس أو العرض أو المال من شر الأعداء
یعنی تقیہ نام ہے نفس، عزت یا مال کو شر اعداء سے محفوظ کرنے کا اور اعداء
دو قسم ہیں ایک قسم وہ جن کی عداوت اختلاف دین و مذہب پر مبنی ہو جیسے کفار اور اہل
اسلام۔ دوسرا قسم وہ ہے جن کی عداوت دنیوی اغراض و مقاصد پر مبنی ہو مثلاً مال و متاع
کا حاصل کرنا یا ملک اور امارت کا حاصل کرنا۔

أما القبح الأول - فالحكم الشرعي فيه أن كل مؤمن وقع في
محل لا يمكن له أن يظهر دينه لتعرض المخالفين وجب عليه
الهجرة إلى محل يعتد فيه على إظهار دينه ولا يجوز له أصلاً
أن يبقى هناك ويتثبت بعد الاستنصاف
فإن أرحم الله واسعاً -

قسم اول کا حکم شرعی یہ ہے کہ جو مومن بھی ایسی جگہ موجود ہو جہاں مخالفین کے
تعرض اور چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے اپنے دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو تو اس پر ایسے مقام کی طرف
ہجرت کرنا فرض و واجب ہے جہاں وہ اپنے دین کو ظاہر کر سکے اور علی الاعلان اس پر
عمل پیرا ہو سکے اور اس کے لیے یہ بالکل جائز نہیں کہ وہیں قیام پذیر رہے اور اپنے دین و
مذہب کو چھپائے رکھے۔ اور ضعف و ناتوانی کو عذر بنائے رکھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
کی زمین وسیع ہے۔

شرعی معذورین

ہاں البتہ جو ترک ہجرت میں از روئے شرع شریف معذور ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ
ہوں گے۔ مثلاً بچے، عورتیں، نابینا، مجوس اور قیدی یا جن کو ہجرت اور ترک وطن
کی صورت میں مخالفین کی طرف سے قتل کی دھمکی دی گئی ہو اور گمان غالب بھی یہی ہو کہ

وہ اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے سے گریز نہیں کریں گے خواہ اس مہاجر کے قتل کی دھمکی ہو یا اس کی اولاد یا آباؤ اجداد کے قتل کی اور یا اس کی روزی وغیرہ بند کر کے اس کو قید میں ڈال دینے کی دھمکی دی گئی ہو وغیرہ تو اس صورت میں مخالفین کے ہاں قیام اور ان کی موافقت بقدر ضرورت جائز ہے لیکن اس پر واجب و لازم ہے کہ وہ بھاگ نکلنے اور اپنے دین کو محفوظ کرنے کے لیے ہر وقت تدبیریں کرتا رہے۔ اور کوششیں بروئے کار لاتا رہے۔

لیکن اگر ایسا ڈر اور دھمکی دی گئی ہے جس میں مالی مفعت سے محروم ہونا پڑے یا قابل برداشت مشقت سے دوچار ہونا پڑے مثلاً ایسی قید اور جس جس میں قوت اور روزی پر پابندی نہ ہو یا اتنا قدر مار پیٹ جس سے ہلاکت اور تباہی لازم نہ آتی ہو تو پھر انکی موافقت جائز نہیں اور جس صورت میں موافقت جائز ہے تو وہ بھی رخصت کے درجہ میں ہے اور اپنے دین و مذہب کا اظہار عزیمت ہے لہذا اگر بصورت اظہار اسے جان سے ہاتھ دھونے پڑیں تو وہ اعلیٰ درجہ کا شہید ہوگا۔ نہ کہ دین و ایمان سے محروم۔

نقد ان کان لہم عندہ شرعی فی ترک الہجرۃ کالصبیان والنساء فی صورۃ الجواز ایضاً موافقتہم رخصۃ و اظہار مذہبہ عنہم فلو تلفت نفسہ لذلك فانه شہید قطعاً مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا اور اپنی رسالت کی گواہی دینے کا مطالبہ کیا تو ایک نے زبانی اقرار کر لیا اور دوسرے نے انکار کر دیا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اما هذا المقتول فقد مضى على صدقته و یقینہ و اخذ بفضلہ فہنیاء لہ و اما الآخر فقد رخصہ اللہ تعالیٰ فلا تبعۃ علیہ اس مقتول نے اپنے صدق و یقین پر گامزن رہنا اختیار کیا اور افضل ترین صورت اختیار کی پس وہ مبارکباد کا مستحق ہے اور دوسرے نے رخصت پر عمل کیا لہذا اس پر مواخذہ اور عقاب و عذاب نہیں ہے۔

اما القسم الثاني فقد اختلف العلماء في وجوب الهجرة وعده
فيه قتال بعضهم تجب لقوله تعالى ولا تعلقوا بايديكم الى التهلكة
وبدليل النهي عن اصابة المال وقال قوم لا تجب اذا الهجرة
عن ذلك المقام مصلحة من المصالح الدنيوية ولا يعود
من تركها نقصان في الدين لا اتحاد الملة وعدوه القوي
المومن لا يتعرض له بالسوء من حيث هو مؤمن وقال بعضهم
الحق ان الهجرة هنا قد تجب ايضا

(رد المحتار في جلد ۲ صفحہ ۱۰۷)

لیکن دوسری قسم میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اس شخص پر ہجرت واجب و
لازم ہے یا نہیں؟ بعض نے وجوب و لزوم کا قول کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ
اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو نیز اس لیے کہ مال کو ضائع کرنا شرعاً ممنوع ہے اور علماء اسلام
کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ اس مقام سے ہجرت از روئے شرع واجب و لازم
نہیں ہے کیونکہ ہجرت کا مقصد فقط دنیوی مصالح میں منحصر ہے جس کے ترک سے دنیوی
نقصان تو ہو سکتا ہے لیکن دینی لحاظ سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا کیونکہ مذہب ملت
میں اتحاد ہے اور دشمن قوی و توانا سہی مگر وہ اس کے ساتھ از روئے مومن ہونے کے
تعرض اور چھپر چھاڑ نہیں کرتا لیکن علماء اسلام اعلام کی ایک جماعت نے فرمایا کہ حق اور
صحیح یہی ہے کہ ان حالات میں بعض اوقات ہجرت واجب و لازم ہو جاتی ہے جبکہ اپنی
جان کا خطرہ درپیش ہو یا اقارب کی جان کا یا تک حرمت و عزت کا لیکن اس صورت
میں اس پر ثواب مترتب نہیں ہوگا۔

شیعی روایات تقاضائے شرع اور حقائق و واقعات کے خلاف ہیں
مندرجہ بالا تحقیق کو سامنے رکھیں اور پھر ان شیعی روایات پر غور فرمادیں تو آپ کو یہ
حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آئیگا کہ اہل سنت عقل سلیم طبع مستقیم اور شرع قویم

فیصلہ کو تسلیم کرتے ہیں لیکن شیعہ صاحبان نے اس میں جس افراط سے کام لیا ہے اور جس رخصت کو عین اسلام اور جانِ ایمان بنا کر پیش کیا ہے وہ کسی نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے اور نہ حقائق اور واقعات کے پس منظر میں اس کی صحت اور درستگی تسلیم کی جاسکتی ہے۔ شیعہ روایات کا لب لباب یہ ہے کہ نوے فیصد دین تقیہ میں ہے بلکہ جو تقیہ نہ کرے سرے سے وہ مومن ہی نہیں حالانکہ شرعی طور پر رخصت پر بعض اوقات عمل نہ کریں تو زیادہ سے زیادہ ارتکاب حرام اور منق تو لازم آسکتا ہے نہ کہ نوے فیصد دین ختم ہو جائے اور بالکل ایمان ہی رخصت ہو جائے۔ مثلاً بھوک سے جان بلب بقدر ضرورت خنزیر یا مردار کا گوشت نہ کھائے تو حرام فعل کا مرتکب ضرور ہوگا لیکن کافر تو نہیں ہوگا؛ اور بعض رخصتوں میں ارتکاب حرام بھی لازم نہیں آتا۔ مثلاً مسافر کے لیے از روئے قرآن روزہ فرض نہیں لیکن رکھ لے تو گنہگار بھی نہیں ہوگا اور یہ تو ہے بدن کی سہولت کا معاملہ لیکن جہاں تک عقیدہ و نظریہ تحفظ کا معاملہ ہے اور دین و ایمان پر ثبات اور راسخ القدی قواس کا معاملہ ہی سرے سے مختلف ہے۔

حضرت عمار کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کو کس قدر بے دردی سے قتل کیا گیا اور کس قدر ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا لیکن انھوں نے کبھی کلمہ کھڑ کو زبان پر لانا گوارا نہ کیا تو کیا ان کا نوے فیصد دین ختم ہو گیا اور ایمان بالکل زائل ہو گیا (نعوذ باللہ) حضرت امام حسین نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے میدانِ کربلاء میں اتر کر محیر العقول قسہ بانی پیش کر دی اور یزیدی قوتوں کی موافقت گوارا نہ کی تو ان پر کیا فتویٰ لگایا جائے گا۔

الغرض ان شیعہ روایات کو نہ عقل سلیم اور نہ طبع مستقیم کے تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی شرع تویم کے فیصلہ کے مطابق اہل سنت کی کتابوں سے عبارات پیش کر کے ان روایات کو درست یا ایسے تقیہ کو شرعاً جائز اور مسلم بین الفریقین قرار دینا سراسر تلبیس ہے اور فریب کاری و دھوکہ دہی کی بدترین مثال۔

بیش قیمت انسان

ڈھکوصاحب نے ایمان واسلام کے تحفظ پر قربان ہونے والی جان کی قدر و قیمت کو بھوک مرتے انسان اور خنزیر و مردار کھا کر جی سکنے والے انسان پر قیاس کیا ہے اسے کون بتائے کہ مومن اور بندہ خدا کی قدر و قیمت اس وقت بنتی ہے جبکہ اپنی جان کا نذرانہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دے اور بناء لا الہ بنے۔

مرداد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

انسان مردار اور خنزیر سے ضرور قیمتی ہے لیکن اسلام و ایمان اور اعلا کلمۃ الحق سے قیمتی نہیں بلکہ اسی سے اس کی قیمت بنتی ہے اور یہی سبق ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں نے دیا ہے اور سید الشہداء امام حسین اور ان کے جانشینوں کی قربانیوں نے سے

بنا کر دند خوش رسمے بنجاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

کیا خنزیر کا گوشت کھانا ترقی درجات کا ضامن ہے۔

علامہ ڈھکوصاحب نے کہا ہے

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بواجبیت

یا تو انسان اس قدر بیش قیمت ہو کہ اس کی بقاء کی خاطر لحم الخنزیر و مردار کھا گیا ہے یا اس قدر بے قیمت اور ارزاں ہو جائے کہ اس کے تحفظ کے لیے خلاف واقع بات کا اظہار بھی ناروا ہو (ص: ۱۲)

مگر سوال یہ ہے کہ آپ کا مذہب تو تقیہ کو دین کا بڑا حصّہ یا نوٹ ہے فیصد قرار دیتا ہے۔ کیا بھوکوں مرتا آدمی بقدر ضرورت لحم الخنزیر کھا کر ایک فیصدی اجر و ثواب بھی

حاصل کر سکتا ہے چہ جائیکہ نوے فیصد ترقی درجات اس کو حاصل ہو تو پھر اس شور و شری اور منہ زوری کا کیا جواز ہے؟ امر متنازعہ فیہ کی طرف آئیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچائیں۔

کیا فربہ ہونے کے لیے لحم المختزیر روا ہے؟

بظاہر شیعہ صاحبان تقیہ کے جواز کو جبر و اکراہ اور سطوت و جبروت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور مختزیر کے گوشت کی مانند مگر عملی طور پر وہ اس کو جلب منفعت اور اہم ملکی مناصب پر فائز ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اہل سنت کے مذہب میں رخنہ اندازی کے لیے گویا لحم المختزیر کو فربہ ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں اس ضمن میں ایک حوالہ ہی مشتمل نمونہ از خردوار کے طور پر حاضر خدمت ہے ورنہ حقیقت میں کہتے ہی ایسے تلبیس ابلیس کے شامکار اس مذہب نے پیدا کیے جنہوں نے اہل اسلام کو فتنہ و فساد کی آگ میں جھونکا۔

قاضی نور اللہ شوستری نے مغل اعظم شہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں برصغیر پاک و ہند میں اسی تعینہ کے بل بوتے پر قاضی القضاۃ کا منصب سنبھالا اور بادشاہ سے کہا چونکہ میں خود مجتہد ہوں لہذا اہل سنت کے آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا پابند نہیں رہوں گا بلکہ ان کے اقوال میں سے جو بھی دینی معلوم ہو گا میں اس کے مطابق مفیدہ دوں گا چنانچہ بادشاہ نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ لیکن شوستری صاحب نے شیعہ مذہب کے مطابق فیصلے صادر کرنے اور فتویٰ جاری کرنے شروع کر دیئے جب ان کے خلاف احتجاج کیا جاتا اور کہا جاتا کہ سازش کے تحت شیعہ مذہب کا پرچار ہو رہا ہے تو شوستری صاحب کسی نہ کسی طرح مذہب کے مجتہد کا قول پیش کر دیتے اور طے شدہ شرط کا حوالہ دے کر اس آواز کو دوبارہ دیتے۔ جب شہنشاہ نور الدین جہانگیر کا دور آیا تو بھی قاضی صاحب اس منصب سے چمٹے رہے اور ہر احتجاج صراحتاً ثابت ہوتا رہا بالآخر علماء اہل سنت اس کی کتاب مجالس المؤمنین کا قلمی نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اور بادشاہ کو دکھلا کر صورت حال واقعی کا مشاہدہ کرا دیا تو بادشاہ نے اس تلبیس ابلیس اور فریب کاری و مکاری کا سخت نوٹس لیتے ہوئے اسے عبرت ناک سزا دے کر قتل کرا دیا۔ مجالس المؤمنین کے مقدمہ میں سید احمد عبد منافی نے اس فریب کاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔

سید جلیل مذکور ہمیشہ مذہب خود را از مخالفین مخفی میداشتہ و طریق تقیہ کہ مذہب آباء کرام خود بودہ می پیودہ و بمسائل فقیہہ مذاہب اربعہ اہل تسنن احاطہ تمام داشت بدینجہت سلطان اکبر شاہ و سائر مردم آن دیار اور در عداد علماء و فقہاء اہل تسنن میداشتند (تا) مدتی بدین نحو قضاوت میفرمود و در پنهانی مشغول تالیف و تصنیف بود تا اینکہ سلطان اکبر شاہ پدر و حیات گفت و پرسش جہانگیر شاہ بجملہ او نشست و سید مہچناں بمنصب قضاوت باقی بود تا آنکہ بعض از علماء مخالفین کہ با دربار آنروز مرادہ و قول آنها نزد سلطان مسموع بود متفقین تشیع او شدہ بنامی سعایت را گذاردند و استشہاد بر تشیع سید نمودہ باینکہ او خود را ملزم بکی از مذاہب اربعہ نمیداند و در تمام موارد بر طبق یکی از مذاہب کہ با فتویٰ امامیہ تطبیق مینماید حکم میکند (تا) کتاب مزبور را وسیلہ اثبات تشیع سید نمودہ تقاضای اجراء حد از سلطان نمودند، جہانگیر شاہ امر اورا و گذار با آنها نمود آل ناکسان سید را ضرب تازیانہ از پای در آورده و شہید نمودند۔ و گویند با چوب خار وار آنقدر براوزند کہ بدنش قطعہ قطعہ شد۔

شوہتری صاحب نے اپنے معلق انکشاف کرتے ہوئے خود کہا

(مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ۳۵۷)

مؤلف گوید کہ اس بیچارہ مسکین نیز مدتی بلای صبر گرفتار بودم و باغیار تقیہ و مدارا می نمودم و از بیہبری می ترسیدم و اخرازا آنچہ متیرسیدم بآں رسیدم و ازین بی صبری این کتاب را در سلک تقریر کشیدم۔

لہذا واضح ہو گیا کہ اس خستہ رسید کو بقا و بدن کے لیے بقدر ضرورت استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ اہل السنّت کے مذہب و مسلک پر کاری ضرب لگانے کے لیے اور عوام

اہل سنت میں ذہنی انتشار اور تشویش پیدا کرنے کے لیے جیسے پولس یہودی نے بظاہر عیسائی مذہب اختیار کیا اور اندری اندر اس مذہب کو یخ و بن سمجھا کر رکھ دیا۔ اور عیسائیوں کو گمراہی کے بحر عمیق میں گرا دیا۔

پھر بزم غم خویش اس تفتہ سے نوے فیصد درجات بھی حاصل کیے جاتے ہیں اور دنیا میں بھی مزے لوٹے جاتے ہیں کیا دنیا میں ایسے اسلام کی بھی گنجائش ہے اور کوئی عقل سلیم اور طبع مستقیم کا مالک اس اسلام کو خدا کا آخری دین اور تمام مذاہب و ادیان کا ناسخ تصور کر سکتا ہے؟

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبیت
خالق عقل و عقلاء کی شریعت مقدسہ ہرگز نہ ہرگز اس تلبیس اور مکر و فریب کی
اجازت نہیں دے سکتی۔

فصل سوم _____ دھکو صاحب

تقیہ کا جواز قرآن کریم کی روشنی میں

پیرسیالوی نے تقیہ کو شریعت کے مخالف قرار دے کر علوم شرعیہ سے اپنی ہتی دامن کا ثبوت دیا ہے معمولی بصیرت رکھنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ قرآن کریم اور احادیث سید المرسلین میں جواز تقیہ کے ناقابل انکار و تاویل قطعی نصوص موجود ہیں اور کتب سیر و تواریخ میں نہ صرف سلف صالحین بلکہ انبیاء و مرسلین اور بڑے بڑے ائمہ دین کے تقیہ پر عمل درآمد کرنے کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔
ارشاد قدرت ہے :

پہلی آیت : من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکسہ
و قلبہ مطمئن بالایمان و لکن من شرح بالكفر صدرا
فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم

(پ ۱۲ سورہ نحل ۴ ۲۰)

جو شخص (کفر پر) مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو (اس سے کچھ مواخذہ نہیں) لیکن جو شخص ایمان لائے ہوئے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کر لے اور کفر بھی کرے تو دل کھول کر تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور ان کیلئے بڑا سخت عذاب ہے (ترجمہ تفسیری)

اس آیت کے متعلق مفسرین اسلام کا اتفاق ہے کہ جناب عمار بن یاسر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ شان نزول یوں ہے۔

یعنی ایک بار مشرکین نے جناب عمار بن یاسر کو پکڑ لیا اور ان کو اپنے معبودانِ باطل کی تعریف اور پیغمبر اسلام پر سب و شتم کرنے پر مجبور کیا۔ حتیٰ کہ وہ ایسا کر گذرے۔ اس کے بعد جب وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو تمام ماجرا بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اپنے دل کو کیسے پاتے ہو؟“

عرض کیا ”وہ تو پوری طرح ایمان پر مطمئن ہے“

فرمایا ”(پھر کوئی حرج نہیں) اگر کفار دوبارہ یہی کلمے کہہوائیں تو کہہ دینا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

أَلَا مِنْ أَكْثَرِ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ

(تفسیر درمنثور جلد ۴ ص ۱۲۲ وغیرہ)

تفسیر بیضاوی جلد ۱ ص ۲۵۳ طبع نو نکلشور پر مذکور ہے کہ جب جناب عمارؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو بارگاہِ نبویؐ میں عرض کیا گیا:

”یا رسول اللہ! عمار کا فرمودہ کیا ہے؟“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”ایسا نہیں ہو سکتا عمار تو سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرپور ہے اور

اس کے گوشت پوست میں ایمان مخلوط ہے۔“

بعد ازاں جناب عمارؓ روتے ہوئے بزمِ نبویؐ میں حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے

ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے فرمایا:

”بچھے کیا ہے؟ اگر کفار یہی کلمات دوبارہ کہہ لو انا چاہیں تو بے شک

کہہ دینا۔“

یہ واقعہ لکھنے کے بعد قاضی بیضاوی رقمطراز ہیں:-

”یہ آیت مبارکہ جبر و اکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کے جواز کی قطعی دلیل ہے
تفسیر جامع البیان، اکیلل اور معالم التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے
”جبر و اکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنے کے جواز پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے
(کذا فی تفسیر فتح البیان و تفسیر ابن کثیر و ترجمان القرآن)

ان حقائق کی روشنی میں کم از کم کسی مسلمان کو تو تقیہ کے جواز میں کلام نہیں
ہو سکتا کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ صحابہ رسول تقیہ پر عمل کریں رسول مقبولؐ ان کو
کامل الایمان ہونے کی سند عطا فرمائیں اور بوقت ضرورت دوبارہ تقیہ کرنے کا حکم دیں
خداوند عالم اس کے جواز پر آیت نازل فرمائے علماء اہل سنت اس کے جواز پر پوری
امت مرحومہ کا اجماع کا دعویٰ کریں اور تمام لوگ بوقت ضرورت اس پر عمل کریں
مگر بدنام صرف شیخان حیدر کرار کو کیا جائے کہ وہ ”تقیہ باز“ ہیں۔

(صفحہ ۱۲، ۱۵، ۱۶)

تحفہ حسینیہ

محمد اشرف الیاسی

ہم نے پچھلے اوراق میں اس مسئلہ کے متعلق اہل سنت
والجماعت کا موقف واضح کر دیا ہے لہذا اس کے متعلق محمد حسین ڈھکو صاحب کو اس قدر
طوالت کی ضرورت کیا تھی انہیں یہ بیان کرنا چاہیے تھا کہ جنہوں نے تقیہ نہیں کیا ان کا
حکم اذروئے مذہب شیعہ کیا ہے؟ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار و مشرکین کی اذیتیں
برداشت کرنا اور اعلانِ توحید و رسالت سے باز نہ آنا۔ صحابہ کرام کا ہر مصیبت اور تکلیف
کو سینہ سے لگانا اور ایمان و اسلام کو مخفی نہ رکھنا کبھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور
کبھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا اور بعض کا اس ظلم و تشدد کی وجہ سے جاں بحق ہو جانا
ایسے حقائق ہیں جن کا کوئی کافر بھی انکار نہیں کر سکتا اور میدانِ کربلا میں سید الشہداء کا
روضہ مقدس اور ان کے جاثارِ سامعیوں کے مزارات مقدسہ اعلانِ حق کی خاطر بے مثال
قربانیوں کا ایسا ناقابلِ تردید ثبوت و برہان ہیں جن کا کوئی منافق اور کاذب بھی

انکار نہیں کر سکتا۔

ایسی صورت میں شیعہ مجتہد کا فرض ہے کہ وہ اس مخصوص تفتیہ کا جواز ثابت کریں اور اسے عین اسلام و ایمان ثابت کریں اور یا ان روایات کو جھوٹ اور کذب بیانی کا بدترین نمونہ تسلیم کریں۔ ادھر ادھر بھاگ دوڑے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ اہل سنت اس کو خطرہ جان وغیرہ کی صورت میں مباح سمجھتے ہیں مگر راہ حق میں جان دینے والے کو شہید اعظم سمجھتے ہیں اور مباح بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ فوری طور پر ہجرت اس شخص پر لازم اور ضروری سمجھتے ہیں اور باوجود قدرت کے نہ کرنے پر تارک فرض اور سخت مجرم و گناہ گار سمجھتے ہیں لیکن جس تفتیہ پر شیعہ نے اپنے دین و مذہب کی عمارت تعمیر کی ہے اس میں نہ ہجرت لازم، نہ جان دینا مباح بلکہ رات دن اسی تفتیہ کو اوڑھنا بچھونا بنانے کے باوجود نوے فی صد درجات ایمان و اسلام کی طرف ترقی کی ضمانت جس تفتیہ نے مہیا کی ہے ہمارا کلام اس کے جواز اور عدم جواز میں ہے۔ مہربانی کر کے اس کی کوئی دلیل و محبت پیش کریں لیکن ڈھکوسل صاحب نے محل نزاع میں اپنی مکمل تہی دامن کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ شیر خدارضی اللہ عنہ کے ارشادات اور شیعہ تفتیہ

شیعہ برادری نے اس نظریہ کو جاری کر کے دراصل آئمہ کرام کے لیے بالعموم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے بالخصوص خلفائے ثلاثہ اور دیگر اہل سنت کے ساتھ موافقت و موافقت اور اخوت و بھائی چارہ کی توجیہ پیش کرنی چاہی ہے اور ان کے زندگی بھر کے معمول کو اپنے عقیدے و نظریے پر ضرب کاری تصور کرتے ہوئے تفتیہ کا لزوم۔ اس کی اہمیت اور اجر و ثواب اور تفتیہ نہ کرنے پر دعیہ و عقاب کی روایات وضع کیں تاکہ اہل سنت کے لیے ان آئمہ کرام اور مجتہدین صدق و صفا اور شہیدانِ مہر و وفا کے طرز عمل سے استدلال اور تمسک کی کوئی وجہ باقی نہ رہے اس لیے ضروری ہے کہ اس مفروضہ کی انھیں کے ارشادات اور اعمال کی روشنی میں جانچ پڑتال کی جائے۔

۱۔ اِنِّیْ وَاللّٰهُ لَوَلَقِیْتَهُمْ وَاحِدًا وَهُمْ طَلَعُ الْاَرْضِ كُلِّهَا مَا
بَالِیْتُ وَلَا اسْتَوَحِشْتُ وَاِنِّیْ مِنْ ضَلٰلَتِهِمُ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ
وَالْهُدٰی الَّذِیْ اَنَا عَلَیْهِ لَعَلٰی بَصِیْرَةٌ مِنْ نَفْسِیْ وَیَقِیْنٌ مِنْ
رَبِّیْ وَاِنِّیْ اِلٰی لِقَاءِ اللّٰهِ وَحَسَنُ ثَوَابِهِ لَمُنْتَظِرٌ رَاجٍ ۔

(نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۱۵۹)

ترجمہ :- بیشک میں بخدا اگر ان کے ساتھ اکیلا میدان کا زرار میں ملاقات
کروں اور وہ تمام روئے زمین پر پھیلے ہوں تو مجھے قطعاً پرواہ نہیں
ہوگی اور نہ ذرہ بھر وحشت و گھبراہٹ۔ اور میں یقیناً ان کی ضلالت اور
بے راہروی کے بارے میں جس میں وہ ہیں اور اس ہدایت اور صداقت
حقانیت کے متعلق جس میں کہ میں ہوں البتہ اپنے طور پر بصیرت اور اللہ تعالیٰ
کی طرف سے یقین پر ہوں اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے
اچھے ثواب کا منتظر ہوں اور امیدوار۔

۲۔ وَاللّٰهُ لَوْ نَظَّاهُرْتَ الْعَرَبُ عَلٰی قِتَالِیْ لِمَا وَلِیْتُ عَنْهَا وَلَوْ
اَمَكَنْتُ الْفُرَصَ مِنْ دِقَابِهَا لَسَادَعْتُ الْیَرْمَا۔

(نہج البلاغہ جلد ثانی صفحہ ۹۶)

بخدا اگر تمام عرب میرے ساتھ حرب و قتال اور جنگ و جدال پر باہم
متفق ہو جائیں اور ایک دوسرے کے معاون و مددگار تو میں ان سے
قطعاً پیچھے نہیں پھیروں گا اور اگر فرصت ملے تو ان کی گردنیں کاٹ
ڈالنے اور سروں کو تنوں سے جدا کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر روا
نہیں رکھوں گا۔

۳۔ مَوْتَاتِ الدُّنْیَا اَمُّونَ مِنْ مَوْتَاتِ الْاٰخِرَةِ

(نہج البلاغہ جلد اول ص ۱۲۱)

دنیا کی موتیں آخرت کی موتوں سے زیادہ سہل اور آسان ہیں۔

۴۔ واللہ لعلی بن ابی طالب آنس بالموت من الطفل

بشدی امہ (نیچ البلاغہ جلد اول ص ۴۷)

بخدا علی بن ابی طالب موت کے ساتھ اس سے زیادہ مانوس ہے جس قدر شیرخوار بچہ اپنی ماں کے پستان سے مانوس ہوتا ہے۔

۵۔ واللہ ما ابالی أ دخلت الی الموت أو خرج الموت الی

(نیچ البلاغہ جلد اول ص ۱۲۲)

بخدا مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں موت کی طرف مستقل ہو جاؤں یا موت میری طرف بڑھی ہے۔

۶۔ لعسری ما علی من قتال من خالف الحق وخابط الغی

من ادھان ولا یمھان (نیچ البلاغہ جلد اول ص ۷۲)

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میرے لیے ہر اس شخص کے خلاف لڑنے میں کسی قسم کی مدد نہایت اور مصلحت کو شئی یا منصف دنا تو انی پیش نہیں آسکتی جو حق کے خلاف ہو یا گمراہی اور بے راہروی میں حیران و سرگرداں ان چند ارشادات کو جو نیچ البلاغہ جیسی معتبر ترین اور انتہائی مستند کتاب میں منقول ہیں بنظر غائر دیکھیں اور سوچیں کہ اگر دین کا نوے فی صد حصہ تقیہ اور مخالفین کے ساتھ سازگاری اور موافقت میں ہے اور بصورت دیگر دین و ایمان سے سی لاکھ دھونے پڑتے ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ معدن دلائت اور امام المائتہ کیوں اس قدر تقیہ کی مخالفت اور حق و صداقت کی خاطر جان پر کھیل جانے کے لیے تلے ہوئے نظر آتے ہیں اور بارہا قسمیں کھا کر اور حلفیں اٹھا کر زمانہ سازی اور اہل زمان کی موافقت و موافقت سے براءت و بیزاری کیوں ظاہر فرما رہے ہیں۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شعی تقیہ

میدانِ کربلا میں آپ کی بظاہر بے سرو سامانی اور آپ کے ساتھیوں کی قلتِ تعداد

اور مخالفین کی ساز و سامان سے پس کثیر التعداد فوج کا کس کو علم نہیں؟ مگر اس کے باوجود جب آپ کو امان کی پیش کش کی جاتی ہے تو آپ کا رد عمل کیا ہے؟ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی زبانی ملاحظہ کریں۔

ألا ان الدعى ابن الدعى قد خیرنا بین اثنتین السلة والذلة وهیهات منا الذلة یابی الله ذلک لتا ورسوله والمؤمنون وهجور طابت وحجرت طهت و انوف حمیة ونفوس ابیه و شرح نهج البلاغة لابن ابی الحدید جلد نمبر ۲ ص ۲۴۹

ترجمہ :- عبید اللہ بن زیاد (جو خود بھی اور اس کا باپ بھی ثابت النسب نہیں اور بعد میں ان کو خاندان میں شامل کیا گیا تھا) نے ہمیں دو امر کے درمیان اختیار دیا ہے یعنی تلوار کے وار سہنے یا ذلت فرسوائی قبول کرنے (اور بیعت کرنے) کے درمیان اور پناہ بخدا کہ ہم ذلت برداشت کریں نہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لیے قابل قبول سمجھتا ہے نہ اس کا رسول اور نہ ہی مومنوں اور نہ ہمیں تربیت دینے والی پاکیزہ گودیں اور سرسبز طہارت پناہ و عصمت مآب مائیں اور حمیت و غیرت والے ناک اور باطل و ناحق اور ظلم و زیادتی کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکاری نفوس اور ارواح مقدسہ اور جب موت کے سامنے سینہ سپر ہوئے اور اسے اپنے سروں پر منڈلاتے ہوئے دیکھا تو آپ کا اور بعض خواص کا حال کیا تھا ملاحظہ ہو کتاب معانی الاخبار۔

عن ابی الحسن علیہما السلام لما اشتد الاصر بحسین بن ابی طالب نظر الیہ من کان معہ (الی) فما الموت الا قنطرة تعبر بکم عن البؤس والصراء الی الجنان الواسعة والنعیما الدائمة فایکم مکرہ ان ینتقل من سجن الی قصر وما هو الا عداکم الا کم ینتقل من قصر الی سجن وعذاب (الی) الدنیا سجن الموت وحنة الکافر والموت

جسر هولاة الى جناتهم وهولاة الى جحيم -

(معانی الاخبار للشیخ ابو جعفر ابن بابویہ القمی صفحہ ۸۳)

خلاصہ مفہوم: اس میدانِ کرب و بلا میں انتہائی نامساعد حالات میں گھرے ہونے کے باوجود جب آپ کے ساتھیوں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی حالت ان سے یکسر مختلف تھی ان کے تو رنگ اڑے ہوئے تھے اور اعصاب پر کپکپی طاری تھی اور دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں جبکہ آپ اور بعض خواص (اہل بیت) کے چہرے چمک رہے تھے اور رنگت نکھری ہوئی تھی اعضاء و جوارح پرسکون تھے اور دل مطمئن ساتھیوں نے آپس میں کہا دیکھو انھیں تو موت کی پرواہ ہی نہیں ہے تو امام موصوف نے فرمایا اے عزت و کرامت والی اولادِ صبر سے کام لو موت تو صرف ایک پل ہے جو تنگیوں اور شدتوں سے وسیع جنات اور ابدی اور دائمی نعمتوں کی طرف تمھیں پہنچاتی ہے لہذا تم میں سے کون ہے جو قید خانہ سے عالی شان محل کی طرف منتقل ہونے کو پسند نہ کرے جبکہ وہ تمھارے اعداء کے لیے محلات سے قید خانہ اور عذاب کی طرف منتقل ہونے کا ذریعہ ہے مجھے میرے باپ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان فرمایا ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت اور موت اہل ایمان کے لیے نجات کی طرف جانے والا پل ہے اور کفار کے لیے جہنم کی طرف جانے والا نہ میں نے جھوٹ بولا نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا۔

۲۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی جس میں آئمہ اور اولیاء کے لیے وصیتیں تھیں اور ہر وصیت پر سنہری مہر لگی ہوئی تھی چنانچہ ہر امام اپنی وصیت پر سے اپنے دور میں مہر کو اکھیرتا اور اس کے مطابق عمل پیرا ہوتا جن میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل شدہ وصیت یہ تھی۔

فك خاتما فوجد فيه ان اخرج بقومك الى الشهادة فلا شهادة

لهم والامك واشترى نفسك لله تعالى افعل (اصول ۷۴ ص ۵۲۸)

اپنی قوم کے ساتھ میدانِ شہادت کی طرف نکلوا کیونکہ ان کی شہادت بھی
تمہارے ساتھ ہونی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے نفس کو خریدو
چنانچہ آپ نے اس وصیت کے مطابق عمل کیا۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ
اور شیعی تقیہ

پھر کتاب وصیت حضرت امام محمد باقر تک پہنچی انہوں نے اپنی وصیت کی مہر
جدا کر کے اس کو دیکھا تو اس میں یہ مرقوم تھا،

حدث الناس وافتهم وانشر علوم اہل بیتك وصدق
اباءك الصالحين ولا تخافن احدا الا الله تعالى فانه
لا سبيل لاحد عليك

لوگوں کو احادیث بیان کرو، فتوے صادر فرماؤ اور اہل بیت کے علوم
کو عام کرو اور اپنے آباء صالحین کی تقدیر کی کرو (اصول کافی ص ۱۷۱)
اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا کیونکہ کوئی بھی آپ پر دسترس اور غلبہ
نہیں رکھتا۔

بعد ازاں کتاب وصیت امام جعفر صادق تک پہنچی تو ان کی وصیت یوں تھی :-
حدث الناس وافتهم ولا تخافن الا الله وانشر علوم اہل
بیتك وصدق اباءك الصالحين فانك في حوزة امان ففعل
اس عبارت کا مفہوم وہی ہے جو اوپر والی کا ہے اور معاؤ نے امام ابو عبد اللہ
جعفر صادق سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں :-
قل الحق في الامن والخوف ولا تخش الا الله
امن وخوف ہر دو صورت میں حق بات زبان پر لائیے اور اللہ تعالیٰ
کے علاوہ کسی سے خوفزدہ نہ ہونا۔

اس روایت سے بھی صاف ظاہر کہ ان قدسی نفوس نے تقیہ نہیں کیا تو پھر اسی امام کے قول و فعل میں تضاد اور عمل و روایت میں تضاد بھی لازم آ رہا ہے اور ان کی بیان کردہ روایات کے مطابق نوے فیصد دین کا فقدان بلکہ کلیتہ دین ایمان سے محروم ہونا بھی ان کے حق میں لازم آ رہا ہے شیعہ مجتہد صاحب کو یہ تضاد اٹھانا لازم تھا اور ان نفوس قدسیہ کے حق میں لازم آنے والے اس عظیم مفسدہ کا جواب دینا چاہیے تھا ادھر ادھر کی مانگنے سے تو بات بنتی نظر نہیں آتی ۔

شیعی اصول و قواعد اور تقیہ

شیعی اصول اور قواعد و ضوابط کی رو سے تقیہ قطعاً جائز ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تقیہ صرف خوف کی صورت میں جائز ہے اور خوف دو قسم کا ہوتا ہے ایک جان کا خوف و خطر اور دوسرا مشقت و محنت اور تکالیف و شدائد کا خوف ۔

پہلی صورت میں تقیہ کا جواز اس لیے نہیں ہو سکتا کہ آئمہ اپنی موت و حیات کے مختار ہوتے ہیں اور اپنی مرضی اور ارادہ کے بغیر ان پر موت وارد نہیں ہو سکتی جیسے کہ اصول کافی میں علامہ محمد بن یعقوب کلینی نے یہی عنوان قائم کر کے اس کے تحت آٹھ احادیث اور روایات درج کی ہیں ۔

باب ان الائمة علیہم السلام یعلمون متی یموتون وانہم

لامیوتون الا باختیار منہم (اصول ص ۲۵۸ تا ۲۶۰)

نیز وہ اپنی موت کے اوقات کو بھی تفصیلاً جانتے ہیں اور وقوع موت کی کیفیات کو بھی جیسے کہ باب سابق سے بھی ظاہر و واضح ہے اور الگ باب سے بھی ۔

باب ان الائمة یعلمون علم ما کان وما یكون وانہ لا یخفی

علیہم صلوات اللہ علیہم شیئ

اس باب کے تحت کلینی نے چھ روایات بطور استشہاد و استدلال درج کی

ہیں ۔ (اصول کافی ص ۲۶۰ تا ۲۶۲)

الغرض جب وقت موت بھی متعین طور پر معلوم ہو اور اس کی جملہ کیفیات بھی تو قبل از وقت تقیہ کرنے اور دین میں خلل انداز ہونے اور عوام اہل اسلام کو مغالطوں میں ڈالنے کی آخر کیا وجہ وجہ ہو سکتی ہے؟

رہ گئی قسم ثانی جس میں بدنی تکلیف یا سب و شتم کا اندازہ ہوا کرتا ہے تو ہر دور کے علماء امت ایسی تکالیف برداشت کرتے ہی رہے ہیں اور سلاطین زمان کے جبر و استبداد کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اعلان حق اور اظہار حقیقت کر کے افضل جہاد کا سہرا اپنے سر باندھتے ہی رہے ہیں اور اہل بیت نبوت اس قسم میں امامت اور قیادت کے زیادہ لائق اور مستحق ہیں بلکہ شہید کر بلائے تو قسم اول میں بھی امامت اور قیادت کا حق ادا کر دیا ہے۔

تو اب میں علامہ ڈھکو صاحب کو انھیں کی زبان میں کیوں نہ کہہ دوں سے
 نے اصولت محکم آید و نے نزوع شرم بایدا ز خدا و از رسول
 آپ نے دوسرے مذاہب کے اصول و قواعد سے تو کیا واقف ہونا تھا جبکہ
 خود اپنے قواعد و قوانین اور اصول و مذاہب کی خبر نہیں ہے اس لیے ادھر ادھر کا محقق
 پاؤں مارنے کی کوشش کرتے ہیں مگر زبان حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے
 کبھی گرتا ہوں مینا پر کبھی جھکتا ہوں ساغر پر
 میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بھرتے ہیں

تقیہ کا بطلان از روئے قرآن

اللہ تعالیٰ کا انبیاء علیہم السلام والصلوة اور خلاصہ نسل انسانی اور مقصد تخلیق کائنات ہستیوں کے متعلق حکم و ارشاد ہے۔

الذین یبلغون رسالات اللہ و یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ و حفی باللہ حسیبا

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۹)

جو ہستیاں اپنے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکام کی تبلیغ کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور سوائے اس کے دوسرے کسی شخص سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے محاسبہ کرنے والا۔

۲۔ سید المحبوبین اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا :
يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَنْ يَبْلُغْ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

(سُورَةُ الْمَائِدَةِ آيَةُ ۶۷)

اے میرے رسول! جو کچھ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی رسالت کا حق ادا نہ کیا اور اللہ تمہیں کافروں سے محفوظ رکھے گا۔

۳۔ اذہبا الیٰ فرعون انه طغیٰ فقول لہ قولاً لیتنا علہ یتذکر
او یخشیٰ قال ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا وان یطغیٰ
قال لا تخافا انسی معکما اسمع واری (سُورَةُ طه) اے موسیٰ اور ہارون
تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ بیشک اس نے سرکشی سے کام لیا ہے اور اسے نرم انداز میں کہنا ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا خوفزدہ ہو جائے۔ ان دونوں نے کہا: اے رب ہمارے بیشک ہم ڈرتے ہیں اس لیے کہ ہم پر زیادتی نہ کرے اور طغیان و سرکشی کا مظاہرہ نہ کرے فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

۴۔ عام اہل اسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا فَلَا تُخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلَا تَمْنَعُوا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ (سُورَةُ بَقَرَةُ)

مگر وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا پس ان ظالموں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو

اور تاکہ میں تم پر اپنی نعمت کامل کروں۔

۵۔ کنتم خیراً ممة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف
وتنهون عن المنکر۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی منفعت اور مصلحت کے لیے پیدا کی
گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

شیوہ صاحبان نے کہا کہ یہاں امت کا لفظ نہیں بلکہ آئمہ کا لفظ وارد ہے تو

اس صورت میں امر بالمعروف بھی آئمہ کی شان ہوئی تو پھر تقیہ کا کیا مطلب؟

ان آیات مقدسہ اور اس قسم کی دوسری بے شمار آیات سے واضح ہو گیا کہ

پیغمبران اسلام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر علماء کرام بلکہ عوام اہل اسلام کو بھی

صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور دوسرے لوگوں سے نہ ڈرنے کا پابند کیا گیا اور اعلانِ حق

اور اعلیٰ کلمۃ الحق اللہ کے لیے تن من کی بازی لگانے کا پابند کیا گیا ہے۔ اگر تقیہ

ضروری ہو اور اس کا ترک ایمان و دین کے خاتمہ کا موجب تو پھر ان آیات کا کیا معنی رہ

جائے گا اور اگر نوے فیصد دین کا ترک لازم آتا ہو تو بھی آیات کا کوئی معنی نہیں ہوگا

ماسوائے اتنے ثواب سے محروم کرنے کے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

سُنَّتِ انبیاء و رسل علیہم السلام بھی شیعی تقیہ کو باطل ٹھہراتی ہے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے حیرت انگیز واقعات نے اور حق گوئی و بیباکی

کی عظیم مثالوں نے یہ واضح کر دیا کہ تقیہ شیوہ پیغمبران نہیں ہے کبھی مزدیوں کے بت

توڑ کر کبھی ستاروں اور چاند و سورج کی عبادت کو دلائل و براہین کے ساتھ باطل ٹھہرا کر

اور کبھی نار مذہب میں چھلانگ لگا کر بتلادیا۔

میں جو انمردان حق گوئی و بیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو بانی

حضرت موسیٰ کلیم اور حضرت ہارون علیہما السلام کا فرعون کے دربار میں جا کر بے

سروسامانی اور شکرو سپاہ کی مدد و اعانت کے بغیر کلمہ حق ادا کرنا اور سید عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کا پوری دنیا نے عرب کی دشمنی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اعلانِ توحید و رسالت فرمانا اور بتوں کی مذمت اور بت پرستی کی قباحیت بیان کرنا ایسی حقیقت ہے کہ کوئی مشرک بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا لہذا واضح ہو گیا کہ تفتیہ مفروضہ کی سنت انبیاء علیہم السلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اجماع اہل اسلام سے شیعہ تفتیہ کا ابطال

دعوت محمدی پر لبیک کہنے والوں نے کفار عرب اور قریش مکہ سے کیا کیا ظلم و ستم نہ ہے اور حیر و استبداد کی کون سی بھیانک سے بھیانک شکل تھی جس کا عملی تجربہ ان حضرات کو نہ کرنا پڑا۔ حضرت یاسر اونٹوں کے پاؤں سے باندھ کر اور انھیں مخالف سمت میں چلا کر چیر دیئے گئے حضرت سمیہ کو ابو جہل لعین نے اندام نہانی میں نیزہ یا خنجر کا وار کر کے شہید کر دیا۔ اور بالآخر اس ظلم و ستم کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ بعد ازاں خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بقیہ صحابہ مکہ مکرمہ جیسے مقدس اور پیارے شہر سے ہجرت کر گئے لیکن کتمان حق اور زمانہ سازی اور کفار و مشرکین سے واقفیت اور یکجہتی کو قطعاً روانہ رکھا اور امام مظلوم نے اس جانفشانی اور ایثار و قربانی کے مجسمہ میں روح پھونک کر اسے زندہ جاوید بنا دیا۔ کیا ہے کوئی جہان میں عقل سلیم اور طبع مستقیم کا مالک اور شرع قویم کے اصول و قواعد اور آئین و ضوابط سے باخبر جو فتویٰ صادر کرے اور ان اقدامات کو خالق عقل عقلاً کی شریعت مقبولہ میں ناجائز ثابت کرے اور اس کے خلاف کو موجب اجر و ثواب اور باعث ترقی درجات بتائے۔ ان اقدامات کو دین و ایمان کی نفی اور انعام کا موجب قرار دے اور کتمان کو دین میں نوسے فیصد ترقی کا موجب۔

لہذا کتاب اللہ، سنت رسل و انبیاء اور اجماع اہل اسلام بلکہ اجماع عقلاء حق کوئی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خوبی اور استحسان واضح ہوا اور اس کے برعکس غلط بیانی اور زمانہ سازی کا قبیح اور نقص ہے۔

حدیث بے خبراں ہے کہ بازمانہ بیان زمانہ باتوں ساز و تو بازمانہ سستیز
ان آفتاب عالم تاب کی طرح واضح اور روشن دلائل کا ملاحظہ و مطالعہ کرنے
کے بعد ڈھکوصاحب کے مخالطات بنام دلائل اور شبہات بشکل براہین ملاحظہ کریں
اور ان کے جوابات بھی۔

شیعی مجتہد ڈھکوصاحب کا قرآن مجید سے استدلال اور اس کا جواب۔

پہلی آیت۔ قال اللہ تعالیٰ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا

من اکفر وقلبه مطمئن بالایمان۔ الآیہ

اس آیت کو اپنے مسلک پر منطبق کرتے ہوئے ڈھکوصاحب نے طویل تقریر
فرمائی وہ ملاحظہ ہو چکی ہم نے اختصاراً صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس آیت کریمہ
کو شیعہ صاحبان کے اس تفسیر سے کیا نسبت ہے جس کی شان اصول کافی کے حوالوں
سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز
نے بیان فرمائی۔

اس آیت کریمہ کا مطلب واضح ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب
کرے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ایسے لوگوں کے لیے عذاب عظیم ہے اور
اگر جبر و اکراہ اور خطرہ جان کی وجہ سے صرف زبانی کلمہ کفر کہہا مگر دل میں ایمان
وایقان اور اعتراف و تصدیق راسخ ہے تو ایسے شخص کے لیے نہ غضب خداوندی
ہے اور نہ عذاب الیم و عظیم۔

۱۔ اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ اس صورت میں اس کے درجے کتنے بلند
ہوں گے۔ اور کلمہ کفر زبان پر نہ جاری کرنے سے ایمان جاتا رہے گا پھر اس
آیت کی رو سے حضرت عمار کے والد حضرت یاسر اور ان کی والدہ حضرت سمیہ کے متعلق
کیا فتویٰ ہے؟ لہذا یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ جان کو خطرات میں ڈال
کر اعلان حق کا نعرہ مستانہ لگانے والا ہی بلند و بالا مقامات کا مالک ہے دوسرے
اس کے مراتب کو نہیں پہنچ سکتے۔

بنا کردند خوش رستم بنجاک و خون غلیطان

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

۲۔ کیا اس آیت کریمہ یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمار کو کفار و مشرکین کے درمیان رہنے اور تقیہ کے ذریعے اپنا تحفظ کرنے کی اجازت مل گئی یا سوعہ اتفاق سے کبھی ایسا واقعہ ہائلہ پیش آئے تو وقتی طور پر اس کفر لسانی کو برداشت کرنے کا تذکرہ ہے۔

دار کفر سے ہجرت نہ کرنے پر ستر کا بیان اور شعی

تقیہ کا بطلان از روئے قرآن

لیکن اگر کوئی شخص ایسی جگہ سے ہجرت نہ کرے اور کفار کے ساتھ نبھاؤ کی صورت اپنائے رکھے تو قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے اس طرف ڈھکوا صاحب نے کیوں دھیان نہیں دیا۔ قال اللہ تعالیٰ

ان الذین توفاهم اللہ مملکة ظالسی انفسهم قالوا فیہم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا ا لہم تکت ارض اللہ واسعة فتہاجروا فیہا فاؤلئک ما واهم جہنم وساءت مصیرا۔ الا المستضعفین من الرجال والنساء واللذان الذین لا یستطیعون حيلة ولا یتہتدون سبیلا فاؤلئک عسی اللہ ان یعفو عنہم وکان اللہ عفوا غفورا۔ (سورة النساء)

بیشک وہ لوگ جن کو فرشتے فوت کرتے ہیں در آنحالیکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں تو ان سے دریافت کرتے ہیں تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تو اس زمین میں ضعیف و ناتواں تھے اور بے بس و بے چارے۔ تو فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے ایسے ظالموں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُری جگہ

بازگشت کی ماسواغ ان لوگوں کے جو ضعیف و ناتواں اور بے بس و بیچارہ تھے۔ مردوں غورتوں اور بچوں میں سے جو ہجرت کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تھے اور نہ راہ کی خبر رکھتے تھے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے عفو اور درگزر فرمائے اور اللہ تعالیٰ عفو و درگزر فرمانے والا ہے۔

اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا ہے کہ جس علاقے میں اپنے مذہب و مسلک اور دین و ایمان کا اظہار نہ ہو سکتا ہو وہاں سے ہجرت نہ کرنا اپنی جان پر ظلم عظیم ہے اور جہنمی ہوئے کا موجب اور عذاب عظیم کا سبب لیکن شیعہ صاحبان نے اس کے مقابل اجر عظیم اور ثواب جمیل کی روایات گھڑ کر اور اسے ترقی درجات کا ذریعہ قرار دے کر بلکہ تمام معتقدات اور اعمال سے اس کو کئی گنا فضیلت دے کر ہجرت کا تصوری ختم کر دیا اور اس کو رخصت اور اباحت کے درجہ سے اٹھا کر فرض بلکہ فرائض کی جان اور عین ایمان بنا ڈالا کیا اس آیت مبارکہ کو اس شیعہ تفسیر کے ساتھ کوئی ادنیٰ سا تعلق اور واسطہ بھی ہے؟

اگر شیعہ تفسیر میں یہ ہم خرماد و ہم ثواب والی بات ہوتی تو قاضی نور اللہ شوستری صاحب عیاری و مکاری کے ذریعے عہدہ مفتاح کے ساتھ چمٹے نہ بیٹے اور عرصہ دراز تک اہل السنۃ والجماعت کو اپنی چالاکوں اور دسیہ کاریوں سے پریشان نہ رکھتے بلکہ جب بھی موقع ملتا دارِ فضل و شیعہ کی طرف بھاگ جاتے۔

حضرت عمار بن یاسر کا ملال ایمان کیوں؟

وہ حکو صاحب فرماتے ہیں ”صحابہ کرام علیہم الرضوان تفسیر کریں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کامل ایمان ہونے کی سند عطا کریں“ جس سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت عمار کے کامل ایمان ہونے کا موجب تفسیر ہے حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے ان کو کامل ایمان اس لیے قرار دیا گیا کہ ان سے کلمات شریکہ سرزد ہونے پر قلبی کیفیت پر بھی گئی تو انھوں نے عرض کیا دل تو بالکل ایمان و تصدیق سے

معمور ہے۔ اور بالکل مطمئن۔

تب آپ نے ان کو ایمان سے بھرپور اور کامل مومن قرار دیا۔
لہذا سبب کامل الانیان ہونے کا تفتہ نہیں بلکہ تصدیق قلبی کا بحال ہونا دیکھنا
ہوئے بعید ورنہ جن حضرات صحابہ اور حضرات ائمہ نے تفتہ نہیں کیا وہ نعوذ باللہ
کامل نہیں قرار پائیں گے۔

علامہ دھکو صاحب کی غرابت استدلال اور انوکھی منطق

علامہ موصوف نے دعویٰ کرتے وقت تو مجبوری مہوری اور ظلم و زیادتی کی صورت
میں تفتہ کو جائز قرار دیا اور کلام مجید سے حالت اکراہ و اجبار میں کلمہ کفر زبان پر جاری کرنے کا
جواز بطور دلیل پیش کیا، ”کما قال“ الامن اکوہ و قلبہ مطمئن بالایمان اور حضرت عمارؓ یا سررضی اللہ عنہما
کی منلو بیت و مہوریت اور یہی ویچارگی کی حالت اور اس میں سرزد ہونے والے
کلمات کو دلیل بنایا لیکن دل کی بات دل میں رکھی اور اسے نوک قلم بالب ترطاس پر نہ لائے
اور تفتہ دہیز تہوں میں چھپا ہی لیا کیونکہ انہوں نے یہ نظریہ جاری ہی اسی لیے کیا تھا کہ امیر المنین
علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دوران خلافت شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کو اپناتے،
اور ان حضرات کی بھری محفل میں تعریف و توصیف اور مدح و ثناء کا جواز پیش کریں اور
شیعی طبقہ کے خصوصاً احکام کو جاری نہ کرنے کے مسئلہ کا اجزاء نہ کرنے، بیس تراویح کو
بند نہ کرنے اور تین طلاق کو ایک قرار نہ دینے وغیرہ کا جواز پیش کرنے اور ظاہر
ہے کہ خلیفہ وقت کے حق میں تفتہ کا جواز نہ قول باری تعالیٰ ”الامن اکوہ سے ثابت
ہو سکتا ہے اور نہ ہی حضرت عمارؓ والے واقعہ سے اس لیے ان دلائل اور شواہد کو اس
عقیدہ و نظریہ سے تعلق ہی نہیں ہے، کیا یہ حیرانگی اور سرسرتعجب کی بات نہیں کہ تفتہ
کا جواز بیان کرتے وقت حالت اکراہ و اجبار کا سہارا لیا جائے اور متحیّر کو استعمال
کیا جائے اہل السنّت کے اس استدلال کے خلاف کہ حضرت علی مرتضیٰ نے دوران
خلافت خلفاء سابقین کی سیرت و کردار سے سرمو تجاویز و اخراجات نہ کیا اور ان کے

جاری کردہ احکام میں ذرہ بھر تبدیلی نہ کی گئی کہ فہم اور قرآن مجید کی ترتیب و تدوین اور تلاوت میں بھی انہیں کی تقلید و اتباع کی اور اہل کو خیر امت اور افضل المسلمین اور راسخ اور صاحب استقامت قرار دیا و عیو و غمرہ اگر ان سے نظر ثانی اور عملی اختلاف ہو جائے ہرگز یہ طور و طریقہ نہ اپناتے۔ تو سب کا ایک ہی لفظ میں کافی و کافی جواز دیا جاتا ہے کہ آپ تفتہ کرتے تھے۔

اور اگر ایسا نہ کرتے تو سارا لشکر الگ ہو جاتا اور ایکسے رہ جاتے لہذا جہاں اس اختراعی عقیدہ کو استعمال کر کے اہل سنت کے استدلال کا جواب دیا جاتا ہے ایسے ہی مواقع استدلال میں بھی پیش کر دے جس ہستی نے حضرت غلام و زبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حالات کی نزاکت اور سنگینی کے باوجود حضرت ابن عباس کے بار بار مشورہ دینے اور اصرار کرنے پر ایک جہینہ کے لیے بھی ایسی مصلحت کیشی سے کام نہ لیا اور ہر چہ باوجود کانفرہ لگا کر میدان کا زرار میں اتر پڑے وہ شیخین کے وصال کے بعد بھی پورے عرصہ خلافت میں اس مصلحت کیشی اور عام اہل اسلام کو بہنا بنائے رکھنے کی خاطر کیونکہ تفتہ کے روادار ہو گئے۔

لہذا علامہ صاحب کو اس مخصوص حالت میں جواز تفتہ ثابت کرنا چاہئے تھا جبکہ ان کے دلائل کو اس مدعا و مقصود سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے گویا جس تفتہ میں نزاع ہے اس کو ہاتھ نہیں لگاتے اور اس کے متعلق ایک حرف زبان پر نہیں لاتے اور جس کے اثبات میں ورق سیاہ کیے جا رہے ہیں اس میں نزاع و اختلاف کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔

تشریح الامامیہ

ڈھکو صاحب

دوسری آیت: ارشاد رب العباد ہے :-

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا
وَيَحْذَرُ اللَّهُ النَّفْسَ الْفَاسِقَ وَالْأَلِيَّ اللَّهُ الْمَصِيرَ (پس آل عمران ع ۱۱)

مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے کوئی نفع نہیں ہوگا (اس تفسیر سے) کسی طرح ان کی شرارت سے بچنا چاہو (توخیر) اور اللہ تم کو اپنے (جلال) سے ڈراتا ہے اور (آخر کار) اللہ کی طرف جانا ہے (ترجمہ تفسیری)

تفسیر رضیادی طبع لکھنؤ جلد اول ص ۱۲۴ و طبع مصر جلد اول ص ۱۱۲ میں بذیل آیت بالا مرقوم ہے یعنی یعقوب قاری نے تقاة کو تقیہ پڑھا ہے (معالم التنزیل میں مجاہد کی قراوت بھی یہی بتلائی گئی ہے) خداوند عالم نے اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو کفار کے ساتھ ہر قسم کی ظاہری و باطنی دوستی کرنے سے سوائے حالت خوف کے باقی تمام اوقات و حالات میں ممانعت فرمائی ہے۔ البتہ بوقت خوف ان سے دوستی ظاہر کرنا جائز ہے۔

ایسا ہی تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۴۶ و تفسیر کشاف جلد اول ص ۱۸۳ فتح البیان وغیرہ میں افادہ فرمایا گیا ہے۔ برادران اسلامی کی اصح الکتاب بعد کتاب الباری الصحیح البخاری جلد ۲ ص ۱۲۳ طبع مصر پر بذیل آیت مذکورہ بالا لکھا ہے یعنی تقاة سے مراد تقیہ ہے اور حسن (بصری) کہتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک باقی اور جائز ہے

”ارباب انصاف کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ خداوند حکیم حالت خوف میں کفار سے اظہارِ محبت کو جائز قرار دے (جو عام حالات میں ناجائز ہے) علماء اسلام اس کے جواز کی صراحت کریں۔ بخاری شریف میں تقیہ کو قیامت تک دائم و دائم رہنے کی بشارت موجود ہے اس سے واضح دیکھا ہے کہ تقیہ برحق ہے (ص ۱۶، ۱۷)

تحقیقِ حسینیہ

محمد اشرف السیالوی

مثل مشہور ہے کہ بھوک سے لاچار آدمی سورج کی طرف دیکھے تو اس کو وہ بھی لٹکی ہوئی روٹی کی صورت میں نظر آتا ہے ڈھکوماحب ڈوبتے کو تنکے کا سپارا کے مترادف لفظ تقیہ نظر آگیا تو پھولے جامہ میں نہیں سمار ہے حالانکہ جھگڑا اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل تشیع کے درمیان لفظ تقیہ میں تو نہیں ہے خواہ اس کا معنی کچھ بھی کیوں نہ ہو بلکہ ہم نے محلِ نزاع مفصل طور پر پہلے عرض کر دیا ہے اس پر پھر نظر ڈال لیں اور ڈھکوماحب کماستدلال کی لغویت کا اندازہ کر لیں علاوہ ازیں یہ استدلال چند وجوہ سے غلط اور باطل ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں قراءت متواترہ کے اندر ”الا ان تتقوا منہم تقاة“ وارد ہے اور اس کا معنی خوف اور ڈر ہے نہ کہ مصطلح تقیہ۔ کما قال اللہ تعالیٰ -
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے کہ ڈرنے کا حق ہے اور تم پر موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

جس طرح یہاں لفظ تقاة وارد ہے اور اس کا معنی خوف ہے اسی طرح آیت مذکورہ بالا میں بھی یہی معنی مراد ہے نہ کہ محل نزاع تقیہ۔

۲۔ تقیہ بھی اسی طرح مصدر ہے جس طرح تقاة یعنی ایک دوسرے کی جگہ پر استیلا ہوتے رہتے ہیں ملاحظہ ہو نسخ البلاغہ مع شرح ابی الحدید جلد ۶ ص ۲۶۳

فَاتَّقُوا اللَّهَ عِبَادَ اللَّهِ تَقِيَّةَ ذِي لُبٍّ شَغَلَ التَّفَكُّرَ قَلْبَهُ
اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس عقل مند کی طرح کا ڈرنا جس کے دل کو تفکر نے مشغول کر رکھا ہو۔

اور اسی طرح جلد ۶ ص ۲۵۵ پر مذکور ہے فَاتَّقُوا اللَّهَ تَقِيَّةَ مَنْ سَمِعَ فُخْشَتَهُ تَمَّ اللَّهُ سَے ڈرو اس شخص کے ڈر کی مانند جس نے سنا پس خشوع و خضوع سے کام لیا تو کیا اس جگہ بھی متنازع فیہ تقیہ مراد لیا جاسکتا ہے ؟

۳۔ آیت کریمہ کے سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ اہل ایمان کو کفار کے ساتھ دوستی اور قلبی ربط و تعلق سے منع کیا گیا ہے جیسے کہ فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ
يَا لَوْ كُنْتُمْ خَبِيرِينَ

اے ایمان والو! غیر مسلموں کے ساتھ قلبی روابط استوار نہ کرو وہ تمہیں دھوکہ دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

الَّذِينَ اتَّقَوْا مِنْهُمْ اتَّقَا“ اسی حکم سے استثناء ہے یعنی اگر گرفتار و مشرکین اور غیر مذہب والے غالب ہوں تو پھر تم اس حکم کے ساتھ مکلف نہیں اور مشہور و معروف قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ امّنہ میں جس کی نفی یا نہی (نہی) ہوگی مستثنیٰ میں اسی کو حکم نفی یا نہی سے خارج کیا جائے گا لہذا ایمان کے چھپانے اور کفر کے ظاہر کرنے والا معنی کیسے مل لیا جاسکتا ہے جبکہ مستثنیٰ امّنہ کی جانب کفار کے ساتھ موالات ترک کرنے کا حکم ہے۔ لہذا صرف ظاہری موالات اور مدارات، حسن خلق اور رواداری والا معنی ہی مراد ہوگا نہ کوئی دوسرا معنی اور مدارات یا حسن خلق میں تو نزاع و

اختلاف ہی نہیں ہے۔ گویا قدرت و طاقت اور غلبہ و تسلط حاصل ہو تو پھر مشرکین کو جزیہ دینے پر مجبور کرو یا قتل کرو اگر اسلام نہ لائیں تو کما قال تعالیٰ حتی یوقوا المجزیة عن ینفخہم صاعرون۔ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم اور اگر قدرت و طاقت نہ ہو تو رواداری اور حسن خلق کا مظاہرہ کرو بقول حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ یہ حکم تا قیام قیامت سہی مگر اس سے ڈھکوماحب کو کیا حاصل؟ مگر اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تبلیغ اور اشتباہ سے کام نہ لیں تو کیا کریں مفسر صحابہ جبرامت حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں

نہی اللہ المؤمنین ان یلاطفوا الکفار ویخذوہم ولیجہ من دون المؤمنین الا ان یکون الکفار علیہم مظاهرین اولیاء فیظہرون لہم اللطف ویخالفونہم فی الدین وذلك قوله تعالیٰ الا ان تتقوا منہم تقاة۔

(تفسیر درمنثور جلد ثانی ص ۱۶)

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنے سے منع فرمایا اور مومنین کے علاوہ ان سے روابط و تعلقات سے مگر یہ کہ کفار ان پر غالب قایم ہوں تو ان کے ساتھ لطف و مہربانی کو ظاہر کریں اور دین میں ان کی مخالفت کریں اور یہی معنی ہے قول باری تعالیٰ الا ان تتقوا منہم تقاة۔ ”کیا یہاں ظاہر اور باطن کا فرق قطعاً نہیں ذکر کیا گیا بلکہ مطلقاً دین میں مخالفت کا ذکر کیا گیا ہے، جو دونوں حالتوں کو شامل ہے لہذا اس سے اہل سنت کا مذہب باطل کیسے بھڑا اور شیعہ کا مذہب ثابت کیسے ہوا۔

ڈھکوماحب کا اپنے قول کی تردید کرنا

موصوف نے تفتیہ کا معنی بیان کیا تھا ”ابطان ایمان اور اظہار خلاف ایمان“ ایمان کو چھپانا اور اسلام کے خلاف کو ظاہر کرنا لیکن یہاں دلیل قائم کرتے ہوئے صرف

مدارات اور نرم رویہ اور ملاطفت و رواداری کا جواز ثابت کیا۔

رواداری اور ملاطفت کا حکم تو اہل ذمہ کے متعلق بھی ہے تو کیا ان کے ساتھ بھی مذہب میں موافقت کر لیں منافقین مدینہ کے ساتھ بھی عرصہ تک رواداری اور مروت بستنے کا حکم تھا تو کیا ان کے ساتھ مذہب و عقیدہ میں بھی موافقت کی گئی لہذا ملاطفت و مدارات سے ابطان ایمان اور اظہار خلاف ایمان کیسے ثابت ہو گیا؟ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ تقیہ ایمان چھپانے کا نام نہیں ہے بلکہ نرم سلوک کرنے کا نام ہے تو اس دلیل سے پھیلا دعویٰ باطل ہو گیا۔

علماء شیعہ کا افراط اور حد سے تجاوز

جو امور ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے جائز کیے جائیں اور عام حالات میں جائز نہ ہوں وہ رخصت اور اباحت کے درجہ میں ہوتے ہیں نہ فرض و واجب اور نہ ہی موجب ترقی درجات۔ مگر شیعہ صاحبان اگر حد و اباحت اور رخصت میں رکھنے کی بجائے انھیں فرض میں قرار دیتے ہیں اور اس پر اجر جزیل اور ثواب جمیل ثابت کرنے میں پوری چوڑی کا نور لگاتے نظر آتے ہیں۔

۱۔ ابن بابویہ در رسالہ اعتقادیہ اور وہ کہ تقیہ واجب است ہر کہ آنرا ترک کند ہچناں است کہ ترک نماز کردہ۔

ابن بابویہ رسالہ اعتقادیہ میں نقل کرتے ہیں کہ تقیہ واجب ہے اور جو اسے ترک کرے گویا اس نے نماز کو ترک کیا ہے۔

(منہج الصادقین از راجع الشدکاشانی جلد دوم صفحہ ۲۰۷)

۲۔ اور آقائے میرزا ابوالحسن شحرانی نے اس وجوب کو بہت زیادہ عام کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے زمانہ میں رسالہ اعتقادیہ مؤلفہ ابن بابویہ والا حکم بہت دشواری کا موجب ہو گیا ہے کیونکہ چھاپے خانے قائم ہو گئے اور ہر فریق کی کتابیں دوسرے فریق کے ہاتھ لگ جاتی ہیں اور ممالک کے درمیان آمد و رفت کے ذرائع

عام ہو گئے ہیں۔ دوسرے کس امر و در کتاب ہے سب میں سید یا کتاب ہے مشتمل بر سب را
پچاپ رساند بر خلاف تقیہ است و برادران مومن خود را در معرض ہتک قرار میدادند
زبان سابق بر کس چیز سے می نوشتت نزد خود یا کسان او میماند و اخفاء آن ممکن بود و اگر
سابق در نزد مخالف تقیہ واجب بود اکنون ہمہ جا واجب است

(حاشیہ منہج جلد دوم صفحہ ۲۰۷)

جو شخص اب کسی کتاب میں سب و شتم لکھے اور اس پر مشتمل کتاب کو چھاپے تو
وہ تقیہ کے خلاف ہے اور ایسا شخص اپنے مومن بھائیوں کو معرض و محل ہتک قرار دیتا
ہے پہلے زمانہ میں جو کوئی ایسی چیز لکھتا تھا وہ اپنے پاس رکھتا تھا یا اس کے خاص آدمیوں
تک وہ چیز محدود رہتی تھی اور اس کا اخفاء ممکن ہوتا تھا۔ لہذا پہلے دور میں اگر مخالف کے
سامنے تقیہ واجب تھا تو اب تمام جگہ (دور و نزدیک) تقیہ واجب ہے۔

یہیے صاحب مخالف سے جان و مال کے ڈر کی شرط بھی ختم ہوئی اور ہر جگہ تقیہ
واجب و لازم ہو گیا کیا واقعی اس آیت کریمہ کا مدعا یہی ہے تو پھر حکم صاحب اور ان
تمام عالم میں پھیلے ہوئے ہم مشرب لوگوں کو اس فرض پر عمل کرتے ہوئے اپنا عقیدہ چھپانا
فرض اور ہمارا عقیدہ ظاہر کرنا لازم ہے اپنے عبادات کے طور طریقوں کو چھوڑنا لازم اور ہمارے
طور طریقوں کو اپنانا ضروری ہو گیا اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع اور
سب و شتم کی بجائے ان کی مدح و ثناء لازم اور ضروری ہو گئی۔

سنی امام کے پیچھے ازراہ تقیہ نماز پڑھنے کا اجر و ثواب

اس مسئلہ میں افراط و غلو اور حد سے زیادہ تجاوز کا اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

امیر المؤمنین فرمود: من صلی خلفہم فی الصف الاول

فكانتھا صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصف

الاول۔

جو شخص ہمارے مخالفین کے پیچھے صف اول میں نماز ادا کرے تو گویا اس نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صفِ اول میں نماز ادا کی۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد دوم ص ۲۰۸)

ہم تو کسی فاسق کے پیچھے پڑھنے پر نماز کا اعادہ واجب و لازم سمجھتے ہیں مگر شیعہ صاحبان کی خانہ ساز روایات دیکھیے کہ مخالف امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کے ہم پلہ قرار دے دیا اور کون کافر ہے جو اس مقدس ترین ہستی کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ جائز بھی سمجھے چہ جائیکہ واجب و لازم۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ اس روایت میں کسی ڈر اور خوف، جانی اور مالی نقصان کے اندیشہ کا بھی ذکر نہیں کیا گیا لہذا یہ حکم بھی عام ہو گیا۔ اس طرح اہل السنہ کو مغالطہ دینے کا کام بھی سہل انجام ہو گیا اور عظیم اجر و ثواب بھی حاصل ہو گیا اور اس کو شیخ الاسلام قدس سرہ نے ہم خرما و ہم ثواب سے تعبیر کیا۔

کیا اس آیت سے یہ نکتہ ثابت کیا جاسکتا ہے میں پھر کہوں گا غلط بحث اور تلبیس سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ نکتہ کے متعلق اپنا عقیدہ سامنے رکھ کر دلیل پیش کریں جس میں تقریب تمام ملحوظ ہو ورنہ اپنا اور ہمارا وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت؟

فصل چہارم

تشریح الامامیہ _____ ڈھکو صاحب

جواز تفسیر سنت پیغمبر کی روشنی میں

تاریخ اسلام پر نگاہ رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت مستور نہیں ہے کہ تفسیر کا جواز نہ صرف رسول خدا کے قول سے بلکہ ان کے عمل و فعل سے بھی ثابت ہے، چنانچہ تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۱۰۶، ۱۰۷ و تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۴۱۹ طبع مصر تفسیر معالم التنزیل طبع بمبئی ص ۴۹۹ وغیرہ کتب معتبرہ میں مرقوم ہے کہ کئی سال (۳ برس) تک پیغمبر اسلام نے اپنے امر نبوت کو مخفی رکھا جو کچھ خدا ان پر نازل کرتا تھا اسے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آیت مبارکہ ”فاصدع بما تؤمر“ نازل ہوئی جب کہ شجر اسلام میں کچھ توانائی پیدا ہو چکی تھی اس وقت کھل کر کلمہ حق بلند کیا۔

بخاری مع فتح الباری جلد ۲ ص ۹۸، ۱۰۰ پر جناب عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا: اے عائشہ! اگر تیری قوم تازہ جاہلیت کفر سے نکل کر اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی جس کی وجہ سے مجھے ان کے دلوں کے برگشتہ ہو جانے کا اندیشہ ہے تو میں یقیناً کعبہ کو گرا کر اس کا سنگ بنیاد جناب ابراہیم کی بنیادوں پر رکھتا اور اس کے لیے دو دروازے مقرر کرتا ایک مشرقی اور دوسرا مغربی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس اہم مصلحت کے پیش نظر آپ یہ مهم کام انجام نہ دے سکے۔ اس سے ایک اور مشہور غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے کہ حضرت امیر نے اپنے ظاہری دور خلافت میں بعض اصلاحات کیوں نافذ نہ کیں؟ جب بانی اسلام کی سیر طیبہ میں

اس کی نظیر موجود ہے تو اگر جناب امیر بعض اہم مصالح کی بناء پر بعض مہم اصلاحات نافذ
کر کے ہوں تو ان کو کسی طرح بھی مورد الزام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (ص ۱۷، ۱۸)

تحفہ حسینیہ _____ محمد اشرف الیاسی

تقیہ اور سنت پیغمبر

قبل ازیں اس معاملہ میں اولوالعزم رسل کرام کی سنت بیان کی جا چکی ہے
اس جگہ صرف ڈھکوسل صاحب کے دلائل پر تبصرہ کرنا ہے۔ اس فصل میں انھوں نے
صرف دو عدد حوالے روایات میں سے پیش کیے ہیں جبکہ ہم قرآن مجید کے قطعی دلائل
سے ان کا تقیہ سے ہزاروں مراحل دور ہونا بیان کر چکے لہذا سرسری نظر میں ہی ناظرین
حق و باطل میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

پہلی روایت کا جواب:

۱۔ چوتھو تسلیم کر لیتے ہیں کہ تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوی نبوت
اور دیگر آیات نازلہ کو مخفی رکھا لیکن بہر حال اس کے بعد ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا اور
شکر و سپاہ، حکومت و سلطنت کے حصول کا انتظار کیا تو وہ سنت منسوخ ہو گئی کیا
کوئی عالم بقائم ہو ش و حواس منسوخ سنت کو دلیل بنا سکتا ہے۔ اگر پہلی سنت بعد
میں بھی قابل عمل تھی تو اپنے لیے اور اپنے غلاموں کے لیے مصائب و مشکلات کے طوفان
سے ٹکرا جانے کا راستہ کیوں اختیار کیا اور مصالح مالیہ و نفسیہ کو نظر انداز کیوں کیا؟ معلوم
ہو گیا اور روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ سابقہ سنت اب منسوخ اور ناقابل عمل ہو چکی
تھی تو علماء شیعہ کو اس وقت اس کے زندہ کرنے کی ضرورت تھی کہ ۱۔ پیش آری سے؟

ایک وہ دور بھی تھا کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف بھی منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے ہیں تو کیا آپ اب بھی اس کو قبلہ بنالیں گے

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجیبت

۲۔ نیز دریافت طلب یہ امر ہے کہ روایت کو محل نزاع سے کیا تعلق ہے کیا اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ اور قریش کے ساتھ زبانیاں یا عملی طور پر موافقت فرمائی جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تفتیح بمعنی ”ابطان ایمان و اظہار خلاف ایمان“ اس روایت سے کیسے ثابت ہو گیا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خسرو
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۳۔ پھر اسی روایت کا آغاز ہی دھوکہ صاحب کی تردید کر رہا ہے مازال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسند تحفہ سنین کئی سال تک بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھپے رہے اگر اعلان رسالت و نبوت نہیں فرمایا تھا اور اہل مکہ عداوت و دشمنی پر نہیں اتر آئے تھے تو چھپنے کی ضرورت کیا تھی۔ پہلے چالیس سال تو نہیں چھپے تھے۔ آخر اب یہ تبدیلی رونما کیوں ہوئی؟ یقیناً اس لیے کہ اعلان نبوت و رسالت کرنے پر وہ مخالف ہو گئے لہذا علی الاعلان تبلیغ کی بجائے علیحدہ مقام پر تشریف فرما ہو کر اس مقدس مشن کو جاری رکھا۔ کیا علیحدہ مقام اور الگ مکان میں بیٹھ رہنا بھی تفتیح کہنا ہے اور اسی حالت میں اہل السنۃ اور اہل المتبع کے درمیان اختلاف ہے۔

دوسری روایت کا جواب:

مجتہد صاحب بالکل بہک گئے ہیں اور ان کے ہوش و خرد گم نظر آتے ہیں۔

۱۔ ذرا سوچئے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں تفتیح متنازعہ کے جواز پر کس طرح روشنی پڑتی ہے کعبہ شہید نہ کر کے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے ساتھ تفتیح کیا۔ اہل اسلام کے ساتھ یا کفار کے ساتھ یا فریق فتنہ مکہ کے بعد یا بھاگ گئے یا حلقاً اسلام میں داخل ہو گئے لہذا ان کا تو وہاں وجود ہی نہ

۱۰۔ اور اہل اسلام سے تقیہ کرنا چہ معنی دارد؟

۲۔ کعبہ کو سابقہ شکل پر برقرار رکھنے سے کسی کی نماز میں کوئی خلل لازم آسکتا ہے؟ اس موجودہ مکان کو کعبہ سمجھنے میں کوئی کفر یا فسق یا مکروہ امر کا ارتکاب لازم آتا ہے جب کچھ بھی نہیں تو پھر اس کو تقیہ والے نظریہ سے کیا تعلق؟ بلاوجہ اپنی بے مائیگی ظاہر کی اور علمی مفلسی اور ہمارا وقت ضراب کیا۔

۳۔ بات صرف اتنی تھی کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی بنیادوں پر اس کی تعمیر زیادہ موزوں تھی لیکن کسی کے گوشہ ذہن میں ادنیٰ سی خلش پیدا ہو سکتی تھی کہ اس کو ابراہیمی بنیاد سے کہیں ہٹا تو نہیں دیا گیا اور آپ نے دعویٰ تو ملت ابراہیم علیہ السلام پر ہونے کا کیا تھا کہیں اس سے انحراف کا آغاز تو نہیں ہو رہا۔ گویا کعبہ کے سابقہ حالت پر رہنے سے کسی قسم کا خلل اور نقص دین میں اور نماز میں لازم نہیں آتا تھا جبکہ اس کی از سر نو اور موجودہ بنیادوں سے ہٹ کر تعمیر میں اس قسم کے توہم اور شبہ کا احتمال تھا لہذا اسے اسی حال پر رہنے دیا اس قسم کے مصالح کی رعایت کو متنازعہ فیہ مسئلہ تقیہ سے دور کا واسطہ بھی نہیں اور اگر بالفرض ہے تو کیا میں علماء شیعہ سے دریافت کر سکتا ہوں کہ اگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مقدسہ کو شہید کر کے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر فرماتے تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ فتویٰ (بصورت روایت) آپ پر بھی لاگو ہوتا "لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ" "نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ثم استغفر اللہ"۔

اگر کیا آپ نے بھی کعبہ کو از سر نو تعمیر نہ کر کے اپنے درجات و مراتب میں نوے فیصد ترقی کا اہتمام فرمایا؟ اگر ان امور میں سے کوئی بھی یہاں پر وقوع پذیر نہیں ہے تو پھر تطویل لا طائل سے محکوم صاحب کو کیا حاصل؟

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور مغالطہ کا ازالہ

فاضل شیعہ نے تقیہ کے جواز و ثبوت پر دلائل دیتے ہوئے سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تقیہ لوگوں کو دکھلانا چاہا تو گئے ہاتھوں سیرت حضرت علی المرتضیٰ کی روشنی میں بھی اس کو اجاگر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آئیے آپ بھی اس روشنی کو دیکھیں اور اس میں ڈھکو صاحب کی بیچاگی اور بے بسی کا مشاہدہ کریں۔

شیعہ صاحبان پر اعتراض یہ تھا کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ متفق نہ ہوتے تو ان کے جمع کردہ قرآن کے مقابل اپنا قرآن پیش کرتے۔ متعہ کو رواج دیتے۔ تراویح کو حکماً روک دیتے۔ تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیتے وغیرہ وغیرہ اور جب آپ نے کسی قسم کی تبدیلی ان امور میں نہیں کی تو آپ کا ان حضرات کے ساتھ متحد و متفق ہونا واضح ہو گیا اور مذہب اہل السنۃ کی حقانیت ثابت ہو گئی ورنہ خلافت کا فائدہ ہی کیا اگر اس کے حصول پر بھی آپ صحیح شریعت اور کامل دین لوگوں کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔ اس کو ڈھکو صاحب نے مشہور غلطی قرار دیا اور پھر اس کا بزم خویش کعبہ کے سایہ میں ازالہ کر دیا۔

خدا را سوچے!

کعبہ کا سابقہ حالت پر رہنا دین میں کسی ضعف اور نقص کو مستلزم نہیں بلکہ مکہ نہ بھی ہو نفوذ باللہ تو بھی ناز میں غل نہ حج میں کیونکہ اصل قبلہ وہ فضائے جس میں یہ مکان قائم ہے اور اسی حصہ ارض کا طواف بھی کافی ہے اور اس چوتڑے کے گرد چکر لگانا ہی حج میں کفایت کر سکتا ہے؛ جن دنوں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی از سر نو تعمیر کی تھی اس وقت بھی اہل اسلام نازیں پڑھتے رہے۔ عمرہ اور حج کرتے رہے لہذا اس پر احکام شرع کو قیاس کرنا قطعاً غلط ہے۔

اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ کریں گے کہ جو مہکوم صاحب نے بڑے منطقی انداز میں تحریر کیا ہے کہ نزاع بدعت عمر ہے اور بدعت ضلالت و گمراہی ہے اور ہر ضلالت ناردوزخ و جہنم میں ہے۔ لہذا نزاع موجب ناردوزخ ہیں۔ لیکن اگر صاحب اقتدار خلیفہ لوگوں کو اس بدعت سے نہ بچا سکے اور انہیں اپنی آنکھوں سے جہنم میں گرتے دیکھتا رہے۔ اور چپ ساوھے رکھے تو کیا تا مرون بالمعروف اور تنہون عن المنکر جیسا اُمت محمدیہ کا امتیازی نشان مولائے مرتضیٰ میں ڈھونڈنے سے ملا (العیاذ باللہ)

متنع عند الشیعہ حلال ہی نہیں بہت زیادہ ترقی درجات کا موجب ہے ایک مرتبہ کرنے سے حضرت امام حسین کا درجہ اور دو مرتبہ کرنے سے امام حسن کا درجہ اور تین مرتبہ کرنے سے حضرت علی مرتضیٰ کا درجہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اور جو چار مرتبہ کرے اسے رسالت مصلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو زندگی بھر ایک مرتبہ بھی نہ کرے اس کا قیامت کے دن ناک کٹا ہوا ہوگا۔ برہان المتنع از علامۃ ابوالقاسم رضوی قمی اور تفسیر منہج الصادقین جلد دوم میں اس موضوع پر بے شمار روایات موجود ہیں۔ پچشم خود ملاحظہ کریں۔ ہم نے علیحدہ رسالہ میں اس موضوع پر مکمل بحث کی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ یہ فعل عند الشیعہ کس قدر موجب خیر و برکت اور اس کا ترک کس قدر موجب خسران اور باعث تذبذب و گمراہی ہے۔ اگر اس کا خیر کو جاری نہ کرے حضرت علی المرتضیٰ نے کتنے لوگوں کی ناک کٹائی اور کتنے لوگوں کو حسنی حسینی مرتضوی اور محمدی درجات پر فائز ہونے سے محروم کیا۔

تین طلاقیں اگر ایک ہیں تو عورت سابقہ فاوند پر حلال اور دوسرے کے لیے حرام مگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ حقدار کو اس کا حق دیا اور نہ دوسرے شخص کو حرام اور زنا سے بچایا بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرائے جانے اور شریعت مطہرہ میں تغیر و تبدل کر دینے پر بھی آپ کے کانوں پر جوئے نہ رہی تو اس خلافت کا مقصد کیا رہ گیا۔

لہذا کعبہ مقدسہ کی از سر نو تعمیر نہ کرنے والی مصلحت پر ان شرعی احکام اور اس

قسم کے بیسیوں احکام کی خلاف ورزی پر خاموشی اور چشم پوشی کسی طرح بھی قیاس نہیں کی جاسکتی اور خلیفہ وقت ہو کر منکرات کو نہ زور بازو سے تبدیل کر سکیں اور نہ اعلیٰٰ تبلیغ کے ذریعے تو پھر اس خلافت سے بڑھ کر کاربے خیر کیا ہو سکتی ہے اور ایسی خلافت والے پر یہ خلافت کس قدر بارگراں اور اُخروی وبال کا موجب بنے گی۔ لہذا شیعہ صاحبان دوستی کے پردہ میں اس بدترین دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو کریں ہم غلامانِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو بہر حال یہی سمجھتے ہیں کہ آپ نے جس امر کو قائم اور برقرار رکھا۔ بہر حال حق اور درست سمجھ کر ہی برقرار رکھا۔ اسد اللہ الغالب اس قسم کے ضعف اور ناتوانی کا مظاہرہ کیسے کر سکتے ہیں۔

آئینِ جوانمردانِ حق گوئی و بیباکی اللہ کے شہیروں کو آتی نہیں رو باہی
اگر خواجہ خواستہ صرف اہل سنت کو ہمنوا بنائے رکھنے کے لیے اور اپنی خلافت کو استحکام بخشنے کے لیے ایسا کیا تھا تو آج کل کے دنیا پرست مکار حکمران میں اور اس خلیفہ راشد اور سرچشمہ ولایت و عرفان میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟

رسالہ کے مؤلف نے جناب علی کا اپنا مذہب اور ثلاثہ پر اعتراض (ص ۶۵) والا عنوان قائم کر کے (۲۸) احکام ایسے گنوائے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تھے مگر ان کو تبدیل نہ کر سکے۔ آغازیوں ہے مجھ سے پہلے حکام نے ایسے اعمال کو رواج دیا ہے جن میں انھوں نے جناب رسالت مآب صلعم کی مخالفت کی ہے اور رسول خدا کے عہد کو انھوں نے عداً توڑ کر غلط راہ لی ہے جس سے سنت نبوی کو تبدیل کر دیا اور اختتام یوں ہے۔ میں خدا کی طرف اس بات کی شکایت کرتا ہوں جو لوگوں نے تفریق پیدا کر دی اور جو انھوں نے ایسے اماموں کی پیروی اختیار کر رکھی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں اور دوزخ کی طرف بلانے والے ہیں۔

فرمائیے صاحب اٹھائیں بلکہ اس سے بھی زیادہ احکام ایسے جن میں اصلی قرآن سے لے کر عہدِ شگنی اور سنن نبویہ کی تبدیلی موجود، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

اور دوزخ کی راہ پر گامزن کرنے تک سبھی مفاسد موجود رہے۔ مگر چونکہ نبی کریم علیہ السلام نے کعبہ از سر نو تعمیر نہیں کیا تھا۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ احکام صحیح طریقہ پر نافذ نہ ہو سکے۔ بس بالکل سنت نبوی پر عمل کیا گیا ہے۔

خود کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خود جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

تنزیہ الامامیہ ————— ڈھکو صاحب

آنحضرتؐ کا ابوذرؓ کو کتمانِ دین کا حکم دینا

بخاری کتاب المناقب ج ۲ ص ۱۶۶ پر بذیل حدیث اسلام ابی ذرؓ مذکور ہے کہ جب جناب ابوذرؓ اوائل اسلام میں اسلام لائے تو آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا:

”اے ابوذرؓ! ہنوز اس امر (اسلام) کو چھپائے رکھو اور اپنے شہر بیٹ جاؤ۔

ہاں جب ہمارے غلبہ و ظہور کی اطلاع ملے تو ہمارے پاس چلے آنا“ (ص ۱۸)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب نے اس روایت میں بوجہ تبیس سے کام لیا ہے۔

وجہ اول: تو یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تو انھوں نے جواب میں عرض کیا: اللہ ہی بعثک بالحق لا صرخن بہا بین اظہرھم (الحدیث) چنانچہ آپؐ نے مسجد حرام میں اگر کفار کے سامنے باوازا بلند کیا۔ ”اے گروہ قریش! فی استہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد عبد اللہ و رسولہ اور ان کا ہر ظلم و تشدد برداشت کر لیا مگر اغفاد و کتمان سے کام نہ لیا تو کیا وہ حکم

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور باغی قرار پائے اور لا ایمان لمن لا تقیۃ
لہ کے تحت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے (نعوذ باللہ)
وجہ ثانی: کیا آپ کے اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ کفار مکہ اور مشرکین عرب
کے ساتھ موافقت کرتے رہو اور بت پرستی اور زنا وغیرہ میں ان کے ہم نوا بنے رہو۔
(نعوذ باللہ) جب قطعاً یہ مقصد نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تقیہ کا بیان کر وہ معنی (ابطالان
ایمان و اظہار خلاف ایمان) یہاں سے کیسے ثابت ہو گیا۔

وجہ ثالثہ: سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی مکان میں چھپے ہوئے تھے اگر
خود تقیہ پر عمل پیرا ہوتے تو چھپنے کی ضرورت کیا تھی اور جب خود عمل پیرا نہیں تھے تو
انہیں اس کا حکم دینے کا مقصد کیا ہو سکتا تھا؟ بات صرف اتنی تھی کہ اگر قریش مکہ پر
اسلام لانے کا اظہار کیا تو وہ ظلم و تشدد کا نشانہ بنائیں گے لہذا ان کے سامنے اسلام
لانے کا اعلان نہ کرنا یہ حکم بطور ترحم تھا مگر مست شراب مجتہد مصطفوی نے اپنی
تکلیف اور ایذا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کا برعکس اظہار کر دیا۔ کیا شیعہ صاحبان
بھی حضرت ابوذر کی تقلید کو گوارا کر سکتے ہیں؟ ڈھکوصاحب نے یہاں پر بھی تقیہ سے
کام لیا کہ اپنے مطلب کا حصہ نقل کر دیا اور دوسرا حصہ جس سے تقیہ کا بھانڈا چورا ہے
میں پھوٹتا تھا اس کو قلم زد کر دیا۔

ڈھکوصاحب

تنزیہ الامامین

آنحضرت ﷺ کا معاذ کو اظہار حدیث سے منع فرمانا

بخاری ج ۱ ص ۲۲۰ مطبع دہلی پر معاذ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:
”کہ جو شخص صدق دل سے کلمہ شہادتین پڑھے (رضا اور رسول کا اقرار

کرے) تو خدا اس کے جسم کو آتش جہنم پر حرام قرار دے دیتا ہے۔
 معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آیا میں لوگوں کو یہ حدیث
 سنا دوں تاکہ وہ خوش و خرم ہو جائیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا (اگر تم نے ایسا کیا تو) وہ اسی
 پر بھروسہ کر لیں گے (اور اعمال صالحہ کی بجائے تکرار کر دیں گے) جناب معاذؓ نے
 اپنی موت کے وقت محض اس خیال کے پیش نظر کہ کتمان حدیث کر کے گناہ گار نہ ہوں
 (یا اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتے ہوئے کہ ایک سربستہ راز کا افشاء کر رہے ہیں) یہ
 حدیث بیان کی۔

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ بعض اوقات حق کا چھپانا اتنا ہی ضروری ہوتا
 ہے جتنا کہ بعض اوقات اس کا ظاہر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پتہ ہے ع
 ہر سخن جائے و نکتہ مقامے دارو!

(ص ۱۸۶، ۱۹)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف الیاس کو می

علامہ ڈھکو صاحب بیچارے ایسے پریشان ہوئے ہیں کہ ورق پر ورق سیاہ
 کرتے جا رہے ہیں مگر اصل موضوع اور متنازع فیہ مسئلہ پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتے۔
 حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان عام سے
 منع فرمایا اور حکمت یہ پیش نظر تھی کہ لوگ اس خوشخبری کو سن کر عمل میں کوتاہی نہ کرنے
 لگ جائیں اور ضروری درجات و مراتب میں نقصان سے دوچار نہ ہو جائیں اس میں
 متنازعہ فیہ امر پر استدلال کا کیا جواز ہے۔ وہ تو اس صورت میں ممکن ہوتا جب اعلان
 یہ کرایا جاتا کہ صدق دل سے شہادت توحید و رسالت قطعاً نجات اور فلاح کی ضامن
 نہیں ہے۔ اور دل میں یہ ہوتا کہ ضامن ہے۔ جب قلبی نظریہ کے خلاف کا اعلان و
 اظہار ثابت نہیں تو متنازعہ فیہ مسئلہ میں اس روایت کو گھسیٹ لانے کا امانت و

دیانت کی دنیا میں کیا جواز ہو سکتا ہے؟

ہر بات ہر ایک کے سامنے ظاہر نہ کرنا دوسری چیز ہے اور اس کے خلاف کا اظہار و اعلان علیحدہ امر ہے مگر ڈھکوسل صاحب ہیں کہ بقول خود سہ کبھی گرتا ہوں مینا پر کبھی جھکتا ہوں ساغر پر

مری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں
ایسے بے ہوش ہیں کہ خود اپنے بیان کردہ معنی کا بھی خیال نہیں رہتا کہ تقیہ تو ایمان چھپانے اور خلاف ایمان کو ظاہر کرنے کا نام ہے۔

تنزیہ الامامیہ ————— محمد حسین ڈھکو

تقیہ کا جواز اسوۂ انبیاء کی روشنی میں

خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ فرعون نے ان سے کہا۔
”وَكَيْفَ تَكْفُرُ بِمَا مِنْ عَمْدٍ سِغِينِ اے موسیٰ تم اپنی زندگی کے بہت سے سُن و سال ہم میں گزار چکے ہو۔ اس آیت کے ذیل میں مفسر بیضاوی نے اپنی تفسیر ص ۱۰۶ طبع نو کشور میں لکھا ہے۔ جناب موسیٰ (اعلان نبوت سے پہلے) فرعونوں میں تقیہ کے ساتھ بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ جناب خلیل فدا کا بت توڑنا ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے لیکن قرآن شاہد ہے کہ جب قوم نے جناب خلیل سے اس واقعہ کے متعلق باز پرس کی تو آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ فَعَلْتُ مَا كُنْتُ اَفْعَلُ لَئِیْ اَعْلَمَ اَنْ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِ
”یہ کارستانی بڑے جُت کی ہے اگر یہ بولتے ہیں تو خود ان سے دیانت کرو“

ظاہر ہے کہ جناب ابراہیمؑ کا یہ جواب تقیہ پر مبنی ہے جسے بخاری نے ”کذب“ (جھوٹ) سے تعبیر کیا ہے۔ کہ ”لم یکنب ابراہیم الا ثلاث کذبات“

کہ جناب ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں صرف تین بار بھوٹ بولا تھا (معاذ اللہ) بخاری ج ۳ ص ۲۳۳ طبع مصر
حالانکہ خلاق عالم ان کو صدیق فرماتا ہے۔ واذکس فی الکتاب ابراہیم اندہ کان صدیقاً
نبیا (ص ۱۹، ۲۰)

تحفہ سینیہ ————— محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب نے اس عنوان کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ
السلام کو تقیہ پر عمل پیرا ثابت کرنے کی اپنا کٹ سعی کی ہے۔ کیئے حقائق کی روشنی میں
اور دانش و بنیش کے آئینہ میں ان کی لغزشیں مشاہدہ کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تقیہ: اس ضمن میں آپ کو صرف بیباوی
شریف کی یہ عبارت مل گئی کان یعاشروہم بالتقیہ لهذا شیعہ مذہب ثابت ہو گیا
نعرہ حیدری یا علی مدد۔

اس دلیں میں یا فرعون کی پرستش ہوتی تھی یا اصنام و اوثان کی حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے ان میں سے کس امر کا ارتکاب کیا تھا؟ (العیاذ باللہ) وہ خدا کے منکر
تھے تو کیا موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے ساتھ اس معاملہ میں ہمنوائی کرتے تھے۔ جب ایسی
کوئی صورت بھی ثابت نہیں تو شیعی تقیہ کیسے ثابت ہو گیا۔

بس ڈھکو صاحب کو تقیہ کا لفظ نظر آتا ہے تو وہ سمجھ لیتے ہیں یہ وہی ہمارا تقیہ ہے
مگر حیرت کی بات ہے کہ تقیہ کا اپنا بیان کردہ معنی ان کو یاد نہیں رہتا اور بھوکے شخص کے
سورج کو روٹی سمجھنے کی طرح اسے اپنے مذہب کا ثبوت کیسے سمجھ لیتے ہیں۔ پچ ہے
حبك الشیعی لعیسیٰ دلیصہ کسی چیز سے محبت ہو تو پھر اسو اسے آدمی اندھا اور
بہرہ ہو جاتا ہے۔ مقصد واضح ہے کہ آپ ان کو دشمن خدا سمجھتے تھے اور دشمن عقل و خرد۔
لہذا ہر وقت آپ کو ان کی طرف سے خوف و ہراس اور انتقامی کارروائی کا کھٹکا
لگا رہتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تقیہ: اس ضمن میں ڈھکوسا صاحب نے قول باری تعالیٰ حکایت عن الخلیل "بل فعلہ کبیرہم ہذا فاسئلوہم ان کا تو ابینطقون پیش کیا ہے اور اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب تقیہ پر مبنی ہے۔ لیکن

! سخن شناس نئی دلبر اخطا اینجا ست

بشک آپ نے فرمایا: بل فعلہ کبیرہم ہذا لیکن اس کا مقصد کیا تھا کیا واقعی وہ لوگ اس بات کو مان سکتے تھے اور آپ یہ جواب دیکر ممکنہ انتقامی کارروائی سے بچ سکتے تھے۔ جب قطعاً یہ جواب ان کے نزدیک قابل قبول نہیں تھا تو اس جواب میں مضمحلہ حکمت تلاش کرنی چاہیے۔

علاوہ ازیں آپ سے اگر وہ دریافت کرتے کہ تم نے بڑے بت کو یہ کام کرتے دیکھا تو آپ کا جواب کیا ہوتا کہ میں واقعی عینی شاہد ہوں۔ یہ بھی قطعاً کسی ادنیٰ عقل و فہم رکھنے والے کے نزدیک بھی قابل قبول اور قابل پذیرائی نہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ آپ کا اس قوم کو ان بتوں کی بے بسی و بے چارگی کا احساس دلا کر حتیٰ کہ توڑنے والے کی شکایت کرنے سے بھی عاجز اور قاصر گردان کر ان سے ہزار کرنا مقصود تھا۔ اور راہ راست کی طرف لانا۔ اسی لیے جب انھوں نے کہا قد علمت ما لہؤلاء بینطقون یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ یہ گفتگو نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا: افسوس ہے تم پر اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ اگر تقیہ مقصود تھا تو بھرے مجمع میں ان کو سرزنش کرنے اور ان کے معبودات سے نفرت اور ہزاری کا اظہار کرنے کی جرأت کیونکر ہو سکتی تھی؟ آپ تو جذبہ قربانی سے اس قدر سرشار تھے کہ فرودیوں کی طرف سے اس جرم صداقت اور حق گوئی کی پاداش میں جب آگ کے اندر پھینکے جا رہے تھے تو نہ مدد کو آنے والے فرشتوں کی امداد قبول کی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کو مناسب جانا۔

بے خطر کو دہڑا آتش فرود میں عشق عقل بے محنتا شائے لب بام بھی

اور جب جبریل امین نے دعا کرنے کو کہا تو فرمایا: علیہ بجاالی حسبی عن سوا الی
کہ میری حالت جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے تو پھر مجھے دعا کی کیا ضرورت ہے؟ کیا
ایسی ہستی جو ملائکہ کی مدد لینے کو تیار نہ ہو اور مقام امتحان میں خدا سے دعا کرنے کی
روادار بھی نہ ہو۔ اس پر تقیہ کی تہمت کوئی مسلمان لگا سکتا ہے؟

پھر یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ بات ٹالنے سے ٹل جاتی انھوں نے تو بتوں کی یہ
حالت دیکھتے ہی کہا کہ یہ کارروائی ابراہیم کی ہی ہو سکتی ہے قالوا سمعنا فتی ید کہ ہم
فیقال لہ ابراہیم لہذا سے پکڑو اور یہاں لے آؤ۔ دوسرا کوئی فرد ان کے
خلاف کبھی بات کرتا ہی نہیں تھا جب آپ ان کے نزدیک اس اقدام کے مرتکب
تھے ہی اور تقیہ یہاں کام دے سکتا ہی نہیں تھا اور پہلے کبھی کیا تھا اور نہ بعد میں
تو اب اس کو بروئے کار لانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ پھر تقیہ کرنا ہوتا تو ٹوڑنے
سے ہی گریز کرتے کیونکہ آپ کو یقیناً معلوم تھا کہ پہلا گمان میرے متعلق ہی کیا جائے
گا۔ لہذا حفاظت نفس اور آبرو کی واحد صورت ہی یہی تھی۔ جس میں بچاؤ متعین
تھا اس کو ترک کر کے موموں تدابیر بچاؤ کی کرنا ضعیف الادراک اور فائز العقل
شخص کا کام تو ہو سکتا ہے۔ امام انبیاء اور نسل انسانی کے مقتداء کا یہ کام نہیں
ہو سکتا۔

ڈھکوم صاحب چونکہ ملنگوں کے ساتھ رہتے ہیں لہذا انھیں کی طرح لا تقربوا
الصلاة کا سبق پڑھے ہوئے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی پڑھاتے ہیں۔ اگر سیاق و
سباق اور اس قصہ میں وارد دوسری آیات پر غور کر لیتے تو دیانت و انصاف کے
خون ناحق کے جرم سے بچ جاتے اور خواہ مخواہ کی رسوائی مول نہ لینی پڑتی۔

بخاری شریف اور تقیہ ابراہیمی یا توریہ

ڈھکوم صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تقیہ ثابت کرنے ہوئے
بخاری شریف کا بھی حوالہ دے دیا کہ اسی کو چونکہ بخاری میں کذب سے تعبیر کیا گیا ہے

لہذا تقیہ کا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے سرزد ہونا ثابت ہو گیا۔

دوسرے صاحب نے یہاں بھی خود تقیہ سے کام لیا ہے اور اہل السنۃ کے مذہب و مسلک اور بخاری شریف کی روایت کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ اہل السنۃ والجماعہ کے ہاں حسب ضرورت تو یہ درست ہوتا ہے اور تو یہ کام طلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو دو معانی پر دلالت کرتا ہو۔ ایک قریب اور دوسرا بعید مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکل کر روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ کو واقف لوگ ملتے جو کاروبار تجارت میں آتے جاتے آپ سے متعارف تھے تو وہ دریافت کرتے کہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔ آپ فرماتے دجل یمہدینی السبیل یہ وہ ہستی ہیں جو مجھے راہ دکھلاتے ہیں۔ راستے دو ہیں زمین کا بھی اور آخرت کا بھی لیکن متبادرا اور اقرب الی الغنم زمین کا راستہ ہے۔ کیونکہ سرگس اور نشانات منزل متعین نہیں ہوتے تھے لہذا راہ کے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور ذرا بعید عن الغنم معنی اس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اور آخرت کا راستہ۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرا معنی مراد لیتے تھے اور مخاطب کو گمان ہوتا تھا کہ انہوں نے پہلا معنی مراد لیا ہے۔

الغرض تو یہ میں لفظ کی اس معنی پر دلالت بھی مسلم ہوتی ہے اور متکلم اپنے ارادہ اور مقصد کے لحاظ سے بالکل سچا بھی ہوتا ہے۔ یہ طریقہ حسب ضرورت جائز ہے اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استعمال فرمایا۔ مثلاً فرمایا۔ انی سقیم اور سقم و مرض جسمانی بھی ہوتا ہے۔ اور روحانی بھی آپ ان سے روحانی کو منت اور تکلیف محسوس کرتے تھے۔ لہذا بایں معنی انی سقیم فرمادیا۔ اور مخاطب لوگوں نے جسمانی مرض کا گمان کیا۔ اچھی برائی سارہ آپ کے ساتھ اسلامی اور مذہبی رشتہ میں منسلک تھیں اور مذہبی لحاظ سے سن جو کہ ذرا بعید از فہم ہے۔ اور خونی رشتہ کے لحاظ سے بہن ہونا زیادہ قریب الی الہ ہے۔ آپ نے اخوت اسلامی مراد لی اور مخاطبین نے اخوت بدنی اور خونی رشتہ کے لحاظ سے سمجھا اس طرح قول باری تعالیٰ بل تعدہ

کبیر ہم هذا فاستلوهم ان کا فوائض طعون میں بھی تو یہ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی فعل کی نسبت کسی کی طرف دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک حقیقت کے لحاظ سے اور دوسری ظاہر کے لحاظ سے۔ آپ نے ظاہری صورت حال کو ملحوظ رکھ کر نسبت کر دی کیونکہ قتل کے آلات جس کے پاس ملیں بظاہر قاتل وہی سمجھا جاتا ہے اور عادت بھی اسی طرح جاری ہے کہ بڑا بادشاہ چھوٹوں کا وجود برداشت نہیں کر سکتا لہذا اس طرح بڑے بُت کی طرف اس کارستانی کی نسبت آپ کی طرف سے درست ہو گئی اگرچہ مخاطبین ہی سمجھتے رہیں کہ انھوں نے حقیقتاً اس فعل کا مرتکب اس بُت کو قرار دیا ہے پھر ساتھ ہی اپنے مقصد پر قرینہ بھی قائم کر دیا فاستلوهم ان کا فوائض طعون ان سے پوچھ لو اگر بولتے اور بتاتے ہیں تو صاف ظاہر کہ جب بولنے اور بتلانے سے قاصر ہوں تو ان سے ایسا فعل کیونکر مرزد ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر ان کا عبادت و پرستش کے استحقاق سے محروم محض ہونا بیان کر دیا۔

الغرض یہاں تو یہ استعمال کیا گیا اور وہ چونکہ از روئے ارادہ متکلم اور احتمال لفظ سراسر صدق ہوتا ہے اس لیے اس کو تفسیر قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے؟

پھر کذب سے تعبیر کیوں؟

رہا یہ سوال کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو صدیقاً نبیاً ہیں کذب کا مرتکب قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب واضح ہے کہ کبھی موری اور ظاہری مشابہت و مشاکلت کی وجہ سے ایک مشابہ اور مشاکل کا اطلاق دوسرے پر کر دیا جاتا ہے۔ گھوڑے کی تصویر کو بھی گھوڑا کہہ دیا جاتا ہے۔ زید کی تصویر کو زید کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ماہیات میں کوئی دور کا تناسب بھی نہیں۔ اسی طرح کلام مجید میں برائی کی جزاء کو فعل بد کے مطابق ہونے کی وجہ سے برائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلھا برائی کی جزاء اسی کی مانند برائی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں دیتا تو پھر جزاء کا حکم کیوں دیا۔ اس طرح کفار کے استہزاء پر اللہ تعالیٰ کی جوابی کارروائی

ہو ان کے فعل کے مطابق تھی یا ہوگی اس کو بھی استہزاء سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ
یستہزؤ بہہ۔ ان کے مکر و فریب کے جوابی اقدام کو بھی اسی وجہ سے مکر کے ساتھ تعبیر
کرتے ہوئے فرمایا، و مکر و ا و مکر، اللہ واللہ خیر لما کرین اسی طرح یہاں بھی
ان امور کی ظاہری صورت کذب سے ملتی جلتی تھی گو حقیقت بالکل عبادتھی لہذا مجاز
بالمشاکلت کے تحت ان کو کذب سے تعبیر کر دیا گیا۔

یہ بھی غنیمت ہے کہ ڈھکو صاحب نے صرف بخاری شریف کا مذاق اڑایا ہے
کہیں قرآن پر اعتراض نہیں کر دیا کہ ہم ایسے قرآن کو قرآن ہی تسلیم نہیں کرتے جس میں
خدا تعالیٰ کو مکر کرنے والا اور ٹھٹھے مذاق کرنے والا کہا گیا ہے۔ یہ بھی سنیوں کی
تالیف ہے۔ گو دل میں تو عقیدہ یہی ہے مگر تقیہ اظہار حقیقت سے مانع ہے۔

صدیق نبی کو سنیوں نے کذب کا مرتکب قرار دیا۔

ڈھکو صاحب بڑے بھولے پن سے کہہ رہے ہیں کہ جب حضرت خلیل اللہ کو خدا
نے صدیق کہا تو ان سے کذب کیونکر صادر ہو سکتا ہے؟ مگر آپ امام صادق سے ایسے
کذب کے صادر کرنے کا جواز ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ اور ادھر آپ کو تعجب
ہو رہا ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جہد و ابھاد و استیقنتھا انفسہم۔ دلوں
کو تو یقین ہے مگر زبانی انکار ہے اور انکار پر اصرار۔ حضرت جی ہم نے تو صرف صوری
مشابہت کے تحت ان میں صحیح اور سچا تو الکر بطریق مجاز کذب سے تعبیر کیا ہے۔ مگر آپ
صادق اور صدیق آئمہ کی طرف سے حقیقی کذب کے دیدہ و انتہ صادر کرنے پر ہنوسے
فیصد اخروی درجات و مراتب میں ترقی اور مرتبندی ثابت کرنے کے درپے ہیں اور
دیدہ و انتہ و ارادۂ جھوٹ نہ بولنے پر دین و ایمان کی ہی سرے سے نفی کر دیتے ہو وہ
بین تفاوت راہ از کجاست تا یکجا۔

ڈھکوصاحب بھول گئے

پھر ڈھکوصاحب بھول گئے تفرقہ تو تھا ایمان کو چھپانا اور ایمان کے خلاف کو ظاہر کرنا کیا یہاں
ابراہیم علیہ السلام نے ایمان کو چھپایا؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس سے استدلال کی سعی لا حاصل
کیوں کی جا رہی ہے؟ الحاصل اس استدلال سے بھی ڈھکوصاحب صرف باد بدست ہی رہے
اور اثبات مدعا میں مکمل طور شکام۔

ڈھکوصاحب

تشریحہ الامامیہ

تقیہ کا جواز بعض بزرگان دین کے عمل کی روشنی میں

جن صحابہ نے معاویہ کے وعدہ و وعید کی وجہ سے یزید کی دلی عہد کی کا اقرار کیا تھا جو
ذاتی طور پر یزید ایسے بدکردار و بد اطوار کو اس منصب جلیل کا اہل نہیں جانتے تھے نیز اگر یہ
ان کا تقیہ نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ جب مسئلہ ”خلق قرآن“ پر مامون نے اصرار کیا تو
برادران اسلامی کے بڑے بڑے بزرگان دین نے تقیہ کر کے اپنے عقیدہ و نظریہ کے
خلاف اس کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ شبلی نعمانی الامامون ص ۱۶۸/۱۶۷ پر اس واقعہ
کے متعلق لکھتے ہیں ”فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ
آئیں یا یہ زنجیر روانہ کئے جائیں تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کر کے ان کی موت
حیات کا فیصلہ کروں۔ مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا
تھا۔ تقیہ کیا تھا وہ نہایت برا فروختہ ہوا اور ان لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانہ
دولت پر حاضر کیے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں ابوصان، زیاد، نصر بن سہم
قواریری، ابونصر تمار، علی بن مقاتل، بشر بن الولید وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی
حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقبہ تک پہنچ چکے تھے کہ مامون کے مرنے

کی خبر آئی جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا۔ ہوا۔ لیکن ان بے کسوں کے لیے تو ایک نہایت جانفرا مشرودہ تھا۔ (ص ۲۰۱)

تحفہ حسینہ ————— محمد اشرف السیالوی

اس عنوان کے تحت ڈھکو صاحب نے جواز تقیہ کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یزید کی ولی مہدی کے متعلق تقیہ سے کام لینے جانے اور مامون کے دور میں خلق قرآن کے مسئلہ پر تقیہ کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ محل نزاع میں ان حوالہ جات کے پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ تاہم ڈھکو صاحب نے اوراق سیاہ کرنے کی ٹھان رکھی ہے اور تنکوں کا سہارا لینے کی۔ اس لیے ان دونوں واقعات کے متعلق بھی صورت حال واقعی عرض کیے دیتے ہیں۔

امیر معاویہ کے وعدہ و وعید کا معاملہ: سب سے پہلے تو غور طلب یہ امر ہے کہ آخر کچھ مروان حر اور اللہ تعالیٰ کے شیر ایسے بھی تھے یا نہیں جنہوں نے نہ وعدہ کی پرواہ کی اور نہ وعید کی اور بیعت سے انکار کر دیا ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ ان کا دین و ایمان برقرار رہا یا ختم ہو گیا اور جنہوں نے بیعت کر لی وہ نہ کرنے والوں پر نوٹسے فیصد درجات و مراتب میں فوقیت لے گئے یا نہیں؟ بصورت اول امام حسین رضی اللہ عنہ کا نوٹسے فیصد مقامات سے محروم ہونا لازم آیا اور یمن و ایمان سے فہملا العیاذ باللہ اور بصورت ثانیہ اصول کافی کی یہ سب روایات لغو اور باطل ٹھہریں۔ اور امام منتظر حضرت مہدی پر سراسر جہتان و افتراء اور یہی جواب مامون کے دور میں تقیہ نہ کرنے والوں اور کرنے والوں کے متعلق بھی ہے۔

۲۔ اگر بیعت کرنے والوں نے تقیہ سے کام لیا تھا تو پھر واقعہ حرمہ کیوں پیش آیا اور حرم کعبہ بکھنڈ و کعبہ پر سنگ باری کی نوبت کیوں آئی۔ آخر جب اس کی ولعید کے لیے وعدہ و وعید کی وجہ سے تقیہ کا سہارا لیا تھا تو پھر جنگ و جدال اور حرب و قتال تک نوبت ہی کیوں آئی تھی صورت حال واقعی یہ تھی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سوئیپ دینے سے وہ بالاتفاق عالم اسلام کے امیر المومنین تھے اور وہ ملکی استحکام اور اُمت میں اختلاف و انتشار سے تحفظ کے تحت یہ قدم اٹھانے کا دعویٰ کر رہے تھے۔ لہذا اس کو بعض حضرات نے خلاف مصلحت سمجھا اور بیعت سے انکار کر دیا۔ جن میں سرفہرست حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن الزہیر اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم تھے۔ لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا اور نہ جبر و اکراہ اور نہ دھونس دھاندلی کا اظہار کیا، اگر کرتے تو حکومت ان کے ہاتھ میں تھی کونسی رکاوٹ ان کے لئے ہو سکتی تھی۔ لہذا جب جبر و اکراہ نہیں تھا تو تقیہ کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی؟

اور دوسرے حضرات نے اس کو مصلحت کے مطابق سمجھا اور مزید کاردار اس وقت نہ واضح تھا اور نہ ہی ان کے علم میں لہذا برضا و رغبت بیعت کر لی اور جب کرسی اقتدار پر بیٹھنے کے بعد اس کے اطوار دیکھے اور جادہ کا حق سے انحراف۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اتباع و اقتداء کا حق ادا کرتے ہوئے بیعت توڑ دی اور بغاوت کر دی اور جو قربانی بھی دینی پڑی وہ دے دی۔ لہذا اس واقعہ کو تقیہ متنازعہ فیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مامون وغیرہ کا جبر و اکراہ اور تقیہ، جب جان اور آبرو کا حقیقی خطرہ لاحق ہو تو اس وقت اس کے تحفظ کی سعی بہر حال جائز ہے اور ہم محل نزاع میں اس کی تصریح کر چکے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک مستان شراب محبت جو ہے بے خطر کو ڈپڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے مجھو تماشاٹے لب بام ابھی
کامظاہر کریں وہ افضل الشہداء ہیں نہ کہ نعوذ باللہ دین و ایمان سے محروم اور نوتے فیصد مراتب سے گر جانے والے۔ آئمہ اہل السنۃ نے بالعموم اس دور میں بھی اور امام احمد رحمۃ اللہ نے اور ان کے بعض دیگر ساتھیوں نے اس کے بعد ظلم و ستم کی اس سیاہ رات کو بہر حال اپنے نور ایمان سے منور کیا اور عہد

دیدہ کی خون ناحق پروانہ طمع را چنڈاں اماں نداد کہ شب را سحر کند

ظالم کو اس دنیا میں زیادہ عرصہ ٹھہرنے کا موقع نہ مل سکا۔

علاوہ ازیں مامونؒ و آخر کیسے پتہ چل گیا کہ ان لوگوں نے تقیہ کیا تھا اور فوراً تسلی کیسے ہو گئی۔ آخر جس سے تقیہ کیا تھا اس کی زندگی میں تو تقیہ پر نہیں رہنا چاہیے تھا۔ امام منتظرؑ ہیں کہ بارہ صدیاں گزرنے کو ہیں مگر ایسے ڈرے ہیں کہ غار سے باہر نہیں آ رہے حالانکہ ان بنو عباس کی حکومت و سلطنت تو ختم ہو چکی گئی۔ ان کے اعضاء و اجزاء بھی شاید ڈھونڈنے سے قبروں میں نہ مل سکیں۔ مگر امام مہدیؑ ہیں کہ اب بھی تقیہ کر رہے ہیں۔ اور یہ سُنی ایسے سخت جان اور دیدہ دلیر نکلے کہ دوسرے لمحے تقیہ کی سیوا چادر اتار پھینکی۔ ڈھکو صاحب کے قلم نے بتا دیا کہ یہاں تقیہ بہر حال نہیں تھا۔ تعریفِ توریہ اور ارتکابِ مجاز وغیرہ کی صورتیں تھیں جن میں مامونؒ کو مغالطہ لگا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ میں دھوکہ کھا گیا تو دوبارہ شانِ سلطوت و جبروت کا اظہار کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے ان بندگانِ حق کی امداد و نصرت فرمائی۔ والحمد للہ۔

نوٹ: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جوابات میں توریہ اور تقیہ کا فرق واضح کیا جا چکا ہے کہ تقیہ میں الفاظ معانی مطلوبہ پر سرے سے دلالت ہی نہیں کرتے مگر توریہ میں معنی مراد الفاظ سے ہی سمجھ آ رہا ہوتا ہے۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ متبادر الی الفہم نہیں ہوتا۔

تنزیہ الامامیہ _____ ڈھکو صاحب

مذہب اہل السنۃ میں عند الضرورۃ جھوٹ

بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے

اس وقت ہمارے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ آج اس مذہب کے پیروکار تقیہ کو جھوٹ کا نام دے کر اہل حق پر زبانِ طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں۔

جن کے مذہب میں ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔
چنانچہ شرح مسلم نووی ج ۲، ص ۱۰۶/۲۶۶ طبع دہلی پر لکھا ہے۔

”تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی چھپے ہوئے آدمی کو قتل کرنے آئے یا کسی کے پاس محفوظ امانت کو غصب کرنا چاہے اور اگر دریافت کرے تو جن لوگوں کو اس کا علم ہے ان پر اس کا پوشیدہ کھنا اور اپنے علم کا انکار کرنا واجب ہے اور یہ جھوٹ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ یہ ایک مظلوم کو ظالم کے پیچھے ظلم و استبداد سے بچانے کے لیے ہے۔ (ص: ۲۱)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف السیالوی

دھکوم صاحب بے چارے کی حالت بڑی قابلِ رحم ہے آباء و اجداد کے آئمہ پر باندھے ہوئے بہتان اور گھڑے ہوئے افتراء کا جواز پیش کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں بہتیرے مار رہے ہیں مگر مذبحہ جانور کی طرح نہ پتہ محل نزاع کیا ہے اور نہ خبر دلیل کیا ہے؟

علامہ صاحب غیر کی جان و مال اور عزت و آبرو پر تو جان قربان کر دینا بھی مردانِ حُر اور جوانانِ وفا شعار کے بیٹے معمولی بات ہے زبانی بات کرنا تو کیا وزن رکھتا ہے؟ بات ہو رہی تھی اپنے جان و مال کے فطرہ کے بغیر اور فریہ ہونے کے لیے خنزیر کھالینے میں، اور ہم خرماد ہم ثواب کی۔ اور دھکوم صاحب دوسری طرف جا نکلے۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے ملک اور قوم کے لیے جان دینے والے جیالوں کا ایمان برقرار رہتا ہے یا ختم۔ اور ان کے درجات بڑھتے ہیں یا کم ہوتے ہیں۔ حربِ نیرید ریاحی نے حضرت امام مظلوم کی خاطر جو جان قربان کی تھی حالانکہ آپ کی فتح و کامیابی کا عالم اسباب کے تحت کوئی امکان نہیں تھا اس کا کیا حکم ہے۔ کیا اس سے تقیہ کا دامن تو تار تار ہوتا نظر نہیں آتا اگر دوسروں کی جان اور عزت و آبرو کے لیے جان دینا جائز ہے تو خلاف واقع بات

کرنا کیوں جائز نہیں ہوگا۔

ازاں گناہ کہ نفع رسد بغیر حرج پاک؛

ہاں اہل السنۃ کو فنیوں کے کردار کو اپنانے کے لئے تیار نہیں جو خطوط پر خطوط لکھیں گھر بلائیں اور پھر امام مظلوم کو ظلم و ستم کی طوفانی موجوں میں پھنسا دینے کے بعد تفتیہ کر جائیں اور اپنے خطوط سے مکر جائیں۔ ڈھکوم صاحب فرق آیا سمجھ آپ کو، تم نے جھوٹ بولنا جائز رکھا۔ اپنی حفاظت کے لئے اور اس کو فرض و واجب بلکہ عین ایمان ٹھہرایا اور ہم نے دوسروں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور صدق کی اہمیت

علامہ ڈھکوم صاحب آپ تو آئمہ کرام علیہم الرضوان کی اتباع کے مدعی ہیں تو ہمیں بوجہ ائمہ بھانکنے کی کیا ضرورت ہے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ آئمہ کرام کا اس معاملہ میں ارشاد کیا ہے۔
معدن ولایت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں اور جب اپنے آپ کو منکر و نقصان اور تکلیف و مشقت کا سامنا ہو پھر بھی ایمان کا تقاضا کیا ہے؟ ایمان ان توثر الصدق حیث یضرب علی الکذب حیث ینفعک نفع ابلاغہ مصری جلد ثانی ص ۲۱۴
ایمان یہ ہے کہ تو اس مقام میں صدق کو کذب پر اور سچ کو جھوٹ پر ترجیح دے جہاں صدق اور سچائی مضرب ہو اور کذب اور جھوٹ نفع بخش ہو۔ اگر آئمہ کرام کی اتباع کا دعویٰ ہے تو پھر اس فرمان واجب اللعان پر عمل کرو اور تفتیہ یا کذب کے جواز تلاش کرنے میں مصروف و مشغول نہ رہو۔

اہل سنت اور جواز کذب

دہا اہل السنۃ کا معاملہ تو ان کے نزدیک سچ اصل اور عزیمت ہے اور کذب بعض ناگزیر حالات میں رخصت کے درجہ میں آتا ہے اور وہ بھی جب تک تعریضات، ارتکاب مجتہد اور توریہ سے کام نہ چل سکے اور اس صورت میں بھی اس کی قیامت و شاعت ختم نہیں ہو

جاتی اور نہ اصلی حرمت مرتفع ہو جاتی ہے بلکہ وہ عفو جرائم کے زمرہ میں آ جاتا ہے۔ لہذا کسی کی جان بچانے کے لیے ہو یا اس کا مال بچانے کے لیے تو اس میں نیکی والا اعفائی اور تابع پہلو غالب ہے اور ذاتی قباحت مغلوب لہذا اس کو مباح یا لازم کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں نیکی بھی کافی اور برائی کا ارتکاب بھی کیا۔ لیکن نیکی والا پہلو وزنی ہے لہذا برائی والا پہلو قابل عفو ہو گیا اس کو ہم نوے فیصد ترقی درجات کا ضامن اور دھڑی کا دار و مدار قرار نہیں دیتے۔ لہذا اس معاملہ میں شیعہ اور سنی مسلک کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

شیعہ کی افتاد طبع اور کمزوری

بعض اوقات شریعت ایک امر کی ناگزیر وجوہ کی بناء پر رخصت دیتی ہے تو بجائے اس کے کہ اسے اپنے مخصوص مورد میں منحصر رکھا جائے اور اس کو رخصت سمجھا جائے یہ لوگ اس کو عزیمت اور عین شریعت اور کمال دین سمجھ لیتے ہیں گویا رخصت اصل شرعی حکم کے درجہ میں آ جاتی ہے۔ اور اصلی حکم اور عزیمت رخصت اور عارضی حکم کے درجہ میں چلی جاتی ہے۔ جس طرح تقیہ اور خلاف واقع بات کو دین کا نوے فیصد اور اس کے ترک کو دین و ایمان کے منافی قرار دے دیا۔ اسی طرح متعدد اگرچہ ہمارے نزدیک تو منسوخ الاباحت ہے لیکن شیعہ صاحبان اس کو جائز سمجھتے ہیں چلیے تو یہ تھا کہ اس کو تمام تر اخلاقی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر مباح قرار دینا ہی تھا تو رخصت کے درجہ میں رکھتے اور قابل معافی حرکت قرار دیتے مگر انھوں نے اس کو اصل دین اور عین شریعت بنا کر پیش کیا اور ایک مرتبہ متعہ کرنے پر امام حسین رضی اللہ عنہ کا درجہ دو مرتبہ کرنے پر امام حسن رضی اللہ عنہ کا اور تین مرتبہ کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ اور چار مرتبہ کرنے پر خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ دے دیا اور چونکہ اسے اس کو وعید یہ سنائی کہ وہ قیامت کے دن ناک کٹا ہوگا۔ لیکن دائمی نکاح پر کہیں ترقی درجات اور کسی امام کے ہم پلہ ہونے کا کہیں ذکر نہیں ملا نہ لکھنے کا۔ اسی طرح تقیہ نہ کرنے اور جھوٹ نہ بولنے

پر کسی اجر و ثواب اور ترقی و درجات کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔
 الغرض ناظرین کرام پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی ہوگی کہ ان مہربانوں کا معاملہ بالکل
 برعکس ہے۔ اسی لئے ہم اس نظریہ کے رد کرنے کے درپے ہیں اور اس کے مفاسد و
 نتائج بیان کرنے کے درپے ہیں اور ڈھکوماحب لوگوں کی آنکھوں میں دھول چھونک
 کہ اس فرق کے مشاہدہ اور احساس سے دور رکھنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں
 دیکھیے مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اب کوئی شخص روزہ نہ رکھنے
 کے فضائل و کمالات تو بیان کرے مگر اس مشقت کو نظر انداز کر کے اس شرعی حکم اور عزیمت
 پر عمل کرنے والے کے حق میں کوئی کلمہ خیر کہنے کو تیار نہ ہو تو اس کی نیت کے متعلق کوئی حسن
 ظن ہو سکتا ہے؟

شیعہ پیچ بولتے ہیں اور تقیہ کس وقت چھوڑتے ہیں

یوں تو ڈھکوماحب سے لے کر عبد اللہ بن سبیا تک سبھی اسلاف و اہللاف جھوٹ
 کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں اور آئمہ کرام کی طرف سے بھی بغرض اسلام جھوٹ اور کذب
 بیانی کو مباح بتلاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو اصول کافی جلد ثانی مطبوعہ تہران ص ۲۱۔
 وعن ابی عبد اللہ علیہ السلام (الی) قال نعم ان المصلح لیس بکذاب
 وانما هو المصلح لیس بکذاب یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں جو مصلح
 کے درپے ہے وہ کاذب اور جھوٹا نہیں کیونکہ اس کا یہ فعل صلح اور آشتی
 ہے نہ کہ جھوٹ اور کذب۔“

مگر جب اہل السنۃ کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کا موقع لگ جائے تو پھر تقیہ اور
 کذب بیانی بالکل حرام ہو جاتی ہے اور پیچ بولنا فرض میں ہو جاتا ہے۔ کتب تواریح میں ذرا
 سقوط بغداد کے پڑا خوب دور کمال پڑھیں اور علامہ طوسی شیعہ اور ابن علقمی شیعہ کی ساز
 باز اور تدبیر و انگیخت سے ہلاکوں کے بغداد پر حملہ آور ہونے اور اس کی اینٹ سے اینٹ
 بجانے کے حالات کا مطالعہ کریں تو اس وقت انہیں مجسمہ صداقت پاؤ گے۔ چنانچہ جب

ہلاکونے طوسی سے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ خلیفہ خدا کا نائب ہوتا ہے اور اس کے خلاف کارروائی سے کہیں مجھ پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے تو طوسی نے کیا کہا وہ تفصیل تہا منی نور اللہ شوستری کی زبانی سماعت فرمائی۔

»ایلیخان در افتاء واعدام خلیفہ باخواجه نصیرالدین مشورت نمودہ خدمت خواجہ فرمودہ کہ اہل السنۃ کہ سوا واعظم اہل اسلام اند اور خلیفہ بحق و امام مطلق میداند و بر نفوس و اموال خویش حاکم و فرمانروای شناسند اگر ازیں ورطہ خلاص شود ممکن کہ از طرف لشکر باو پیوند نہ واستعداد حرب از سر گیرد و بار دیگر بتجشم رکاب گردوں سائے و کلفت سفراتیافتہ و مرد عاقل فرصت یافتہ یافتہ نگر و اند و سر رشته اختیار بامید آنکہ باترچنگ آید از دست نہ بد و دشمن را بحسب بہتر از مضمورہ عدم تصور نقواں کرد۔

ایلیخان چودانست کہ نصیحت حضرت خواجہ از غراض فاسدہ بمرست بقتل خلیفہ فرمان داد و در این اثنا حسام الدین مخم کہ در باطن از ہوا خواہان بنی العباس بود این خبر شنیدہ بعرض پادشاہ رسانید کہ اگر خلیفہ کشتہ گردد عالم سیاه و تاریک و امارت و علامات قیامت مشاہدہ نمود و ازیں نوع کلمات ہیبت آمیز چنباں گفت کہ ایلیخان متوہم شدہ در پی امر بخواجه نصیرالدین رجوع نمود۔ در جواب فرمودند کہ زکریا پیغمبر و یحییٰ معصوم علیہما السلام را بقتل آوردند، بچک ازیں حالات بظہور نیامدہ اگر حسام الدین میگوید کہ ایں احوال بر قتل بنی العباس مترتب میشود۔ مقبول نیست زیرا کہ چندین تن از ایشان را فدائیاں اسماعیلیان و غیر ہم بکشتند و فلک دوار و روزگار ناپائیدار ہمچنان برقرار بود نہ آفتاب منکسف شد و نہ قمر منکسف یافت۔ (جلد دوم ص ۲۵۱، ۲۵۲ مجالس المؤمنین)

ایلیخان (ہلاکونے) نے خلیفہ کو فناء اور ہلاک کرنے کے متعلق نصیرالدین طوسی

مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اہل سنت اہل اسلام کے سوا داغظم ہیں جو کہ مستعصم باللہ کو خلیفہ برحق اور امام مطلق جانتے ہیں اور اپنے نفوس و اموال پر اس کو حاکم اور فرمانروا سمجھتے ہیں۔ اگر خلیفہ نے اس ہلاکت سے چٹکارا پایا تو جو سکتا ہے کہ اطراف و اکناف سے لشکر اس کے گرد جمع ہو جائیں اور وہ از سر نو جنگ کی اہلیت اور استعداد پیدا کر لیں اور دوبارہ رکاب گردوں سا کو مشقت اور تکلیف سفر کی برداشت کرنی پڑے۔ عقل مند آدمی مینر اور حاصل فرست کو ضائع نہیں کرتا اور دست قدرت و اختیار میں آئی ہوئی رسی کو اس اُمید پر کہ دوبارہ ہاتھ میں آسکتی ہے ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ دشمن کے لئے عدم اذنیاء کی وادی سے بڑھ کر کوئی قید و حبس کی بستر جگہ نہیں ہو سکتی۔

ایمان نے جب یقین کر لیا کہ خواجہ نصیر الدین طوسی کی نصیحت اغراض فاسدہ سے برابر ہے تو اس نے خلیفہ کے قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔ اس دوران حسام الدین منجم جو درپردہ بنو عباس کا خیر خواہ تھا اس نے یہ خبر سن کر بادشاہ کو عرض کیا کہ اگر خلیفہ قتل ہو گیا تو آسمان سیاہ اور تاریک ہو جائے گا۔ اور قیامت کے علامات اور آثار مشاہدہ میں آنے لگیں گے اور اس قسم کے کلمات بیست آمیز اتنے کہے کہ ایمان اس دہم میں مبتلا ہو گیا اور اس معاملہ میں طوسی کی طرف مشورہ کے لئے مراجعت کی۔ اس نے جواب میں کہا کہ زکیا پیغمبر اور دیکھی معصوم علیہما السلام کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ مگر اس قسم کے حالات کا نام و نشان دیکھنے میں نہ آیا اگر حسام الدین اس طرح کی بات کرتا ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ خود بنو عباس کے کتنے افراد اسماعیلی فدیوں اور دیگر لوگوں نے قتل کیے مگر ملک و دارا سی طرح محو گردش ہے اور روزگار ناپائیدار اسی طرح برقرار ہے نہ سوز و گداز لگا ہے اور نہ چاند کو۔

ہمارا تکیہ اور تمہارا تعینہ :-

جلس المومنین جلد دوم ص ۲۲۱ پر ابن علقمی وزیر مستعصم کے متعلق قاضی نور اللہ

شوہتری نے یوں نقل کیا ہے۔

خواجہ نصیر الدین محمد طوسی در آن حسین از حبس خلاصہ نجات یافتہ و از ہلاکو خان انواع
تعظیم و اکرام دیدہ ہمراہ بود۔ ابن علقمی فرصت غنیمت دانستہ قاصدان بخدمت و
بارگاہ فرستاد و ایشان را بر توجہ بغداد ترغیب نمود و اظهار کرد کہ جمیع امراء و
شکریان خلیفہ را بحسن تدبیر از حوالی خلیفہ دور ساختہ ام ہر چند زود تر رکاب
ظفر انتساب متوجہ این صوبہ گردانند کہ آسانی این ملک بدست خواہد آمد۔
خلاصہ مقصود یہ ہے کہ نصیر الدین محمد طوسی نے محمدین کی قید سے رہائی پائی
تھی اور ہلاکو خان کی طرف سے اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کی گئی اور اس
کو مصاحبین خاص میں شامل کر لیا گیا۔ ابن علقمی نے اس موقع کو غنیمت جانا
اور ہلاکو خان کی خدمت میں قاصد بھیجے اور بغداد پر حملہ آور ہونے کی ترغیب
دی اور یہ ظاہر کیا کہ میں نے تمام امراء کو اور افواج عرب کو حسن تدبیر دہشتاں
عیاری و مکاری کے ساتھ خلیفہ کے قرب و جوار سے بالکل دور کر دیا ہے
جس قدر جلد ممکن ہو سکے بغداد میں افواج اتارنے کی کوشش کی جائے تاکہ
زود تر اور بالکل آسانی اس ملک کو قبضہ میں لیا جاسکے۔

الغرض خان موصوف نے طوسی سے اس پیشکش کی صداقت پر تائید و تصدیق
حاصل کر کے اپنی افواج کو اس مقدس شہر میں اتار دیا اور اس طرح ابن علقمی پر مکمل یکسر کرنے
والا خلیفہ اور ملک کی باگ ڈور ملاً ایک تفتیہ باز شیعہ کے ہاتھ میں دے کر اس پر مکمل اعتماد
کرنے والا خلیفہ بدترین سازش کا شکار بنا اور بغداد کا کثر باسی بھی اس مکر و فریب اور عیاری
فریب کاری کے منفرد واقعہ سے موت کی گہری نیند سو گئے۔

خلیفہ اور اس کے دو بچوں کو امان حاصل کر لینے کے بہانے طوسی اور ابن علقمی نے
خان اعظم کے دربار میں پہنچا دیا اور ظلم و ستم کے ریکارڈ توڑنے والی سزا کا نشانہ بنا کر خان
موصوف کے دائیں بائیں بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہے اور ملک حرامی کا نہ ٹوٹنے والا ریکارڈ
قائم کیا۔ اس واقعہ بالکل میں جو فضلاء، مہتمم اور یگانہ روزگار آئمہ اور علماء اہل السنۃ

آئے وہ ڈیڑھ سوتھے اور باقی جو عوام اس قیامت صغریٰ میں تا تاریوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ان کی تعداد سولہ لاکھ تک جا پہنچی۔

نور اللہ شوستری نے ظلم و ستم اور وحشت و بربریت کے اس روح فرسا اور قیامت نما واقعہ پر بعلیں بجاتے ہوئے لکھا۔

”ذریعہ تخریب لشکر عرب مشغول بود و تقویت لشکر مغول میکرد تا خلیفہ و اولاد اور بدست پادشاہ جہانگیر وادتا بکشت و یکصد و پچاہ وانشمند را از اہل سنت کہ فتویٰ بقتل و غارت اہل کرخ دادہ بودند بیا سارہابند تا بعوام ایشاں چہ رسیدہ باشد قطعہ خاہر بالمقوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین“ مجالس المؤمنین جلد دوم ص ۴۴

خلیفہ مستعصم باللہ کی المناک شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح بغض و ناکار اظہار کیا۔

ہلاکو خان در باب افتاء و ابقاء خلیفہ مذکور بالخواب نصیر الدین محمد و دیگران مشو مسلوک داشتہ ہمہ بر قتل خلیفہ متفق گردیدند و مستعصم را بر نمد و چیدہ بزدان مالیدہ شدت و مد مدہ بندائی اعضای اورا از یکدیگر جدا ساختند و شیخ ابوال مؤمنین بان مقام خون آلودہ معصومین سرور گشتند۔ (مجالس المؤمنین جلد دوم ص ۴۴)

اور خلیفہ کے قتل سے ہلاکو کو جو خوف و ہراس اور آسمانی عذاب کے نزول کا اندازہ تھا اسے طوسی نے فلسفہ و منطق کو بروئے کار لاتے ہوئے برائی انداز میں کر دیا اور خلافت عباسیہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

دیکھا ڈھکوماحب! آپ لوگوں کا پچ عالم اسلام کو کتنا منگکا پڑا۔ اسی لئے ہم نے مظلوموں کو ظالموں سے بچانے کے لیے اس کو مباح قرار دیا اور یہ بھی دیکھا اور اسی طرح دیکھا کہ واقعی آپ کا تعلق نفاق اور بد باطنی کا بدترین نمونہ ہے۔ جیسے بھی موقع ملا اسلام کے پہلو میں نہیں بلکہ سیدھا اس کے قلب و جگر میں خنجر گھونپا اور اہل اسلام کو خون کے آنسوؤں میں ڈبو کر دیا۔

یہی شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے اس کو نفاق اور کذب بیانی اور مکر و فریب

سے تعبیر کیا اور بالکل بجا طور پر ہم تمہارے ظاہر کو دیکھ کر تم پر اور تمہاری دیانت پر اعتماد اور تکیہ کرتے رہے اور تم تفتیہ کرتے رہے اور موقع تکتے رہے۔

تنزیہ الامامیہ ————— ڈھکو صاحب

بعض منصف مزاج علماء اہل سنت کا اقرار تفتیہ

انہی حقائق کی بناء پر بعض منصف مزاج علماء اہل سنت نے واشگاف الفاظ میں تفتیہ کا اعتراف کر لیا۔ چنانچہ فاضل عقلی اپنی کتاب النصارح الکایہ ص ۱۹ طبع بمبئی پر لکھتے ہیں۔
 ”ہیں کہتا ہوں ہمارے علماء (اہل سنت) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضرورت بلکہ مصلحت کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے اور یہ بعینہ تفتیہ ہی ہے۔ ہاں البتہ اگر اس بات کو لفظ تفتیہ سے تعبیر کیا جائے تو بہت سے علماء نے اس کی ممانعت کی ہے کیونکہ یہ تعبیر شیعوں کی ہے نا بریں یہ (شیعہ و سنی اختلاف) صرف لفظی اختلاف ہے“ (رواۃ اعلم)
 پیر سیالوی اور ان کے مریدان باصفا کہاں ہیں۔ آئیں اور انصاف کی عینک لگا کر ان حقائق کو دیکھیں اور پھر اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں۔ (ص ۲۱، ۲۲)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف السیالوی

ڈھکو صاحب نے کذب اور تفتیہ کے متعلق محض لفظی اور تعبیری فرق ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ وہ تو بھلا اللہ ہم روز روشن کی طرح عیاں کر چکے ہیں کہ شیعہ صاحبان کذب اور غلط بیانی اور صرف دفع مضرت کے لیے استعمال نہیں کرتے بلکہ فاضل القضاۃ بننے کا شوق ہو یا وزیر اعظم بننے کا تو بھی اسی سے کام لیا جاتا ہے اور صرف بھوکے مرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ موٹا اور مغربہ ہونے کے لیے بھی اس خطرہ کو مباح قرار دیتے ہیں۔ پھر اہل سنت جھوٹ بھی مطلق بولنا جائز

نہیں رکھتے خواہ کتنی ہی مجبوری ہو بلکہ تعریض ارتکاب مجاز اور توہین کے ذریعے جھوٹ سے بچنے کی سعی کی جائے گی اور اس کی بھی کوئی صورت نہ رہے۔ تو پھر بھی محض تشدد اور قابل برداشت زد و کوب کا اندیشہ ہو تو بھی کذب اور تقیہ روا نہیں ہے اور اگر ناقابل برداشت سزا یا قتل کا اندیشہ ہو تو ہجرت کرنی لازم ہے۔ اور دار اسلام میں ہو اور ظالم بھی مسلمان ہو تو پھر مباح ہے۔ لیکن اس آخری دُوزخ کو کذب سے تعبیر کریں یا تقیہ سے لفظی فرق ہے نہ یہ کہ علی السطاح شیعہ صاحبان اور اہل السنہ کے درمیان اس مسئلہ میں محض لفظی اور تعبیری اختلاف ہے۔ ڈھکو صاحب پھر محل نزاع سے صرف نظر کرتے ہیں۔ اور تقیہ و کذب میں نوے فیصد دین کا منحصر ہونا اور اس کے ترک سے دین و ایمان کا ختم ہونا، مضمم کر جاتے ہیں۔ ایک چیز کی مجبور محض ہونے کی بنا پر اگر شریعت نے رخصت بھی دی ہے۔ تو اس کے اجر و ثواب اور اس کے ذریعے ترقی درجات اور ترک کی صورت میں مکمل خسراں اور نقصان دین و ایمان بلکہ اس کے انعدام کا ڈرا دینا جس بدینیتی پر دال ہے۔ اور اسلام کے خلاف جس سازش کا غماز ہے تفاضل عقلی کی عبارت کو اس سے کیا تعلق ہے؟

تنزیہ الامامیہ۔ علامہ محمد حسین ڈھکو

الجواب بفضل اللہ التواب:

مفتی بن خلیس کی روایت کے مطابق مذہب شیعہ کو چھپانے میں عزت ہے اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے۔ جیسے کہ امام الصادقین نے فرمایا لیکن علامہ ڈھکو صاحب اس بات سے آتش بداماں ہو گئے ہیں لہذا جواب کی سعی ناتمام کرتے ہوئے فرمایا۔
”بعض مخصوص اسرار و رموز کے افشاء کرنے کی ممانعت کے متعلق وارد شدہ

احادیث پر مؤلف نے جو ایراد دیا ہے اس کے ہم علی اور الزامی ہر دو قسم کے جوابات پیش کر سکتے ہیں۔“

علی جواب:

کوئی معمولی عقل و خرد رکھنے والا شخص اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ ہر مقام مقال

یعنی

ہر سخن جانے دہر نکتہ مقاسے دارد

علم و معرفت کی باتوں کو ہر شخص سننے اور سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ بعض ایسے دقائق و حقائق ہوتے ہیں کہ تمام خواص بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے۔

پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے کہ ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی عقل و فکر کے مطابق ان سے بات چیت کریں امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

”بیادہ بات نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں بلکہ ہر وہ بات جو تمہیں معلوم ہے۔

وہ بھی نہ کہو۔“

انہی مذکورہ بالا حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاضل غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم

ج 1 ص ۶۹ طبع نو کشور و طبع مصر جلد 1 ص ۶۲-۶۳ پر رقمطراز ہے۔

قسم اول : بعض چیزیں فی ذاتہ ایسی دقیق ہوتی ہیں کہ اکثر لوگوں کی عقلیں ان کے سمجھنے سے

قاصر ہوتی ہیں صرف خواص ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر ان پر لازم ہے کہ ان باتوں کا نااہلوں

کے سامنے اظہار نہ کریں ورنہ فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا اس لیے جناب رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم ایسی باتیں عوام کے سامنے بیان نہیں فرماتے تھے۔

دوسری قسم : وہ چیزیں ہیں کہ گوان کو سمجھنے میں کوئی خاص دقت اور پیچیدگی نہیں مگر ان

کے اظہار سے اکثر لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے ان کو ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں البتہ

انبیاء و مدیقین ان کو برداشت کر سکتے ہیں۔ اس لئے یہ انہیں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اب قارئین کرام انصاف کا دامن تھام کر فرمائیں اگر حکماء اسلام یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام

نے ایسے مخصوص خواص کو پوشیدہ رکھنے کا حکیمانہ حکم دیا ہے۔ تو یہ بات تو ان ذوات مقدسہ

کے ائمہ طاہرین اور حکماء ربانین ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

الزامی جواب:

کتب اہل السنۃ میں متعدد ایسی روایات موجود ہیں جن میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے

بعض اصحاب کو بعض اسرار و رموز کو افشاء کرنے کی ممانعت فرماتا دار وہ ہے۔

چنانچہ یہاں کنز العمال ج ۵ ص ۲۱۴ و ۲۲۵ پر مرفوعاً آنحضرت سے مروی ہے۔ فرمایا میری احادیث میں صرف وہ احادیث لوگوں کے سامنے بیان کرو جن کو ان کی عقلیں برداشت کر سکیں۔ (باقی نہ) ظاہر ہے کہ اس زیر اصول کی خلاف ورزی کرنے سے جہاں ناقل و راوی کی توہین ہوتی ہے وہاں منقول غنہ کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری مع فتح الباری ج 1 ص ۱۱۱ پر ایک پورا باب بعنوان "من خص بالعلم قوم مادون قوم کراہیۃ ان لا یفہموا" موجود ہے۔ اس میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ حکیمانہ ارشاد نقل ہے۔ یعنی لوگوں کے سامنے صرف وہ حدیثیں بیان کرو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں۔ کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ اللہ اور رسول کی تکذیب کی جائے۔

کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۵ پر اتنا اور اضافہ ہے جس چیز کو وہ برداشت نہیں کر سکتے اسے چھوڑ دو۔ جب سلسلہ کلام یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ تو لگے ہاتھوں جناب ابو ہریرہ کی دو پوٹلیوں کا ذکر بھی سنتے جائیے۔ چنانچہ بخاری ج 1 ص ۱۱۱ پر جناب موصوف سے منقول ہے۔ فرمایا میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کی دو تھیلیاں حفظ کیں ایک تھیلی کو تو میں نے پھیلا دیا ہے۔ لیکن اگر دوسری تھیلی کا اظہار کروں تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے۔

ہنایہ ابن اثیر تحت قشع میں یہ روایت: ہاں الفاظ مروی ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر وہ سب کچھ تمہارے سامنے بیان کروں تو تم میری تکذیب و تخفیف کرتے ہوئے پتھروں یا تازیانوں سے مارنے لگو گے (کذا فی التوارخ للذخیرۃ ج ۱ ص ۲۶، ۲۷ وغیرہ) (ص ۲۲ تا ۲۴)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف السیالوی

الجواب بفضل اللہ الوہاب:

ڈسکو صاحب نے سہائی سازشوں کی طرح اس بحث میں بھی خواہ مخواہ طوالت سے

کام لیا۔ بات صرف قابل غور یا جواب طلب اتنی تھی کہ کرائمہ کی طرف سے اس دین کو عام کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے علی بن خنیس کی روایت سے یہ ثابت کیا کہ شیعہ روایات جو ائمہ کی طرف منسوب ہیں وہ اس امر کی متقاضی ہیں کہ یہ دین ظاہر کو نا ذلیل ہونے کا موجب ہے اور اس دین کو چھپانا عزت و اُپر و کا موجب نہیں۔

لیکن ڈھکوماحب نے اس کو عوام الناس کی عقل و فہم سے بالاتر مخصوص اسرار و رموز اور راضی و دقاتق پر محمول کر دیا۔ اب شیعہ روایات کے اُئینہ میں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے یہاں اس قدر ترقیہ سے کام لیا ہے۔ اور اس گھڑنت مسد پر عمل کر کے بزعم خویش ثواب کیا۔

۱۔ عن سلیمان بن خالد قال ابو عبد الله عليه السلام يا سليمان انكمر على دين من كتمه اعزه الله ومن اذاعه اذله الله

(امول الکافی باب الکتمان)

امام جعفر صادق نے فرمایا اے سلیمان تم ایسے دین پر ہو کہ جس نے اس کو چھپایا اللہ اس کو عزت دے گا اور جس نے اس کو عام کیا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کریگا۔ اب فرمائیے یہاں تو دین چھپانے کی بات ہو رہی ہے۔ کیا دین کا لفظ صرف غوامض و قاتق اور اسرار و رموز پر بولا جاتا ہے بلکہ یہ لفظ اپنی وسعت کے لحاظ سے جملہ عقائد و اعمال و اعمال شامل ہے۔ جیسے کہ اطلاقات قرآن مجید سے ظاہر ہے۔

قال تعالى ان الدين عند الله الاسلام وقال تعالى من يتبغ غير غير الاسلام دينا فلن يقبل منه۔ قال تعالى هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق لينظره على الدين كله۔

اس لیے ڈھکوماحب کا یہ بیان سراسر مغالطہ ہی اور فریب کاری پر مبنی ہے۔

۲۔ قال ابو جعفر عليه السلام ولاية الله اسرها الى جبرئيل عليه

السلام واسرها جبريل الى محمد صلى الله عليه وسلم واسرها

محمد صلى الله عليه وسلم الى علي واسرها علي الى من شاء ثم

انتم تنزلون ذلك من الذي امسك حرقا سمعه فتنا الخ

(اصول الکافی باب الکتمان)

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولایت کو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام پر منکشف کیا اور انہوں نے اس راز کو مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور آپ نے صرف حضرت علی پر منکشف کیا اور انہوں نے ان خواص پر جن کو اس راز کے انکشاف کے لئے اہل سمجھتے تھے لیکن تم اس کو عام اور شائع کر رہے ہو تم میں سے کون ہے جس نے ہم سے سنے ہوئے کسی حدت کو بھی چھپایا ہو۔

وہ صاحب ذرا سر کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل کی آنکھیں بھی کھول کر اس کو پڑھو اور بتلاؤ کہ یہاں اس ولایت کو چھپانے کا حکم ہے جس کا اعلان لاؤڈ سپیکروں پر اور اذانوں میں ہوتا ہے۔ اور جس پر دین و ایمان کا دار و مدار ہے اور جو اس امامت و ولایت کا قائل نہ ہو شیعوہ مذہب میں اس کی نماز یا زنا کاری برابر ہیں۔ امام جعفر صادق کی طرف منسوب روایت ہے۔
سواء لمن خالفت هذا الامر صلتی اوزنی۔

(مجالس جلد اول ص ۴۸۴)

کیا تمہاری اس مغز ماری کا ان روایات کی روشنی میں کوئی جواب ہو سکتا ہے اور اس تہقیر سے کام چل سکتا ہے۔

(۳۲) قال ابو عبد الله عليه السلام اجعلوا امركم هذا الله ولا تجعلوا للناس رالى ولا تخاصموا بدینکم الناس فان المخاصمة ممرضة للقلب الخ
امام جعفر صادق فرماتے ہیں اپنے اس امر کو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص رکھو اور لوگوں کے لئے نہ بناؤ اور اپنے دین کے ساتھ لوگوں سے مت الجھو اور بحث و مباحثہ نہ کرو کیونکہ بحث و نزاع دل کو مریض بنا دیتے ہیں۔ اس روایت میں پہلے امر کا لفظ ہے اور بعد میں دین کا جس سے صاف ظاہر ہے یہاں دین اور امر ہم معنی مستعمل ہیں اور اس کی اشاعت اور اس پر بحث و مباحثہ کو امام نے حرام فرمادیا ہے لیکن علم امام کے برعکس اس کو تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بلکہ مجادلوں اور مناظروں کے ذریعے عام کیا جا رہا ہے اور اپنے آپ کو اور عبداللہ بن سبا

تک جہد اسلاف کو ذیل کیا جا رہا ہے۔

(۴) عن ثابت ابی سعید قال لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یا ثابت ما لکم وللناس کفو عن الناس ولا تدعوا احداً الى امرکم فواللہ لو ان اهل السماء واهل الارض اجتمعوا ان یضلوا عبد یرید اللہ ہدایہ ما استطاعوا (الی) کفوا عن الناس فان اللہ عزوجل اذا اراد بعبد خیراً طیب روحہ فلا یسمع بمعروف ولا بمنکر الا انکرہ۔

ابو سعید ثابت کہتے ہیں مجھے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ثابت تمہیں لوگوں سے کیا واسطہ لوگوں سے دور رہو اور کسی کو اپنے دین کی طرف مت بلاؤ۔ بخدا اگر تمام آسمان اور زمین داغے مل کر ایک بندے کو گمراہ کرنا چاہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہدایت کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ لوگوں سے الگ رہو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق خیر اور بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے روح کو پاکیزہ کر دیتا ہے جب نیکی کو سنتا ہے تو اسے جان لیتا ہے اور برائی کو سنتا ہے تو اس سے انکار کر دیتا ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ امر سے مراد دین ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی دین کا اہم حصہ ہے اور اس سے روکا جا رہا ہے اور عنوان بھی یہی قائم کیا گیا ہے۔
(باب فی ترک دعاء الناس)

۵۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اپنا ایک رسالہ ہے جس کو دانی کے حوالے سے روایت کافی کے آخر میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے۔

کہ تمہارے لئے دین خدا کے اصول کا مخالفین پر ظاہر کرنا روا نہیں ہے۔ عبارت پیش خدمت ہے: لا یجوز لکم ان تظهروہم علی اصول دین اللہ فالدان سمعوا منکم شیئاً عادوکم علیہ الخ ص ۲۱۸

اب بھی کوئی شبہ رہ گیا ہے کہ شیعہ کے لئے عزت کتمان دین میں ہے۔ اور ذلت اس کے اظہار میں ہے۔

۶۔ عن ابی عمر الامحی قال لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یا اباعمران تسعة اعشار الدین فی التقیة ولا دین لمن لا تقیة له والتقیة فی کل شیء الا فی البیذ والمسم علی الخفین۔

(احول کافی باب التقیہ)

ابو عمر امحی کہتا ہے کہ مجھے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو سے فی صد دین تقیہ میں ہے اور جو تقیہ نہیں کرتا اس کا سرے سے دین ہی نہیں رہتا اور تقیہ ہر شئی میں ہے مگر بیذاہد خفین پر مسح کرنے میں (تقیہ نہیں ہے)۔

اب تو راندروں پر وہ معلوم ہو گیا کہ دین کے اندر دو مسکوں کے علاوہ ہر شے میں تقیہ ہوگا اور یہ بتلانا ذمہ داری ڈھکوا صاحب کی ہے کہ دین کے جملہ ارکان پر ان دو کو اس قدر اہمیت کیوں ہے کہ توحید و رسالت کے لئے تو تقیہ کا ترک جائز نہ ہو مگر ان دو چیزوں کے لئے جائز ہو؟

۷۔ فی الاعتقادات : سئل ابو عبد اللہ علیہ السلام : عن قوله تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقا کہ قال اعلمکم بالتقیة۔

(تفسیر صافی جلد ثانی ص ۱۹۶)

اعتقادات شیخ صدوق میں ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس قول باری کے متعلق دریافت کیا گیا کہ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے عزت و کرامت کا مالک وہ ہے جو اتقی ہے یعنی اس کا معنی کیا ہے تو آپؑ نے فرمایا اتقی وہ ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرنے والا ہے۔

یعنی صاحب اب تو واضح ہو گیا کہ تقیہ و کتمان صرف ان امر اور روز سے متعلق نہیں جو فہم عوام سے بالاتر ہوں بلکہ ہر معاملہ میں تقیہ کا اعتبار ہے۔ اور سب سے زیادہ عزت کا حق دار وہی ہے جو سب سے زیادہ تقیہ میں مراہر ذلت اور خواری ہی ہوگی جتنا ترک زیادہ اتقی

ذلت زیادہ۔

اور واقعات بھی اسی پر شاہد ہیں شیطان الکافر ہمارے علماء و ائمہ کے ساتھ مختلف مسائل پر مباحثے کیا کرتا تھا تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس کو منع کیا کہ ستمہ تھے لیکن وہ جواب میں کہتا مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو مجالس المؤمنین جلد اول ص ۵۷۰

الغرض معنی بن خنیس کی روایت جو حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے نقل فرمائی ہے۔ اس کا مفہوم بالکل واضح ہو گیا کہ اس مذہب کی لذت و دھوت دے سکتے ہیں نہ اس کا پرچار کر سکتے ہیں۔ اور اسی میں ان کی عزت کیونکہ اس طرح کبھی سنیوں کے قاضی القضاۃ بن جاستے ہیں اور کبھی وزیر اعظم اور بصورت دیگر ذیل و خوار ہوں گے اور اس پر تاکید مزید کے لئے فرمایا تھیہ میرا دین ہے اور میرے آباء کا اور جس نے تھیہ نہ کیا اس کے لئے دین نہیں ہے لہذا جس میں تھیہ لازم ہے اس کی اشاعت موجب ذلت ہے۔

الغرض ڈھکڑا صاحب کو ان حقائق کی روشنی میں اپنا دامن صاف کرنا چاہئے تھا۔ ادھر ادھر بھاگنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے لیکن انکا معاملہ الفرق والا ہے یعنی مرتا کیا نہ کرتا۔

رہا امر اور موزہ کو صرف اس کے متعلیٰ لوگوں تک محدود رکھنے کا معاملہ اور لوگوں کے ساتھ ان کی ذہنی صلاحیتوں کے مطابق گفتگو کرنے کا یا ایسے فیسی امور کا انکشاف جو سلاطین زمان کے فیض و غضب کا موجب نہیں۔ تو ان سے جان و مال اور عزت و آبرو کی بربادی کا اندیشہ ہو تو وہ چیزیں نہ بیان کرنا بالکل درست ہے کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں نہیں آتیں اور نہ لیتفقہوا فی الدین ولینتدروا قومہما اذارجعوا الیہم لعلمہم یحذرون کے ضمن میں آتی ہیں۔ ان کے یہاں پیش کرنے کا کوئی جواز ہے ہی نہیں۔ لہذا علی جواب اور الزامی جواب بالکل بے محل اور بے مقصد ہیں۔ اور نری دھوکہ دہی اور فریب کاری۔ کیا خیال ہے تمہاری کتابیں ہمارے سامنے نہیں ہیں۔

ڈھکوصاحب پھر بھول گئے!

جب تم آپ کہہ چکے ہو کہ ابطان ایمان اور اظہار خلافت ایمان کا نام تقبیہ ہے تو پیش کردہ روایات سے یہ عبارات سے کہاں ایمان چھپانا ثابت ہو رہا ہے۔ اور خلافت ایمان کا اظہار کس طرح۔ ایک شخص مثلاً وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فرق کی نہیں سمجھ سکتا۔ اس کو مرتبہ اتنا قدر سمجھانے پر اکتفا کر دیا جائے کہ لا الہ الا اللہ کا معنی لا معبود الا اللہ یا لامؤثر وخالق الا اللہ اور لامعروف بالصفات الکمالیۃ حقیقۃ الا اللہ اور لاموجود الا اللہ یا لامشہود الا اللہ اس کے سامنے نہ کہا جائے تو کیا اس میں ایمان کا چھپانا اور خلافت ایمان کا ظاہر کرنا لازم آگیا۔ ڈھکوصاحب مذہب کا معاملہ اپنی جگہ مگر دیانت و امانت کا اس طرح خون ناحق تو کوئی کافر بھی بہانے کی برأت نہیں کرتا۔

تشریحہ الامامیہ: خلیفہ اول کے ترک تقبیہ کا خوف ناک انجام:

یعنی روایت میں ہے کہ جس روز جناب حمزہ ایمان لائے اس سے قبل ایک اور واقعہ رونما ہوا اور وہ یہ ہے کہ جب (نومسلم) صحابہ کی تعداد انتیس تک پہنچ گئی تو ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب ہم ایمان کو کیوں چھپائیں اور کیوں اس کا اظہار نہ کریں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ابھی تک ہم پوری قوت نہیں رکھتے (اس لئے) ابھی اظہار مناسب نہیں ہے مگر ابو بکر نے اپنے مدعا پر بٹا امر کیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے ساتھ گھر سے نکلے اور حرم میں جا کر بیٹھ گئے۔ ابو بکر نے اٹھ کر بیٹھ دیا اور اسد ام میں ان کا یہ پہلا خطبہ تھا اثناء خطبہ میں لوگوں کو اسام کی طرف دعوت دی یہ بات مشرکوں کو بہت ناگوار گزری چنانچہ وہ مسلمانوں کی ایذا و رسائی کے لئے کھڑے ہو گئے اور ابو بکر کو گھیرے میں لے لیا۔ عتبہ بن ربیعہ نے (خدا اس پر لعنت کرے) جوتا ہاتھ میں لے کر اس قدر ابو بکر کے منہ پر مارا کہ ناک منہ ایک ہو گئی۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ناک کہاں اور رخسار کہاں؟ بالآخر بنی تیمم نے مداخلت کر کے ابو بکر کو ان کے منہ سے چھڑایا اور کپڑے میں لپیٹ کر گھولائے اور وہ قریب بہ ہلاکت سارا دن شام تک بیہوش پڑے

رہے۔ (معارج النبوة رکن سوم فصل دوم ص ۵۲)

حقیقہ توڑنے سے ناک منہ رخسار گر ٹوٹیں۔ تو پھر شیعوں سے مرہم کا قفیہ ہونہیں سکتا

فیما ذکرناہ کفایۃ لمن ادنی درایۃ انش (ص ۲۸-۲۹)

الحجواب: بفضل الملہم للصدق والصواب؛

مکتوبہ حقیقیہ:

ہمارے ائمہ نے تو نعرہ ستارہ لگا کر یہ بے خطر کو دپڑا آتش غرور میں عشق، کا حق ادا کیا اسی لئے تو ہم اس تقیہ کو جائز نہیں سمجھتے اور حضرت شیخ الاسلام نے بار بار میدان کربلا کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر تقیہ درست ہوتا یا اس پر نوے فیصد دین کا دار و مدار ہوتا یا اس کے ترک سے دین ہی ختم ہو کر رہ جاتا تو ہم مظلوم شہید کو بلا غرور تقیہ کرتے کیونکہ جو سنگین حالات آپ کو درپیش تھے حضرت ابو بکر صدیق کو پیش آنے والے حالات اور شداوند مصائب ان کا عشر عشر بھی نہیں تھے لیکن انہوں نے یہ انتظار نہ کیا کہ میری مرہم کا قفیہ شیعہ صاحبان کریں گے یا نہیں بلکہ یہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی! حق تو یہ تھا کہ حق ادا نہ ہوا!

کافر بلند کھستے ہوئے صرف اپنی ہی نہیں فوجیوں اور عزیزوں کی جانیں بھی قربان کیں۔ اور بعد ازاں پیادگان عصمت مآب کو پیش آنے والے پریشان کن حالات کو بھی خاطر میں نہ لائے اس لئے تو ہم کہتے ہیں کہ شیعہ صاحبان کا ائمہ اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں ورنہ میدان کربلا کا منظر سامنے لائے ہوئے ہوتے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات پر پھبتیاں کہنے کی کوئی عقل مند اور باہوش و توانا شخص کیسے جرأت کر سکتا تھا؟

خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ہی کس قدر تشددات برداشت کئے اور طائف میں کس طرح چھر کھا کر ہولہولان ہوئے وہاں بھی ڈھکڑا صاحب کو مرہم کا قفیہ کرنے کی نہ سوجھی اور سوچے ہی کیوں جب کہ ان کا دوٹ اہل طائف کے ساتھ ہے اور زخم لگانے والوں اور ہونکا لٹنے والوں کے ساتھ۔

نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد۔

شیعی تقیہ کی حقیقت شیعہ کی زبان:

ڈھکو صاحب کی اس مذہبی حرکت اور یار غار کی جرأت ایمان پر اعتراض و تنقید اور اسے ترک تقیہ کا خوفناک انجام قرار دینے سے واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک صرف اسرار و رموز کے تحفظ اور ان کے افشاء کے لئے اہل و عاہل کی تمیز کا نام تقیہ نہیں بلکہ سرے سے دعوت اسلام و ایمان کو ترک کرنے کا نام تقیہ ہے۔ لہذا پچھلے صفحات میں الزامی اور علی جوابات دے کر جن شیعوں اور شونہیوں کا مظاہرہ کیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعض و عداوت نے خود ڈھکو صاحب کے قلم سے اس پر پانی پھر دیا۔ اور تقیہ کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی اور ڈھکو صاحب کا معاملہ بھی بقول کسے عجیب ترین ہے۔

عجب شکل میں ہے سینے والا عجیب و داماں کا
ادھر ٹانگا ادھر ادھر ادھر ٹانگا ادھر ادھر

تنبیہ الامامیہ _____ ڈھکو صاحب

تمہ شیعہ فرقہ کی قدامت

اور جہاں تک فرقہ حقہ شیعہ خیر البریہ کو (جو اسلام کی صحیح شکل کا دوسرا نام ہے) ایک جدید سیاسی فرقہ قرار دینے کا تعلق ہے یہ کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے دشمنان شیعہ و شیعیت ہم پر یہی بے بنیاد الزام عائد کرتے رہے ہیں مگر حقیقت بین حشرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ مذہب شیعہ کوئی نیا مذہب نہیں۔

امام احمد بن حنبل۔ جلال الدین سیوطی۔ ابن حجر مکی، زعزعی۔ نسائی۔ ابن اثیر وغیرہم فحول علماء نے آنحضرت کا یہ ارشاد اپنی اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا،

”یا علی! أنت وشیعتک هم الفائزون یوم القیامة“

اے علی! تم اور تمہارے شیعہ ہی قیامت کے دن دستکار ہوں گے۔

علامہ وحید الزمان نے انوار اللعۃ میں پگ ۱۴۴: بذیل حدیث ”انت وشیعتک راضین

مرضین“ لکھا ہے اس حدیث سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ شیعہ علی ایک قدیم فرقہ ہے جس کا ذکر آنحضرت نے کیا۔

(ص: ۳۰)

تحفہ حسینیہ _____ محمد اشرف الیالوی

شیعہ فرقہ ابن سبأ کے نفاق کا نتیجہ

ڈھکوصاحب نے شیعہ فرقہ کی قدامت ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہوئے اہل سنت کی کتابوں سے مرت ایک حوالہ ”یا علی! أنت وشیعتک هم الفائزون یوم القیامة“ اور ”یا علی! أنت وشیعتک راضین مرضین“ لکھا ہے۔ جس طرح تقیہ کے اثبات میں آپ کو جہاں بھی تقیہ کا لفظ نظر آیا اسی کو اپنی دلیل بنا ڈالا اسی طرح یہاں بھی لفظ شیعہ نظر آیا اس سے مذہب شیعہ ڈھکوصاحب کا ثابت ہو گیا۔ کوئی اس صاحب سے پوچھے کہ شیعہ دسویں اختلاف جو تقریباً تیرہ ساڑھے تیرہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ وہ مرت اس لفظ شیعہ کے ثبوت یا عدم ثبوت میں ہے یا ان کے مخصوص اعتقادات اور اعمال میں خواہ نام کوئی بھی ہو۔

حضرت شیخ الاسلام نے اسی کنز العمال کی روایت بیان کی جس میں کامیاب و کامران راضی و مرضی شیعہ کا بھی ذکر تھا اور مبعوض و ناپسندیدہ اور واجب القتال شیعہ صاحبان کا بھی تو اس پر ڈھکوصاحب آتش زیر پا ہو گئے کہ سنیوں کی کتاب ہے اور اس کی روایت ہے اس کو کیونکر پیش کیا لیکن غرض اسی کتاب کی ایک روایت ذکر کی جو مفید مطالب تھی

دوسری چھوڑ گئے اور آبائی طریقہ یعنی تقیہ کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

عن علی یخرج فی آخر الزمان قوم لهم تميز يقال لهم
الرافقة ويعرفون بهم ينتقلون شيعتنا وليسوا من
شيعتنا وآية ذلك انهم يشتمون ابا بكر وعمر اينما
اور رکتوهم فاقتلوهم فانهم
مشرکون۔

مذہب شیعہ ص ۲۵، ۲۴

آئندہ زمانہ میں ایک قوم ظہور پذیر ہوگی جن کا خاص لقب ہوگا یعنی ان کو
رافضی کہا جائے گا اور یہی ان کی پہچان کا ذریعہ ہوگا وہ اپنے آپ کو ہمارا
شیعہ ظاہر کریں گے۔ لیکن حقیقت میں ہمارے شیعہ نہیں ہوں گے اور اس کی دلیل
یہ ہے کہ وہ ابو بکر اور عمر کو گالیاں دیں گے۔ وہ تمہیں جہاں کہیں ملیں ان کو
قتل کر دینا کیونکہ وہ مشرک ہیں۔

اب تو آپ کو سمجھ آگئی ہوگی کہ کون سا فرقہ قدیم ہے اور کون سا جدید اور جن شیعوں
کے متعلق فائز المرام ہوئے یا اللہ تعالیٰ کے رافضی ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ وہ کون ہیں؟
اتنی دھاندلی بھی ہوتی ہے کہ ایک کتاب کی دو روایات میں ایک کو لے کر اپنی دلیل بنا دیا جاوے
اور دوسری کو شیر مادر سمجھ کر معصوم کر لیا جاوے کیا استدلال کے جلدی اور ربہانی طریقوں میں سے
یہ کوئی بھی طریقہ ہے؟

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ڈھکوماحب کے مذہب کی اہم کتاب
سے جو حوالہ پیش کیا اس کے ذکر میں بھی تقیہ سے کام لے گئے یہاں کوئی جان کو خطرہ تھا کہ تقیہ و
کتمان سے کام لیا اسی لیے تو ہم فریاد کرتے ہیں کہ اس جتھیار نے اسلام کا سینہ پھلنی کر کے
رکھ دیا ہے۔ ہاں تو کافی کتاب الروافقہ کی روایت ملاحظہ فرمادیں۔

مؤلفہ کافی مطبوعہ مکھنڑ ص ۹۹۔ مذہب شیعہ ص ۳۶

اینادی منادی اول التہار ان فلان بن فلان و شیعہ

هم الفائزون وينادي آخر النهار الا ان عثمان و
شيعته هم الفائزون ۔

دن کے آغاز میں منادی نداؤ اور اعلان کرتا ہے کہ فلاں ابن فلاں (عمر بن
الخطاب رضی اللہ عنہ) اور ان کے شیعہ فائز المرام اور کامیاب و کامراں ہیں ۔
اور دن کے آخری حصے میں منادی نداؤ کرتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور
ان کے شیعہ فائز المرام اور کامیاب ہیں ۔

ذرا تکیہ سے ہٹ کر بحیثیت دیانت دار انسان ہونے کے بتلائیں کہ لفظ شیعہ
سے یہاں کون سا معنی مراد ہے؟ آیا اس لفظ سے بھی آپ اپنی قدامت ثابت کرنے کی کوشش
کریں گے۔ اور اگر کوئی ہے تو پھر ہم آپ کو اسلام سے بھی پہلے کا ایک فرقہ ثابت کر دیتے
ہیں آپ اپنے کو مرت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور تک محدود کیوں رکھتے ہو؟

لفظ شیعہ کے اطلاق از روئے قرآن

دیکھو قرآن مجید میں وارد ہے۔ (۱) هذا من شیعہ و هذا من عدوہ جو دو آدمی
جھگڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو موسیٰ کا شیعہ تھا اور ان کی جماعت سے تھا۔ اور دوسرا دشمن کی
جماعت سے تھا۔ لیجئے صاحب سامنے بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کے اعلان نبوت
سے بھی پہلے شیعہ ہونا ثابت ہو گیا۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وجعل اہلہا شیعۃ فرعون نے اصل مسر کو شیعہ بنا دیا تھا
اس سے بھی قدامت بلاریب ثابت ہو گئی۔

۳۔ ولقد اہلکنا اشیاء عکم قبل من صدکر البتہ تحقیق ہم نے تمہارے شیعہ
پر شیعہ کو ہلاک کیا، تو ہے کوئی تم سے نصیحت پکڑنے والا۔

چلو یہ آیات گراں گزرتی ہیں تو وہ ان من شیعہ لا براہیم پڑھ لو کہ حضرت نوح
علیہ السلام کے شیعہ سے ابراہیم تھے۔ اب تو طوفان نوح علیہ السلام سے بھی پہلے کی اقوام

ہم نے آپ کا رشتہ جوڑ دیا ہے۔ کیا اب بھی ناراض رہو گے۔

محل نزاع کیا ہے؟

مگر خدا را یہ تو بتلاؤ کہ یہی لفظ شیعہ محل نزاع ہے الودہ ثابت ہو گیا تو مذہب شیعہ ثابت اور ثابت نہ ہوا تو مذہب بھی ثابت نہ ہو گا۔ اگر عبداللہ بن ابی اور عبدالرحمن ابن بلعم کے نام انتہائی حسین ہونے کے باوجود ان کی ذاتوں میں کوئی خوبی ثابت نہیں ہو سکتی تو محض شیعہ کا لفظ بول دیتے سے اس مذہب کی کوئی خوبی اور اچھائی ثابت نہیں ہو سکتی۔

حقیقت حال:

شیعہ کا معنی جماعت گروہ اور قبیلہ ہوتا ہے جو اچھا بھی ہو سکتا ہے اور بُرا بھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے آدمی کو شیعہ بھی کہا گیا ہے اور اسی کو ان کا لغوی معنی کا تحفہ ضلالت بھی عطا ہوا ہے اور اہل معرکہ فرعون کی طرف سے مختلف شیعوں میں بانٹا بھی قرآن سے ثابت ہے۔ اور مختلف شیعہ کا ازمان سالہ اور گزے ہوئے ادوار میں آسمانی عذاب سے تباہ ہونا بھی اور آئندہ روز قیامت انہیں جہنم داخل کرنے پر بھی قرآن گواہ:

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدَّ عَلَى الرَّحْمَانِ عِتِيًّا

جس طرح کسی فرد کائنات کے انسان ہونے سے اس کا شریف ہونا اور مسلمان ہونا نہ ہم نہیں آتا محض شیعہ کا لفظ بولے جانے سے بھی اس کا مومن ہونا بلکہ مسلم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں مہبان علی کے تیرہ گروہ ہیں جن میں سے بقول امام جعفر صادق صرف ایک جنتی ہے باقی بارہ دوزخی ہیں۔ ملاحظہ کتاب الروضة کافی و من الثلاث و سبعین فرقة ثلاث عشر فرقة تنحل ولا يتناو و مودتنا و اثنتا عشرة فرقة منها في النار و فرقة في الجنة و ستون فرقة من سائر الناس في النار۔

(روضہ کافی ص ۲۲۲ مطبوعہ ایران)

جب مہاجران اہل بیت تیرہ فرقے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کبھی شیعہ ہونے کے دعویدار
ہیں۔ اور ان میں سے صرف ایک جنتی ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ڈھکومہ صاحب
والی جماعت ہی ہو۔ اسماعیلیہ ہوں یا زیدیہ یا کیسانہ وغیرہ۔ لہذا شیعہ کے لفظ سے ایک جماعت
کیسے متعین ہو گئی جس طرح محمدی ہونے کا دعویٰ نجات کے لئے کافی نہیں کیونکہ بہترین سے ہر
ایک فرقہ محمدی ہونے کا دعوے دار ہے۔

لفظ شیعہ اور شارح نہج البلاغہ:

اس مقام پر ذرا شارح نہج البلاغہ جو کہ ابن علقمی شیعہ وزیر اعظم سلطنت عباسیہ کے نمک خوار
اور انعام یافتہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل کلی اور اہل صفین کو مکمل طور پر اور اصحاب جہل میں
سے تین افراد یعنی حضرت عائشہ صدیقہ۔ حضرت طلحہ اور حضرت ذبیر کے علاوہ سب صحابہ اور
مہاجرین و انصار کو فاسق اور جہنمی تسلیم کرنے والے معتزلی کی بھی سن لو جو کہ آدھا معتزلی ہے
مگر آدھا شیعہ بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مقام مدح و ثناء میں جہاں کہیں لفظ شیعہ دار و ہے
اس سے مراد ہم ہیں اور جو آج کل شیعہ کہلاتے ہیں ان کا اس وقت نام و نشان ہی نہیں تھا۔
لہذا ان کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن ابی الحدید تو آدھا
شیعہ آدھا معتزلی تھا اس کو تو گلہ نہ دو لیکن تمہارے تقریباً وزیر الوزراء نے بھی یہ کتاب لکھوا
کہ تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ بہر حال عبارت ملاحظہ ہو۔

لم تکن لفظ الشيعة تعرفت في ذلك العصر إلا لمن قال
بتفضيله ولم تكن مقالة الامامية ومن غاغوها من
الطاعنين في امامة السلف مشهورة حينئذ على هذا النحو
من الاشتهار فكان القائلون بالتفضيل هم المسمون
الشيعة وجميع ماورد من الآثار والاخبار في فضل الشيعة
وانهم موعودون بالجنة فهو لا عذرهم المعنيون بهم دون
غيرهم وكذلك قال اصحابنا المعتزلة في كتبهم و

تصانيفهم نحن الشيعة حقاً وهذا القول هو اقرب الى
السلامة واشبه بالحق من القولين المسمين طرفي
الافراط والتفريط انشاء الله -

اس لئے ہمارے معتزلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حقیقی شیعہ ہم ہیں نہ کہ امامیہ جو بجانب افراط
میں ہیں اور خارجی جو تفريط کے دریے میں۔ شرح منہج البیان

لابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۲۶ مطبوعہ قم ایران۔

شیعہ سیاسی سازش کا نتیجہ ہیں:

لہذا اب تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوئے تاکہ یہ قدیم فرقہ نہیں ہے بلکہ سیاسی سازش
کا نتیجہ ہے۔ اس کے متعلق صراحت بھی عرض کر دوں موسیٰ جیسے مراکمر و زکا ر شیعہ علماء کے رئیس
اور سردار کی منتخب اور تعین شدہ اختیار جال کشی صراط پر موجود ہے۔

ذكر بعض اهل العلم ان عبد الله بن سباء كان يهوديا
فاسلم ووالى عليا عليه السلام وكان يقول وهو على
يهوديته في يوشع ابن نون وصى موسى بالفساد
فقال في اسلامه بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم
في علي عليه السلام مثل ذلك وكان اول من اشتهر
بالقول يفرض امامة علي واطهار البراءة وكاشت مخالفيه
وكفرهم ممن هنا قال من خالفت الشيعة ان اصل التشيع
والرفض ماخوذ من اليهودية -

بعض اہل علم نے کہا کہ بے شک عبداللہ بن سبا یہودی تھا پس اسلام لایا اور حضرت
علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت و تولی کا دم بھرا اور وہ یہودیت کے دوران ازرہ غلو و افراط
اور حدود سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت یوشع علیہ السلام کو وصی موسیٰ علیہ السلام کہتا تھا تو اسلام
لانے کے بعد رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کا وصی

کہتا تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے اور اس کا عقیدہ رکھنے کو لازم اور ضروری قرار دیا۔ اور آپ کے مخالفین سے براءت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین کے ساتھ کھلم کھلا عداوت اور تبرا کا اظہار کیا اور ان کو کافر قرار دیا۔ اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین نے کہا کہ تشیع اور رافضیت کا اصل عقیدہ اور نظریہ یہودیت سے ماخوذ ہے۔ اس کو کہتے ہیں سہ

جادوہ جو سرچڑھ کے بولے۔

اور یہ بھی سن لو کہ یہ یہودی المذہب لقیہ بانہ ابن سباءؓ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور اقدس میں بظاہر اسلام لایا اور ان کے خلافت سازشوں میں مصروف ہو گیا۔

ملاحظہ ہونا صحیح التواریخ جلد دوم ص ۵۲۴۔ ذکر پیدا آمدن مذہب رجعت ۱۵ سال سی و پنجم ہجری۔ عبداللہ بن سباءؓ مردے یہودی بود در زمان عثمان بن عفان مسلمان گرفت و او از کتب پیشین و مصاحف سابقین نیک دانا بود چوں مسلمان شد خلافت عثمان در خاطر او پسندیدہ ، یافتہ داغ۔

جب تولی و تبر اور وی رسول اور خلافت بلا فصل کا آغاز اس سر پافتہ اور مجسمہ خبیث سے ہو رہا ہے تو اس کو بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین و مذہب اور قدیم مذہب اسلام کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

بنیاد ۱۵۳ھ میں رکھی گئی اور پھر بقیہ کی دبیر تہوں کے پردوں میں اس کو رواج دینے کی مساعی قبیحہ جاری ہوئیں اور مدتوں بعد اس نے ایک مدون مذہب کی شکل اختیار کی لہذا قدامت کا دعویٰ سرسریہ اور مکر پر مبنی ہے۔ مزید بحث و بحث رجعت کے ضمن میں ذکر کی جائے گی۔

مقام حیرت:

وجہ الزمان غیر مقلد و ہابی کے حوائے سے ڈھکوا صاحب نے شیعہ فرقہ کی قدامت

ثابت کرنا چاہی حالانکہ حدیث میں قیامت کے دن حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے شیعوں کی کامیابی کا بیان ہے۔ اس سے قدامت اس مخصوص فرقہ کی کسی ثابت ہو گئی گو یا ڈھکوا صاحب اس سے یہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت علی کی علیحدہ جماعت موجود تھی۔ اس لئے تو آپ کی زبان صداقت بیان سے یہ لفظ نکلا تو مقام حیرت ہے کہ وہ جماعت حضرت علی کی رہی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ بنی چلو اس کو نبی کی جماعت بتیں مانتے تو پھر آپ کو شیعیان علی میں تو داخل کر دود نہ آپ کا بھی نفوذ باللہ فوز و فلاح سے محروم ہونا لازم آئیگا یا علی المرتضیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد مقابل ہونا اور آپ کی جماعت کا امت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ہونا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ آپ کے مخالف پیدا ہوں گے اور آپ پر کفر و شرک کے فتوے لگائیں گے اور آپ کے ایسے محب بھی پیدا ہوں گے۔ جو محبت میں سب حدود شریعت کو پھلانگ جائیں گے۔ اور ایک فریق وہ ہو گا جو افراط و تفریط اور تقصیر و تجاوز اور کمی و زیادتی سے منزہ و برا ہو گا۔ تو فرمایا دہی گروہ کا بیاب ہو گا اور دوسرے تباہ و برباد ہوں گے۔ اور اسی مضمون کو مخبر صادق سے سن کر حضرت علی نے یوں بیان فرمایا،

سيهلك في صنفان محب مفرط بين هب به الحب
الى غير الحق و مبغض مفرط بين هب به البغض الى
غير الحق . وخير الناس في حال النمط الاوسط فالزموه
والزمو السواد الاعظم فان يد الله على الجماعة و اياكم
والفرقة فان الشاذ من الناس للشيطان كما ان الشاذ من
الغنم للذئب الا من دعا الى هذا الشعار قاتلوه ولو كان تحت
عمامتي هذه - (شيخ البلاء مرقى جلد اول ص ۲۹)

عنقریب میرے سبب سے دو جماعتیں ہلاک ہوں گی ایک وہ محب جماعت
جن کو غلو محبت راہ حق سے دور لے جائے گا اور دوسرا بغض رکھنے والا

فریق اور میری شان میں کوتاہی اور کمی کرتے والا گروہ جو بغض و عداوت میں غلو سے کام لیتے ہوئے راہ حق سے ہٹ جائے گا اور میرے حق میں بہتر حالت والا وہ گروہ ہے جو افراط و تفریط سے منزہ و میراجہ لہذا اسی کو لازم پکڑو اور سواد اعظم کا دامن ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دست کرم جماعت پر ہے اور اپنے آپ کو جماعت سے افتراق اور اس سے علیحدگی سے دور رکھو کیونکہ جماعت سے الگ ہونے والا انسان اسی طرح شیطان کے قبضہ میں چلا جاتا ہے جس طرح ریوڑ سے علیحدہ ہو جانے والی بھیڑ بکری بھیڑیے کے زغے میں غور سے سنو جو بھی افتراق و انتشار اور جماعت سے علیحدگی کی طرف دھڑت دے اس کو قتل کر دو وہ میری اس دستار و علم کے نیچے ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام میں عظیم جماعت اور سواد اعظم کون ہیں:

۱۔ مولف گوید کہ از بدائع اتفاقات آنکہ روزے مرا بایکے از سادات سیفی قزوینی در بحث امامت مناظرہ افتاد بعد ازیکہ اثبات مطلب خود بلا نمودم عاجز شدہ گفت کہ اگر مذہب مایمہ بر مطلب امامت حق بودے چرا دریں مدت بسیار علماء ایشان با علماء اہل سنت مناظرہ نمیکردند و حقیقت مذہب خود را برایشان موجب تمسک و ایشان را از مذہب سلفی برہمی گدوانید نہ فقیر گفت کہ اہل السنۃ ہمیشہ سواد اعظم بودہ اند و سلاطین زمان صرفہ خود را براقتدار مذہب ایشان میدیدند و ہمیشہ در اطفاء نور تشیع بودہ اند لاجرم ایں طائفہ نتوانستند کہ اظہار مذہب خود نمایند۔

(مجالس المؤمنین ص ۵۷۲ : ج ۱۱)

قاضی نور الدین شومتری جو بطور قیہ بر میخیزند و پاک میں منغل اعظم اکبر شاہ اور جہانگیر شاہ کے دور میں اہل السنۃ کی حکومت کے باوجود قاضی القضاہ کے عہدہ پر قائم رہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عجیب اور انوکھے اتفاقات میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے ایک دن سیفی قزوینی سادات میں سے ایک کے ساتھ مناظرہ کا اتفاق ہوا جس کا موضوع مسئلہ امامت تھا جب

جب میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور مفاجرا گئے تو مجھ سے کہنے لگے کہ اگر امامت کے متعلق امامیہ فرقہ کا مذہب برحق ہوتا تو اتنی مدت اور عرصہ دراز سے شیعہ علماء نے اہل سنت علماء کے ساتھ مناظرے کیوں نہ کئے۔ اور اپنے مذہب کی حقانیت ان پر کیوں واضح نہیں کی اور انہیں اسلام کے مذہب سے برگشتہ کیوں نہیں کیا تو فقیر نے جواب میں کہا کہ اہل سنت ہمیشہ سواد اعظم رہے ہیں اور سلاطین زمانہ ان کی اکثریت کی وجہ سے اپنے آپ کو چارہ ناچار انہیں کے مذہب پر قائم رکھنا اور دیکھا جاتا پسند کرتے تھے اور ہمیشہ تشیع کے نور کو بجھانے کے درپے رہے ہیں لہذا مجبوراً یہ قول اپنے مذہب و عقیدہ کو ظاہر کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

۲۔ دوسرا حوالہ اسی کتاب سے اور یہی اعتراف۔ انرار محقق طوسی کی طرف سے ملاحظہ کرتے

چلو۔

ایمان در لقاء واعدام خلیفہ باخواجہ نصیر الدین مشورت نمودہ خدمت خواجہ فرمودند کہ اہل سنت کہ سواد اعظم اہل اسلام اند اور خلیفہ بحق و امام مطلق می دانند مد ۲۵ جلد دوم۔

خود حکومت صاحب نے اپنے رسالہ کے مد ۶۶ پر بحوالہ ردضہ کافی مد ۲۹ پر جناب امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کا ایک خطبہ درج کیا ہے۔ جس سے مطلوب عبارت پیش خدمت ہے۔

اب اگر میں ان لوگوں کو ان حکام کے پیدا کردہ بدعات کے ترک کا حکم دوں اور ان سنن نبویہ کو اصلی طرز پر جاری کروں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جاری تھیں تو میرے لشکریوں سے میرے ساتھ وہ تھوڑی جماعت شیعی رہ جائے گی جنہوں نے میری فضیلت اور فرض امامت کو کتاب اللہ اور سنت نبویہ سے بخوبی سمجھ لیا ہے۔

ہاں تو فرمائیے آپ کے لشکر میں بھی سواد اعظم اہل سنت تھے شیعہ تو نہیں تھے تو پوسے عالم اسلام میں سواد اعظم کون ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ کے اس حکم فالزموا السواد الاعظم کے تحت کس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا دست کرم ثابت ہوا اور ایاکم والفرقة فزنا کہ کسی جماعت سے الگ ہونے کو ممنوع فرمایا اور جس جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کو شیطان کے نفرون میں چلے جانے والا قرار دیا۔ وہ کونسی جماعت ہے لہذا یہی جماعت ہی کامیاب و کامران ہے اور یہی غلط اوسط اور متدل جماعت ہے اس کے متعلق ہی زبان رسالت سے غیبی خبر کے طور پر

فوز و فلاح کا اعلان ہوا کہ مدتہائے دہائے کے بعد تیار ہوئے۔ ہونے والے مذہب شیعہ کی پرستار جماعت۔ رہاروضہ کافی کی عبارت اور نہج البلاغہ کی عبارت کے تعارض کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ نہج البلاغہ کے پایہ کی مذہب شیعہ میں کوئی کتاب نہیں اس لیے اسی کو ہی ترجیح ہوگی اور کتب الروضہ والی روایت غلط اور ناقابل اعتبار اور حضرت علی مرتضیٰ کا تقدس اور آپ کی شان جبروت و بسالت بھی اسی کی متقاضی ہے ورنہ مکار اور طالب دنیا سیاستدان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟ وہ بھی مذہب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لوگوں کی ہاں میں ہاں ملا کر اقتدار پر قابض رہیں اور معدن ولایت رضی اللہ عنہ بھی یہی طریقہ اختیار کریں تو واقعی کوئی فرق باقی نہیں رہ سکتا۔

تنبیہ الامامیہ ————— ڈھکو صاحب

فرقہ اہل سنت کا تذکرہ

مذکورہ بالا حقائق سے روز روشن کی طرح واضح فاشکار ہو گیا کہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ ایک خالص مذہبی قدیم فرقہ ہے البتہ اس کے برعکس مؤلف رسالہ کافر قہ ایک سیاسی اور جدید فرقہ ہے جس کا سنگ بنیاد معاویہ بن ابی سفیان نے رکھا ہے پناچہ فتح الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۵۵۵ استیعاب برعاشیہ ص ۲۳۲ وغیرہ کتب اہل سنت میں مذکور ہے کہ صلح حسنی کے بعد جب معاویہ تخت اقتدار پر قابض ہوا اور کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں نے اس کی بیعت کی تو اس کا نام سنۃ الجماعت (جماعت دالاسال) رکھا گیا اور بعد میں مروایم سے یہ لفظ بدل کر اہل السنۃ والجماعۃ بن گیا اب تو یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ پو دامعاویہ کا کاشتہ ہے۔ بان اسلام کا اس کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں (ص ۲۱)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف الیالوی

اہل السنّت والجماعت کی قدامت

مذہب اہل السنۃ والجماعت وہی ہے جس کی دعوت کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے جس کا عام نام مومنین اور مسلمین ہے اور دیگر مذاہب اور مختلف فرقوں کے پیدا ہونے پر بطور امتیاز اس کو اہل السنۃ والجماعت کا نام دیا گیا۔ کیونکہ سوائے ان کے کوئی جماعت مسلمین و مومنین کے مطابق اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل پیرا نہیں تھی لہذا یہ نام صداقت نشان مرتان کے حصے میں آیا۔

انہی دونوں امور کی تاکید ایک دوسرے ہمیشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہر دست ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمودات پیش کرنے پر اکتفا کریں گے اور وہ بھی نہج البلاغہ جیسی معتبر اور مستند کتاب سے۔ نزد جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم پہلے نظر فواز ہو چکا۔ الزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعۃ وایاکم والفرقة فان الشاذ من الجماعۃ للشیطان کما ان الشاذ من الفخہ للذنب۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول) ۲۹۸

سواد اعظم کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دست کرم اور عنایت جماعت پر ہے۔ اور جماعت سے علیحدگی مت اختیار کرو کیونکہ جماعت سے الگ ہونے والا انسان شیطان کے قبضہ و تصرف میں چلا جاتا ہے جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بھیڑ بکری بھیڑیے کے قبضہ میں چلی جاتی ہے۔ اب ہم التزام سنت کے متعلق آپ کا فرمان پیش کرتے ہیں۔

۱۔ واقموا یرہدی بنیکم فانہ افضل الہدی واستنوا بسنتہ فاقہ اہدی السنن۔ (نہج البلاغہ مصری جلد اول) ۲۹۹

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپناؤ کیونکہ وہ سب سے افضل سیرت ہے اور آپ کی سنت پر چلو کیونکہ وہ سب سنن اور طور طریقوں سے زیادہ موجب ہدایت اور موصل الی المقصود ہے۔

۲۔ فالزموا السنن القائمة والاثار البينة والعهد القريب الذي عليه باقى النبوة واعلموا ان الشيطان انما يسنى لكم طرقه لمتبعوا عقيرة۔

(جلد اول ص ۳۱۶)

ان قائم اور برقرار سنن واضح اور ظاہر آثار و افعال اور عہد قریب کو لازم پکڑو جس پر نبوت و رسالت کی چھاپ ہے اور اچھی طرح جان لو کہ شیطان تمہارے لئے نئے راستے پیدا کرتا ہے تاکہ تم اس کے پیچھے چلو لہذا ہرگز ان نئی راہوں کی طرف راغب نہ ہونا۔

اسی مضمون پر مشتمل ارشاد ص ۲۸۸ پر بھی موجود ہے عبارت ملاحظہ ہوا۔
ان الشيطان يسنى لكم طرقه ويريد ان يضل ديتكم عقد و يعطيكم بالجماعة الفرقة فاصد فواعن نزعاته ونفثاته واقبلوا النصيحة ممن اهداها اليكم واعقلوها على انفسكم۔

اور اسی طرح ص ۳۳ پر یوں منقول ہے۔

فلا تكونوا انصاب الفتن واعلام البدع والزموا ما عقد عليه حبلى الجماعة وبنيت عليه ارکان الطاعة۔
یعنی فتنوں اور بدعات کی علامت اور نشانیاں نہ بنو اور جماعتی اتحاد جس امر پر قائم ہے اس کو لازم پکڑو اور جس پر ارکان طاعت کی بنیاد ہے اس کو مضبوطی سے تھامو۔

الغرض ان ارشادات سے سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سنن اسلاف اور عہد ماضی

قریب کے آثار و اعمال کو عمل میں لانے اور جماعت مسلمین کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید شدید ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اور اولیاء کا مین کے سلسلے نے مکمل تسلسل اور تواتر کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ، معدن ولایت اور سرچشمہ روحانیت سے جو کچھ عملی اور قولی لحاظ سے سنا اور دیکھا وہ ہم تک پہنچایا اور ہر حجتی و قادری نقشبندی اور ہر دردی اپنے وسائل اور وسائل کو شجرہوں میں محفوظ رکھنے ہوئے ہے اور اسے پتہ ہے کہ بعد از دین کن ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے اور مولائے مرتضیٰ کا مذہب و مسلک کیا تھا۔ اور تمام برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے اور عظمت کفر و منکالت کو دور کرنے والے سادات اسی مذہب سے تعلق رکھتے۔ سادات اچ اور ملتان، اجیر اور لاہور وغیرہ اور اگر ان میں کوئی شیعہ نظر آتا ہے۔ تو صرف دوسری یا تیسری پشت سے اور چودھویں اور پندرھویں صدی میں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اولاد روحانی اور جسمانی حضرت معدن ولایت کی جس مذہب و مسلک پر چودھ صدیوں سے قائم ہے وہ یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے اس سے بڑھ کر قدرت کی روایتی اور درایتی نقل اصلاً تاویل کیا ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بعد اس مذہب پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟

شیعہ صاحبان کو تسلیم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بعض اس وجہ سے ضروری اصلاحات ذکر کے کہ انہیں خلفاء سابقین کے احکام میں تبدیلی کرنے پر اپنے لشکر کے انگ ہو جانے کا خطرہ تھا اور ہمارے جاننے کا اندیشہ تو معلوم ہوا کہ خود کو ذرا اور لشکر مرتضیٰ میں جو جماعت اور عظیم اکثریت موجود تھی وہ اہل سنت کی تھی۔ تاہم دیگر مواضع چہ رسد۔ اب بھی کوئی صاحب علم دعویٰ کر سکتا ہے۔ کہ اہل سنت قدیم نہیں یا ان کا پورا امیر معاویہ کا کاشہ ہے۔ نیز یہاں سے ابن ابی الحدید شیعہ معتزلی کا یہ دعویٰ بھی غلط ہو گیا کہ اصل میں شیعہ کا لفظ حضرت اس کے ہم مذہب لوگوں پر بولا جاتا تھا کہ امامیہ اثنا عشریہ پر بلکہ حقیقت حال یہ تھی کہ جتنے آپ کے ساتھ تھے وہ شیعیان علی کہلاتے تھے جن کی عظیم اکثریت اور بھاری جماعت اہل سنت والجماعت کے عقائد رکھنے والوں کی تھی اسی لئے شیعیان کی سنت بدلتے پر ان کے انگ ہو جانے کا حضرت امیر المومنین کو بغور شیعہ اندیشہ تھا کیونکہ معتزلہ کے دونوں میں شیعیان کی قطعاً اس قدر عزت و قدر نہ تھی نہ ہے لہذا ثابت ہوا کہ

وہ ہم اہل سنت والجماعت کے مقتدا و پیشوا تھے اور اسی مذہب و مسلک پر گامزن۔
 اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ منادی غیب ہر دن جن شیعیان علی رضی اللہ عنہ کے فوز و فلاح
 کا اعلان کرتا ہے وہ یہی اہل سنت والجماعت ہیں کیونکہ آپ نے سنن کے التزام اور
 جماعت کے ساتھ وابستگی کو لازم اور ضروری قرار دیا اور اس کے مطابق عقیدہ و عمل صرف
 اہل سنت والجماعت کے اکابر کا تھا اور موجودہ اہل سنت کا لہذا وہی اس بشارت کے
 بھی حقدار ہیں۔

مخصوص نام تجویز کرنے کی وجہ

پہلے تو سبھی شیعیان علی کہلاتے تھے مگر جب مختلف جنگوں میں ان کا اصحاب جمل اور اصحاب
 صفین کے ساتھ مقابلہ ہوا اور بعد میں تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو اس دوران کچھ لوگ صحابہ کرام کے حق
 میں طعن و تشنیع اور سب و شتم سے کام لینے لگے جو ردائیں کہلائے اور کچھ لوگ خود امیر المؤمنین
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے لگے بلکہ ان کو کافر تک کہنے سے گریز نہ
 کیا۔ اور آپ کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے وہ غوارج کہلائے لہذا ان دو قبیل جماعتوں کے
 علاوہ جو عظیم اکثریت پیچ گئی اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے افراط و تفریط سے محفوظ رکھا وہ اہل سنت
 والجماعت کہلائے تاکہ ان بدے ہوئے حالات میں افراط و تفریط کا شکار ہونے والی دو
 جماعتوں سے اور دیگر مخالف فرقوں سے امتیاز قائم ہو سکے۔

نیز عبداللہ بن سبا یہودی نے یہود اور مجوس کو اہل اسلام سے میدان جنگ میں پیش آنے
 والی ذلتوں اور غوار یوں کا بدلہ لینے کے لئے مجیس بدل کر اسلام میں داخل ہونے کی ٹھانی اور
 جس طرح پونش یہودی نے عیسائی بن کر عیسائیت کو ختم کیا تھا اسی طرح اس نے مسلمان بن کر خاتم
 بدین اسلام کو ختم کرنے کی ٹھانی اور مختلف انداز میں لشکریان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں شکوک و
 شبہات پیدا کرنے شروع کئے چنانچہ ان جنگوں نے اس کی سازش کو تقویت ہم پہنچائی اور
 سونے پہاڑی کے دلاکام کیا قبیل بعض وہ خود تو حضرت امیر المؤمنین کے ہاتھوں بعد اپنے مخصوص معاونین
 کے نذر آتش ہو یا لیکن اس کا حربہ کارگر ہوا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور معاون

مددگار چار جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں،
پس لشکر امیر بے بیب رد و قبول دوسو سے اس شیطان یعنی چار فرقہ شدند اول
فرقہ شیعہ اولی و شیعہ مخلصین کہ پیشوایان اہل السنۃ و الجماعۃ اند بر روش جناب
مرتضوی در معرفت حقوق اصحاب کبار و ازواج مطہرات پاسبانی ایشان در ظاہر
باطن با وصف وقوع مشاجرات و مقاتلات و صفائی سینہ و برأت از غل و
نفاق گذرانیدند و اینہما را شیعہ اولی و شیعان مخلصین نامند و ایں گروہ من
جمع الوجہ بحکم "ان عبادی لیس لک علیہم سلطان" از شر اہلبیس پر
تلبیس محفوظ و مہمون ماندند و نوشتے بدامن پاک ایشان از نجاست اُن
نجیث رسید و جناب مرتضوی در خطبہ خود مدح اینہا فرمودند و روش
اینہا را پسندیدند۔

یعنی اس شیطان کے دوسو سے رد و قبول کے نتیجہ میں حضرت امیر المومنین کا لشکر
چار فرقوں میں بٹ گیا۔ پہلا فرقہ شیعہ اولی اور شیعہ مخلصین کا ہے جو کہ اہلسنت کے پیشوا تھے
اور جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی راہ میں رہتے تھے یعنی اصحاب کبار اور ازواج مطہرات کے
حقوق کی معرفت اور ظاہر و باطن میں ان کی پاسداری میں باوجود باہم اختلافات بلکہ مقاتلات
کے رونما ہونے کے ان کے حق میں غل و غش اور بعض و نفاق سے ان کے سینے صاف اور
بے غبار تھے ان کو شیعہ اولی اور شیعیان مخلصین کا نام دیا گیا۔ اور یہ جماعت فرمان باری تعالیٰ:
"ان عبادی لیس لک علیہم سلطان" کے مطابق اس شیطان یعنی اہلبیس اور
اہلبیس پر تلبیس کے شر سے محفوظ اور مامون رہے اور اس نجیث کی نجاست سے ان کا دامن
طہر شد و آلودہ نہ ہوا۔ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں ان کی مدح و ثناء فرماتے
اور ان کی سیرت اور روش کو پسند فرماتے۔

دوسرا فرقہ شیعہ تفسیہ کا تھا جو کہ حضرت امیر المومنین کو تمام صحابہ کرام علیہم السلام
پر فضیلت دیتے تھے۔ یہ گروہ اس شیطان یعنی کاشاگرد تو بننا اور کسی حد تک اس کے

دوسو اس کو قبول بھی کیا۔ لیکن اصحاب کبار اور ازواجِ مطہرات کے حق میں دریدہ دہنی سے گریز کرتے تھے۔ جناب مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے حق میں تہدید و تشدید سے کام لیتے اور فرماتے کہ اگر میں نے کسی کے متعلق سنا کہ وہ مجھے شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس کو حدِ قذف یعنی اسی کوڑے لگاؤں گا۔

تیسرا فرقہ سنیہ کا پیدا ہوا جن کو تبراۃ بھی کہا جاتا ہے جو سب صحابہ کرام کو ظالم و غاصب بلکہ کافر اور منافق جانتے تھے اور یہ گروہ اس خبیث کا متوسط درجہ کا شاگرد ٹھہرا۔ جب اس گروہ کی حرکات اور ناشائستہ کلمات حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے مقدس کانوں تک پہنچتے تو آپ اپنے خطبات میں ان کی مذمت فرماتے اور ان سے براءت اور بیزاری کا اعلان فرماتے۔

چوتھا فرقہ شیعہ علاء کا تھا جو اس خبیث کے اخص الخواص تلامذہ تھے اور شاگردانِ رشید میں سے تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا۔ بعض نے صراحت اور حقیقت کے لحاظ سے اور بعض نے عیسائیوں کی طرح لاہوت بلہاس ناموس کے طریقہ پر مکمل بحث دیکھنی ہو تو تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۱، ۵۲ ملاحظہ فرمادیں۔

الغرض جب شیعان علی چار فرقوں میں تقسیم ہو گئے تو دوسرے فرق مخالف سے امتیاز ضروری ٹھہرا، لہذا انہوں نے اپنا نام اہل السنۃ والجماعت رکھا یہ نام گو بعد میں تجویز ہوا لیکن عقائد و اعمال وہی پہلے کے ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں کے شیعہ نے اپنے آپ کو امامیہ اور اثنا عشریہ کہا اور اس نام سے موسوم کیا حالانکہ یہ نام پہلے موجود اور مسموع نہیں تھا۔ قتالِ حقِ التامل۔

ڈھکوصاحب کی انوکھی منطق:

امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی تو اس سال کو سنۃ الجماعۃ کہا گیا اور زمانہ گزرتے پر اس کو اہل السنۃ والجماعت میں بدل دیا گیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مرویہام سے یہ لفظ بدل کر اہل السنۃ والجماعت بن گیا والی عبارت اہل السنۃ کی کتابوں میں نہیں ہے۔ یہ ڈھکوصاحب کا کشید کردہ مفہوم ہے۔ لیکن تاثر یہ دیا

گیا ہے کہ فتح الباری۔ اصحاب وغیرہ کتب اہل سنت میں یہ وجہ مذکور ہے حالانکہ قطعاً اس طرح نہیں تو یہاں بھی آبائی پیشہ اختیار کیا ہے اور تبلیہ سے کام لیا گیا ہے۔

قال ابن بطال سلم الحسن لمعادية الامر وبايعة على اقامة كتاب الله وسنة نبيه ودخل معادية الكوفة بايعة الناس فسميت سنة الجماعة لاجتماع الناس وانقطاع الحرب۔

(فتح الباری جلد ۱ ص ۵۴)

اس عبارت میں صرف یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس سال کو جماعت کا سال کہا گیا کیونکہ لوگ آپس میں مجتمع ہو گئے اور لڑائی منقطع ہو گئی۔ اب اس عبارت سے خود وجہ تسمیہ گھر لینا کہاں کی دیانت ہے۔ وجہ تسمیہ وہ معتبر ہو سکتی ہے جو اباب مذہب نے خود بیان کی ہو نہ کہ جو ان کے ذمہ لگائی گئی ہو شرح عقائد مع نیز اس کتاب میں علامہ تفتازانی نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ترك الاشعري مذهبه واشتغل هو ومن تبعه بابطال رأي المعتزلة واشبات ماورد به السنة وصفني عليه الجماعة قسموا باهل السنة والجماعة اى اهل الحديث واتباع الصحابة رضى الله عنهم۔

شیخ ابوالحسن اشعری نے ابوعلی جبائی معتزلی کا مذہب ترک کر دیا اور آپ خود اور ان کے متبعین معتزلہ کا رد کرنے میں مشغول ہو گئے اور جو کچھ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد تھا اور جس پر جماعت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک قائم رہی اس کے اثبات کے درپے ہو گئے پس ان کو اہل السنۃ والجماعۃ کا نام دیا گیا یعنی حدیث رسول والے اور صحابہ کرام کے متبعین۔ یہ ہے وجہ تسمیہ جو خود اہل السنۃ نے بیان کی ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ نام تو حادث ہوا نہ کہ قدیم تو جواب واضح ہے کہ نام کا حادث مسمی کے حادث کو مستحق نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ کے نام ناری اور انگریزی میں بھی اور دیگر زبانوں میں ہیں جو سب کی سب حادث تو اس سے ذات باری تعالیٰ کا تو حادث ہونا لازم نہیں آتا۔ اس طرح یہ نام اگرچہ بعد میں تجویز کیا گیا لیکن اس جماعت کے عقائد و اعمال وہی ہیں جو بغیر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے

قول و فعل سے ثابت اور جن پر جماعت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم رہی۔
۲۔ سنت الجماعت کو سنت و جماعت سمجھنا آخر کس صاحب علم کے نزدیک درست ہو سکتا ہے کیا اہل سنت میں ڈھکوماحب کے نزدیک اتنے پڑھے لکھے لوگ بھی پیدا نہیں ہوئے جن کو سنّت سال اور سنّۃ بمعنی قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق معلوم ہو سکے ایسی باتیں کرنے سے اپنی اُردو باقی ہے اور جگ ہنسائی ہوتی ہے لہذا مخلصانہ مشورہ ہے کہ عمر کے اس حصہ میں بر خور دارانہ اور طفلانہ باتیں کرنا ترک کر دیں یہ آپ کو زیب نہیں دیتیں۔

۳۔ ڈھکوماحب فرماتے ہیں :
"اب تو یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ پودا معاویہ کا کاشتہ ہے، بانی اسلام کا اس کی تشکیل میں کوئی حصہ نہیں۔"

یہ بات تو وجہ تسمیہ سے بھی بڑھ کر حماقت اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر امام حسن رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت نہ فرماتے اور زمام اقتدار ان کے حوالے نہ ہوتی تو اس سال کو جماعت کا سال ہی نہیں کہا جاسکتا تھا لہذا امت میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور ان کو باہمی کشت و خون سے محفوظ کرنے کا ہر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے سر پہ جہنوں نے فوج و سپاہ کے ہوتے ہوئے اور عظیم ملک اسلام کا سربراہ ہوتے ہوئے بھی اس قدر ایثار اور جود و سخا کا مظاہرہ کیا اور اپنے نانا جان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا فیبی فرمان "ان ابنی ہذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئمتین من المسلمین" سچا کر دکھلایا یعنی میرا یہ بیٹا سردار ہے مقترب اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اہل اسلام کے دو گروہوں میں مصالحت اور اتفاق کو ادے گا۔ لہذا صلح و آشتی اور اتفاق و اتحاد کا پودا تو امام حسن رضی اللہ عنہ کا کاشتہ ہے نہ کہ صرف امیر معاویہ کا بلکہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکہ دونوں کا اتفاق اذروئے مذہب و مسلک نہ ہوتا تو فئمتین من المسلمین کہہ کر دونوں کو اہل اسلام کی دو جماعتیں نہ فرماتے اور اس سے مصالحت پر خوشی اور مسرت کا اظہار نہ فرماتے لہذا اعتقاد و اعمال والا پودا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشتہ کردہ۔ اور

اختلاف کے بعد اتفاق اور جنگ کے بعد صلح کا امام حسن کی طرف سے اور وجہ تسمیہ کے لحاظ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بلکہ خود رسالتاب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمایا علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین جس میں امت پر اپنی اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل لازم فرمایا اور بہتر ناری فرقے بیان کئے اور ایک جنتی تو سرض کیا گیا وہ کون سا فرقہ اور جماعت ہے جو جنتی ہے تو فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" جس طریقہ پر ہمیں ائمہ میرے اصحاب علیہم الرضوان راہ الترمذی اور دوسری روایت میں یوں وارد ہے فثنتان و سبعون فی النار و واحدة فی الجنة وہی الجماعۃ۔ پس بہتر دو زنجی ہیں اور ایک جنت میں اور وہی جماعت ہے راہ احمد والبوداؤد و مشکوٰۃ باب الامتعام بالکتاب والسنت۔

یہ ہے اہل سنت والجماعت کے نام کی وجہ تسمیہ اور یہ ہے اہل سنت کی قدامت

گر نہ بیند بروز شپہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

نوٹ:

فتح الباری کا حوالہ ڈھکو صاحب کے رسالہ میں یوں تحریر کیا گیا ہے جلد نمبر ۱۶ اور ص ۵۵۴ جب کہ درحقیقت جلد نمبر ۱۳ اور ص ۵۴۴ ہے۔ لیکن ہم تو یہی کہیں گے کہ کاتب نے غلط لکھ دیا ہے کیونکہ اس مطبوعہ رسالہ کو بہر حال کاتب نے لکھا نہ کہ ڈھکو صاحب نے لیکن کیا ڈھکو صاحب کو بھی حضرت شیخ الاسلام پر اس قسم کے اعتراض کرنے سے حیا دامن گیر ہوگا۔؟

مذہب تشیع

تخریف قرآن

اب رہا قرآن کریم تو اس کے متعلق بانیان مذہب تشیع دراز داران فرقہ مذکورہ اس قرآن کریم کا صراحت انکار کرتے نظر آتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر اسی اصول کافی ص ۶۱ پر یہ روایت دیکھیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی قرآن کریم کو جمع کرنے اور اس کی کتابت سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے کہا کہ اللہ عز و جل کی کتاب یہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل فرمایا ہے اور میں نے ہی اس کو اکٹھا کیا ہے جس پر لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس قرآن شریف موجود ہے، میں کسی نے قرآن کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم آج کے دن کے بعد تم اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے۔

اسی صفحہ پر امام جعفر صادق صاحب سے منسوب ایک روایت اور بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جو قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام لائے تھے۔ اس کی سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں اور غریب اہل سنت والجماعت کے پاس تو صرف چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات والا قرآن کریم ہے۔

اسی اصول کافی کے صفحہ ۶۷۰ پر نظر ڈالتے جائیے اور اگر اس قرآن کریم سے مراعاتاً انکار کی شان کسی حد تک تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہیں تو اصول کافی ص ۲۶۱ تا ص ۲۶۸ اور ص ۶۷۱ اور ص ۱۶۷۱ اور تاریخ التواریخ جلد ۲ ص ۴۹۳، ۴۹۴ اور تفسیر صافی جلد اول ص ۱۳ مطالعہ فرمائیں اور بانیان مذہب تشیع کی سیاست کی داد دیں کہ کس طرح صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس فرقہ نے سرے سے قرآن شریف کا انکار کیا ہے۔ (ص ۹۰۸)

آج کل اہل تشیع حضرات یا تو اپنی مذہبی کتابوں سے مکمل ناواقف ہیں اور یا کسی ماحول کے

باعث بطور تفتیح قرآن کریم کو خدا کی کلام کہتے ہیں مگر بانیان مذہب تشیع اور رازداران مذہب تشیع کا ایمان قرآن کریم پر نہیں۔ اس قرآن کریم کو اسی وجہ سے ہر مرتبہ جھوٹ بولتے وقت جھوٹ سے سر پر رکھ دیتے ہیں اور ایسی حالت میں جھوٹ بولنے میں۔ ذرہ برابر تامل نہیں کرتے جیسے کوئی مسلمان جھوٹ بولتے وقت کوئی ہندوؤں کی پوتھی دھیرہ سر پر رکھ دے۔

شیعوں کے مذہبی پیشوا مطلقاً قرآن کا انکار ظاہر کرتے ہیں بلکہ جو قرآن کریم حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ حفاظ کو طلب فرما کر جمع فرمایا جو ہمارے سینوں میں ہے اور مسلمانوں کی ہر مسجد میں جس کو بچے سے لے کر بوڑھے تک پڑھتے ہیں اور جو مسلمانوں کے سات سال کی عمر کنے بچوں کو یاد دہنے جس کو رمضان المبارک میں نماز تراویح میں ختم کیا جاتا ہے جس کے تیس پارے ہیں جو سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور سورۃ تاس پر ختم ہوتا ہے بانیان مذہب تشیع نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور جب بھی اپنا ایمان قرآن پر ثابت کرتے ہیں تو اپنا مہموم قرآن (سترگزد والا جس نے قیامت سے پہلے لوگوں کو ہدایت کے لئے منہ نہیں دکھانا۔ حلال و حرام کی تعلیم ہر قیامت کو دے گا) ہی مراد لیتے ہیں تو پھر جس قرآن پر ان کا ایمان نہیں اس کو ہزار دفعہ جھوٹ بولتے وقت سر پر رکھیں۔ ان کے مذہب کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم پر مدعیان توہلی کے ایمان کا نمونہ اصل عبادت میں پیش کرتا ہوں تاکہ اہل علم لوگ تصدیق کر سکیں (اصول کافی ص ۴۷)

۱۔ فقال ابو عید اللہ علیہ السلام راہی ان قال (اخبرجہ علی

علیہ السلام الی الناس حین فرغ منہ وکتبہ فقال لہم

ہذا کتاب اللہ عزوجل کما انزلہ اللہ علی محمد رصلی

اللہ علیہ وسلم) جمعہ بین اللوحین فقالوا ہوذا عندنا

معصمت جامع فیہ القرآن لاحاجة لنا فیہ فقال اما واللہ

ما تزونہ بعد یومکم هذا ایداننا کان علی

ان اخبرکم حین جمعہ لتقرأوا ولا الخ

یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (کی طرف منسوب کر کے)
 کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ قرآن کریم کے جمع کرنے اور اس کی کتابت
 سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے کہا کہ یہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے جیسا کہ
 اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل فرمایا ہے۔ اور میں نے
 دو لوگوں میں سے اس کو اکٹھا کیا ہے جس پر لوگوں نے کہا کہ یہ ملا خطم فرما لو
 کہ ہمارے پاس مصحف مبارک جامع موجود ہے جس میں قرآن ہی ہے
 ہمیں آپ کے لئے ہوئے قرآن کی ضرورت نہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ
 نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم آج کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھو گے۔ میرے
 لئے ضروری تھا کہ جب میں نے اس کو جمع کیا ہے تو تمہیں اس کی خبر دوں تاکہ
 تم اس کو پڑھتے (الخ)

اب حسب روایت اصول کافی امام عالی مقام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب شد
 اور امام عالی مقام سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الشریف کا قسم اٹھانا کہ آج کے دن کے بعد کبھی تم اس
 کو نہ دیکھو گے تو اس کے باوجود جو قرآن اہل تشیع دیکھتے ہیں اور اہل سنت سے سنتے ہیں جو
 اہل سنت یاد کرتے ہیں۔ تراویح میں ختم کرتے ہیں۔ جس کو امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
 نے جمع کیا ہے۔ یہ تو بہر صورت وہ قرآن نہیں ہو سکتا۔ جو قیامت سے پہلے آ ہی نہیں سکتا۔
 ۳۔ اسی اصول کافی ص ۶ پر امام عالی مقام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ
 کے ایک شیعہ صاحب بنام احمد بن محمد کہتے ہیں مجھے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے مصحف مبارک
 قلم فرمایا اور فرمایا کہ اس کو کھول کر مت دیکھنا میں نے کھولا اور دیکھا اور سورہ لہم ین الذین الخ
 پڑھی تو میں نے اس سورت میں قریش کے ترادیموں کے نام بعد ان کے ابا ۶ کے نام لکھے
 ہوئے موجود پائے تو امام صاحب نے میری یہ شان تعمیل حکم دیکھ کر میری طرف آدمی بھیجا کہ
 میرا قرآن مجھے واپس کر دو۔

یہ واپسی کا قصہ تو اس ضرورت کے ماتحت گھڑنا پڑا کہ کوئی کہہ دے کہ امام صاحب کا
 لکھا قرآن ہمیں بھی دکھاؤ تو فصاحت و بلاغت قرآنی سے متنی جلتی عبارت کہاں سے پیدا

کی جاتی پھر وہ قرآن جس کی سورۃ لم یکن الذین میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام ہوں اور ان کے اباؤں کے نام ہوں وہ کوئی اور ہی ہے جس پر اہل تشیع کا ایمان ہے یہ قرآن نہیں۔ اہل تشیع کے مجتہد اعظم نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں ایمان بالقرآن کا قصہ ہی ختم کر دیا ہے۔

۳۔ اصول کافی ص ۶۷ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کریں جس کے لفظ بلفظ ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ اہل علم حضرات منطبق فرمائیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام لائے تھے اس کی ستر ہزار آیتیں تھیں۔ اور اہل السنۃ والجماعت غریبوں کے پاس تو صرف ۶۶۶ آیات پر مشتمل قرآن کریم ہے۔ اگر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اہل تشیع کا قرآن کریم سے انکار دیکھنا چاہیں تو اصول کافی ص ۲۶ تا ص ۲۶ و ص ۲۶ و ص ۲۶ کا مطالعہ فرمائیں اور ایمان بالقرآن کی داد دیں کہ ایک سے دوسری روایت بڑھ چڑھ کر انکار قرآن میں وارد ہے۔ اور کتاب ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۴۹ و ص ۴۹ پر تو اس قرآن کریم میں رد و بدل اور اس کی تنقیص میں تو ایک سے ایک بڑھ کر روایتوں کے انبار لگائے گئے ہیں۔ تفسیر صافی جلد اول ص ۱۱ میں قرآن کریم کی تحریف اور اس میں رد و بدل ثابت کرنے کے کمال دکھائے گئے ہیں اور مصنف کاغیر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے استاد علی بن ابراہیم قمی کا اس بارے میں غلو بیان کیا گیا ہے۔ اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب "منہاج البراہۃ" جلد اول ص ۲۰۲ تا ص ۲۰۶ میں تحریف قرآن و رد و بدل میں جو روایتیں موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں اور خود ہی فیصلہ کریں اور اہل تشیع کی یہ مایہ ناز روایت کہ اس قرآن میں "کفر کے ستون صحابہ نے قائم کئے ہیں۔ ذاکروں نے ضرور اہل تشیع کو یاد کرائی ہوگی ورنہ خود اہل تشیع کی کتابوں میں ملاحظہ فرمالو اور شیعہ مذہب گھڑنے والوں کی داد دو! لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ چیز روایتیں بطور نمونہ ہیں ورنہ اہل علم شاہد ہیں کہ اہل تشیع کی معتبر کتابوں میں جس کثرت کے ساتھ قرآن کریم کے انکار پر مشتمل روایات ہیں ان کا نصف بھی یکجا کیا جائے تو شرح کبیر بن تمیم

کے لگ بھگ ایک مستقل کتاب ہوگی مگر اندک دلیل بسیار و مشتمل نمونہ از خبر و ارہوتہ ہے
جو پیش کیا ہے۔ تحفہ حسینیہ

تتمہ بحث تحریف القرآن

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے بہت اختصار سے کام لیا ہے لہذا ہم مزید
چند روایات انہیں کتابوں سے درج کرتے ہیں جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے
تفسیر صافی از ملا محسن کا شافی۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے چھٹے مقدمہ میں اس موضوع پر
قلم اٹھایا اور عنوان یہ قائم کیا ہے۔

المقدمة السادسة في تبذير ما جاء في جمع القرآن و تحريفه
و زيادته و نقصه و تاويل ذلك۔

چھٹا مقدمہ قرآن مجید کے جمع کرنے اور اس میں تحریف کرنے اور زیادتی اور نقص کے
متعلق وارد چند روایات کے بیان میں اور ان کی تاویل میں۔

۱۔ پہلی روایت علی بن ابراہیم قمی کے حوالے سے درج کی ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی قرآن میرے پچھونے کے
پچھے پچھو، ریشمی کپڑوں اور کاغذوں کی صورت میں موجود ہے اسے لو اور جمع کرو اور
یہود و نصاریٰ نے جس طرح اپنی کتابوں کو ضائع کر دیا تھا اسی طرح کہیں تم بھی اپنی کتاب
کو ضائع نہ کر دینا۔

فانطلق علي عليه السلام فجمعه في ثوب اصفر ثم ختم عليه
في بيته وقال لا ارتدي حتى اجمعه فكان الرجل ليلاتي اليه
فيخرج اليه بغير رداء حتى جمعه۔

چنانچہ حضرت علی چلے اور اس کو زرد رنگ کے کپڑے میں جمع کیا پھر اس پر
ہر لگائی اور کہا میں اس وقت تک چادر نہیں اوڑھوں گا جب تک اسے جمع نہ
کر لوں چنانچہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اس کی ملاقات کیلئے

بغیر چادر کے نکلتے حتیٰ کہ اس کو جمع کر لیا۔

۲۔ بحوالہ کافی امام ابوالحسن سے منقول ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا:-

إِنَّا نَسْمَعُ الْآيَاتِ فِي الْقُرْآنِ لَيْسَتْ هِيَ عِنْدَنَا كَمَا نَسْمَعُهَا وَلَا
نَحْسُنُ أَنْ نَقْرَأَ هَا كَمَا يُلْفَتَانِ عَنْكُمْ فَهَلْ نَأْتِي فَقَالَ لَا اقْرَأُوا
كَمَا تَعْلَمْتُمْ فَيَجِئُكُمْ مَنْ يَعْلَمُكُمْ أَقُولُ يَعْنِي
صَاحِبُ الْأَمْرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

ہم قرآن کے اندر ایسی آیات سنتے ہیں جو ہمارے ہاں اس طرح پر نہیں جس طرح
کہ ہم سنتے ہیں اور نہ ہم اس طرح (لوگوں کے سامنے) درست کر کے پڑھ سکتے ہیں
جیسے ہمیں آپ سے پہنچی ہیں تو کیا ہم گنہگار ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا ہمیں
فی الحال تم ان کو اسی طرح پڑھو جس طرح تم نے لوگوں سے سیکھی ہیں۔ منقریب
تہارے پاس آئے گا جو تمہیں سکھائے یعنی صاحب الامر ہدی علیہ السلام۔

نوٹ:

اس روایت سے واضح ہو گیا ہے کہ ارشاد امام شیعہ ماجان مجبوراً اس قرآن کو پڑھتے
ہیں اور صرت گزارا چلانے کے لئے اگر کچھ اے ہوئے ہیں اور اصلی قرآن کے ظہور پر اس
لگائے ہوئے ہیں۔

۳۔ بحوالہ کافی ہی منقول ہے کہ ایک آدمی نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے سامنے
قرأت کی جو اس کے مطابق نہیں تھی جس طرح کہ لوگ پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا،
كُفْتُ عَنْ هَذِهِ الْقِرَاءَةِ اقْرَأْ كَمَا يَقْرَأُ النَّاسُ حَقُّ يَقُومُ
الْقَائِمُ فَإِذَا قَامَ الْقَائِمُ قَرَأَ كِتَابَ اللَّهِ عَلَى حَذِّهِ ۱۔

اس قرأت سے باز رہو اور ظہور ہدی علیہ السلام تک اسی طرح پڑھو
جس طرح لوگ پڑھتے ہیں جب ان کا ظہور ہوگا تو وہ کلام اللہ کو اس کے
مردود کے مطابق کما حقہ پڑھیں گے۔

پھر آپ نے ایک مصحف نکالا اور فرمایا یہ ہے وہ مصحف جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

اپنے ہاتھ سے لکھا اور جمع کر کے لوگوں کے پاس لے گئے اور انہیں فرمایا:

هذا الكتاب الله كما انزلہ الله علی محمد وقد جمعہ بین اللوحین ۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جیسے کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور میں نے اس کو دو لوگوں (تختوں) کے درمیان جمع کیا ہے۔ آخری حصہ پہلے رسالہ مذہب شیعہ میں روایت بنبرائیں مراحت مذکور ہے۔

۴۔ تفسیر عیاشی کے حوالہ سے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:-

فولانا زید فی کتاب اللہ و نقص ما خفی حقنا علی ذی حجبی لو

قد قام قائمنا فنطق صدقہ القرآن ۔

اگر قرآن میں زیادتی اور کمی نہ کی گئی ہوتی تو ہمارا حق کسی عقل مندر پر مخفی نہ رہتا اور

اگر قائم آل محمد ظاہر ہوتے اور کلام کرتے تو قرآن ان کی تصدیق کرتا۔

۵۔ اسی تفسیر عیاشی کے حوالے سے ہی امام باقر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے:

ان القرآن قد طرح منه آی كثيرة ولم یزد فیہ الا حروف وقد

اخطأت بہ الکتبة وتوہمتہا الرجال ۔

قرآن سے بہت سی آیات حذف کر دی گئی ہیں لیکن اس میں اضافہ صرف چند

حروف کا کیا گیا ہے۔ اور اس میں کاتبوں کی طرف سے خطا و کار تکاب بھی پایا

گیا ہے اور لوگوں کی طرف سے توہمات کا بھی۔

۶۔ کتاب الاحتجاج للشیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی کے حوالہ سے منقول

ہے کہ طلحہ نے جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ایک

کپڑے کے ساتھ باہر نکلے جس پر ہنر لگی ہوئی تھی اور تم نے کہا اے لوگو میں رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم کے نسل اور کفن کے بعد کتاب اللہ کے جمع کرنے میں مشغول رہا۔

تاہم میں نے اس کو جمع کر لیا تو یہ ہے وہ کتاب میرے پاس جمع شدہ اس میں سے

ایک حرف بھی مجھ سے ساقط اور حذف نہیں ہوا۔ حالانکہ میں نے اس کے بعد سے

اب تک اس کتاب کو نہ دیکھا جو جناب نے لکھی اور جمع کی تھی اور میں نے دیکھا کہ

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف آدمی بھیجا کہ اپنا مصحف میرے پاس بھیج دو لیکن تم نے انکار کیا چنانچہ انہوں نے لوگوں کو بلا یا جب ان میں سے دو آدمی ایک آیت پر گواہی دیتے تو اسے لکھ لیتے اور اگر صرف ایک آدمی گواہی دیتا تو اس کو موقوف رکھتے اور نہ لکھتے تو عمر بن الخطاب نے کہا دراصل ایک میں سن رہا تھا :-

انه قد قتل يوم اليمامة قوم كانوا يقرءون قرآنا لا يقرءه غيرهم فقد ذهب وقد جاءت شاة الى صحيفة وكتاب يكتبون فاكلتها وذهب ما فيها والكتاب يومئذ عثمان وسمعت عمر واصحابه الذين القوا ما كتبوا على عهد عمر وعلى عهد عثمان يقولون ان الاحزاب كانت تعدل سورة البقرة وان النور نصف ومائة آية والنج تسعون ومائة فما هذا وما يمنعك برحمتك الله ان تخرج كتاب الله الى الناس -

۱۔ بے شک یمامہ کے دن ایک جماعت شہید ہو گئی جو قرآن کو وہ پڑھتے ان کے علاوہ دوسرا کوئی شخص اس حقہ کی تلاوت نہ کرتا تھا لہذا ان کی شہادت سے وہ حقہ ضائع ہو گیا (۱) اور جب قرآن کی کتابت ہو رہی تھی تو بکری لگئی اور اس نے ایک صحیفہ کو کھالیا لہذا جو کچھ اس میں تھا وہ بھی ضائع ہو گیا اور اس دن کتابت کرنے والے عثمان تھے انہیں نے عمر بن الخطاب اور ان کے ساتھیوں سے سنا جنہوں نے عمر و عثمان کے ہمد میں اس کتاب کو جمع کیا جب کتابت ان کے دور میں ہوئی تھی وہ کہتے تھے کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ کے برابر تھی اور سورۃ نور کی سو سے زیادہ آیات تھیں اور حجر کی ایک سونے کی آیات تھیں۔ یہ کیا ہے اور آپ کو کتاب اللہ اور لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے میں کون سی چیز مانع ہے۔

اور عثمان بن عفان نے اپنے دور میں عمر بن الخطاب کی جمع کرائی ہوئی کتاب سے

نئی کتاب تالیف کی اور لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کیا اور اس کے بعد ابی بن کعب کے مصحف اور عبداللہ بن مسعود کے مصحف کو پھاڑ دیا اور پچھاگ کے ساتھ صلا دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے طلحہ:-

كل اية انزلها الله عز وجل على محمد صلى الله عليه وسلم عندى
باملاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وخط يدي وتاويل
كل اية انزلها الله على محمد وكل حلال وحرام اوحى اوحى حتى يحتاج
اليه الامة الى يوم القيامة هو مكتوب باملاء رسول الله صلى الله
عليه وسلم وخط يدي حتى ارش الحداث -

ہر آیت جس کو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا وہ میرے پاس موجود ہے اطوار رسول علیہ السلام اور اپنے ہاتھ کی کتابت کے ذریعے اور ہر آیت کی تاویل بھی اور ہر حلال و حرام یا حد یا علم اور ہر وہ چیز جس کی طرف قیامت تک امت محتاج ہوگی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے لکھا ہے اور میرے سپرد قلم کرنے کی وجہ سے محفوظ ہے حتیٰ کہ خراش کی دیت اور تاوان بھی۔

طلحہ نے کہا ہر شے چھوٹی خواہ بڑی خاص یا عام جو ہو چکی یا قیامت تک ہوگی وہ آپ کے پاس مکتوب و مرقوم ہے آپ نے دیا یا ہاں اتنا ہی طلحہ نے کہا میں نے قرآن ظاہر کرنے کے متعلق جو سوال کیا تھا کہ لوگوں پر اس کے ظاہر کرنے میں کیا مانع ہے اس کا جواب آپ نے نہیں دیا تو آپ نے کہا عمدا کففت عن جوابك میں نے دیدہ دانستہ تیرے سوال کا جواب نہیں دیا فاخبرنی عما کتب عمرو و عثمان اقدآن کلام فیہ مالیں بقرآن مجھے یہ بتلا کہ جو عمرو و عثمان نے لکھوایا اور جمع کیا وہ سارا قرآن ہے یا اس میں کچھ ایسا حصہ بھی ہے جو قرآن نہیں ہے تو طلحہ نے کہا ہاں قرآن کلمہ جو ہے تو وہ سارا قرآن ہی ہے تو آپ نے فرمایا:-

ان اخذتم بهائيه نجوتكم من النار ودخلتم الجنة
فان فيه حجتنا وبيان حقتنا وفرض طاعتنا قال طلحة حسبي

اما اذا كان قرآنا فحسبى -

جو اس قرآن میں ہے اگر تم اس کے ساتھ تک کرو اور عمل کرو تو آتش دوزخ سے نجات پا جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے کیونکہ اس میں ہماری محبت، ہمارے حق اور ہماری اطاعت کی فرضیت کا بیان ہے علم نے کہا اگر یہ قرآن ہے تو مجھے کافی ہے۔

پھر علم نے دریافت کیا مجھے یہ تو بتائیے کہ جو قرآن تمہارے پاس ہے اور اس کی تائید اور حلال و حرام کا علم اسے تم کس کے حوالے کرو گے تو آپ نے فرمایا میں حکم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کو اپنے وحی کے حوالے کروں گا اور وہ اپنے وحی کے حوالے۔

حتی یدر آخرهم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوضہ ہم مع القرآن لا یفارقونہ والقرآن معہم لا یفارقہم۔ یہاں تک کہ ان اوصیاء میں سے آخری وحی ظہور فرما ہو گا اور قرآن اس کے پاس ہو گا پھر وہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حوض کوثر پر وارد ہوں گے جب کہ وہ قرآن کے ساتھ ہوں گے اس سے جدا نہیں ہوں گے اور قرآن ان کے ساتھ ہو گا وہ ان سے جدا نہیں ہوں گے۔

۱۔ اس روایت میں ہندو پیام کے شہید ہونے سے قرآن کا کچھ حقہ منافع ہونا پھر ایک صحیفہ کو بکری کے کھا جانے سے اس کا منافع ہونا اور دوسری سورتوں کی بہت سی آیات کا منافع ہونا بصرحت مذکور ہے جس پر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی انکار نہیں کیا گیا۔

۲۔ جس قرآن کے متعلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے اندر چھوڑ کر جا رہا ہوں اور وہ قرآن اور میری آل و عزت اکٹھے رہیں گے اور قیام قیامت کے بعد مل جل کر مجھ پر حوض کوثر کے پاس وارد ہوں گے وہ بھی حضرت عزن الخطاب اور حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا نہیں بلکہ وہ صرف اور صرف اوصیاء اور ائمہ کے پاس تھا۔ اور ہے۔ اور ہے۔ جس کو باہر کی ہوا بھی نہیں لگنے دی گئی جو کچھ اس روایت میں تسلیم کیا گیا ہے وہ صرف اور صرف اس قدر ہے کہ جو بیچ گیا وہ بھی قرآن ہی ہے۔

اس میں غیر قرآن داخل نہیں کیا گیا اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تاکہ ڈھکوسل کی ہیرا پھیری اور تبلیغیں پوری طرح واضح ہو جائے۔

ابو ذر غفاری کی روایت میں ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کیا اور پھر ہاجرین و انصار علیہم الرضوان کے پاس لائے اور رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء کی وصیت کے مطابق ان پر پیش کیا۔ فلما فتحہ ابوبکر خرج فی اول صفحۃ فتحہا فضاع القوم فوثب عمرو

قال یا علی ارددہ فلا حاجة لنا بئہ فاخذہ علی فانصرف۔
تو جو پہلی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو کھولا تو کھولتے ہی صفحہ اول پر قوم کی فضیلتیں ان کو نظر آئیں تو عمر غصہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا اے علی۔ اس کو واپس لے جاؤ، میں اس کی ضرورت نہیں ہے تو آپ اسے لے کر واپس چلے گئے (تا) عمر بن الخطاب نے اپنی صداقت کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قرآن کا مطالبہ کیا تاکہ اس میں تحریرت کر دیں اور کہا اے ابوالحسن جو قرآن حضرت ابوبکر کے پاس لائے تھے تو ہمارے پاس بھی لے آؤ تاکہ ہم بھی اس پر متفق ہو جائیں تو آپ نے فرمایا:

ہیہات لیس الی ذلک سبیل انما جئت بہ الی ابی بکر
لتقوم الحجۃ علیکم ولا تقولوا یوم القیامۃ انا کنا
عن ہذا غافلین او تقولوا ما جئنا بہ ان القرآن
الذی عندی لا یمسہ الا المطہرون والاوصیاء
من ولدی۔

افسوس یہ مطالبہ ناقابل قبول ہے اور ناقابل عمل میں نے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر وہ قرآن اس لئے پیش کیا تھا تاکہ تم پر حجت قائم ہو جائے اور تم قیامت کے دن یہ عندہ نہ کر سکو کہ ہم اس قرآن سے غافل تھے یا یہ نہ کہہ سکو کہ تم نے ہمیں لاکر دکھلایا ہی نہیں وہ قرآن جو میرے پاس ہے اس کو صرف ظاہر و مبہر لوگ ہاتھ لگا سکتے ہیں اور میری اولاد میں سے میرے وصی۔

حضرت عمر ابن الخطاب نے دریافت کیا اس قرآن کے ظہور کا کوئی معین وقت ہے بھی؟ تو حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا نعم اذا قام القائم من ولد یظهرہ و یعمل الناس علیہ فتجری السنۃ بہ ہاں جب میری اولاد میں سے آخری وصی ہمدی کا ظہور ہوگا تو وہ اس قرآن کو لوگوں پر ظاہر کرے گا اور لوگوں کو اس کے مطابق عمل پیرا کرے گا اور اس کے مطابق دین جاری ہوگا۔

تنبیہ:

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآن اس سے مختلف ہے ورنہ قیامت کے دن مکہ عذر اور بہانے ابو بکر و عمر وغیرہما کے ختم کرنے کے لئے اسے وقتی طور پر پیش کر کے پھر چھپا دینے کی ضرورت کی تھی نیز ہمدی کے ظہور پر اس کے مطابق عمل کیا جائے گا اور شرعی احکام اس کے مطابق انجام پذیر ہوں گے تو اگر تفاوت نہیں تو اس وقت دین اس کے مطابق کیوں ہوگا اور موجودہ قرآن کے مطابق کیوں نہ ہوگا۔

۸۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک زندگی کے مباحثے اور قرآن کے متعلق اس کے مختلف شکوک و شبہات اور حضرت علی کے جوابات جو احمد بن ابی طاہر طبرسی نے "الاحتجاج" میں مفصل طور پر ص ۲۴۵ تا ص ۲۵۸ یعنی پورے چودہ صفحات پر نقل کئے ہیں ان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تفسیر صافی کے مقدمہ میں علامہ حسن کاشانی نے کہا۔

۱۔ تیرا یہ سوال کہ انبیاء عظیم السلام کی لغزشوں کو تو ان کے نام لے کر بیان کیا گیا لیکن دوسرے لوگوں کے عظیم جرائم بیان کرتے وقت ان کے نام ذکر نہیں کئے گئے آخر اللہ تعالیٰ کے کلام میں اتنی عظیم مخلوق کے ساتھ یہ بے پرواہی اور ارذل مخلوق کے ساتھ اس رعایت کا کیا جواز ہے؟

جواب:

ان الکناۃ عن اسماء ذوی الجبرائیل العظیمۃ من المنافقین
فی القرآن لیست من فعلہ تعالیٰ، انما من فعل المغیرین

والمبدلين الذين جعلوا القرآن عضدين واعتاضوا الدنيا
من الدين وقد بين الله قصص المغيرين بقوله تعالى
الذين يكتبون الكتاب بأيديهم (الى) يعنى انهم اثبتوا
فى الكتاب ما لم يقله الله ليلبسوا نى الخليفة فاعى الله
قلوبهم حتى تركوا فيه ما دل على ما احدثوه فيه وحرفوه
منه (الى) فالزبد فى هذا الموضع كلام المسلمين الذين
اثبتوه فى القرآن فهو يضرع ويبطل وتبلا شى
عند التحصيل والذى يتفق الناس فالتنزيل الحقيقى
الذى لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه و
القلوب تقبله والارض فى هذا الموضع هى محل العلم
وقرارة وليس يسوغ مع عموم التقية التصريح
باسماء المبدلين ولا الزيادة فى اياته على ما
اثبتوه من تلقاءهم فى الكتاب من تقوية
جهم اهل التعطيل والكفر والملل المنحرفة عن
قبلتنا وابطال هذا العلم الظاهر الذى قد
استكان له الموانق والمخالفة بوقوع الاصطلاح
على الاتيمار لهم والرضا بهم ولان اهل الباطل
فى القديم والحديث اكثر عدد امان اهل الحق
ولان الصبر على دالة الامر مفروض لقوله تعالى
فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل واما ما يدعى ذلك على
اولياءه واهل طاعته بقوله تعالى لقد كان لكفى رسول الله اسوة
حسنة فحسبك من هذا الجواب عن هذا الموضع ما سمعت
فان شريعة التقية تحفل التصريح باكثر منه .

قرآن مجید میں عظیم جرائم کے مرتکب منافقین کے اسماء کو مراحاً ذکر نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کی کارستانی ہے جو قرآن میں تغیر و تبدل کے مرتکب ہوئے اور قرآن کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا اور دین کے بدلے دنیا حاصل کی اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا الذین یکتبون الکتاب یا یدہم الایۃ یعنی جو لوگ اپنے ہاتھوں سے کتاب کو لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے قلیل دنیوی مال حاصل کریں اور اپنے قول "وان منهم لفريقا یلوون السنتهم بالکتاب" اور "واذ یبکتون ما لا یرضی من القول" کے ساتھ ان کی نشاندہی کی ہے یعنی وہ اپنی زبانوں کو مرد و پھر کو ظاہر کرتے ہیں کہ جو کچھ ہماری زبان پر جاری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے اور رات کو ناپسندیدہ امور کے متعلق عداوت مشورہ کر کے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اپنے پیڑھ اور کچی کو درست ثابت کرنے کے لئے جس طرح یہود و نصاریٰ نے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے دنیا سے روپوش ہونے کے بعد تورات و انجیل میں تغیر و تبدل سے کام لیا اور کلمات کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا اور اسی طرح اپنے اس فرمان کے ساتھ ان کی قلبی کھولی۔ یدیدون ان یطفثوا نور اللہ باضوا ہمہ دیابا اللہ لا ان یتیم نورہ یعنی انہوں نے کتاب اللہ میں وہ کچھ درج کیا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا تھا تاکہ مخلوق پر اشتباہ و التباس پیدا کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے کتاب اللہ میں ایسی آیات رہنے دیں جو ان کے اصداث و تحریف، انک و تبیس اور کتمان حق پر دلالت کرتی تھیں اسی لئے ان کو فرمایا: "لم تلبسون الحق بالباطل و لکمون الحق" تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں غلط ملط کرتے ہو اور حق کو کیوں پھیلاتے ہو اور ان کی تحریف و تغیر کی تمثیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: اما الزید فیمذہب جعاء و اما ما ینفع الناس فیمکت فی الاصابہ یعنی کفر اور جھاگ تو خشک ہو جاتی ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں برقرار رہتی ہے تو کفر اور جھاگ سے مراد ملحدین کا کلام ہے جو انہوں نے قرآن میں داخل کیا جو کہ اضمحلال و زوال کے درپے ہے اور نیست و نابود ہو کر رہے گا اور لوگوں کے لئے نافع چیز

سے مراد وہ تنزیل حقیقی ہے جسکو سامنے اور پیچھے سے باطل نہ ملتا ہو سکتا اور قلوب اس کو قبول کرتے ہیں۔ اور ارض سے اس مقام پر محل علم اور اس کا مقام استقرار مراد ہے۔

تقیہ کے تقاضے اور اس کی ضرورت:

اور تقیہ کے عموم و شمول کے تحت اور شرع کے ہر پہلو کو محیط ہونے کی وجہ سے یہ اجازت نہیں کہ میں قرآن میں تحریف کرنے والوں کے ناموں کی تصریح کر دوں اور نہ ان زیادات کی جو انہوں نے کلام اللہ میں کی ہیں۔ کیونکہ اس میں ان لوگوں کے دلائل کی تائید و تقویت لازم آئے گی جو اہل تعطیل ہیں اور اہل کفر و شرک اور ہمارے قبلہ سے منحرف۔ علاوہ ازیں اس علم ظاہر کی بھی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور اسکا بطلان جس کی اتباع پر مخالف و موافق نے اتفاق اور مصالحت کر رکھی ہے اور رضامندی کا عہد و پیمان کر رکھا ہے۔ اور تیسری وجہ نام ظاہر نہ کرنے کی یہ ہے کہ ہر دور میں اہل باطل کی تعداد اہل حق سے زیادہ رہی ہے خوف زمانہ قدیم ہو یا حادث (لہذا ان کا ڈر بھی اس انکشاف کی اجازت نہیں دیتا۔) چوتھی وجہ یہ ہے کہ ولایت الامر اور اوصیاء پر صبر کرنا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: -
فاصبر کما صبر اولو العزم من الدین یعنی اولو العزم رسولوں کی طرح صبر کرو اور اسی طرح ان کے متبعین اولیاء و اوصیاء پر بھی صبر لازم ہے جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: لقد کان حکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اچھی اقتداء اور پیروی ہے۔

تو اس مقام پر تجھے یہی جواب کافی ہے کیونکہ مذہب تقیہ اور شرع کتمان اس سے زیادہ کی تصریح سے مانع ہے۔

سوال:

رہا تیرا یہ سوال کہ قرآن مجید میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے آپ کی عزت و آبرو کو ملحوظ نہیں رکھا گیا؟

جواب:

یہ ہے کہ یہاں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے اپنی دشمنی کا اظہار کرتے ہوئے تغیر و تبدل سے کام لیا ہے۔

رالی (ولقد احضروا الكتاب مكملًا مشتملا على التاويد والتزويد والمحكم والمتشابه والتاسخ والمنسوخ لم يسقط منه حرف الف ولا لام فلما وقعوا على ما بينه الله تعالى من حق اسماء اهل الحق واهل الباطل وان ذلك ان ظهر نقض ما عقدوا قالوا لا حاجة لنا فيه نحن مستغنون عنه بما عندنا ولذلك قال الله تعالى فتبدوا ذراع ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا فبئس ما يشترون - الخ)

ان کے پاس کلام اللہ کو مکمل طریقہ پر پیش کیا گیا جو تاویل و تنزیل اور محکم و متشابه اور ناسخ و منسوخ پر مشتمل تھا، در اس سے کوئی حرف یعنی الف اور لام بھی ساقط اور محذوف نہ تھا لیکن جب وہ لوگ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل حق اور اہل باطل کے اسماء پر مطلع ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ اس قرآن کے ذریعے ان کا سب کیا کرایا دھڑے کا دھڑا رہ جائے گا اور کالعدم ہو جائے گا تو انہوں نے اس سے استغناء و ظاہر کرتے ہوئے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے جو ہمارے پاس ہے وہ ہمیں کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا فتبدوا ذراع ظهورهم الا یہ کہ انہوں نے کلام مجید کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے قلیل دنیوی مال حاصل کیا۔ پس بڑا ہے جو وہ خریدے ہیں۔

پھر جب ان پر مختلف مسائل وارد ہوئے جن کا علم ان کے پاس نہیں تھا تو ناچار قرآن مجید کی تدوین و تالیف کرنا پڑی۔

وتضمنه من تلقاء انفسهم ما يقيمون به دعائم كفرهم

فَصَرَّخَ مُنَادِيهِمْ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ
فَلْيَأْتِنَابَهُ وَوَكَّلُوا تَالِيْفَهُ وَنَظْمَهُ إِلَى
بَعْضِ مَنْ وَافَقَهُمْ عَلَى مَعَادَاةِ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ فَالْفَقَهُ
عَلَى اخْتِيَارِهِمْ -

اور اس میں اپنی طرف سے ایسے مواد داخل کرنے پڑے جن کے ذریعے وہ اپنے
کفر کے ستونوں کو قائم رکھ سکتے ہیں تو ان کی طرف سے منادی تے اعلان کیا کہ جبکہ
پاس قرآن کا کچھ حصہ ہو تو ہمارے پاس لے آئے اور اس کی تالیف و تدوین
اور نظم و ترتیب کا کام ایسے شخص کے سپرد کیا جو ادیان اللہ کی عداوت میں ان کے
موانق تھا تو اس نے ان کی پسند کے مطابق قرآن جمع کر دیا۔

سوال:

اللہ تعالیٰ کے قول "فَانْزِلْهُ فَاِذَا خَشِيتُمُ الْاِرْقَالَ تَقْشِرُوْا فِي الْيَتَامٰى فَانْكُحُوْا مِمَّا طَابَ
لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ" میں یتیمی کے ساتھ عدل نہ کر سکنے کی صورت میں پسندیدہ عورتوں کے ساتھ
نکاح کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں کوئی ربط و تعلق نہیں ہے؟

جواب: **مرغبی رضی اللہ عنہ**، فهو مما قدمت ذكره من اسقاط المناقبين
من القرآن بين القول في اليتامى وبين النكاح - من النساء من الخطاب
والقصص اكثر من ثلث القرآن وهذا وما اشبه مما ظهرت
حوادث المناقبين فيه لا هل النظر والتأمل ولو حيد
المعطلون واهل الملل المخالفة للاسلام مساعيا الى
القدح في القرآن ولو شرحت لك كل ما اسقط وحرف
وبدل مما يعبري هذا المجرى لطلال وتظهر ما تحظر
التقية اظهاره من مناقب الاولياء ومثالب
الاعداء -

اس سوال کا جواب بھی وہی ہے جو پیسے میں نے ذکر کیا ہے کہ: منافقین نے

فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔
 کے درمیانی خطابات اور قصص کو حذف کر دیا جو ایک تہائی قرآن سے بھی زیادہ ہے۔

یہ مقام اور اس کی مانند دوسرے

مقامات کثیرہ ہیں جن میں اہل نظر اور ارباب فکر و تامل کے لئے منافقین کی کارستانیوں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور معطلہ اور مخالفین اسلام جماعت نے جن کی وجہ سے قرآن میں ہر جرح و قدح کی راہ نکال لی ہے اور اگر میں ان سب کی وضاحت کروں جس کو ساقط کیا گیا اور جس میں تحریف کی گئی یا تبدیلی تو کلام بہت طویل ہو جائے گا اور تفسیر ادلیا و الٹر کے جن مناقب یا اعداء اللہ کے جن عیوب اور قبائح کے بیان سے مانع ہے اس کا اظہار لازم آئے گا ہزار تنبیہ!

اس طویل ترین روایت میں قرآن مجید کے اندر کمی کے ساتھ اپنی طرف سے اضافہ کرنا بھی ثابت ہو گیا اور پھر اس کو مولائے مرتضیٰ جیسی شخصیت قرآن مجید کی متعدد آیات کے ساتھ بھی ثابت کرے تو دونوں سورتوں میں ایمان لانے والوں کے ماننے والوں پر لازم ہے در نہ خود محمد اور بے دین اور منافق بن جائیں گے لہذا یہ دعویٰ کہ شیعہ کا اس پر اجماع ہے کہ اس میں قطعاً اضافہ اور زیادتی نہیں بالکل غلط ہو گیا۔

اب چند اقتباس کھینچتے ہیں شیخ علی بن ابیہم النعمی کے مقدمہ تفسیر سے پیش خدمت ہیں جس کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کتاب میں ہر وہ عیب موجود ہے جو کسی کتاب میں ممکن ہے۔ کہیں بعد والی آیات کو پہلے اور پہلے والی آیات کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے کہیں ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ ذکر کر دیا گیا ہے جس سے معنی مقصود مستور ہو کر رہ گیا کہیں مبتداء و خبر میں اس قدر فاصلہ ہے کہ ارتباط باہم نظر سے اوجھل ہو کر رہ گیا ہے۔ اور طرہ متاثر ہے کہ اس میں تحریف و تبدیلی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تنزیل کے خلاف اور برعکس بھی۔ ہم سر دست صرف آخری دو دعویٰ پر اس کی قائم کردہ دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ محرّف آیات کا بیان :

اول۔ قال اللہ تعالیٰ ولکن اللہ یشہد بما انزل الیک فی علی انزلہ

بعلیہ والہلاکۃ یشہدون - دوم - قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الرسول
بلغ ما انزل الیک من ربک فی علی فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ
سوم قوله تعالیٰ ان الذین کفروا وظلموا آل محمد حقہم
لم یکن اللہ لیغفرلہم چہارم وسیعلم الذین ظلموا آل محمد
حقہم ای منقلب ینقلبون پنجم قوله تعالیٰ : ولوتری الذین
ظلموا آل محمد حقہم فی غمرات الموت - ومثلہ کثیر نذکرہ
فی مواضعہ مقدمہ القی ص

پانچ آیات مذکورہ اور ان کے علاوہ بہت سی آیات میں تخریف ہے اور علی اور
آل محمد کی تفسیرات جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن میں تھیں۔ اس قرآن کو جمع کرنے والوں
نے تخریف سے کام لے کر ان کلمات مقدسہ کو حذف کر دیا الولد سر لا بیہ کے تحت کھیتی
نے اصول کافی میں اپنے روحانی باپ کی تقلید میں نہ رہے بالادرا ان کے علاوہ تیرہ روایات
اس مضمون کی نقل کی ہیں جن میں اہل بیت، ان کی ولایت وغیرہ کا ذکر ہے مگر انہیں روئے تخریف
وہ نام حذف کر دیئے گئے۔

ملاحظہ ہو کتاب الحجۃ باب النکت والنتف من التذیل فی الولایۃ -

مطبوعہ قم ۱۳۴۲ تا ۱۳۴۳

۲۔ اصا ما ہو کاش علی خلاف ما انزل اللہ تعالیٰ یعنی وہ آیا جو اللہ تعالیٰ کی تنزیل
کے خلاف ہیں پہلی آیت - کنتو خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف
وتنہون عن المنکر تو منون باللہ حب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کی تلاوت
کی گئی تو آپ نے فرمایا - خیر امة یقتلون امیر المؤمنین والحسن والحسین
ابن علی - کیا وہ امت خیر اور کبلائی کی مالک ہو سکتی ہے جو امیر المؤمنین حضرت
علی اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو شہید کرے تو عرض کیا کیا کیف نزلت؟
تو فرمایا یہ پھر یہ آیت کیسے نازل ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا اس طرح نزل ہوئی
تھی کنتو خیر ائمة اخرجت للناس یعنی تم بہترین امام ہو جنہیں

لوگوں کے لئے ظاہر کیا گیا ہے دیکھتے نہیں ہو اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان کی کس طرح مدح سرائی کی۔ یہ کہ تم نبی کا حکم دیتے ہو برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری آیت، الذین یقولون یاھب لنا من اذواجننا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما جب یہ آیت مبارکہ امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا۔ لقد سألوا اللہ عظیما ان يجعلہم للمتقین اماما فقبل لہ یا ابن رسول اللہ کیف نزلت؟ آپ نے فرمایا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے بہت بڑا مطالبہ کیا کہ انہیں متقین کا امام بنائے تو آپ سے عرض کیا گیا اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرمائیے دراصل کس طرح نازل ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا واجعل لنا من المتقین اماما یعنی ہمارے لئے متقین میں سے بعض کو امام بنا۔

تیسری آیت، لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ تو اس کو سن کر امام ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیف یحفظ الشئ من امر اللہ و کیف یکون المعقب من بین یدیہ یعنی کسی چیز کی اللہ تعالیٰ کے امر سے حفاظت کس طرح کی جاسکتی ہے (اسکا امر تو ہر شے کو محیط ہے اور غالب و قاهر) اور پھر معقب تو ہوتا ہی وہ ہے جو پیچھے سے آئے تو سامنے سے آئے والا معقب کس طرح کہلا سکتا ہے۔ جب دریافت کیا گیا کہ پھر حقیقت میں یہ آیت کس طرح ہے تو فرمایا یوں ہے۔ لہ معقبات من خلفہ و رقیب من بین یدیہ یحفظونہ بامر اللہ یعنی معقب ہیں پیچھے سے اور رقیب و نگران اُس کے سے جو اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ اسکی حفاظت کرتے ہیں۔

علی بن ابراہیم قمی نے کہا و مثله کثیر کہ اس قسم کی خلاف تنزیل آیات یعنی جن میں اس قسم کے سقم اور خرابیاں ہیں اور مراد باری کے برعکس معنی پر دلالت کرتی ہیں وہ بہت ہیں۔ مقدمہ تفسیر قمی ص ۱۱

فائدہ : سیب الموسوی نے اس تفسیر کے مقدمہ میں کہا۔ ان هذا التفسیر کغیرہ

من التفاسیر القدیمة یشتل علی روایات مفاد و من البصیفة الذی بین
ایدینا لم یسلم من التحریف والتغییر۔ بیشک یہ تفسیر بھی دیگر تفاسیر قدیمہ کی مانند ایسی
روایات پر مشتمل ہے جن کا مفاد و مدلول یہ ہے کہ جو مصحف ہمارے ہاتھوں میں ہے
وہ تحریف و تغیر سے محفوظ نہیں ہے۔ مقدمہ موسوی ص ۲۲
علامہ حسن کا ثانی صاحب تفسیر صافی نے روایات مذکورۃ الصدر کو نقل کرنے کے

بعد کہا:

استفاد من مجموع هذه الروایات والاخبار وغيرها
من الروایات م طریق اهل البيت علیہم السلام ان القرآن الذی
بیننا اظهرنا لیس بتامہ کما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بل منه ما هو خلاف ما انزل اللہ ومنه ما هو مغیر محروک
وانه قد حدثت منه اشياء كثيرة منها اسو علی فی کثیر
مواضع ومنها لفظۃ ال محمد غیر مرتب
ومنها اساء البنافقین فی مواضعها ومنها غیر ذلک وانہ
لیس ایضاً علی الترتیب المرفی عند اللہ وعند رسولہ ولہ
قال علی بن ابراہیم۔

مقدمہ التفسیر صافی ص ۱۳

ان روایات و اخبار سے اور ان کے علاوہ دوسری روایات جو تواتر اہل البیت کے
وراثت سے مروی و منقول ہیں ان سے یہی استفاد ہوتا ہے کہ جو قرآن ہمارے درمیان
ہے یہ کامل و مکمل نہیں ہے جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا بلکہ کچھ تنزیل کے حذف
کھا گیا ہے اور بعض میں تغیر و تحریف ہے اور اس سے بہت سی چیزیں حذف ک گئی ہیں۔ منجملہ
ان کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے جو بہت سی جگہوں سے حذف کیا گیا ہے اور
بہت جگہ سے آل محمد کا لفظ بھی حذف کیا گیا ہے اور منافقین کے نام بھی اپنی جگہوں سے حذف
کئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں حذف کی گئیں ہیں مزید برآں یہ کہ موجودہ قرآن
اس ترتیب پر بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مقبول اور

پسندیدہ ہے اور علی بن ابراہیم قمی اسی کے قائل ہیں اور تفسیر قمی سے جو ہم نے روایات درج کی ہیں۔ وہ بھی اولیٰ کے علاوہ بھی یہاں درج کی ہیں۔ اعتقاد مشائخ بیان کرتے ہوئے کہا۔

اعتقاد مشائخ شیعہ:

واما اعتقاد مشائخنا فی ذلك فالظاهر من ثقة الاسلام
محمد بن یعقوب کلینی انه كان يعتقد التحریف و
النقصان فی القرآن لانه روى روایات فی هذا المعنى فی الکافی ولم
يقدر معها انه ذكر فی أول الكتاب انه یشتق بما رواه فيه
وكذلك استأذنه علی ابن ابراهیم القمی فان تفسیره مملوء
منه وله غلو فيه وكذلك الشيخ احمد بن الحی
طالب الطبرسی فانه ایضاً نسج علی منوالهما فی کتاب
الاحتجاج۔

رہا ہمارے مشائخ کے اعتقاد کا معاملہ تو ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کے
متعلق یقینی امر یہی ہے کہ وہ تحریف اور نقصان قرآن میں تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں
نے اپنی کتاب الکافی میں اس مضمون کی روایات درج کی ہیں اور ان پر جرح و قدح
نہیں کیا جو دیکھ اس نے اپنی کتاب کے آغاز میں تصریح کی ہے کہ وہ اپنی اس
کتاب میں منقول و مروی روایات کو قابل وثوق اور قابل اعتماد سمجھتا ہے۔ اسی
طرح کلینی کے شیخ اور استاد علی بن ابراہیم القمی کا عقیدہ بھی یہی ہے کیونکہ انکی
تفسیر ایسی روایات سے بھری پڑی ہے اور وہ اس مسئلہ میں بہت غلو سے
کام لینے والے ہیں۔ اور اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی کا اعتقاد بھی
یہی ہے اور وہ ان دونوں کے نقش قدم پر چلے ہیں۔

مامہ ذیاب الموسوی نے اس زمرہ میں شامل لوگوں میں سے چند کی نشان دہی کرتے
ہوئے کہا:

واما الخاصة فقد تساوموا على عدم الزيادة في القرآن
بل ادعى الاجماع عليه واما النقيصة فانه ذهب جماعه
من العلماء الامامية الى عدمها ايضا وانكروها غاية الانكار
كالصدوق والسيد المرتضى وابي علي الطبرسي في "مجمع البيان"
والشيخ الطوسي في "التبيان" ولكن الظاهر من كلمات غيرهم
من العلماء والمحدثين المتقدمين منهم والمتأخرين
القول بالنقيصة كالكليني والبرقي والعياشي والنعمان وفرات
بن ابراهيم واحد بن ابي طالب الطبرسي صاحب الاحتجاج والمجلسي
والسيد الجزائري والحر العاملي والعلامة الفتوى والسيد البحراي - (صفحة ۲۳)
لیکن شیعوں نے اس پر تو مسامحت اور اتفاق کیا ہے کہ قرآن میں زیادتی نہیں کی گئی
راقول یہ خلاف واقع ہے جیسے کہ احتجاج طبرسی کی زندیق والی طویل روایت
سے واضح ہو چکا ہے (میرسن پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے (اگرچہ غلط ہے)
رہا اس میں کمی اور نقصان کا مسئلہ تو اگرچہ علماء امامیہ کی ایک جماعت قلیلہ اس کی
انکاری ہے۔ اور اس پر سخت رد کرنے والی جس طرح شیخ صدوق السید المرتضیٰ
ابوعلی الطبرسی صاحب مجمع البیان اور شیخ طوسی صاحب التبیان یکن ان سے
(چار علماء) کے علاوہ تمام علماء محدثین۔ متقدمین و متأخرین کے کلمات سے
جو امر قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے وہ نقص اور کمی کا اس میں پایا جانا ہے
اور کلینی، برقی، عیاشی، نعمانی، فرات بن ابراہیم، احمد بن ابی طالب طبرسی،
مجلسی، سید جزائری، الحر العاملی، علامہ فتونی اور السید البحرانی اور اس قسم کے
اکابر اور فحول اسی کے قائل ہیں۔

وقد تمسکوا فی اثبات مذہبہم بالآیات والروایات التي لا يمكن الاغراض عنها۔
انہوں نے اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی ایسی آیات اور روایات
سے استدلال اور تمسک کیا جن سے انکھیں بند کرنا ممکن نہیں ہے۔

کثرت روایات تحریف اور ان کا مشہور و متواتر ہونا:

اس ضمن میں ذرا نعمت اللہ الجزائری اور دیگر اکابر شیعہ کا فرمان بھی سنتے چلیں اور ان روایات کی تعداد کا اندازہ بھی لگاتے چلیں:

قال السيد الجزائري في بعض المؤلفات الاخبار الدالة على ذلك
تزيد على ألفي حديث وادعى استفاضة جماعة عامة كال مفيد والمحقق
الداماد والعلامة المجلسي وغيرهم بل الشيخ ايضا صرح
في التبيان بكثرة بل ادعى تواترها جماعة.

نعمت اللہ الجزائری نے اپنی بعض تالیفات میں تصریح کی ہے کہ تحریف قرآن پر
دلائل کرنے والی روایات وہ ہزار سے زیادہ ہیں اور علماء شیعہ کی ایک جماعت نے جن
میں شیخ مفید، محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم داخل ہیں انہوں نے ان روایات کے
مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے بلکہ شیخ صدوق نے خود ان کی کثرت کا اعتراف
کیا ہے بلکہ ایک جماعت علماء نے ان کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔

(فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب ص ۲۵۱)

روایات تحریف کا کتب معتبرہ میں منقول ہونا:

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ تحریف پر مشتمل روایات کوئی معمولی اور غیر مستند کتب
میں منقول نہیں ہیں بلکہ جن کتابوں پر مذہب شیعہ کا دار و مدار ہے ان کتابوں میں مذکور و منقول
ہیں۔ واعلم ان تلك الاخبار متقولة من الكتب المعتبرة التي
عليها معمول اصحابنا في اثبات الاحكام الشرعية والآثار النبوية.

(فصل الخطاب ص ۲۵۲)

صرف ایک کتاب یعنی کتاب القرات مصنف احمد بن محمد سیاری کی روایات پر

اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن شیخ جلیل محمد بن العباس بن ماہیار کا اپنی تفسیر میں اس کی روایات نقل کرنا اسے معتمد علیہ بنا دیتا ہے اور کچھ نہ ہو تو بطور استشہاد اس کی روایات کو پیش کرنے میں تو کلام ہی نہیں ہو سکتا۔

نوٹ، اس کے بعد حسین بن محمد تقی نوری صاحب فصل خطاب نے ص ۲۵۳ سے لے کر ص ۳۵۱ تک یعنی تناوے صفحات پر ہر سورت کے متعلق تحریف پر مشتمل روایات درج کی ہیں جو وہاں پر ہی ملاحظہ فرمادیں۔

اقرار تحریف مذہب شیعہ میں ضرورت دینی ہے:

صاحب فصل الخطاب نے قائلین تحریف کی مردم شمار کرتے ہوئے کہا:
والشیخ ابوالحسن الشریف جدہ شیخنا صاحب الجواہر جعلہ
فی تفسیرہ السی "مرآة الانوار" من ضروریات مذہب
التشیع و اکبر مفسدا غصب الخلافة بعد تتبع الاضیاء و تصفح الآثار
یعنی من جملہ ان لوگوں کے جو تحریف کے قائل ہیں۔ الشیخ ابوالحسن الشریف بھی
ہیں جو ہمارے صاحب الجواہر کے دادے ہیں انہوں نے اپنی تفسیر مرآة الانوار
میں مسئلہ تحریف کو مذہب تشیع کے ضروریات سے قرار دیا ہے۔ اور غصب خلافت
کے مفسد میں سے سب سے بڑا مفسدہ قرار دیا لیکن محض دعویٰ اور خیالی حکم
نہیں کیا بلکہ پوری طرح اخبار و روایات اور آثار کا تتبع اور ان کی پھان پھنک
کرنے کے بعد۔

مقام عورت کہ جب عقیدہ تحریف مذہب تشیع کے ضروریات اور لازمی تقاضوں سے
ہے اور عقلاً قاعدہ ہے۔ اذ اثبت الشیء ثبت بپروازہ یعنی جب شے ثابت ہوتی
ہے تو جمیع لوازم سمیت ثابت ہوتی ہے اور انتفاء اللازم يستلزم انتفاء
الملزوم بھی عند العقلاء مسلم۔ قانون ترویج تسمیہ کے بغیر چارہ نہیں کہ شیعہ مذہب
روح ہے تو عقیدہ تحریف بھی برحق ہے اور عقیدہ تحریف باطل ہے تو شیعہ مذہب بھی باطل ہے

سالمیت قرآن از تحریف محالات عادیہ سے ہے۔

صاحب فصل الخطاب نے اپنی کتاب کے ص ۱۰۷ پر قرآن کے تحریف سے مامون اور محفوظ ہونے کو بعید ترین قرار دیتے ہوئے جس زیر فحاشی کا مظاہرہ کیا ہے اسے طوعاً نہیں تو کرہاً ہی سنتے پھرتے۔

الحاصل من النصف من نفسه وامعن نظره في حال القرآن و
كيفية نزوله متجهاً على حسب حدوث الحوادث والوقائع
في طول بضع وعشرين سنة في اماكن كثيرة متباعدة في حال
السفر والحضر وفي الغزوات وغيرها سرا وعلانية ثم سرح
نظره واجال فكره في حال القوم المباشرين لجميع القرآن
الذين امنوا بالسنتهم ليحققوا به دماءهم وهم بين جاهل
غبي ومعااند غوي ولاه عن الدنيا وتاه في شيع الاولين ومضارون
همتهم في ترويج كفره وجبار يخاف من مخالفة نهيه
وامره وليس فيهم من يرجي خيرة ويومن شره
لا يكاد يشك انهم اذ اعجز قد بيرا واضل سبيلا
واخر عملا واجهل مقاما وشر مكانا واسفه رأيا واشقى
نظرة من ان يتقدروا ويوفقوا على تاليف تمام ما انزل
في تلك المدة على النحو الذي اراد الله من غير ان ينقص
منه شيء او يزيد فيه حرف او يوحى من مقدم
ويقدم مؤخر - فصل الخطاب ص ۱۰۶

غلام کلام یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس سے انعام کرے اور قرآن کی حالت
اور اس کی کیفیت نزول میں نظر غائر سے دیکھے جو تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال
کے طویل عرصہ میں حسب حوادث اور وقائع نازل ہوتا رہا ہے اور وہ بھی مختلف

مقامات میں اور تباہ مکانات میں کبھی سفر میں کبھی حضر میں کبھی میدان کارزار میں اور کبھی مقام امن و آتشی میں۔ کبھی علانیہ اور کبھی مخفی طور پر۔ اور ساتھ ہی ان لوگوں کے حالات پر بھی نظر ڈالے اور غور و فکر کرے جو اس قرآن کو جمع کرنے کے درپے ہوئے جو (بقول رافضی) محض زبانی ایمان کے دعوے دار تھے تاکہ اپنے خون کا تحفظ کریں اور ان میں بعض جاہل و غبی ہیں تو بعض معاند اور گمراہ۔ کچھ دین سے غافل اور کچھ پہلی اقوام کے عادات و اطوار میں سرگرداں۔ کئی اپنی ہمت کو مرث اپنے کفر کی تردید میں معرفت کرنے والے ہیں اور کئی جابر و طاہر تھے جن کے امروہنی کی مخالفت کسی کے لئے ممکن نہیں ہوتی تھی اور ان میں ایسا کوئی بھی نہیں تھا جس سے خیر اور بھلائی کی توقع کی جاسکے یا اس کے شر سے محفوظ رہا جاسکے تو اندریں حالات کسی کو کیسے شک ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اس سے کمتر مرتبہ کے ہیں اور اندب و دئے تدبیر عاجز ترین اور مکان کے لحاظ سے بدترین، رائے میں سب سے کم عقل اور فطرت کے اعتبار سے سب سے بد بخت (العیاذ باللہ) تو ان کو یہ قدرت کہاں نصیب اور انہیں یہ توفیق کہاں میسر کہ وہ تمام منزل قرآن کو تھوڑی سی مدت میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق جمع کر لیں بغیر کسی کمی و بیشی کے یا تقدیم مؤخر اور تاخیر مقدم وغیرہ کے اور اسی فصل الخطاب کے ص ۹۷ پر نوزی طبری یوں رقمطراز ہیں۔

الدلیل الثانی ان کیفیتہ جمع القرآن و تالیفہ مستلزمة عادة لوقوع التعلیل والتحریر فیہ وقد اشار الی ذلك العلامة المجلسی فی مرآة العقول حیث قال والعقل یحکم بانہ اذا کان القرآن متفرقا منتشرا عند الناس وتصدی غیر المعصوم لجمعه یمتنع عادة ان یکون جمعه کاملًا موافقًا للواقع۔

یعنی تحریف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کے صحیح و مایع کی کیفیت از روئے عادت تفسیر و تحریف کے وقوع و تحقق کو مستلزم ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول میں کہا کہ عقل اس امر کا حکم کرتا ہے کہ جب قرآن لوگوں کے پاس متفرق اور منتشر طور پر موجود ہو اور پھر غیر معصوم اس کے جمع و ترتیب کے درپے ہوتا تو از روئے عادت متمنع اور محال ہے کہ وہ کامل طور پر جمع ہو جائے اور واقع کے مطابق مرتب ہو سکے۔

الغرض شیعہ کے نزدیک مؤلفین کی حالت کو نزول قرآن میں مقامات کے تعدد و تخالف کے پیش نظر اور پھر قرآن مجید کے لوگوں کے پاس متفرق و منتشر ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے عادات محال و متمنع ہے کہ اس میں تحریف نہ ہو اور تقدیم و تاخیر اور کمی و بیشی موجود نہ ہو اور یہ عقلا و کے ہاں مسلم امر ہے کہ محال عادی عدم وقوع میں محال بالذات کے ساتھ موافق ہوا کرتا ہے جس طرح محال بالذات موجود نہیں ہوتا محال عادی بھی موجود نہیں تھا۔

خلاصہ بحث:

الحاصل عقل و نقل اور کتاب و سنت اور اجماع اہل تشیع اور علی الخصوص ائمہ اہلبیت کی روایات جو کتب متداولہ معتبرہ سے منقول ہیں اور وہ بھی مشہور و مستفیض بلکہ متواتر تحریف کے وقوع پر متفق ہیں اور یہ نظریہ مذہب شیعہ میں ضروریات دین سے تو پھر اس کے انکار کیا گنجائش بلکہ تحریف پر ایمان ہوگا تو مذہب تشیع پر ایمان ہوگا اور تحریف کا منکر ہوگا تو مذہب تشیع کا منکر ہوگا

ائمہ کے بغیر اصل قرآن کا جمع کرنا ممکن ہی نہیں:

مذہب اہل تشیع کے مطابق پورا قرآن صرف ائمہ کے علم اور حافظہ میں محفوظ تھا اور یہ اپنی کے خصائص سے ہے لہذا جو جمع کیا گیا وہ چونکہ ائمہ کا جمع کردہ نہیں۔ لہذا کامل نہ ہوا اور جو ائمہ کا جمع کردہ ہے وہ آج تک امت کو دیکھنا تعیب ہی نہیں ہوا لہذا مذہب شیعہ کی رو سے

موجودہ قرآن کسی طرح کامل تصور نہیں کیا جاسکتا۔

۱۔ عن جابر قال سمعت ابا جعفر عليه السلام يقول
ما ادعى احد من الناس انه جمع القرآن كله كما انزل
الاكذاب وما جمعه وما حفظه كما نزله الله الا على بن
ابی طالب والائمة من بعده۔

جابر سے مروی ہے کہ امام ابو جعفر محمد باقر کو میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ نہیں
دعویٰ کیا کسی شخص نے کہ اس نے تمام قرآن کو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل
فرمایا اس کے مطابق جمع کیا مگر کذاب اور جھوٹے شخص نے اور اسے اللہ تعالیٰ
کی تشریحات کے مطابق صرف اور صرف حضرت علی بن ابی طالب اور ان کے بعد
وائے ائمہ نے جمع اور حفظ کیا ہے۔

۲۔ من ابی جعفر انه قال۔ ما استطیع احد ان یدعی ان عنده
جميع القرآن كله ظاهرة وباطنه غير الارصياء۔
کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس تمام قرآن ظاہر اور باطن کے لحاظ
سے محفوظ ہے ماسوائے اوصیاء اور ائمہ کے۔

اصول کافی باب لم یجمع القرآن كله الا الائمة مطبوعہ قم ۱۳۵۸ھ
جب دعویٰ بھی کافی میں یہ بھی کیا گیا کہ پورے قرآن کو سوائے ائمہ کے کسی نے جمع نہیں کیا اور
اس ضمن میں چھ روایات ذکر کی گئیں تو واضح ہو گیا کہ عند الشیعہ ائمہ کے علاوہ جو بھی قرآن جمع
کرے گا وہ باقعا کامل نہیں ہو سکتا لہذا شیعہ ہونا اور اس قرآن کو کامل ماننا باہم متناقض ہیں۔

اہل تشیع کا تحریف قرآن پر اجماع و اتفاق:

ناسخ التواریخ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلہ ہجری میں قرآن مجید کو لغت
قریش پر جمع کرنے کا تفصیلی حال لکھنے کے بعد مصنف اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کافی کلینی اور
دیگر کتب سے چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

مردم شیعہ چنانہ دانند کہ در قرآن بعضے آیات را کہ دلالت بر نفس خلافت علی سے داشتہ و از فضائل اہل بیت می بودہ ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ساقط ساختند و از یہ روئے آن قرآن کہ علی فرام آورده بود پندیرفتند و آن قرآن بزور نزد قائم آل محمد ویدہ نشود و ہچنان عثمان نیز از آنچہ ابو بکر و عمر داشت نیز لختے پکاست۔ تا سخر التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۴۹۲، ۴۹۳

شیعہ لوگ اس طرح جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی بعض ایسی آیات جو خلافت علی رضی اللہ عنہ پر نفس مرتجح ہیں اور فضائل اہل بیت کے قبیل سے تھیں ابو بکر اور عمر نے انکو ساقط کر دیا اور حذف کیا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لایا ہوا قرآن قبول نہ کیا اور وہ قرآن سو قائم آل محمد کے کسی کے پاس نہیں دیکھا جاسکتا اور اسی طرح عثمان نے بھی اس قرآن سے جو ابو بکر و عمر رکھتے تھے مزید کمی کر دی (گو یا یک نشد و شد۔ محمد شرف)

اس مہارت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی جو بھی شیعہ ہے وہ اس عقیدہ کا مالک ہے اور پھر خاص دلیل بھی اس پر پیش کر دی گئی کہ حضرت علیؑ کا قرآن آخر قبول نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی ماسواء تحریف کے لہذا یا تحریف تسلیم کرنی پڑے گی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن میں اضافہ ماننا پڑے گا اور مزید برآں یہ کہ شیعہ مؤرخ نے دوسرے تہ تحریف ثابت کر دی۔

ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ یہ برادران یوسف کا ہم پر بہتان ہے۔ اب بتلائیں کہ ناسخ التواریخ بھی ہماری لکھی ہوئی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس نے بعض مردم شیعہ بھی نہیں کہا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی عقیدہ وہی ہے جو ناسخ التواریخ میں بیان کیا گیا ہے لیکن ڈھکو صاحب نے جناب نواز شریف علی شاہ صاحب کا عطیہ ہضم کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھنا تھا لہذا تقیہ بندے کا رلائے ہوئے صاف جھوٹ بول دیا اور پیہ بھی ہضم کیا اور ساتھ ہی ثواب بھی کمایا۔

تنزیہ الامامیہ ————— محمد حسین ڈھکوصا

تخریف القرآن

الجواب لعون الشد الوہاب:

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ شیطان علی اپنے پیشواؤں کی مقدس تعلیم کی روشنی میں موجود قرآن مجید کو ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک۔ خدائے قدوس کی آخر الہامی کتاب اور پیغمبر اسلام کا معجزہ خالدہ مانتے ہیں اور اسے پورے عالم امکان کی رشد و ہدایت کے لئے خدا کا عجیب دستور العمل جانتے ہیں اور اس کی تعلیم و تعلم اور اس کے اکرام و احترام کو جزو ایمان سمجھتے ہیں اور ہمارے متعلق تخریف کا عقیدہ رکھنے کا محض بڑا اور ان یوسف کی طرف سے الزام ہے۔

(ص: ۲۵)

فصل دوم

ائمہ طاہرین کے موجودہ قرآن کے متعلق ارشادات:

ان اجمالی حقائق کی ذیل میں قدرے وضاحت کی جاتی ہے:

۱۔ تفسیر صافی ملا پر حضرت امیر المؤمنینؑ اور طلحہ کا ایک مکالمہ درج ہے جس سے اس مدعا کی حوت بحوث تائید ہوتی ہے جناب امیر، طلحہ سے دریافت کرتے ہیں:

”مجھے یہ بتاؤ جو قرآن عمر و عثمان نے لکھوایا ہے آیا وہ پورے کا پورا قرآن ہے یا اس میں کچھ قرآن کے علاوہ بھی ہے؟ طلحہ نے کہا: ”بلہ قوان کله“

بلکہ وہ پورا قرآن ہے۔ آنجناب نے فرمایا۔ اگر تم اس قرآن پر عمل کرو گے تو جہنم

سے نجات پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے کیونکہ اسی قرآن میں ہماری

جنت، ہمارے حقوق اور اطاعت کے واجب ہونے کا بیان ہے:

یہ سن کر طلحہ نے کہا جب یہ قرآن پورا ہے تو میرے لئے کافی ہے۔

۲۔ نیز تفسیر صافی ص ۲ پر بحوالہ اصول کافی باسناد سالم بن مسلمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے

مروی ہے: "انجناب نے سالم سے فرمایا اس طرح قرآن پڑھو جس طرح عام لوگ پڑھتے ہیں۔"

۳۔ تفسیر صافی ص ۵ پر امام حسن عسکری سے مروی ہے فرمایا: "یقیناً یہ قرآن خدا کا واضح نور

اور محکم رسی ہے۔ جو شخص اس کے ساتھ تسک کرے گا خدا اسے (آتش جہنم) سے

چھڑائے گا اور جو شخص اس کے احکام سے علیحدگی نہیں کرے گا خدا اسے بندے

عطا کرے گا۔ (ص: ۲۵، ۲۶)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف الیاسی لوی

فصل اول میں ڈھکو صاحب نے صرف شاعری، تعلیم اور کھوکھلے دعوؤں سے کام لیا

فصل دوم میں موجودہ قرآن پر اپنا ایمان ثابت کرتے ہوئے تین روایات ذکر کی ہیں، ہم ذیل

میں ان پر بحث کریں گے اور قارئین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں ڈھکو صاحب نے اباؤ اجداد

کی اقتداء کرتے ہوئے مکمل طور پر تقیہ اور فریب کاری سے کام لیا ہے اور حقائق کا منہ چڑھایا ہے

اور ناقابل تردید دلائل کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔

پہلی روایت اور اس کا جواب:

تفسیر صافی کے حوالہ سے طلحہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا مکالمہ درج کیا ہے جسے ہم تتمہ

بحث میں بالتفصیل عرض کر چکے ہیں ذرا تکلیف فرما کر دوبارہ نظر ڈال لو اور ڈھکو صاحب کی دوپہر

کے اجلے میں اندھیرنگری ملاحظہ فرمادہ کر لو۔ دعویٰ تو کیا موجودہ قرآن ہر قسم کے اختص اور عیب

سے پاک ہے۔ اور دلیل وہ پیش کی جو اس دعویٰ کے سراسر مخالف یعنی ٹھنڈے پانی کے پالے

جو قرآن تھادوسروں کے پاس نہیں تھا ان کے تہید ہونے سے پہلے پہل تو وہ حصہ ضائع ہو گیا پھر ایک صحیفہ بکری کھا گئی وہ بھی ضائع ہو گیا۔ سورہ احزاب، سورہ نور اور سورہ حجر کی بہت سی آیات چلی گئیں اور اصلی قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا وہ آپ نے ظاہر کیا اور طلحہ کے بار بار اس قرآن کے ظاہر کرنے کے مطالبہ کو حضرت علی نے دیدہ دانستہ ٹال دیا اور بالآخر طلحہ سے دریافت کیا کہ جو کچھ عمرو عثمان نے جمع کیا وہ قرآن ہے۔ یا اس میں اضافہ کیا گیا ہے تو اس نے کہا نہیں یہ تو قرآن ہے تو آپ نے اس پر عمل کو موجب نجات قرار دیا لیکن اس کا تو صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ جو کچھ رہ گیا وہ بھی قرآن ہے نہ کہ یہ مکمل ہے اور ہر نقص اور غیب سے پاک لہذا دعویٰ اور دلیل میں قطعاً کوئی مطابقت نہیں۔

۲۔ نیز صاحب تفسیر صافی نے اسی روایت کو مقدمہ سادہ میں اس دعویٰ کی دلیل بنایا ہے کہ قرآن کے جمع کرتے وقت اس میں تحریف کی گئی اور اس میں نقصان اور زیادتی بھی پائی گئی۔

”اور اس کے اثبات میں جو روایات درج کی ہیں۔ ان میں سے یہ آٹھویں روایت ہے۔ اگر ملا محسن کا شانی صاحب تفسیر صافی کا اس روایت سے استدلال ٹھیک ہے تو دوسرے صاحب نے فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے اور اگر اس کا استدلال ٹھیک ہے تو صاحب تفسیر نے جہالت کا یا بے ایمانی کا مظاہرہ کیا۔

۳۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ طلحہ نے دریافت کیا کہ آخر تمہارے پاس جو قرآن اور اس کی تاہل وغیرہ ہے تو وہ کس کے حوالے کرو گے تو آپ نے فرمایا میں اپنے بیٹے حسن کو دوں گا وہ اپنے بھائی حسین کو اور یہ سلسلہ ادھیڑ میں چلتا رہے گا تاکہ ہمدی کوئی اور قائم آل محمد کے پاس پہنچے گا اور پھر وہ اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے نہ وہ قرآن سے جدا ہوں گے اور نہ قرآن ان سے جدا ہوگا۔

تو ظاہر ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو جمع کرنے کے لئے دیا تھا اگر وہ قرآن اصلی ہے تو یہ نہیں اور یہ اصلی ہے تو وہ نہیں۔ وہ بارگاہ رسالت ہیں باریاب

ہونا ہے تو یہ نہیں اور یہ ہوتا ہے تو وہ نہیں ہر حال اسی روایت میں دونوں قرآنوں کا علیحدہ ہونا اور موجودہ کا ناقص ہونا اور بارگاہ نبوت میں باریابی سے محروم ہونا ثابت ہے تو اس کو بطور حجت و دلیل پیش کرنا سراسر سینہ تیزی اور بدترین دھوکہ دہی اور فریب کاری ہے۔

موجودہ قرآن کے ساتھ تمسک صرف مجبوری کے تحت ہے

۳۔ طلحہ کے تحسبی اذکان قرآن کا اذروئے سیاق و سباق صرف اور صرف یہی معنی ہے کہ اگر اصلی فی الحال دستیاب نہیں تو چلو اسی سے گزارہ چلاتا رہوں گا جس طرح انگریز کے بعد سے مدتوں اسی کے دستور اور آئین و قانون سے ہم ملک چلاتے رہے لیکن اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ ہمارے عقیدہ میں یہ دستور ہر طرح کے نقص اور عیب سے پاک ہے اور ڈھکوسل صاحب نے جو اقراء کہا یقرء الناس "دالی روایت درج کی ہے اسی کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اس قرآن سے گزارا چلاتے رہو اور اس قرآن کے قائلین کے ساتھ موافقت کئے رکھو جب تک کہ مہدی اور قائم کا ظہور نہیں ہوتا لہذا اس قسم کی روایات کو پیش کرنا تقیہ کا عظیم ترین شاہکار ہیں۔

دوسری روایت اور اس کا جواب۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اس طرح پڑھ جس طرح لوگ پڑھتے ہیں۔ بحوالہ تفسیر صافی ص ۱۰۰۔

یہاں بھی ڈھکوسل صاحب نے مکمل بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تفسیر صافی کے مقدمہ سادہ (جو بیان تحریف اور نقص و زیادت کے لئے مختص ہے) اس میں مذکور روایات میں سے یہ ہے کہ امام موصوف نے ایک شخص کو قرأت کرتے ہوئے سنا جو عام لوگوں کی قرأت سے مختلف تھی تو آپ نے فرمایا کہ عن هذه القراءة اس قرأت سے باز رہو اور مہدی کے ظہور سے پہلے لوگوں کی موافقت کر کے وقت گزارو فاذا قام القائم قرء کتاب اللہ

علی حدہ جب حضرت ہدی ظاہر ہوں گے تو وہ قرآن کو درست طریقہ پر پڑھیں گے در
یہ فرما کر امام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ والامصحف نکالا جس کے متعلق آپ نے فرمایا
”ہذا کتاب کما انزلہ اللہ علی محمد قد جمعہ بین اللوحین“ بے اصلی قرآن جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو نازل کیا میں نے اس کو دو تختیوں کے درمیان جمع کر دیا ہے۔
نوٹ:

یہ روایت ہم نے تتر میں تیسری جگہ پر مفصل ذکر کی ہے اسے اچھی طرح مطالعہ کر
لیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا اس قرآن کو اس روایت کے پس منظر میں بے عیب اور تحریف و
تغیر سے منزه ماننا کہاں تک درست ہے۔
۲۔ تفسیر صافی سے ڈھکو صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں۔ انہوں نے عیب ثابت کرنے کے لئے
اس کو ذکر کیا اور ڈھکو صاحب نے موجودہ قرآن کو بے عیب ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا
اور یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں کہ ان دو میں سے ایک نے بددیانتی اور تقیہ بازی
کا مظاہرہ ضرور کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈھکو صاحب نے دن دہاڑے ملحدانہ
کاشانی پر ڈاکہ ڈالا اور اسے اپنی پونجی سے محروم کرنے کی سعی لا حاصل کی۔
بہر حال حقیقت حال ناظرین پر واضح ہے کہ اس روایت میں وقت گزاری اور زمانہ
سازی کا درس ہے۔ چلو تم ادھر کو ہوا ہو بدھری۔
نہ یہ کہ اصلی قرآن یہ ہے:

تیسری روایت اور اس کا جواب:

تفسیر صافی ص ۵ سے امام حسن عسکری سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

۱۔ کہ یہ قرآن خدا کا واضح نور اور محکم رہی ہے لیکن اس استدلال میں بھی یا مکمل جہالت کا مظاہرہ
ہے اور یا مکاری اور فریب کاری کا کیونکہ یہ قرآن جس میں ہمارا کلام ہے یہ تو بہر حال
اس وقت موجود نہیں تھا اسے تو اساسی طور پر ابو بکر صدیق کے دور میں جمع و تدوین اور

ترتیب و تالیفات کا موقع ملا اور وہ بھی جنگ یمامہ میں کثیر التعداد قراء کے شہید ہونے کے بعد اور دوبارہ قرأت متعددہ کو مذمت کے تحت قریش پر جمع ہونے کا موقع ملا تو حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں بلکہ حضرت زید بن ثابت کے ہاتھوں حضرت عثمان کے حکم سے۔

اور جو قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا وہ آپ نے وصال شریف کے قریب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا اور پھر ایک مرتبہ تو وہ ظاہر کیا گیا اور قوم کے قبول نہ کرنے پر اس کو ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا گیا اور اب اس کو صرف ہمدی علیہ السلام کے دور میں ظہور نصیب ہو گا۔

۲۔ تحریف بے یا نہیں ہے یہ اختلاف ہی اسی قرآن میں ہے جو بعد میں تیار کیا گیا لہذا زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود قرآن کے اوصاف و کمالات اس تنازعہ فیہ پر کیسے چسپاں ہو سکتے ہیں بلکہ شیعہ صاحبان کے نزدیک یہ امام غائب کے پاس موجود قرآن کے صفات ہیں۔ صاحب تفسیر صافی نے موجودہ قرآن کے محرف و مبدل ہونے کا اثبات کر کے ان روایات کا جواب دیتے ہوئے کہا جن میں قرآن سے تمسک اور ہدایت حاصل کرنے وغیرہ کا حکم ہے جن سے اصلی قرآن کا موجود ہونا لازمی طور پر ثابت ہوتا ہے۔

اقول یکفی فی وجودہ فی کل عصر وجودہ جمیعاً کما انزل اللہ محفوظاً سنداً اہلہ وہ وجود ما احتجنا الیہ منہ عندنا وان لم نقد ر علی الباقی کما ان الامامہ کذلک فان الثقلین۔ ان فی ذلک۔ مقدمہ تفسیر صافی (ص ۵۱) یعنی اس قرآن کے ہر زمانہ میں موجود ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ مکمل طور پر اور کما انزل اللہ تو موجود ہوا اپنے اہل کے پاس اور اس کے اعمال کے لیے ضروری حصہ ہمارے پاس موجود ہو اگرچہ باقی حصہ پر ہم قدرت نہ رکھتے ہوں جیسے کہ خود امام صاحب زمان کا حال بھی یہی ہے کہ بارہ صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ ہوا کہ غائب ہے اور اس کے سفراء اور نائبین کے ذریعے کام چلا رہے ہیں اور گزارا کر رہے ہیں) کیونکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ثقلین یعنی کتاب اللہ اور امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سطح پر رکھتے ہوئے فرمایا گیا ہے انی تارک فیکم الثقل۔ ان تمسکتہ بہما لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی

وانھما لن یتفرقا حتی یرداعلی الحوض بے شک تمہارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان کے دامن سے والبتہ رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہیں کتاب اللہ اور میری عترت اہل بیت اور وہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اکٹھے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے۔

اقول گویا جب امام مخفی ہے تو قرآن اصلی بھی مخفی۔ حدیث شریف کی رد سے قرآن اور اہل بیت جدا نہیں ہو سکتے تو یہاں امام وہیں قرآن اور جس طرح اصلی امام کی موجودگی میں دوسرے لوگوں کے ذریعے گزارا چلایا جاتا رہا ہے اس امید پر کہ کبھی تو غار سرمن راہی سے نصیب گے اسی طرح موجودہ قرآن سے بھی گزارا چلایا جاتا رہا ہے۔ اس توقع پر کہ کبھی تو صاحب زمان اصلی قرآن لائیں گے۔

اب فرمائیے ڈھکو صاحب تمہاری دلیل سے تمہارا دعویٰ کیسے ثابت ہوا جبکہ تمہارے مفسر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے اندر چھوڑے ہوئے ثقلین اہلبیت اور قرآن دونوں کو غار میں اکٹھا کر دیا ہے۔ آپ کو تمام تر اپنے ذخیرہ کتب میں سے صرف تین روایات پیش کرنی ممکن ہوئیں اور ان میں بھی سراسر تلبیس و اشتباہ اور مغالطہ دہی اور فریب کاری سے کام لیا اور ان کو محل نزاع سے دور رکھا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اسی بل بوتے پر تعلقوں۔ شیخیوں کا اظہار کیا تھا اور انہی دلائل کی مخموری میں شاعری پر اتر آتے تھے یہ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے۔ یہ بانو و میرے آزمائے ہوئے ہیں

اگر علامہ ڈھکو صاحب نے اپنی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہوتا تو ایسی ہیچ گانہ حرکات نہ کرتے اور نہ ایسی دلیلیں پیش کرتے۔ ان کے مقتدا امام اور مفسر اعظم نے قول باری تعالیٰ:

”یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ“ کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب روایت

ان الفاظ میں درج کی ہے تفسیر قمی جلد اول ص ۱۹۹ یرد علی اصتی یوم القیامۃ علی خمس

رایات (الی) فیقولون اما الاکبر فخر قناہ و نبذناہ و راء ظہور نار الی

اما الاکبر فخر قناہ و مژقناہ و خالفناہ۔ خلاصہ یہ کہ میری امت پانچ اعلام کے نیچے پانچ

قائدين کی قیادت میں پانچ گروہوں پر منقسم ہو کر میرے پاس پہنچے گی ایک علم اس امت کے

عجل (نعوذ باللہ) (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہو گائیں اس جماعت سے دریافت کروں گائیں نے تمہارے اندر دو قیمتی چیزیں چھوڑی تھیں تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تو وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر یعنی قرآن میں ہم نے تحریف کی اور اس کو اپنی پٹھوں کے پیچھے پھینک دیا پھر دوسرا جھنڈا اس امت کے فرعون (نعوذ باللہ) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گا تو میں اس کی قیادت میں آنے والی جماعت سے دریافت کروں گا کہ میرے چھوڑے ہوئے ثقلین کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا تو وہ کہیں گے ہم نے ثقل اکبر کو تحریف کا نشانہ بنایا اور اس کو پھاڑا اور اس کے احکام کی مخالفت کی۔

جب آپس کے اکابر کا دعویٰ یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ابو بکر و عمر کی طرف سے ثقل اکبر میں تحریف کا اعتراف و اقرار جواہروں نے قیامت کے دن کرنا ہے یہیں بیان فرما دیا تو اب غور طلب امر یہ ہے کہ قیامت کے دن ناکردہ گناہ کا اعتراف کون کر سکتا ہے وہاں تو کردہ گناہوں سے بھی مرنے کی کوشش کی جائے گی جیسے کہ مشرک کہیں گے **وَاللّٰہُ یَہْدِیْکُمْ لِمَنْ تَشَآؤُنَ** بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بیانی کی نسبت بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ موقعہ تقیہ کا بھی نہیں ہے۔ ورنہ ان کی خوبیاں بیان کی جائیں نہ خرابیاں تو قطعی طور پر تسلیم کرنا لازم ہو گیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ثقل اکبر اور قرآن مجید بزم شیوان دونوں حضرات کی طرف سے تحریف کا شکار ہو گیا تو ڈھکو صاحب بتائیں کہ بزبان رسالت مآب اور باقرارہ خلقائے ثلاثہ پہلے پائی جانوالی تحریفات کی ڈھکو صاحب تحریقاتی روایت سے نفی کیونکر ہو سکتی ہے تعجب کی جگہ ہے کہ قرآن جمع کرنے والے خود تسلیم کریں کہ ہم نے تحریف کی اور ان کا ڈھکو صاحب جیسا دشمن ان کی صفائی بیان کرے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کی کوشش کرے فدا را بتلائے شیخ مذہب کی کوئی نکل سیدھی ہے!

محمد حسین ڈھکو

فصل سوم

شیعہ علماء اور اعلام کی تصریحات

اگرچہ ائمہ اہل ہمارے کے ارشادات کے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر بعض شیعہ اعلام کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ رئیس المحدثین شیخ صدوق علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ اعتقادیہ طبع ایران ص ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کے متعلق ہمارا ایمان یہ ہے کہ خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ پر جو قرآن نازل فرمایا وہ یہی ہے جو دو دفتیوں کے درمیان لوگوں کے ہاتھوں میں اس وقت موجود ہے اس کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں جو شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرے کہ ہم موجودہ قرآن سے زائد کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے۔

۲۔ شیخ الطائفة شیخ طوسی نے اپنی تفسیر البیان (۲) امین الاسلام علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان (۴) افتقار المفسرین علامہ سید علی الحائری نے لوامع التنزیل (۵) علامہ سید ابوالقاسم الخوئی مجتہد اعظم نجف اشرف نے اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں (۷) علامہ سید علی نقی نے مقدمہ تفسیر قرآن میں ان کے علاوہ سینکڑوں علماء اعلام نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ موجودہ قرآن مکمل ہے اس میں کسی قسم کی کوئی تکریر و تغیر واقع نہیں ہوئی۔ (ص ۳۶)

فصل سوم کا جواب: تحفہ حسینیہ محمد اشرف سیالوی

۱۔ ڈھکو صاحب کے پیش کردہ ارشادات ائمہ کی حقیقت تو آپ معلوم کر چکے اور اسکے

مقابل دو ہزار سے زیادہ شیعہ صاحبان کی معتبر اور متداول کتابوں میں حضرت علی اور دیگر ائمہ سے منقول روایات مشہورہ اور متواترہ کا نمونہ بھی ملاحظہ کر چکے تو اب دو چار علماء کا نام گنوانے سے کیا فائدہ ہو سکتا؛ اور چار کو سینہ زوری سے سینکڑوں تک پہنچا نا کس طرح کارآمد ہو سکتا ہے۔

۲۔ شیخ صدوق اور علم المرتضیٰ سے پہلے جتنے علماء گذرے ہیں وہ سب تحریف اور تغیر و تبدل کے قائل ہوئے ہیں مگر شیخ صدوق نے سب سے پہلے تحریف کا انکار کیا تو بتلایئے ان سے قبل تین صدیوں تک جو تہما مذهب تھا وہ غلط تھا اور موجودہ صحیح ہے یا موجودہ غلط ہے اور سابقہ صحیح تھا؟

اگر کچھ مذهب اور عقیدہ صحیح ہے تو سابقہ صدیوں پر محیط مذہب کو باطل تسلیم کرنا پڑے گا اور جب پہلی صدیوں کا باطل ہو گیا تو آخری صدیوں کا جو انہیں متقدمین کی روایات اور کتابوں پر مبنی ہے وہ یکے کے بعد دوسرے صحیح ہو گا اور پھر قدامت کا دعویٰ بقائم ہو ش و حواس کیونکر ہو سکے گا۔

ظاہر ہے کہ مذہب کا ثبوت روایات اور احادیث سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ کسی عالم کے قول سے اور حضرت علی المرتضیٰ کی طرف منسوب روایات سے لے کر امام حسن عسکری تک کی روایات تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ حضرت علی المرتضیٰ نے زندگی کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے تحریف کو نصوص قرآن سے ثابت کیا۔ اور یاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

یاد رہے:

شیخ صدوق کی ولادت تین سو چھ میں ۳۸۰ھ میں اور وفات ۴۴۰ھ میں اور
ہی پہلا شخص ہے جس نے تحریف قرآن کا انکار کیا ہے۔

ۛ

کے اعراض و انکار سے بھی کہ جو بارگاہ رسالت سے مجھے ملا اور بلا کم و کاست میں نے جمع کیا۔
وہ انہوں نے قبول نہ کیا جو اپنے مزعوم دعائم کفر کی ترویج کے لئے جاری کیا وہ ناقص تھا وغیرہ
بقول حسین بن محمد تقی نوری طبرسی صرف نو وجوہ سے ایک روایت میں تحریف پر استدلال کیا گیا
ملاحظہ ہو فصل الخصاب ص ۲۴

۲۔ صدوق صاحب ہمتے ہیں جس نے ہماری طرف موجودہ قرآن سے زائد آیات پر مشتمل
قرآن اور اصلی منزل من اللہ کی نسبت کی وہ کاذب ہے تو ڈھکوسل صاحب ذرا ہوش
سے کام لو، ہم نے سینوں کی کتابوں سے تو روایات پیش نہیں کیں۔ یہ سب آپ کے
بلکہ شیخ صدوق اور علم المرتضیٰ کے اکابر کی کتابیں ہیں۔ اور ائمہ سے منقول ہیں تو آپ جھوٹا
کس کو کہہ رہے ہو اگر وہ سچے ہیں تو صدوق صاحب ہمت جھوٹا اور اگر تم سچے ہو تو پھر مذہب نجیف کہہ رہے آگیا
مستقل کتابیں تحریف کے موضوع پر تم کھو تھامیں ابواب اس موضوع پر تم قائم کر دو پھر بھولے
بھائے بن کر کہہ دو جو ہمارے متعلق یوں کہے وہ کاذب ہے تو سہ

اتنی نہ بڑھا پا کٹی داماں کی حکایت

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند تبا دیکھ

کیا شیعہ صاحبان اس حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوصال
میں قرآن مجید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا اور انہوں نے جمع کر کے صحابہ کرام کو دکھایا
لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مجموعہ ہوتا
تو بعد از وصال جمع کرنے کی ضرورت کیوں پڑتی اور جب مکمل آیات پر مشتمل مجموعہ صرف رسالت
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی نہیں تھا حالانکہ کاتبان وحی
کے سردار تھے تو کسی دوسرے کے پاس بھی یقیناً نہیں تھا تو حضرت علی کا نبوی مجموعہ سے جمع کردہ قرآن
ظاہر ہی نہ ہو سکا اور جو ظاہر ہوا اس میں حضرت علی کو شامل ہی نہ کیا گیا تھا پھر سامیت کی کیا ضمانت
رہ گئی؟ لہذا ان علماء کا یہ قول کسی روایت اور واقعی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ ذلت و رسوائی اور
جگہ ہنسائی سے بچنے کے لئے مذہبی کتب اور قدماء و اسلاف کے عقیدہ کے برعکس تراشیدہ
اور اختراعی قول ہے۔ تاکہ لوگوں کے اس طعن سے بچ سکیں کہ جب آسمان کتاب ہی نہ

ان کے پاس نہیں تو یہ مذہب آسمانی کیسے ہو سکتا ہے؟

السيد الجزائري نے کہا ان الاصحاب قد اطبقوا على صحة الاخبار المستفيضة
بل المتواترة لدالة بصرية على وقوع التحريف في القرآن مادة وكلاما وعربا
والتصديق بها نفع مخالف فيها المرتضى والصدوق والطبرسي۔

ملا محسن کاشانی نے تفسیر صافی کے چھٹے مقدمہ میں اور صاحب فصل الخطاب نے
صدوق وغیرہ کے تمسکات اور مستندات پر کھل کر بحث کی ہے اور ان کے تار و پود کو
اوصیٹر کر رکھ دیا ہے فصل الخطاب کا دوسرا باب جو ص ۲۶ سے شروع ہوا کہ ص ۲۹۳ پر ختم
ہوتا ہے اس نے ان تمام صفحات میں اپنے معدودے چند علماء کے دلائل کا رد و یلغ
کیا ہے۔ پہلے اتفاق نہیں ہوا تو اب اسکا اچھی طرح مطالعہ کر لو تاکہ کم از کم اپنے مذہب
کا پتہ چل سکے۔

۵۔ شیخ صدوق اور شیخ مرتضیٰ وغیرہ کی ذوات بھی قائلین تحریف کے نزدیک مشکوک
اور مضطرب فیہ ہیں۔

✽

ملاحظہ ہو۔ فصل الخطاب ص ۳۱۔

تمام علماء شیعہ کا ان مشہور روایات بلکہ متواتر روایات کی صحت پر اتفاق ہے
جو قرآن میں تحریف و تبدیلی پر بھراحت دلائل کرتی ہیں مادہ و کلام کے لحاظ سے بھی اور
اعراب کے لحاظ سے بھی اور بھی ان کے ساتھ ایمان و تصدیق پر بھی متفق ہیں سوائے
مرتضیٰ، صدوق اور طبرسی کے جب ایک طرف اتنی عظیم اکثریت ہے۔ تو صرف ان تین چار علماء
کے بے سند اقوال کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ جب کہ عظیم اکثریت کے مذہب و عقیدہ
کا دار و مدار صحیح اور متواتر روایات پر ہو۔

✽

شیخ صدوق کی حیثیت:

زندیق والی روایت جس کو طبرسی نے احتجاج میں نقل کیا اور اس نے کتاب کے آغاز میں اس امر کی تصریح کر دی کہ ہم اس کتاب میں وہ روایات درج کریں گے جن پر اجماع و اتفاق ہو گا یا عقول و درایات کے تقاضوں کے مطابق ہوں گی یا موافقین و مخالفین کے درمیان مشہور و معروف ہوں گی ماسواء ان روایات کے جو میں امام ابو محمد علیہ السلام سے نقل کروں گا۔ جب اسی روایت کو شیخ صدوق نے اپنی کتاب التوحید میں نقل کیا تو اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا جس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس نے صرف اپنے مقصد کے حصہ پر اکتفاء کیا اور زوائد کو حذف کر دیا اور یا یہ روایت اس کے مذہب کے خلاف تھی اس لئے اس میں گڑبڑ کر دی اور اسے مذہب کے مطابق بنانے کی سعی لا حاصل کی۔

اسی طرح صاحب بحار نے صدوق کی کتاب التوحید میں کلینی سے منقول روایت اپنی کتاب میں درج کی ہے اس میں بھی عجیب تغیرات و تبدلات ہیں۔ (تورث سوء الظن بالصدوق دانه فعل ذلك ليوافق مذهب اهل العدل) جو اس بدظنی کا موجب بنتے ہیں کہ صدوق نے اس ہیرا پھیری اور کتر بیونت کا مظاہرہ صرف اسی لئے کیا ہے کہ ان روایات کو مذہب اہل العدل کے مطابق کر سکیں یعنی معتزلہ کے درہما طعن علیہ بعض القدماء بمثل ذلك فی حدیث رواہ فی العمل بالصوم بالعدد و هذا عجیب من مثله اور بسا اوقات قدام نے بھی اسی طرح کا طعن شیخ صدوق پر کیا ہے۔ مثلاً صوم بالعدد کے متعلق وارد روایت میں اور صدوق جیسے آدمی کے لئے یہ عجیب سی بات ہے یہ تھا تبصرہ شیخ اسد اللہ اکائین کا جو فصل الخطاب ص ۲۴ پر موجود ہے۔

شیخ مرتضیٰ کے قول کا دار و مدار:

ترک تله الاخبار المنقولة من الكتب المعتبرة لخبر او خبرین تفرد بنقله المخالف مما یقضى منه العجب۔ شیخ مرتضیٰ کا ان روایات کو ترک کرنا جو

کتب معتبرہ سے منقول ہیں محض ایک ایک دو ایسی روایات کی وجہ سے جن کی روایات اور نقل کے ساتھ خیال نہ منفرد ہیں محل تعجب اور مقام حیرت ہے۔

الغرض ڈھکو صاحب کے جو دو بڑے ستون ہیں علماء شیعہ کے نزدیک وہ مخدوش و مشکوک اور مقام حیرت اور محل تعجب بن چکے ہیں تو ان کا نام پیش کر کے ڈھکو صاحب کو نسی قابلیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور کس نیک نامی کی اس لگائے بیٹھیں۔ اور ان کے اقوال سے پورے مذہب کا رد کیسے کر سکتے ہیں۔

اہل انصاف کو دعوت غور و فکر :

۱۔ ایک طرف تو صحابہ کرام پر اس لئے تحریف کے الزامات عائد کیے گئے اور اہل بیت کی طرف سے شکوہ و شکایات پر مشتمل روایات نقل کی گئیں کہ انہوں نے صرف اور صرف غصب خلافت اور سلب امامت کے لئے اور پھر اس کا رستانی پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرت علی کا قرآن قبول نہ کیا تاکہ وہ راز فاش نہ ہو جائے اور اپنے طور پر اپنی پسند کا قرآن امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور دوسری طرف انہیں غاصب اور ظالم اور اہل البیت کے ساتھ بالعموم اور حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ بالخصوص بزعیم شیعہ بغض رکھنے والوں کے جمع کردہ قرآن کو صحیح و سالم اور ہر عیب و نقص سے مبرا تسلیم کرنا کس قدر منہمک خیز حرکت ہے اور سفیانہ اور مجنونانہ دعویٰ۔

اس بگڑتے ہوئے اور گرتے ہوئے مزخرف اور طع شدہ محل اور بیخ و بن سے اکھڑتی ہوئی شیعہ مذہب کی بنیاد کا احساس کرتے ہوئے صاحب فصل الخطاب نے اس حرکت پر سخت برہمی اور ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا..... کہ جن لوگوں نے موجودہ قرآن کو صحیح و سالم اور بے عیب ثابت کرنے کے لئے کہا کہ فلاں وقت اتنے ہزار صحابہ تھے اور فلاں جنگ میں اتنے ہزار اور وہ بھی حفظ قرآن پر توفیق تھے اور اس کے ضبط پر جدوجہد کرنے والے وغیرہ وغیرہ کلمات ان لوگوں کے کلمات کے مشابہ ہیں جنہیں مباحث امامت کا کوئی علم نہیں ہے اور خود حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی صحابہ کی ضلالت و غواہیت کی حالت

معلوم نہیں اور نہ بعد از وفات انتہی ما اردنا نقلہ من الکلمات التي يشبه
بکلام من لا عهد له بمباحث الامامة وحال الاححاب في الضلالة
والغواية في حياته وبعد وفاته۔ (فصل الخطاب ص ۳۶۷)

۲۔ خود کو صاحب۔ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات مقدس پر طعن و طنز کرتے ہوئے
کہا کہ عمر صاحب کے نامہ اعمال میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی عام مسلمان کے لئے موجب
رشک ہو چہ جائیکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے تو اگر انہیں تسلیم ہے کہ یہ قرآن
بے عیب ہے اور صحیح و سالم اور معجزہ خالدہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو پھر بتلائیں کہ اس
کا نامہ کس کے نامہ اعمال میں شمار کیا جائے گا اور وہ قابل رشک تمام اہل اسلام کے
لئے بالعموم اور حضرت مرتضیٰ کے لئے بالخصوص ہے یا نہیں ہے۔ کیا یہ ایک کارنامہ ہی
بے عدد اور لامحدود اجر و ثواب کا موجب نہیں ہے کہ قیامت تک صرف اسی کی بدولت
کلام خدا کی تلاوت نصیب ہوئی اور لاکھوں کو نہیں کہ وڑوں نہیں بلکہ اربوں کھربوں
کو ایک طرف اتنے بغض و عناد کا اظہار اور دوسری طرف اتنی صاف گوئی اور سچائی اگر
وہ کلام خدا میں امین ہیں اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کا حق ادا کرنے
والے تو اہل البیت کے معاملہ میں بھی یہی یقین کہ نافروری ہو گا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں میا دا گیا

قتالین تخریفات کا شرعی حکم کیا ہے:

اچھا لمبی چوڑی بحث کو جانے دیجئے جن شیعہ علماء اعلام اور محدثین و مفسرین متقدمین
و متاخرین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تخریفات ثابت کی ہے تو ان کے متعلق کیا فتویٰ ہے
کیونکہ منکر قرآن کے کفر میں تو شک نہیں ہو سکتا اور اس میں ریب و تردد کی جگہ ہی جب نہیں
قال تعالیٰ لا ریب فیہ "تو جنہوں نے اسکو ریب اور عیب کا مقام و محل بنانے کی کوشش
کی ہے ان کا مذہب شیعہ میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ بھی مومن ہیں اور بے عیب ماننے والے

بھی مومن یا مرت ایک فریق حق پر ہے اور دوسرا باطل پر ہے اس کا فیصلہ ہی ہو جائے تو بھی امت کے لئے موجب فوز و نلاح ہے اور دیکھتے ہیں کہ کتنے بڑے اساطین مذہب رقص و تشیع کے دھڑام سے گرتے ہیں مگر فتویٰ کون لگائے۔ ڈھکڑا صاحب دل و جان سے تو انہیں کے مذہب پر فدا ہیں یہ ہاتھی کے دانت صرف دکھانے کے لئے ہیں۔ اور اگر فتویٰ صادر کریں تو پہلی تین صدیوں میں اور چوتھی کی کئی دہائیوں میں پیدا ہونے والے سب شیعہ کافر قرار پائیں گے پھر بعد والوں کے ایمان کی ضمانت کیا ہو سکتی ہے۔



فصل چہارم

تنزیہ الامامیہ ————— ڈھکو صاحب

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کا
اعتراف حقیقت

شیعان علی کا ایمان بالقرآن ایک ایسی کھلی حقیقت ہے کہ بعض منصف مزاج اہلسنت نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔

۱۔ چنانچہ فاضل رحمت اللہ ہندی اپنی کتاب اہلہارالحق ج ۱ ص ۲۹۹ میں بعض اعداء شیعہ کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ان حقائق کی روشنی میں ظاہر ہو گیا کہ فرقہ شیعہ (ثنا عشریہ کے علماء اعداء کے نزدیک ثابت شدہ نظریہ یہ ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے بنی خاتم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا وہ یہی ہے جو کتابی صورت میں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس سے زیادہ نہیں ہے۔“

۲۔ حافظ محمد اسلم جیراچوری اپنی کتاب ”تاریخ القرآن“ ص ۶۲ بذیل عنوان ”شیعہ اور قرآن“ متعلقہ مسئلہ میں بعض اکابر علماء شیعہ کا کلام نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”تین علماء شیعہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مقبول و مستند ہیں۔ مولانا عبدالغنی کشمیری اپنی کتاب مذاہب اسلامیہ ص ۱۱۴ طبع لاہور پر لکھتے ہیں: ”ثنا عشریہ قرآن“

میں کمی و بیشی کے قائل نہیں۔ (ص: ۲۷)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف الیالوی

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت سے توسل کی حقیقت

علامہ رحمت اللہ صاحب نے عیسائیوں کے الزام کا جواب دینا تھا کہ اگر ہماری انجیلیں محرف و مبدل ہیں تو آخر تمہارا قرآن بھی تو اسی طرح ہے۔ دیکھو! شیعہ علماء اس میں تحریف کے قائل ہیں تو اگر یہ قول تمہاری طرف سے نہ ہوتا تو عیسائیوں کو اعتراض کی جرأت ہی کیسے ہوتی لیکن جب اس الزام کا جواب دینے کے لئے ہزاروں علماء میں سے دو چار کا قول مل گیا تو اس کو ہی غنیمت جان کر پیش کر دیا۔ نیز جو بھی شیعہ عالم قرآن پر ایمان لائے ہمیں خوشی ہوگی خواہ چوتھی صدی میں پیدا ہونے والا ہو یا پندرہویں میں اور اس کو حق ماننے سے ہم بخل سے کام نہیں لیں گے لیکن ثابت صرف یہ کرنا ہوگا کہ اس کا قول شیعہ مذہب اور اس کے اکابرین کے مذہب کے مطابق بھی ہے۔ ہمیں تو اس مذہب اور اس کے باغیوں کے نظریہ تحریف اور اس کے تحت گھڑی گئی روایات سراسر غلط اور خلاف تحقیق معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان کو چھوڑنے والا شیعہ نہیں رہ سکتا اور شیعہ رہتا ہے تو تحریف کا انکار نہیں کر سکتا لیکن عیسائیوں کے ساتھ اس جوابی کاروائی سے جناب کا دامن تحریف قرآن کے قول سے کیسے صاف ہو گیا۔ آپ کے مولوی صاحبان نے تو ان علماء کو ہی مشکوک قرار دے دیا۔

حافظ اسلم صاحب نے بھی بعض علماء کی طرف سے اس قول کا سرزد ہونا تسلیم کیا ہے وہ محل انکار نہیں لیکن وہی قول شیعہ کا مذہب قدیم بھی ہے وہ اس سے ثابت نہیں اور

نہ دوسرے شیعہ علماء نے اس قول کو قبول کیا۔ عبدالغنی کشمیری صاحب نے جو کہا ہو گا اس کو ایک طرف رکھ کر یہ بتلائیں کہ جن کتابوں کے حوالے ہم نے پیش کئے ہیں اور جن علماء کے نام ہم نے بحوالہ کتب درج کئے ہیں وہ اہل السنۃ علماء ہیں اور ان کی کتابیں یا وہ اثنا عشری مذہب کے مقتدا اور شریعت مدار اور ثقۃ الاسلام قسم کے لوگوں کی کتابیں ہیں تو اثر برہان اور جدل کے طریقوں میں سے یہ کونسا طریقہ ہے جواب کا جو آپ نے اختیار کیا ہے یہ تین تینکے آپ کو اس بھنور سے نجات نہیں دے سکتے اور نہ ہی ان کے اقوال اس محل نزاع میں کارآمد ہو سکتے ہیں آخر کتاب وسنت کے دلائل اور روایات اللہ کا جواب مخالفین کے لاکھوں علماء میں سے تین کے قطع و برید کئے ہوئے اقوال سے چہ معنی دارد۔



فصل پنجم

تذیہ الامامیہ ————— محلہ حسین ڈھکواہ

حضرت امیر علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کی حقیقت

فریقین کی کتابوں سے جو چیز پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے وہ یہ ہے کہ جو قرآن جناب امیر علیہ السلام نے جمع کیا تھا وہ یہی تھا جو اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے ہاں البتہ اس میں درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔

الف، اس کی ترتیب نزول قرآن کے مطابق تھی یعنی جو سورۃ پہلے نازل ہوا تھا اس سے پہلے درج فرمایا تھا اور بعد میں نازل ہونے والے سور (سورتوں) کو بعد میں جگہ دی گئی تھی۔ اس کی تائید مزید اصول کافی ص ۶۷ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے سفینائی دربار خلافت میں اپنا جمع کردہ قرآن پیش کرتے ہوئے فرمایا:

”یہ ہے خدا کی کتاب جو اس طرح جمع کی گئی جس طرح خدا نے جناب

رسول ﷺ پر نازل فرمائی تھی۔“

ب: اس مصحف میں قرآن مجید کی مختصر تاویل و تفسیر بھی تھی۔ یہاں کہ سیوطی نے ابن سیرین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

”اگر جناب امیر علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن، اتنا تو علم کا ذخیرہ ہاتھ

آجاتا“ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۵ طبع جدید مصر)

اس کی تائید مزید تفسیر صافی ص ۷۱ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں جناب امیر

اور طلحہ کا مکالمہ درج فرمایا:

”اے طلحہ! ہر وہ آیت جو خداوند عالم نے جناب رسول خدا پر نازل فرمائی وہ انحضرت کی اطاعت اور میرے خط سے لکھی ہوئی میرے پاس موجود ہے اور ہر ہر آیت کی تاویل و تفسیر اور ہر صلال و حرام کی تفصیل بھی میرے پاس محفوظ ہے۔“
یہ ہے وہ مصحف جو اس وقت امام زمانہؑ کے پاس محفوظ ہے: ”یہ ہے وہ مصحف جو اس وقت امام زمانہؑ کے پاس ہے جسے وہ وقت ظہور اپنے ہمراہ لائیں گے۔“
اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

(ر ص: ۳۸ - ۳۹)

فصل پنجم کا جواب:

تحفہ حسینہ ————— محمد اشرف السیالوی

حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن کی حقیقت

علامہ ڈاکٹر صاحب نے یہ تسلیم کر لیا کہ جو قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع فرمایا اس کی ترتیب موجودہ قرآن کی ترتیب سے مختلف تھی اور آپ نے اس کو ترتیب نزولی کے مطابق جمع کیا تھا لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس ترتیب پر جمع کرنے کا حکم دیا تھا تو دوسرے حضرات صحابہ نے سرور عالمؐ کی مرضی کے برعکس اس کو جمع کیا لہذا وہ مجموعہ بے عیب نہ رہا اسی طرح خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نزول کے مطابق تلاوت فرماتے تھے تو اس کے خلاف جمع کرنا درست نہ ہوا اور اگر سورتوں میں جو ترتیب صحابہ کرام نے قائم فرمائی اس کے مطابق پڑھتے تھے

تو آپ کا جمع کردہ قرآن درست نہ ہوا مثلاً سورہ علق کی ابتدائی آیات آغاز وحی میں نازل کی گئیں اور آخری حصہ بہت بعد میں سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نورت وحی کے بعد نازل ہوئیں اور دوسری بہت بعد میں علیٰ صذا القیاس طویل سورتوں کا نزول مختلف مواقع پر ہوتا رہا تو اس طرح موجودہ ترتیب کے لحاظ سے جو ایک سورہ ہے ترتیب نزول کے لحاظ سے وہ سورت بن ہی نہیں سکتی الا ماشاء اللہ تو پھر دونوں کو درست تسلیم کر نہیں سکتے لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کا جمع کردہ قرآن یہی ہے صرف ترتیب نزول پر جمع کیا تھا تو اس ترتیب نے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیا محض سورتوں کی تقدیم و تاخیر سے اس قدر تفاوت نہیں لازم آتا لیکن جب آیات میں ترتیب نزول ملحوظ ہو تو موجودہ قرآن کی ایک سورت کتنی جگہ پر متفرق اور منتشر ہو کر رہ جائے گی اسلئے بقائمی ہوش و حواس یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ جو قرآن حضرت امیرؓ نے جمع کیا تھا وہ یہی قرآن ہے۔

۲۔ اصول کافی کی روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپؐ نے کہا میں نے اس قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا ہذا کتاب اللہ کما انزلہ اللہ تعالیٰ علی محمدؐ حالانکہ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ میں نے ترتیب نزول کے مطابق اس کو جمع کیا ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ میں نے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہونے دیا اور الف و لام کے برابر کوئی حروف بھی ساقط نہیں ہونے دیا جب کہ دوسرے حضرات کے جمع کردہ قرآن کے متعلق خود آپؐ نے جرح و تدح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے وہ آیات انہوں نے حذف کر دی ہیں جو ان کے عقیدہ و عمل کے خلاف تھیں اور ایسی آیات بنامہ ملاویں جن سے وہ اپنے اعمال یعنی غصب خلافت وغیرہ کا جواز پیش کر سکیں اور صرف فان خفتن الا تقسطوا فی الیتامیٰ اور فانکحوا ما طاب لکم کے درمیان سے ایک تہائی قرآن کے غائب ہونے کا آپؐ نے زندیق کے سامنے اعتراف کیا اور آیات قرآنیہ سے بھی اس جمع کردہ قرآن کے تحریف پر شتم ہونے اور خلاف ما اُنزل اللہ ہونے کو ثابت کیا ہے تو بمطابق صاحب البیت ادریٰ بمعانیہ آپؐ ہی بہتر طور پر بتلا سکتے ہیں کہ ہذا کتاب اللہ کما انزلہ اللہ علی محمدؐ کا کیا معنی ہے

اور آپ نے تو اس طرح بتا دیا اور دیگر شیعہ علماء نے موجودہ قرآن کی آیات کا خلاف ما ازل اللہ ہونا ائمہ اہل البیت کی روایات سے ثابت کیا ہے۔ اور متعدد آیات اس ضمن میں گنوائی ہیں۔ جیسے کہ میں نے تتمہ میں ان کو مفصل طور پر ذکر کر دیا ہے لہذا یہ دعویٰ بھی تقیہ۔ دھوکہ دہی اور فریبکاری پر مبنی ہے کہ آپ نے اس کو صرف اس قدر اختلاف کے ساتھ جمع کیا تھا کہ ترتیب نزولی کو ملحوظ رکھا۔

۳۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر کے مطالبہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب وہ قرآن تمہارے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے حجت قائم کر لی تھی وہ کر دی اور قیامت کے دن تمہارے لئے عذر کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی کہ ہم اصل قرآن سے غافل تھے یا یہ کہ علی مرتضیٰ نے ہمیں دکھلایا نہیں تھا تا آنکہ فرمایا کہ اب یہ قرآن صرف ہمدی کے ذریعے لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جائے گا اور وہ لوگوں کو اس کے مطابق عمل پر راغب نہ کرے اور دین اس کے مطابق جاری ہوگا۔ جس سے دونوں کا احکام میں اختلاف بھی واضح اور صحابہ کے جمع کردہ قرآن پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ناراضگی بھی ظاہر اور واضح تو ڈھکھوکا صاحب کا یہ دعویٰ کہ وہ قرآن یہی ہے۔ کس قدر مضحکہ خیز ہے اور جواب سے مکمل بے بسی کا منہ بولتا ثبوت۔ حضرت شیخ الاسلام اور میری بیان کردہ روایات کو پھر غور سے پڑھیں اور روایات تحریف کے متعلق شیعہ دعویٰ اور خود حضرت علی کی طرف منسوب روایات کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔ اور مجتہد صاحب کے اجتہادی غبارے سے ہوا خارج ہوتی دیکھیں۔

تنبیہ: 9۔

اپنی روایات کو ہاتھ لگائے بغیر اہل سنت کے حوالے پیش کرنا کس قدر شرمناک ہے پہلے اپنی روایات کا جواب دو بعد میں کوئی روایت مستدہا بطور تائید پیش کر دو تو بجا ہے لیکن اپنی روایات کے متعلق چپ سادھ لینا تو جواب نہیں کہلا سکتا۔ ہمارے نزدیک نہ کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تحریر فرمودہ مصحف موجود ہے اور نہ ہی کوئی امام چھپا ہوا ہے جس کے پاس وہ محفوظ ہے اور نہ ہی اس کے ظہور پر دین میں کسی تبدیلی اور نئے قرآن کے ظہور کا

امکان ہے۔ لہذا امام سیوطی وغیرہ کا حوالہ اس ضمن میں پیش کرنا ڈھکوسلہ کے لئے قطعاً کارآمد نہیں۔

ب: جو قرآن آپ نے جمع فرمایا تھا اس وقت بھی اس کو ایک علمی خزائنہ اس لحاظ سے قرار دیا گیا کہ اس سے نسخ و منسوخ کا پوری طرح علم کہتا لیکن منسوخ التلاوة آیات جمع کئے جانے کی صورت میں اس مجموعہ کو قرآن اور وہ بھی اصلی کون کہہ سکتا ہے؟ پھر جب حسب اعتراض علامہ ڈھکوسلہ صاحب اس میں تفسیری نوٹ بھی قلم تودہ قرآن کہلانے کی بجائے ایک علمی اور تفسیری خزائنہ تھا جس طرح دیگر اکابر نے تفاسیر لکھ کر امت کی مہمائی اور خیر خواہی فرمائی لیکن قرآن بہر حال خالص طور پر جمع ہونا چاہئے تھا۔ جس کا اعجاز دلیل نبوت بنتا اور مسلسل نظم و عبارت کی تلاوت نماز وغیرہ میں کی جاسکتی ہے۔ مثلاً اس دور میں قرآن مجید کو کوئی شخص مختلف موضوعات کے مطابق جمع کر دے۔ توحید باری اور اس کی صفات کمال پر مشتمل آیات الگ جمع کر دے۔ عظمت رسالت پر مشتمل آیات علیحدہ جمع کر دے وغنی ہذا القیاس تو اسے علمی کارنامہ تو ضرور قرار دیں گے لیکن قرآن تو نہیں کہیں گے لہذا مسما بہ کرام علیہم الرضوان کی عظیم اکثریت کے ساتھ آپ نے بھی اتفاق فرمایا اور اپنا مجموعہ تلف مراد دیا۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

لیکن چیدلاؤ استرزدے کہ بکف چراغ دارد کے مصداق ڈھکوسلہ صاحب الٹا ہیں افسانہ بنانے کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں گویا امام باکافی۔ احتجاج طبرسی اور تفسیر صافی وغیرہ ہم نے لکھ کر یہ افسانہ تیار کیا ہے۔ آخر شرم بھی کوئی شے ہے یا نہیں؟

ج: جب مولائے مرتضیٰ کے دور امامت میں بانی سازش سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن کے متعلق بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کیں تو ان کا سختی سے رد کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں جمع کرنا اور اس کی تالیف کے متعلق کسی قسم کے شکوک و شبہات کا اظہار امت کو دیکھو نہ کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ہمارے صلاح و مشورہ سے کیا۔

عن سويد بن غفلة قال على رضى الله عنه لا تقولوا في
عثمان الا خيرا فوالله ما فعل الذى فعل فى المصاحف الا عن
ملائنا قال ما تقولون فى هذه القراءة فانه بلغنى ان بعضهم
يقول ان قراءتى خير من قراءتك وهذا ايكاد يكون كفرا
قلنا فما ترى قال ارى ان اجمع الناس على مصحف
واحد فلا تكون فرقة ولا اختلاف قلنا نعم
ما ريت۔

حضرت عثمان کے حق میں صرف خیر اور بھلائی کے کلمات کہو کیونکہ انہوں نے
مصاحف کے متعلق جو کچھ کیا وہ ہمارے مشورے سے کیا انہوں نے ہم سے
مشورہ طلب کرتے ہوئے کہا اس قرأت کے متعلق تمہاری رائے کیا ہے
کیونکہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ دوسروں کو کہتے ہیں کہ میری قرأت تیری
قرأت سے اچھی اور بہتر ہے۔ اور یہ بات تو کفر کے قریب پہنچ جاتی ہے
ہم نے کہا پھر تمہاری رائے کیا ہے آپ نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ لوگوں
کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے تاکہ اختلاف و افتراق ختم ہو جائے
ہم نے کہا جو آپ نے سوچا ہے وہ بہت خوب ہے۔

(الاتقان جلد اول ص ۵۹)

ادب آپ کا ارشاد گرامی ہے:

”لو رليت لعملت بالمصاحف التي عمل عثمان بها۔“

میں نے اگر (اس وقت) میں مسیبن کا والی ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی

سلوک کرتا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اجداد اور اہل بیت کے ہاں اس مصحف

کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ قال ابن سيرين تطلبت ذلك الكتاب وكتبت

فيه الى المدينة فلما قد ر عليه۔ (الاتقان جلد اول ص ۵۹)

ابن یسیر فرماتے ہیں میں نے اس کتاب کو بہت تلاش کیا اور ڈھونڈا بھالایا اور مدینہ منورہ خطوط لکھے لیکن میں اس کی تلاش میں ناکام ہی رہا مگر یار لوگوں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں اختلاف و نزاع ثابت کرنے کے لئے اور امت محمدیہ کے یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں باہم اختلاف کو ثابت کرنے کے لئے اس کو بیع امام غائب کر دیا اور بارہ صدیاں ہوئے کو ہیں کہ نہ امت کو امام کا چہرہ دیکھنا نصیب اور نہ اصلی قرآن کی صورت نظر آئی اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک یہ حسرت اسی طرح باقی رہے گی۔!

یہود کی انتقامی کارروائی:

در اصل قرآن مجید نے یہود پر تحریف کا الزام لگایا کہ وہ تورات میں ٹھن قلیل حاصل کر کے تغیر و تبدیل کر لیتے ہیں کچھ چھپا لیتے ہیں۔ ان الذین یکتون ما انزلنا الا یتہ اور بعض کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: یحرفون الکلم عن بعض مواضع "تو انہوں نے اس کا بدلہ لینے کے لئے عبداللہ بن مبار یہودی کے ذریعے اہل اسلام میں یہ عقیدہ رائج کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پورا قرآن غائب کر دیا اور دوسرے صحابہ نے اس میں تحریف کر دی تاکہ اہل اسلام میں عظیم ترین شخصیات اور مقتدا یاں امت کو اس سے بھی شدید طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاسکے جس قسم کا طعن اہل اسلام کی طرف سے یہود پر تھا اور مدعیان اسلام کی ایک جماعت بغیر سوچے سمجھے اس ڈگر پر چل نکلی اور یہود کی سازش کو کایا بنا دیا۔

مگر پھر بھی پر نالہ وہیں رہا:

ڈھکڑ صاحب فرماتے ہیں بس وہی قرآن جو ذرا ترتیب میں مختلف ہے اس کو امام ہمدی ہمراہ لائیں گے۔ اگر احکام کے لحاظ سے اس قرآن میں جو حضرت ہمدی کے پاس ہے فرق نہیں اور نہ آیات کے لحاظ سے تو پھر دوبارہ اس کو ظاہر کرنے کا ضرورت

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف الیالوی

۱۔ ڈھکو صاحب فرماتے ہیں ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ پیر صاحب کی رجز خوانی بے جا ہے مگر وہ حقائق ہیں کہاں اور اگر اس فریب کاری کا نام حقائق ہے تو جہاں میں باطل اور ناحق کا تو پھر نام و نشان نہیں ہے۔

۲۔ رہا یہ دعویٰ کہ ہماری مساجد اور مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسی کو پڑھتے ہیں ہمیں تو کوئی علامہ تمہارا بھی صحیح قرآن پڑھتا نظر نہیں آیا حافظ ہونا تو دور کی بات ہے۔ اور پورے عالم تشیع میں جب ایک حافظ بھی نزل سکے تو حضرت شیخ الاسلام کی رجز خوانی بالکل بجا ہے۔ رہ گیا تفسیروں کا معاملہ تو جب انہیں میں ہی اس کو محرت و مبدل اور غلط ما انزل ثابت کیا گیا ہے تو تفاسیر لکھنے کا اصل مقصد بھی واضح ہو گیا۔

۳۔ ڈھکو صاحب نے دعویٰ فرمایا کہ یہی قرآن شیعہ کے نزدیک حق و باطل کا معیار ہے اور صحیح و سقیم احادیث کو معلوم کرنے کا میزان۔

سبحان اللہ جہوں نے جمع کیا اور امت پر یہ احسان عظیم فرمایا ان پر تو سب و شتم اور ان کے ایمان و عقیدہ اور عمل و کردار پر اعتراض اور انہیں ہر خیر اور نیکی سے محروم تسلیم کریں اور ان کے عطا کردہ قرآن کو اس قدر اہمیت دیں کیا صاحب فصل الخطاب کی نہ سنی کہ ایسے لوگوں سے صحیح قرآن کا ہاتھ لگنا عادت متبع اور محال ہے اگر وہ فلاح امت جیسے اہم امر دینی کو نظر انداز کر سکتے ہیں تو قرآن میں کتر بیونت کیوں نہیں کریں گے تیز روایات کے معاملہ میں اگر اس کا میزان ہونا مسلم ہے۔ تو اس کی قلعی فصائل مسماہ میں کھل جائے گی۔ وہاں ہم مجتہد صاحب سے دریافت کریں گے کہ جن روایات کو رد کیا جا رہا ہے وہ قرآن کے مطابق ہیں یا جو رد میں پیش کی جا رہی ہیں الغرض یہ محض کہنے کو ہے عملاً اس کا نام و نشان بھی ڈھکو صاحب اور ان کے ہم مسلک لوگوں میں نظر نہیں آتا۔

تراویح بدعت عمر ہے:

ہاں البتہ ہم شیخان علی پیر سیالوی کے ہم مسلک حضرات کی طرح ماہ رمضان میں تراویح کے اندر قرآن ختم نہیں کرتے کیونکہ یہ نماز سنت رسول نہیں بلکہ بدعت عمر ہے (ملاحظہ ہو بخاری شریف ج ۱ ص ۶۳ طبع دہلی) اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے۔
(کنز العمال ص ۱۱ ج ۱) (ص ۲۰۰)

تحفہ حسینیہ

الجواب وہو الموفق للصدق والصواب:

ہاں جی آپ کے ہاں فرائض میں باجماعت ادائیگی بھی مروج نہیں ہے تو اتنی لمبی نماز باجماعت اور اس میں ختم قرآن کی تکلیف آپ کو کیسے گوارا ہو۔ لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب بدعت گمراہی ہے اور اس کا راستہ جہنم کو جاتا ہے تو حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس راستہ پر چلنے سے لوگوں کو منع فرمایا یا نہ؟ منع فرمایا اور شان امیری اور حاکمانہ اختیار استعمال فرمایا ہے تو ثبوت فراہم کرو اور نہیں تو جہتہا حاکم شرع اور امیر المؤمنین ہو کر لوگوں کو جہنم جانے سے نہ روک سکے اس کو امیر المؤمنین کہنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اور اگر ذراہ معلومت خاموشی اختیار فرمائی تاکہ اپنی صداقت و امامت میں خلل نہ پڑے خواہ اپنی رعایا جہنم داخل کیوں نہ ہو تو ایک چال باز اور حیدر ساد حکمران میں اور آپ میں نفوذ باللہ کیا فرق رہ جائے گا؟ جب وہ لشکری بیچارے آپ کے حکم پر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف تلوار اٹھالیتے تھے حضرت حفصہ علیہا السلام جیسے جانثار اور محافظہ سالمتاب صلی اللہ علیہ وسلم اور خواری رسول علیہ السلام حضرت دبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار اٹھالیتے تھے تو تراویح جیسے معاملہ میں آپ کے کہنے پر عمل کیونکر ہیں کرتے تھے۔ لہذا ڈھکو صاحب آپ تراویح نہ پڑھیں فرض بھی چھوڑ دیں وہ آپ کا معاملہ خدا سے ہے لیکن تراویح کے متعلق یہ فتویٰ صادر کر کے نہ اپنے ساتھ بھلا کیا ہے اور نہ جن اللہ کی طرف نسبت کا دعویٰ کرتے ہو ان کے سردار

اور امام کے ساتھ کسی اچھی روش کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ ان کو شیر خدا کہہ کر اتنا بے بس ثابت کرنا اور ان کے ڈر اور خوف سے مبرا اور منزہ پہننے اور حق کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کے بار بار دعوے کرتے (، نتیجہ البلاغۃ میں بکثرت موجود اور باب التقیہ میں ان کا ذکر بھی ہو چکا) کے باوجود انہیں مصلحت کو ش اور منفعت اندیش ثابت کرنا بدترین دشمنی ہے۔ انہیں مسلمانوں کی طرف تو حضرت ابن عباسؓ نے توبہ دلائی تھی کہ وقتی طور پر حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ کو گورنری دے دو اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر رہنے دو جب قدم جم جائیں تو پھر ان کو الگ کر دینا لیکن آپؐ نے ضمیر اور دل کی آواز کے خلاف کرنا گوارا نہ کیا اور ہر مشکل سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تو کیا تراویح کا معاملہ آپؐ کے لئے زیادہ مشکل تھا یا لشکریوں کے لئے اتنا اہم تھا سچ ہے۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا اکھاں کیوں ہو



روایات موبہم تحریریت کے علی جوابات

ان روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح السند نہیں ہے بلکہ وہ سب کی سب ضعیف ہیں
اس لئے وہ ناقابل استدلال ہیں۔

یہ روایات اختلاف قرأت پر محمول ہیں یعنی جن روایات میں وار دہئے کہ فلاں آیت
اس طرح نازل ہوئی اور فلاں اس طرح ان کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے قاریوں کے بالمقابل
ائمہ اہلبیت کی قرأت یہ ہے۔

یہ روایات تادیل پر محمول ہیں یعنی جن روایات میں یہ وارد ہے کہ فلاں آیت یوں نازل ہوئی ہے۔ اور فلاں یوں تو یہاں تنزیل سے مراد تادیل ہے۔۔۔۔۔ بنا بریں جن روایات میں ذکر آیات کی تعداد زیادہ مذکور ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان وضاحتی بیانات کے ساتھ شامل کیا جائے تو ان کی مقدار اتنی بن جاتی ہے (ص: ۴۰، ۱۳۱)

تحفہ حسینہ ————— محمد اشرف الیاسی

پیش کردہ روایات کے جواب میں حکم اور سید زوری

پہلا جواب اور اس کا رد:

یہ ہے کہ ان روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے بلکہ سب کی سب ضعیف ہیں لیکن جس مذہب کی متداولہ اور معتبر کتب کی دو ہزار سے زائد روایات اور وہ بھی اہل سنت سے مروی ہوں اور درجہ شہرت بلکہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہوں اور پھر بھی ناقابل اعتبار ہوں تو آخر وہ مذہب کیسے قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ صاحب فصل الخطاب نے کہا:

عندای ان الاخبار فی هذا الباب متواترة المعنی وطرح
جميعها یوجب رفع الاعتقاد عن الاخبارات بل ظنی ان
الاخبار فی هذا الباب لا تقصر عن اخبار الامة فكيف یثبتونها بالاخبار ۲۵۲

میرا نظریہ یہ ہے کہ تحریف کے متعلق متواتر المعنی روایات وارد ہیں اور ان سب کا نظر انداز کرنا روایات سے بالکل ہی اعتماد کو ختم کر دے گا اور میرے ظن اور گمان غالب کے مطابق تحریف کے باب میں وارد روایات امامت کے متعلق وارد اخبار و روایات سے کم اور قاصر نہیں ہیں لہذا اگر تحریف کے باب میں ان پر اعتماد نہیں تو باب امامت میں ان پر اعتماد کیسے کیا جاسکتا ہے۔

لیکن اگر ڈھکوسل صاحب تحریف اور امامت دونوں کی روایات کو ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دے دیں تو میں یہ ہر سے ہر سے سنت بن کر شیخ صدوق، علم المرتضیٰ اور محقق طوسی سے بڑا محقق تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن فرق کرنے کی صورت میں منصف شیخ بھی اس کو

محقق تسلیم نہیں کر سکتے

کلینی مصرح کہ جو روایات میں نے ذکر کی ہیں میرا ان کے متعلق وثوق ہے اور سرور
پر امام غائب حضرت ہمدی کی ہر تصدیق بھی ثبت "ہذا کاف لشیعتنا" یہ ہمارے شیعہ
کے لئے کافی ہے مگر ڈھکوسل صاحب کو وہ ضعیف نظر آرہی ہیں اور ناقابل اعتبار تو کہیں امام
غائب بھی بے اعتبار و غیر معتمد علیہ تو نہیں بن گئے۔ آخر ان کا مقصد اس مہر تصدیق سے
کیا تھا یہ کتاب ہمارے شیعہ کی ہدایت کے لئے کافی ہے یا گمراہی کے لئے؟
۲۔ شیخ صدوق اور شیخ مرتضیٰ سے قبل تمام تر شیعہ کا مذہب یہی تھا اور بعد میں بھی اکثریت اس
کی قائل رہی اور ہے۔ توحید مذہب یہی رہا ہے تو روایات کو ناقابل اعتبار کیسے
قرار دیا جاسکتا ہے۔ روایات تو پہلے سے یقین اور وہی اکابر ان کو روایات کرنے اور نقل
کرنے والے تھے اور ان کے مطابق عقیدہ رکھنے والے لہذا دافح ہو گیا کہ یہ سب عند اکابر
شیعہ معتمد علیہا ہیں اگر ان کو صحت و سقم کا پتہ نہیں چلتا تو آپ کو کیسے پتہ چل گیا؟ صاحب فصل الخطاب
نے ان روایات میں ضعف کا قول کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے کہا:

"فیہ ان ناقلہا فی الکتب ثلثة الاسلام الکلینی وشیخہ
علی بن ابراہیم و تلمیذہ النعمانی والکشی وشیخہ العیاشی
والصفار و فرات بن ابراہیم و الشیخ الطبرسی صاحب الاحتجاج
و ابن شہر آشوب و الثقة محمد بن العباس الماہیار و
اضرابہم و ہؤلاء اہل من ان یتوہم فیہم سوء فی
العقیدۃ و ضعف فی المذہب و فتور فی الدین و علیہم تدور
رحی آثار الائمة الاطہار۔"

ص ۳۵۱

اس قول اور ترجیح میں سقم اور سنیافت یہ ہے کہ ان روایات کے اپنی کتابوں میں
نقل کرنے والے ثقہ اکابر محمد بن یعقوب کلینی اس کے شیخ علی بن ابراہیم قمی اور
شاگرد نعمانی ہیں اور علامہ کشی اور اس کے شیخ صفار اور فرات بن ابراہیم۔ شیخ
طبرسی صاحب الاحتجاج اور ابن شہر آشوب اور ثقہ محمد بن عباس ماہیار اور

ان جیسے دوسرے لوگ اور ان کا شان اس سے ارفع اور مرتبہ و مقام اس سے بلند و بالا ہے کہ ان کے متعلق بدعتیہ یا مذہب میں کمزوری اور دین میں فتور کا گمان کیا جاسکے حالانکہ انہیں پر ائمہ اہل ہمارے کے آثار کی چکی گردش کرتی ہے۔ اور ہر بچھلا محدث انہیں کا بقیہ نریش جان کرنے والا ہے۔ اور ہر نقیبہ انہیں کے دستر خوان فیض کا ریزہ چلن ہے۔

الغرض خود شیعہ علماء کے نزدیک نہ روایات میں ضعف کا قول درست ہے اور نہ ان کے ناقلین پر بد اعتمادی کا کوئی جواز اور امکان اس لئے ڈھکوا صاحب کا جواب باطل ہے۔ اور مذہب شیعہ کی رد سے حق پوشی کی ناکام کوشش۔ دائے بد قسمتی علامہ موصوف کی کہ اپنے علماء پہلے ہی اس کے فرار کی راہیں مسدود کر گئے اور ہیرا پھیری کی گنجائش ختم کر گئے۔

دوسرا جواب اور انکار د:

یہ روایات اختلاف قرأت پر مبنی ہیں اگر یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو متعدد قراتوں میں پڑھنے کی رخصت دی ہے تو شیعہ مذہب میں یہ قطعاً قابل قبول توہمہ نہیں ہے کیونکہ وہ صرف ایک ہی قرأت کے قائل ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق امام ابو عبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت اصول کافی جلد ۲ ص ۶۲ پر یوں منقول ہے۔

”ان کان ابن مسعود لا یقرأ علی قراءتنا فهو ضال فقال بیعة ضال فقال نعم ضال ثم قال ابو عبد اللہ اما نحن فنقرأ علی قراۃ ائی۔“

”اگر عبداللہ بن مسعود ہماری قرأت پر قرآن مجید نہیں پڑھتے تو وہ گمراہی کا شکار ہیں ربیعہ نے حیران ہو کر دریافت کیا گمراہ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں وہ گمراہ ہیں۔ بعد ازاں فرمایا کہ ہم ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں۔“

لہذا اس کے خلاف صحابی اور تلمیذ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے تو وہ بھی گمراہ تو دوسروں کے لئے مختلف قرأت پر پڑھنے کی رخصت کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اس مضمون کی مزید روایات بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

۲۔ نفیل بن سيار کہتے ہیں میں نے امام ابو عبد اللہ سے عرض کیا لوگ کہتے ہیں ”ان القرآن نزل علی سبعة احرف“ قرآن سات قراتوں پر نازل ہوا ہے تو آپ نے فرمایا وہ اللہ کے دشمن تھوڑے ہیں قرآن صرف ایک قرات پر نازل ہوا ہے۔ کذبوا اعداء اللہ ولکنہ نزل علی حرف واحد من عند الواحد۔

۳۔ زرارہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا ”ان القرآن واحد نزل من عند واحد ولكن الاختلاف یجی من قبل الرواة“ یسینا قرآن بھی ایک ہے۔ نازل بھی ذات واحد کی طرف سے ہوا ہے لیکن اختلاف ناقلین کی طرف سے آجاء اصول الکافی ص ۶۳ جلد ۲

مطلب واضح کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سورہ ندری اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعدد قرات کی اجازت ہوتی تو راویوں کی طرف سے مختلف نسخوں کی جاتا اور قرات واحدہ کی یہ دلیل بھی محل ہو کر رہ جاتی کہ بھیجے راوی واحد ہے۔ لہذا قرآن بھی واحد ہے اس لئے یہ جواب گلو غلامی کا فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ شیعہ مذہب پر مبنی نہیں ہے۔

۴۔ اگر قرات مختلفہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصص تھیں تو پھر دوسری قراتوں کا مذاق نہ اڑایا جاتا اور ان کو خلاف ما نزل اللہ کے عنوان کے تحت درج نہ کیا جاتا۔ کنتہ خیرامہ کے متعلق کیسے تبصرہ کیا گیا کہ یہ امت بھی خیر ہو سکتی ہے جس نے اپنے اللہ کو شہید کیا اور واجعلناللمتقین اماما کے متعلق کہا گیا کہ سوال میں حد سے تجاوز ہے اور معقات من بین یدیه اور یحفظونہ من امر اللہ پر بھی اعتراض کہ معقب سامنے سے ہو ہی نہیں سکتا اور نہ اللہ کے امر سے کسی کی حفاظت کی جاسکتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں قرات کی تعداد ملحوظ رکھ کر یہ بتیہا گیا بلکہ موجود قرآن کو ان خلاف عقل امور پر مشتمل ثابت کر کے اس کے اصل تنزیل کے خلاف ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے لہذا ڈھکوسل کا یہ جواب مذہب ضیعہ کی رو سے قطعاً غلط اور ناقابل اعتبار ہے۔

نوٹ:

تعدد قرأت کے مذہب شیعہ میں بطلان کی تفصیل ملاحظہ کرنی ہو تو فصل الخطاب مولفہ نوری طبری ص ۲۱ تا ۲۲ کا مطالعہ کریں اور ڈھکو صاحب کی سینہ زدوری بلکہ منہ زدوری کی داد دیں کہنے کو تو تفسیر کو غمخیز کی طرح مرنے موت کے خطرہ کے تحت استعمال کرتے ہیں مگر عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔

تیسرا جواب اور اس کا رد:

جہاں یہ وارد ہے کہ فلاں آیت یوں نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نازل تو اسی طرح ہوئی جیسے اہل سنت کے قرآن میں ہے مگر اس کا معنی یوں ہے۔ اللہ اللہ کہتے تو ہیں کہ ہمارا اس طرح ہوئی اور مطلب ہوتا ہے کہ معنی اس طرح؟ اور پھر اس کو غلط تلاء اور جامعین قرآن پر الزام نہ لیتے ہیں اور موجب طعن و تشنیع بھی نہ

بسوخت عقل ز جبر کہ اس چہ ہوا بحیثیت

۱۔ صاحب فصل الخطاب نے اس تاویل اور توجیہ پر بھی مفصل بحث کی ہے اور مصحف علیٰ میں تاویل اور تفسیری اقوال یا احادیث قدسیہ کے اندراج کا رد کیا ہے۔ اس کا عنوان الدلیل الرابع قائم کیا ہے۔ اور ص ۱۳ تا ۱۳ ان ترجمات کے رد میں یہاں کہے ہیں اور ص ۱۴ روایات بھی پیش کی ہیں۔

۱۔ خود شیخ صدوق نے عقائد میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کر کے فرمایا "ہذا کتاب دیگر لم یزد فیہ حرف ولم ینقص منہ حرف" اس قرآن میں نہ کسی حرف کی زیادتی کی گئی ہے اور نہ ہی کمی۔

۲۔ سلیم کی روایت میں ہے "ہذا کتاب اللہ عندی مجموعاً لریقہ منہ حروف اور اس مضمون کی بہت سی روایات مختلف کتب سے نقل کی ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ شیعہ کا منزعومہ مصحف جو صاحب الزمان کے پاس موجود ہے وہی اصلی قرآن ہے اور اس سے مختلف اور اس میں نہ تفسیری نوٹ ہیں نہ احادیث قدسیہ اور نہ ہی قرأت

مختلف لہذا یقول کذا اور یعنی کذا ۱۔ والی توجیہ جو ڈھکو صاحب نے ذکر کی ہے
شیعی علماء بھی اس کے خلاف ہیں اور لغت اور عرف بھی اس توجیہ کے خلاف ہیں کیونکہ لفظ
اور معنی مراد میں کوئی تناسب تو ہونی چاہئے۔

۲۔ تاویل مذکور اس صورت میں درست ہو سکتی تھی جب ائمہ اہل بیت کو جامعین قرآن
کے ساتھ اس کے معنی میں اختلاف ہوتا خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم ایک معنی بیان کرتے
اور ائمہ کرام دوسرے معنی جب قطعاً اس طرح کا کوئی اختلاف درمیش نہ تھا تو ان پر تاویل کے
لیا فا سے طعن و تشنیع کا کیا مطلب ہو سکتا تھا اور انہیں تحریف اور تغیر و تبدیل کا مرتکب
کیوں کر قرار دیا جاسکتا تھا اسی ضعیف اور کمزور پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ نوری
طبری نے فصل الخطاب ۲۵ پر کہا:

«لعمري على التحريف المعنوي الذي فعله الخلفاء الذين
نسب اليهم التحريف في تلك الاخبار في اية اكثر وتفسيرهم
لها لغير ما اراد الله منها ولو وجد ذلك لكان في غاية القلة وانما
شاع التحريف المعنوي والتفسير بالرأي والاهواء في الطبقات
المتأخرة عنهم» ۱۲

ہم کسی تحریف معنوی پر مطلع نہیں ہوئے جو ان خلفاء نے کی ہو جن کی طرف ان
روایات میں تحریف کی نسبت کی گئی ہے نہ ایک آیت میں اور نہ زیادہ میں
اور نہ ایسی تفسیر پر جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے برعکس کی ہو اور
اگر پائی بھی گئی ہو تو وہ انتہائی قلیل ہے اور تحریف معنوی یا تفسیر بالرائے
خلفاء کے بعد وائے ادوار میں شائع ہوئی۔

علیٰ ہذا القیاس ائمہ کے اقوال کو ان روایات میں تفسیری نوٹس پر محمول کرنا اور کثرت
تعداد آیات کا محمل احادیث قدسیہ کو بنانا بھی بعید ہے اسی لئے صاحب فصل الخطاب نے
کہا،

لعنری کیف یجترؤن علی التکلفات الرکیکة فی تلك الاخبار

مثل ما قيل ان الايات الزائدة عبارة عن الاخبار القدسية (الى) في خبر
لم يكن ان الاسماء كانت مكتوبة على الهامش على التفسير ص ۲۵۳۔

مجھے اپنی زندگی کی قسم منکرین تحریف ان روایات میں کیوں کرتے تھے کہ روایات
کا ارتکاب کرتے ہیں مثلاً یہ کہ آیات زائدہ سے مراد احادیث قدسیہ ہیں
یا سورہ لم یکن والی روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان ناموں کو مصحف علی کے
حاشیہ پر بطور تفسیر لکھا گیا تھا یعنی روایات الہی قطعاً ایسی تاویلات کی گنجائش
نہیں رکھتیں۔

تنزیہ الامامیہ — ڈھکو صاحب

ان روایات کے الزامی جوابات:

ایں گناہیست کہ در شہر شامینز کنند
یعنی جس طرح ہمارے ہاں ایسی روایات متی ہیں جو موم تحریف ہیں ویسے ہی ان کے ہاں بھی متی
ہیں جن کا ایک شرمیل میں پیش کرتے ہیں لہذا جو جواب یہ حضرات ان روایات کا پیش کریں وہی ہمارے
طرف سے سمجھ لیں اور اگر اس قسم کی روایات کے باوجود ان کے ایمان بالقرآن پر کوئی خلل
نہیں پڑتا تو ہمارے ایمان میں کیوں خلل واقع ہو سکتا ہے اس اجمال کی بقدر ضرورت
تفصیل یہ ہے کہ۔

روایات اہلسنت کے مطابق موجودہ قرآن ناقص ہے:

تفسیر اتقان طبع مصر جلد ۱ ص ۵۵ اور طبع لاہور ص ۳۱۶ پر عبداللہ بن عمرؓ کی زبانی
منقول ہے کہا:

”لا یقولن احدکم قد اخذت القرآن کله وما یدریہ
ما کله قد ذهب منه قرآن کثیر۔“

کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن پالیا ہے۔ اسے کیا خبر کہ پورا قرآن
کس قدر تھا۔ قرآن کا بہت سا حصہ توضائع ہو گیا۔
(ص: ۴۱)

تحفہ حسینہ ————— محمد اشرف الیالوی

سد تو کار زمین برانگو ساختی کہ بالاسماں نیز پر داغی
اپنی مذہبی متواتر روایات کا اور ان کا بزم مذہب کے عقیدہ تحریف کا جواب تو
مذہب سکالین ڈھکوا صاحب نے الزامی کاروائی شروع کر دی جس میں جعل سازی دھوکہ
دہی اور تبلیغ سے کام لیا ہے۔ ہم نے صرف شیعہ مذہب کی کتابوں سے عبارات پیش کی
ہیں۔ الزامی کاروائی تب ممکن ہے جب کسی اہل سنت والجماعت عالم کا یہ قول ثابت کریں
کہ وہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں اس کے بعد ان کی کتابوں سے روایات پیش کرنے کا انہیں پورا
پورا حق حاصل ہے لیکن مذہب بیان کئے بغیر ان کی کتب میں مذکور منقول روایات سے اپنے طور پر
مطلب کشید کر کے الزامی کاروائی کرنا اسی کے لئے ممکن ہے جو برہان اور الزام کا معنی ہی نہ سمجھتا ہو۔

محل نزاع کا تعین اور حقیقت حال کی وضاحت یعنی

نسخ یا تحریف

جو قرآن مجید وقتاً فوقتاً بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور تئیس سال میں مکمل
ہوا وہ پورے کا پورا اب اہل اسلام کے پاس موجود نہیں اس پر شیعہ اور اہل سنت والجماعت
کا اجماع و اتفاق ہے یکن شیعہ کے نزدیک اس قرآن مجید میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنی طرف سے تصرف کیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق بناتے کے لئے کچھ کہیں بڑھا دیا
اور کہیں کمی کر دی اور اس وجہ سے ان کو منافق اور ملحد کے القابات سے یاد کیا گیا۔

لیکن اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بعض نازل شدہ آیات کو بعض مصلحتوں اور حکمتوں کے پیش نظر منسوخ فرما دیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لوح قلب سے محو فرما دیا۔ ”کما قال تعالیٰ ما نسخ من آیۃ او نسخا منات بخیر منها“ جو آیت ہم منسوخ کریں گے یا اس کو بھولائیں گے تو اس سے بہتر لائیں گے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”سنقرءک فلا تنسی الا ما شاء اللہ۔“ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ الغرض ان آیات مبارکہ سے اور قانون فطر اور ایمن قدرت کو دیکھتے ہوئے یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح پہلے انبیاء و رسل کے ادوار میں احکام کو حسب مصالح و حکم تبدیل کرتا چلا آیا ہے۔ زمانہ رسالت میں صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس نے مختلف ادوار اور مواقع پر تبدیلیاں فرمائیں اور کلام مجید کی آیات کا نسخ اور انشاء بھی اس ضمن میں پایا گیا۔

اقسام نسخ

- پھر آیات مبارکہ باعتبار نسخ کے تین قسم ہیں۔
- ۱۔ جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کر دیے گئے ہیں۔
- ۲۔ صرف تلاوت منسوخ کی گئی اور حکم باقی رہا۔
- ۳۔ حکم منسوخ کر دیا گیا لیکن تلاوت باقی رکھی گئی۔ جب کہ شیعہ مذہب میں منسوخ التلاوة آیت کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔

اس پس منظر میں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آیات کی مقدار میں کمی اہل السنۃ والجماعت اور اہل تشیع کے درمیان محل نزاع نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام کا عمل و کردار اس تسخیر کیا کے متعلق کیا تھا اس وقت بحث اس میں ہے چونکہ جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے یہ خلفاء ثلاثہ کا ترتیب دیا ہوا اور جمع کیا ہوا ہے لہذا اگر وہ تحریف اور قطع و برید سے برآ تھے اور افراط و تفریط سے محفوظ تھے۔ اور قرآن مجید بھی ان کو فرداً فرداً یا مجموعی طور پر یاد تھا تو پھر یہ قرآن قابل اعتماد

ہے ورنہ نہیں۔ جب کہ شیعہ مذہب میں ان کو اس ضمن میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر تحریف اور تغیر و تبدیل کا مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے۔ اور اہل بیت کی دشمنی کی وجہ سے ان کے فضائل اور حقوق کے متعلق وارد آیات کا حذف کرنا بھی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے ہے۔ اور اپنے فضائل و کمالات اور اپنے جاری کردہ مذہب کی حقانیت پر مشتمل آیات کا اضافہ بھی ان کے ذمے لگا دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ڈھکوسل صاحب کا مذہب تحریف اور تغیر و تبدیل کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ اہل السنۃ اس سے بری الذمہ ہیں اور مذہب اہل السنۃ میں اگر کوئی امر ثابت ہے تو وہ بعض آیات کی کمی ہے۔ اور وہ بھی ان روئے نسخ و تدرت لہذا اس سے مذہب اہل تشیع کا تحفظ کیوں کر ہو سکتا ہے۔

۲۔ نیز اہل تشیع نے تواتر کا اعتبار کئے بغیر قرآنیت اختیار کر کے صحابہ کو مورد الزام ٹھہرایا جب کہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ قرآن نام ہے ان کلمات طیبہ کا جو تواتر اور قطعیت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں تمام کتب اصول فقہ میں قرآن مجید کی تعریف کرتے ہوئے تصریح فرمائی:

”القرآن هو المنزل على الرسول المكتوب في المصاحف المنقول اليها نقلًا متواترًا بلا شبهة فيه۔“

قرآن ان آیات مقدمہ کا نام ہے جو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں۔ مصاحف میں لکھی گئیں اور ہماری طرف تواتر کے ساتھ منتقل ہوئیں اور ان کے قرآن کا حصہ ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہ پایا گیا ہو۔

لہذا اخبار اعداد جو بعض حروف یا آیات میں کمی یا زیادتی پیدا کرتی ہیں ان سے ہمارے مذہب میں تحریف کا دخل ہونا لازم نہیں آتا

”کیونکہ وہ خود قطعی ہیں ان سے کسی کلمہ کا جزو قرآن ہونا یونکر ثابت ہو سکتا ہے

۳۔ علاوہ ازیں شیعہ مذہب میں قرأت کا تعدد معتبر نہیں ہے جب کہ ہمارے نزدیک

قرآن مجید میں سات قرآتیں مستحسن ہیں اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

”القرآن على سبعة احرف“ کا مسداق بھی انہیں کو قرار دیا

گیا ہے۔ اور قراءت سبقت کی قرأت بطریق تواتر مروی اور منقول بھی ہیں لہذا ہمارے مذہب و مسلک کی رو سے تعداد میں کمی و بیشی کی وجہ بھی ہے کہ اصل کلمہ تو ایک نازل ہوا لیکن تعداد قرأت نے اس کو متعدد بنا دیا مثلاً سورہ فاتحہ میں مالک یوم الدین کو مملک یوم الدین اور مملک یوم الدین بھی پڑھا گیا ہے۔ لہذا مجموعی طور پر تین آیات بن گئیں اور اصل میں ایک اس لحاظ سے یہ کمی و بیشی قرأت کی طرف راجع ہوئی نہ کہ صحابہ کرام کی طرف سے تحریف اور تغیر و تبدل کی طرف۔ اندر میں حالات ڈھکھک صاحب نے جو الزامی کاروائی کی ہے یہ سراسر دجل اور فریب کاری پر مبنی ہے اور مذہب اہل تشیع کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ مفسر شہیر علامہ سید محمود الوسی حنفی نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر ”روح المعانی“ کے مقدمہ میں فرمایا :

”زعمت الشيعة ان عثمان بل ابا بكر وعمر ايضا حرفوه

واسقطوا كثيرا من اياته وسورة فقدرى الكليني الخ

شیعہ کا دعویٰ باطل اور زعم فاسد یہ ہے کہ بیشک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید میں تحریف کی اور اس کی بہت سی آیات اور سورتوں کو حذف کر دیا ہے جیسے کہ کلینی نے روایت کیا (اور کلینی وغیرہ کی چند روایات پہلے ذکر کی جا چکی ہیں۔ محمد شرف) ”فالقرآن الذي بأيدي المسلمين اليوم شرقا وغربا وهو

كرية الاسلام ودائرة الاحكام مركزا وقطبا امثدا تحريفها عند هؤلاء من التوراة والانجيل واضعفت تاليفا منها واجمع للاباطيل۔“
روح المعانی جلد اول ص ۲۳

پس دقتاً مجیدہ جہاں شرق و غرب کے اہل اسلام کے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ کراہ اسلام کا قطب اور دائرہ احکام شرع کا مرکز ہے وہ ان لوگوں کے نزدیک توہرات و انجیل سے زیادہ تحریف پر مشتمل ہے اور ان دونوں کی نسبت بھی ضعیف ترین تالیف ہے اور ان سے بھی زیادہ

اباطیل پر مشتمل ہے۔

”وانت تعلم ان هذا القول اوهى من بيت العتكوت وانہ
لاوهن البيوت ولا ازال في مريية من حياقة مدعيه و
مفاهمة مفترية ولما تظن بعض علماءهم لها به جعله قولا لبعض اصحابه“۔

حالانکہ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ یہ قول اور مذہب مگرڑی کے جال سے
بھی ضعیف اور کمزور ہے۔ جب کہ وہ سب گھروں سے کمزور ترین گھر
ہے اور مکان ہے اور ایسے مدعی کی حمانت اور ایسے مفتری کی سفاہت
ہر شخص پر واضح ہے اور جب بعض علماء شیعہ نے اس قول اور مذہب
کی شناعة و قباحت کو محسوس کیا تو اس کو اپنے بعض اصحاب کا قول قرار دے
دیا جیسے کہ طبرسی نے مجمع البیان میں کہا اور علم المرتضیٰ نے بھی اس کو نقل کیا۔
اور چونکہ طبرسی نے اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف بھی قرآن مجید میں نقص اور کمی کے
اعتراف کی نسبت کی تھی جیسے کہ اس کی اقتداء میں ڈھکوا صاحب نے بھی ایسا ہی کیا ہے
تو اس کا رد کرتے ہوئے علامہ الوسی نے فرمایا:

”فلما ان نسبة ذلك الى قوم من العشوية للعامة الذين يعني بهم
اهل السنة والجماعة فهو كذب اذ سوء فهم لانهم اجمعوا على عدم
وقوع النقص فيما تواتر قرآن كما هو موجود بين الدفتين اليوم“۔

یہ بات قرآن میں کمی کی نسبت عامہ حشویہ کی طرف کرنا جس سے اس کی مراد اہل السنۃ
والجماعت میں تو وہ کذب اور تھوٹ ہے اور یہ ماننا سمجھی اور بد فہمی پر مبنی ہے
کیونکہ اہل السنۃ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ جو قرآن ہے اور تواتر کے
ساتھ ثابت ہے اور دو تختیوں کے درمیان عمارے سامنے موجود

ہے۔ یہ سب وہ عمارت اور میثاق ہے۔

ۛ

طبری کا منشاء غلط:

”نعم اسقط زمن الصديق ما لم يتواتر وما نسخت
تلاوته وكان يقرءه من لم يبلغه النسخ وما لم يكن في العرصة
الاخيرة۔“
ص ۲۴ جلد اول

ہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں وہ حصہ ساقط کر دیا گیا جو متواتر نہیں تھا
اور وہ حصہ جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی لیکن جن کو نسخ کی اطلاع نہیں پہنچی تھی وہ بھی اس کی
تلاوت کیا کرتے تھے اور وہ حصہ بھی جو ابو جبریل علیہ السلام پر آخری مرتبہ پیش کرنے اور
باہم دور کرنے پر ترک کر دیا گیا تھا تو اس غیر متواتر کو یا منسوخ التلاوة کو یا عرضہ اخیرہ میں
خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل علیہ السلام کے ساقط کرنے کی وجہ سے اس کو ساقط
کیا گیا تو یہ قرآن میں صحابہ کرام کی طرف سے کمی اور نقصان نہیں بلکہ وہ قرآن تھا ہی نہیں یا تھا مگر
بوجہ نسخ قرآن نہ رہا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اور دیگر روایات کا جواب:

”حکم صاحب کی پیش کردہ روایت کا جواب دیتے ہوئے علامہ آلوسی نے فرمایا:
”وعليه يحمل ما رواه ابو عبيد عن ابن عمر (الى) والروایات
في هذا الباب اكثر من ان يحصى الا انها محمولة على ما ذكرنا۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی قول اور اس کے علاوہ اس مضمون کی
کثیر التعداد روایات کا یہی جواب ہے کہ وہ غیر متواتر ہیں اور جو متواتر کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم سے منقول نہ ہو وہ ہمارے نزدیک قرآن نہیں ہے اور یا وہ ان آیات کے قبیل
سے ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے لہذا اس قسم کی روایات سے اہل سنت کو بھی
تحریف کا قائل ثابت کرنا قطعاً غلط ہے اور یہ
ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی بے ڈوبیں گے۔ کے مترادف ہے

واین ذلک ما یقولہ الشیعی المجسر ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً قالہ من نور
تنزیہہ الامامیہ _____ ڈھکو صاحب

بحسب روایات اہلسنت سورہ ہائے قرآنی میں کمی

زمانہ پیغمبرؐ ہی سورہ احزاب کی دو سو آیتیں پڑھی جاتی تھیں لیکن جب عثمان نے جمع کر کے تو صرف وہ آیات دستیاب ہوئیں جو اس وقت موجود ہیں۔ نیز "القان" کے ۳۱ سے روایت ابی بن کعب اس سورۃ کا بقدر سورہ بقرہ ہونا ثابت ہوتا ہے اس کی دو سو چھیالیس آیات ہیں یہاں نسخ والی تاویل بھی نہیں کی جاسکتی کیونکہ نسخ صرف زمانہ ہی میں ممکن ہے۔ اس کے بعد اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کمالاً بخفی۔

(ص: ۴۲)

تحفہ حسینیہ _____ محمد اشرف السیالوی

یہ سب کچھ ڈھکو صاحب کی پانی میں مدانی ہے اور محل نزاع سے بے خبری یا دیدہ دانستہ جلد سازی اور تجاہل سے کام لیا ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات جتنی بھی کم ہوں یا زیادہ اس میں تو بحث ہی نہیں۔ بحث اس میں ہے۔ کہ اس میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوہ کیا ہے؟ کیا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ عثمانؓ نے آیات حذف کر دی ہیں؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس کے پیش کرنے کا مقصد کیا رہا؟ علاوہ ازیں انہوں نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ ابو بکر و عمر کے دور میں پڑھی جاتی تھیں۔ اب ڈھکو صاحب سے پوچھئے کہ منسوخ التلاوت آیات کو بیان کرنا ہو تو کیا کہیں گے زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پڑھی جاتی تھیں۔ ڈھکو صاحب غلط بات کرنے کی بجائے عقلمند کے نزدیک چپ رہنا ہی غنیمت ہوتا ہے آپ نہ چپ رہتے ہیں اور نہ بات کرنے سے

پہلے اس کو سوچتے ہیں۔

تقریباً:

علامہ آلوسی کے حوالے سے میں نے مسک اہل سنت واضح کر دیا ہے کہ ایسی روایات نسخ پر محمول ہیں اور اگر کہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی سے ان کی تلاوت ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اس کو نسخ کی اطلاع نہیں ملی تھی نہ یہ کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اس کے نزدیک مورد الزام ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے خود بعض آیات کے نسخ فرمائے گا اور انہیں لوح قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ رکھنے کا اعلان کر دیا تو اس کی بیشی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا "کما قال تعالیٰ وما ننسخ من آية او ننسها منات بخیر منها"۔ اور اس کی مفصل تقریر پہلے ذکر کی جا چکی ہے خود شیعہ علماء نے اس آیت کریمہ کے تحت نسخ کے تین قسم بیان کئے ہیں۔ مجمع البیان جلد اول ص ۲۳ اور منہج الصادقین جلد اول ص ۲۴ پر اس کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ منجملہ اس سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت

صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ مجھے چند آیات کلام مجید سے یاد تھیں اور میں نماز تہجد میں ان کو پڑھا کرتا تھا آج رات تہجد کے لئے اٹھا تو وہ محمول چکی تھیں اور مجھ سے پڑھی نہ جا سکیں دوسرے صحابی نے بھی اپنا واقعہ اس طرح بیان کیا۔ تیسرے نے بھی اپنی سرگزشت اسی طرح بیان کی تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو اس کا سبب کیا ہے انہوں نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم آپ نے فرمایا ایں بھت اگست کہ حق تعالیٰ از نسخ فرمود و ہر گاہ آیتہ را نسخ نماید از ان زیاد مرد ماں برود۔

طبری نے منسوخ التلاوة کو بیان کرتے ہوئے کہا: "قد جاءت اخبار كثيرة بان اشياء كانت في القرآن نسخ تلاوتها فمنها ما روى عن ابی موسیٰ انه قال کانوا یقرؤن "لوان لابن آدم وادعین من الممال لا تبغی الیہما ثالا لثاولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویقوب اللہ علی من قاب ثمر رفع وعن انس ان السبعین من الانصار الذین قتلوا ببئر معونة

قرأنا فيهم كتاباً بلغوا عنا قومنا اننا لقينا ربنا فرضي عنا
وارضانا ثم ان ذلك رفع -

(ص: ۱۸۰)

بہت سی روایات اس مضمون کی وارد ہیں کہ چند آیات قرآن مجید میں تھیں بعد ازاں
ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔

۱۔ حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ صحابہ قرآن مجید میں پڑھا کرتے تھے "لوان لابن
آدم" یعنی اگر ابن آدم کے لئے دو وادیاں مال سے بھری ہوں تو وہ ضرور تیسری وادی کا طلبگار ہو
گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھرتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرماتا ہے۔ جو توبہ
کریں بعد ازاں اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
وہ ستر قاری جو بئر معونہ میں شہید ہوئے ہم نے ان کے حق میں نازل شدہ یہ کلمات تلاوت کئے
"بلغوا عنا قومنا" ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ پیغام دیدو کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات
کی پس وہ ہم سے راضی ہوا اور ہمیں راضی کیا پھر یہ بھی منسوخ ہو گئی۔

سورہ احزاب اور شعی مفسر:

سورہ احزاب کے متعلق خصوصی طور پر طبری نے ابو علی کی کتاب الحجۃ سے یہ روایت نقل
کی ہے اور اس کے اکثر حصہ کو منسوخ التلاوة قرار دیا ہے:

روی عن زر بن حبیش ان ابی اقال لہ کہ تقرءون الاحزاب
قال بضعا وسبعین آية قال قد قرأتها رخن مع رسول الله صلى الله
عليه وسلم اطول من سورة البقرة ادرجه ابو علی فی کتاب الحجۃ۔

یعنی زر بن حبیش سے مروی ہے کہ حضرت ابی اریضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے دریافت
کیا کہ سورہ احزاب کی کتنی آیات پڑھتے ہو تو میں نے کہا ستر کچھ زیادہ آیات آپ نے کہا میں نے
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی تلاوت اس حالت میں بھی کی ہے کہ یہ سورہ بقرہ سے
بھی زیادہ تھی۔

ڈھکو صاحب اب تو سمجھا گئی ہو گی کہ اس میں نسخ وارد ہوا یا نہیں اور یہ نسخ زمانہ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا یا بعد میں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ
دونوں ہی نے مع رسول اللہ اور فی زمن النبیؐ کی ایک ہی مضمون کو ادا کیا ہے۔
ہمیں افسوس ہے کہ علامہ ڈھکو صاحب کا مطالعہ محدود ہے اور اپنی کتابوں کی بھی خبر نہیں
یا پھر دیدہ دانستہ الجھاؤ اور التباس و اشتباہ پیدا کرنے کے درپے ہیں اور تفسیر کا حق
ادا کر رہے ہیں۔

نوٹ:

ابوالقاسم الخوئیؒ نے اپنی تفسیر البیان کے مقدمہ میں منسوخ التلاوة آیات کا انکار کیا
ہے۔ اور اس کو تحریف قرار دیا ہے جس کا رد کرتے ہوئے ابوالحسن بن محمد الشعرانی نے کہا کہ
خود صاحب کتاب اپنی کتاب کے بعض حصوں کو قلم زد کر دے تو اس کو تحریف نہیں کہتے تحریف
یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس میں تصرف کرے پھر خود اس کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

بہتر اُن برد کہ میگفت کہ ثبوت منسوخ التلاوت بخبر میصح ثابت نشدہ است حاشیہ
منہج ص ۲۷۳ جلد اول۔ بہتر یہ ہوتا کہ اس طرح کہتا کہ ایسی آیات جن کی تلاوت منسوخ کی گئی
ہو کسی صحیح حدیث اور روایات سے ان کا ثبوت نہیں ملتا گویا نسخ تلاوت ممکن ہے۔ لیکن پایہ ثبوت
تک نہیں پہنچتا اور طبری اور کاشانی نے اس کے ثبوت کا بھی اعتراف کر لیا اس سے شیعی علماء کا اضطراب
اور بے یقینی اور بے اعتمادی آشکارا ہے۔

یاد رہے اسی ابوالقاسم الخوئیؒ اور اس کی تعمیر کا حوالہ ڈھکو صاحب نے انکار تحریف میں
دیا ہے اور اس کے نسخ تلاوت کو تحریف قرار دینے کا قول شعرانی نے نقل کیا ہے جس نے
ڈھکو صاحب کی دیانت و امانت عالم آشکار ہو جاتی ہے۔ بہر حال شیعی علماء کا قلی معاملہ تو بھی
ہو ہم نے یہاں صرف یہ تینا نام لکھا کہ اہلسنت کے نزدیک نسخ کا ایک قسم نسخ تلاوت بھی ہے
اور ایسی روایات کا مفاد و مدلول اور معنی و مقتضایہ یہ ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی بعض
میں بمع حکم اور بعض میں بلا نسخ حکم ہذا واللہ۔

تذریعہ الامامیہ ————— ڈھکو صاحب

روایات اہل سنت کے مطابق قرآن سے

بعض سورتوں کے غائب ہونے

علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان جلد ۱ ص ۶۷ طبع مصر پر لکھا ہے کہ ابی ابن کعب کے مصحف میں ۱۱۶ سورتیں تھیں (جبکہ موجودہ قرآن میں ۱۱۴ سورتیں ہیں) کیونکہ اس کے آخر میں سورہ حقد اور سورہ نعل بھی درج تھیں مگر آج وہ سورتیں نثار دی ہیں۔ پیر سیالوی صاحب یا ان کے مریدان با صفتائیں کہ وہ دو سورتیں کدھر گئیں۔ (ص: ۴۳)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف السیالوی

۱۔ علامہ ڈھکو صاحب کا دو سورتوں کے غائب ہونے کی وجہ سے غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا آخر یہ بھی تو سوچیں کہ ایک سو چودہ سورتیں بھی انہیں صحابہ کرام کی ہر بانی سے ہاتھ آئیں بقول آپ کے تو مولائے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لے کر حملہ اہل بیت نے سرے سے قرآن ہی غائب کر دیا اور ایک سورت بھی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہ کی کہیں اتنا حوصلہ اور ربر بادی کہ سبھی قرآن غائب ہونے پر بھی مکمل خاموشی بلکہ داد و تحسین اور کہیں اس قدر ربر بھی ان خالصان نام کی کوئی شے بھی دنیا میں ہے یا سر اسرارند صیر ہی اندھیر ہے۔

۲۔ پھر سورہ حقد اور سورہ نعل میں اگر اہل بیت کرام کی امامت و ولایت کا بیان ہوتا یا ان کے فضائل و خصائص کا یاد گیر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منظم مثالب کا العیاذ باللہ تو پھر بھی ان کی طرف سے ان کو چھپانے کا تخیل فاسد آپ کو ہو سکتا تھا

جب ان دونوں سورتوں کی عبارات کتب تفاسیر میں منقول ہیں۔ اور ان میں ان امور میں سے کوئی بھی موجود نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ جمہور کے نزدیک ان کی قرآنیت ثابت نہیں تھی منسوخ ہونے کی وجہ سے یا متواتر نہ ہونے کی وجہ سے اس لئے ان کو ذکر نہیں کیا گیا۔ دلائل جواز ان یقراء فی مصحف مسعود ولا ابی ولا غیر ہما لان غیر المتواتر لیس بقدا: مقدمہ تفسیر منہج ص ۷۷

یعنی کوئی شخص مصحف ابن مسعود اور مصحف ابی وغیرہ کی قرأت نہ کرے جو متواتر نہیں کیونکہ جو متواتر نہیں وہ قرآن ہی نہیں۔ اور اس کی تائید اسی اتفاق کے اسی صفحہ پر منقول روایات سے ہوتی ہے جن میں اس کا دعائوت کے طور پر نازل ہونا ثابت ہے:

عن خالد بن ابی عمران ان جبریل نزل بذلک علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو فی الصلوۃ مع قوله تعالیٰ لیس لك من الامر شیء الا یتقوا ما قننت یدعو علی مضر۔ (ص ۶۵۔ جلد اول)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے کہ جبریل امین حفاور خلع کے کلمات کے ساتھ نازل ہوئے بمع اس آیت کریمہ کے "لیس لك من الامر شیء" جب کہ آپ نے قبیلہ مضر کے خلاف قنوت میں دعا ہلاکت کرنی شروع کی ہوئی تھی۔ شیعی عالم ابوالحسن بن محمد شمرانی نے تذکرہ کے حوالے سے نقل کیا۔

گویا آپ کو "لیس لك من الامر شیء" فرما کر اس معاملہ کو خدا کے سپرد کرنے کو کہا گیا اور ان کی دعا و ہلاکت کی جگہ اس دعا کی تعلیم دی گئی اس لئے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی ان کلمات کو قنوت میں پڑھتے تھے۔ جیسے کہ سیوطی نے بیہقی کے حوالہ سے عبید بن حمیر سے نقل کیا ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد قنوت میں پڑھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہم انا نستعینک ونستغفرک ونشئ علیک الحمد اجمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک یہ دعائوت ہے۔ اور اسی پر ابی اہل سنت کا عمل ہے اور ان کلمات کو سورہ واحدہ یا دو سورتیں سمجھنا یہ صرف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا خیال اور اجتہاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے اس فصل کے آغاز میں فرما دیا "اما سورہ فبائتہ رابع عشر سورۃ باجماع من یعتقد بفساد قرآن مجید کی سورتیں معتد بہ حضرات

کے اجماع و اتفاق کے مطابق ایک سو چودہ ہیں کم یا بیش ہونے کے متعلق اقوال یا روایات کی نفی نہیں کی لیکن ان اقوال کو معتد بہ حضرات کے اجماع کا خلاف قرار دیا ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں نہ سورۃ قلق تھی اور نہ سورہ ناس تو اس طرح ایک سو بارہ ہو گئیں تو کیا ان کی طرف سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں اضافے کا مرتکب قرار دیا جائے گا اور تحریف کا؟ قطعاً نہیں کیونکہ ان دونوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کلام نہیں ہے جمہور صحابہ کرام نے ان کو ہمیشہ کے لئے بطور قرآن برقرار رکھا اور آپ کا خیال یہ تھا کہ یہ بطور تعویذ اور ازالہ سحر کے نازل ہوئی ہیں نہ بحیثیت قرآن ہونے کے۔

یہی سوال ابو بکر حفصی نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے کیا تو آپ نے فرمایا کان ابی یقول انما فعل ذلك ابن مسعود بزيه وهما من القرآن " میرے والد گرامی فرماتے تھے یہ عبداللہ بن مسعود کی ذاتی رائے تھی حقیقت میں یہ دونوں سورتیں قرآن مجید سے ہیں۔

الفرض جو جواب ان دونوں ائمہ کرام محمد باقر، زین العابدین رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کی طرف سے دیا ہے وہی جواب ہماری طرف سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ والی روایت کی طرف سے ہے۔

تنبیہ:

ڈھکڑ صاحب پوچھتے ہیں ان دونوں سورتوں کو حضرت عائشہ کی بکری کھا گئی یا نذر آتش ہو گئیں۔ ان کی عبارت اور کلمات تو کتب تغایر میں موجود ہیں اور ہم صدیوں سے بطور قنوت ان کو پڑھتے بھی ہیں اور ڈھکڑ صاحب نے وہ عبارت لکھی ہوئی اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی ہوگی اس کے باوجود یہ سوال کتنا عجیب ہے اور مفہم کہ خیر۔ چلو جواب ہی لینا ہے تو ہم عرض کر دیتے ہیں جو چیز مصحف علی رضی اللہ عنہ کو لگ گئی وہی ان دونوں کو بھی لے گئی ہوگی وہیں پر تلاش کر لینا جہاں وہ مصحف مل سکے گا۔ یہ بھی انشاء اللہ ضرور مل جائیں گی۔

❖ ❖ ❖

عجیبہ

ڈھکڑ صاحب سمجھتے ہیں کہ قرآن صرف اور صرف وہ ہوتا ہے جو کاغذات وغیرہ پر مرقوم ہو اور وہ ختم ہو جائیں۔ تو قرآن ختم ہو جائے گا اور اپنے خیال میں کچھ بھی ہیں کیونکہ انہیں یاد تو ہوتا نہیں۔ ہذا صحیفے ضائع ہوئے تو قرآن بھی ضائع ہو گیا۔ لیکن اہلسنت کو اپنے اوپر قیاس کرنا غلط محض ہے کیونکہ ان میں ہزاروں کی تعداد میں حافظ ہیں لہذا اب اگر شیعہ صاحبان مل کر مصالفت کو کھا بھی جائیں تو قرآن ختم نہیں ہوتا اور ایک بکری کیا لاکھوں بکریاں اس کام پر مامور کر دیں تو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا کیونکہ قرآن مجید حقیقت میں ان آیات کا نام ہے جو اہل ایمان اور اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں

اور کمدہ تعالیٰ اس دور میں بھی اہل سنت کے مقتدا، پیشوا، سکڑوں کی تعداد میں پورے قرآن کے حافظ تھے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر ایک متعدد سورتوں کا حتیٰ کہ ہر سورت اور پورا قرآن ان حضرات کی بدولت ہم تک تو اتر کے ساتھ پہنچا لہذا نہ بکریوں کے کھانے سے وہ ضائع ہو سکتا ہے اور نہ جلائے جانے سے۔

رہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اہلہار بنفص و عناد تو اس کی سزا تو اللہ ضرور پورے جہانم لگی سردست اٹا عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ اگر قرآن کے مخالف تھے اور اسے جلائے دے تو ہمیں قرآن دینے والا کون ہے اور جو آج شیعہ صاحبان کا بھی بہارا بنا ہوا ہے وہ کس کا عطا کردہ ہے اگر ان کی ہربانی سے یہ مصحف بھی نصیب نہ ہوتا تو آپ اہل کتاب کھانے کے بھی حق دار نہ ہوتے چہ جائیکہ اہل قرآن۔

لمحہ فکر یہ!

حضرت ابی بن کعب کا زائد سورتوں پر مشتمل مصحف اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا کم سورتوں پر مشتمل مصحف اصحاب کے سامنے آگیا اور جمع کرنے والوں پر کوئی قیامت نہ ٹوٹی اور نہ انہوں نے کسی کی طرف سے ڈر اور خوف کی خاطر ان کو چھپایا لیکن شیعہ برادری کو صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی اتنے کمزور اور بزدل نظر آئے نعوذ باللہ کہ دوسرے صحابہ کرام کے خوف سے اس کو غائب کر دیا اور امت کو اصل قرآن سے محروم کر دیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

ڈھکو صاحب کی غلط بیانی :

رسالہ مذہب شیعہ میں ایک جگہ کتابت کی غلطی سے سترہ کی "با" رہ گئی اسی طرح سترہ ہزار کا ستر ہزار بن گیا لیکن اس سے قبل رسالہ مذہب شیعہ کے ۹۰ پر اصل عبارت کا ترجمہ اردو اور ہندسوں میں سترہ ہزار... اب عبارت مذکور ہے مگر ڈھکو صاحب نے اس کو تو شیر مادر سمجھ کر مفہم کر لیا اور جہاں کاتب کی غلطی سے چارہ گئی اس کو مؤلف کی غلطی کا عنوان دے کر بڑی دھوم دھام سے پیش کیا اسی لئے تو ہم شیعہ تفسیر کا رد کرتے ہیں کیونکہ وہ ضرورت اور مجبوری کے وقت نثریہ کے گوشت کی طرح مباح نہیں سمجھتے بلکہ دھوکہ دہی، فریب کاری اور تلبیس ابلیس کا کام لینے کے لئے اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اگر کاتب کی غلطی کو مؤلف نے اور مصنف پر بطور اعتراض و تنقید پیش کیا جاسکتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ڈھکو صاحب نے نبی اکرم علیہ السلام کو باغی شریعت کہا۔

ڈھکو صاحب کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باغی شریعت کہنا:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت کو باغیان شریعت کہہ کر اپنے دین و ایمان کو تباہ کیا اور مرتد و مردود ٹھہرے۔ ملاحظہ ہو ڈھکو صاحب کے رسالہ کی عبارت "مگر حقیقت میں حضرات پر یہ حقیقت کہ مذہب شیعہ کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ باغیان شریعت یعنی سرکار ختمی مرتبت نے اظہار نبوت و اسلام کے ساتھ ساتھ ائمہ "۱" اور یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں ہے کہ جو شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو باغی شریعت کہے وہ اس قابل بھی نہیں رہتا کہ مومن ہو سکے اس کے دل سے قبول ایمان کی صلاحیتیں ہی سلب کر لی جاتی ہیں۔

لیکن ہم تو ایسا الزام نہیں لگاتے کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ مگر دیانت امانت نہ ہو تو آدمی اس طرح کا قول کرتا ہے جیسے ڈھکو صاحب نے کیا ہے اور کاتب کی غلطی کو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے ذمے لگا دیا۔

تذریعہ الامامیہ _____ ڈھکو صاحب

سورہ توبہ

تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۲۰۵ طبع مصر پر حضرت حذیفہ سے مروی ہے فرمایا جس سورہ کو تم سورہ توبہ کہتے ہو یہ دراصل سورہ عذاب ہے۔ بخدا اس نے ہم میں سے کسی ایک کی بھی مذمت کے بغیر نہیں چھوڑا۔ اس کی جتنی مقدار ہم ہمد رسالت میں پڑھتے تھے اس کا صرف چوتھا حصہ اب تم پڑھتے ہو۔

اسی سورہ کے متعلق عمر صاحب بکا کرتے تھے: اس وقت تک سورہ برأت کے نزول کا سلسلہ ختم نہیں ہوا جب تک ہمیں یہ گمان نہیں ہو گیا کہ ہم میں سے کسی ایک کو اپنی چھوڑے گی مگر یہ کہ اس کی مذمت میں کچھ نہ کچھ ضرور نازل ہو گا اسی واسطے اس سورت کا نام فاضلہ (سوا کفہ) رکھا جاتا تھا۔
تفسیر القرآن ص ۵۵ جلد ۱

لہذا پیر سیالوی اور ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ حضرات بتائیں کہ اس سورہ کے ۲ حصے کدھر گئے اور جن جن لوگوں کی مذمت میں آیتیں نازل ہوئی تھیں ان کے نام کہاں غائب کر دئے گئے؟
(ص: ۴۲، ۴۳)

تخفہ حسینہ _____ محمد اشرف الیالوی

اصولی اور تحقیقی جواب ان روایات کا بھی اور اس قسم کی دوسری روایات کا بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف ڈھکو صاحب کی اس روشن دماغی کا ائینہ لوگوں کو دکھانا ہے کہ سورہ برات میں لوگوں کا محاسبہ اور ان کے بعض افعال پر تنقید کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے نام موجود تھے اور اب وہ نام غائب کر دئے گئے حالانکہ یہ سراسر خود فریبی ہے اور اپنی غلط فہمی مثلاً بقول

شیعہ صاحبان انہار لیکر اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ
دیوتون الزکوٰۃ وهو را کھوت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی
لیکن آپ کا نام اقدس تو یہاں مذکور نہیں اور نہ ہی شیعہ صاحبان نے ہی اس جگہ صحابہ کرام کی طرف
نام حذف کرنے اور تحریف کرنے کی نسبت کی ہے۔ لہذا یہ انوکھی منطق ہے کہ نام ہوں گے
تو ان لوگوں پر تنقید درست ہوگی ورنہ نہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ قرآن مجید چونکہ ابدی کتاب ہے اور صحیفہ آسمانی اس لئے اس میں
بعض اشخاص کے ساتھ ہی مخصوص احکام کا ذکر نہیں ہوگا بلکہ عام احکام ہوں گے الا ماشاء اللہ
تاکہ قیامت تک پیدا ہونے والے لوگ ایسے افعال سے اجتناب اور احتراز کریں اسی لئے
آیت سرقہ میں اس خاص شخص کا نام ذکر کرنے کی بجائے عام ذکر کیا "السارق السارقة فاقطعوا
ایدیہما" اور زنا کا حکم بیان کرتے ہوئے محدود کی تخصیص کی جگہ عام الفاظ استعمال کئے
گئے۔ الزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة تو کیا جن
لوگوں سے سرتے یا زنا کا فعل سرزد ہوا تھا ان کے حق میں ان آیات کو موجب فضیلت نہیں کہا جائے
گا حالانکہ ان کے نام بھی یہاں پر موجود نہیں نہ اہل السنۃ کے نزدیک اور نہ ہی شیعہ نے ان مخصوص مقامات
میں تحریف وغیرہ کا دعویٰ کیا ہے۔

رہ گیا تین چوتھائی کا معاملہ تو مذہب اہل السنۃ بیان کر کے ہم نے اس قسم کی تمام روایات
کا اصولی جواب ہم نے دیدیا، اور حقیقی محل بیان کر دیا ہے ڈھکوسا صاحب سمجھتے ہیں کہ نزاع کا داروڑ
روایات کے موجود ہونے اور نہ ہونے پر ہے حالانکہ محل نزاع یہ نہیں ہے بلکہ فریقین کے مذہب
کی روشنی میں ان روایات کا فیصلہ کیا جائے گا شیعہ حضرات تحریف کے قائل ہیں لہذا ان کی مذہبی کتب
میں موجود روایات اسی پر محمول ہوں گی اور اہل السنۃ تحریف کے قائل نہیں لیکن نسخ کے
قائل ہیں۔ اور تعدد قرأت کے لہذا اس قسم کی روایات ان کے نزدیک منسوخ استداۃ آیات
پر دلالت کرتی ہیں یا قرأت کے تعدد پر اور یا اخبار احاد موجب ظن ہونے کی وجہ سے
اثبات قرآنیت سے قاصر ہیں لہذا ان سے کسی پر الزام عائد نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن میں کمی بیشی
لازم آسکتی ہے اسی لئے کسی سنی عالم نے تحریف کا قول نہیں کیا۔

تنزیہ الامامیہ ————— ڈھکو صاحب

آیات قرآنیہ کی تعداد میں اختلاف کی حقیقت

مؤلف رسالہ نے بار بار اس بات کا تکرار کیا ہے کہ موجودہ قرآن کی آیات ۶۶۶۶ ہیں یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ابن عباس سے ۶۶۱۶ مروی ہیں۔ تفسیر القرآن جلد ۱ ص ۴۔ مگر حق یہ ہے کہ موجودہ قرآن کی آیتوں کی تعداد بغیر بسم اللہ ۶۲۳۶ اور بسم اللہ سمیت ۶۲۵۰ ہے (ص: ۴۲)

تحفہ حسینیہ ————— محمد اشرف الیاسی

ڈھکو صاحب کا اپنا تتبع ناقص ہے اور اپنی کتابوں کا مطالعہ بھی نہیں ورنہ اس تعلیٰ اور انعامی ڈینگ سے گریز کرتے اور اعتراض کرنے میں کچھ شرم محسوس کرتے۔ اصول کافی کے محشی نے لکھا۔ قد اشہر اليوم بین الناس ان القرآن ستة الاف وستون وستون آیتہ لوگوں میں اب شہور و معروف یہ ہے کہ قرآن کی ۶۶۶۶ آیات ہیں۔ وروی الطبرسی فی المجمع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان القرآن ستة الاف ومائتان وثلاث وستون آیتہ۔ جب کہ طبرسی نے ”مجمع البیان“ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ۶۲۶۳ آیات بیان کی ہیں ولعل الاختلاف من قبل تحديد الایات۔ تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ کلمات کلام مجید تو وہی ہیں لیکن ان کی گنتی اور عدد بندی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا اور حضرت شیخ الاسلام کا فرمان بھی اسی شہور بیان الناس اور معروف عند الناس۔ قول پر مبنی ہے۔ البتہ مؤلف کا بیان کردہ حق مذہب خود اس کے اہل مذہب کی نقل کردہ حدیث کے بھی خلاف ہے۔

شیخ الاسلام قدس سرہ

مذہب شیعہ

بیان فضائل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

اب فقیر چاہتا ہے کہ اہل تشیع کی خدمت پر ان مقدس ہستیوں کی تصریحات پیش کرے جو اہل تشیع کے دعویٰ کے مطابق بھی پیشوا اور امام ہیں جن تصریحات کے ملاحظہ کرنے کے بعد اہل فکر و ہوش حضرات خود ہی فیصلہ فرما سکیں کہ ائمہ اور پیشوایان امت کے بالمقابل موجودہ ذاکروں ماکروں کی کچھ وقعت نہیں اور ائمہ کرام کی تصریحات کے مقابلہ میں ان ذاکروں کے ٹھٹھنے اور ٹوٹل سخت تنوع اور یہودہ ہیں یہ بات بھی قابل گزارش ہے کہ جن مقدس ہستیوں نے اللہ اور اس کے پیچھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضاء کے لیے اپنا تن من دھن قربان کیا اور ایسے وقت میں محبوب کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانا اور کائنات عالم کی دشمنی مولیٰ لینا ایک منی رکھتا تھا اور ایسے وقت میں حضور کا ساتھ دیا جس وقت میں کہ حضور کا ساتھ دینے میں مستقبل کی تمام دنیوی منزلوں میں عزیت اور مصائب و آلام اور تکالیف کے سوا عالم اسباب میں اور کچھ نظر نہ آتا تھا تو ایسے حالات میں ان مقدس ہستیوں نے تمام تر دنیوی تکالیف کو لطیف خاطر برداشت کیا اور اللہ کے پیچھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر گھر بار، بال بچے، عزت و ناموس قربان کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا تو ایسی مقدس ہستیوں کے خلوص، ان کے صدق و ایمان و تصدیق کے متعلق کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ ایسے حالات میں دوسرا کونسا داعیہ ہو سکتا تھا جس کے زیر نظر ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قدر کھبرداشت کئے؟ پھر ایسے جانثاروں اور وفاداروں کی جانثاری اور قربانی کا بدلہ جو اللہ ارجم الراحمین کی جناب سے ضروری اور لازمی ہے

اس کی کیفیت اور کمیت بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ قرآن کی بیسیوں آیات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والوں اور انصار و محاربین کے حق میں ہمارے ہوتی ہیں۔ کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ان کے لیے جنت کے اعلیٰ و ارفع مراتب اور نعمتیں مہیا ہیں ان کو بھی سامنے رکھنا چاہیے اور اس بات کو بھی پورے نظر و فکر کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

یعنی اے اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی آپ کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد

فرماؤ اور ان پر سختی کرو۔ اس حکم کے بعد جن مقدس ہستیوں کو اللہ کے پیارے نبی نے اپنا ہمراز و مساز قرار دیا، سفر و حضر، ہجرت و جہاد ہر معاملہ اور ہر حالت میں اپنا مشیر و وزیر مقرر فرمایا اور اپنا ساتھی و رفیق قرار دیا۔ ان ہستیوں کی شان میں گستاخی کرنا عداوت اللہ اور ان ہستیوں کی طرف کفر و نفاق کی نسبت کرنا کوشی و نینت ہے اور کونسا ایمان ہے۔ ذرا سوچو تو ان مقدس ہستیوں کے مدق و مصفا کا انکار براہ راست مضبوط و محکم ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شان اقدس میں گستاخی کو مستلزم نہیں؛ یقیناً ہے۔ ص ۱۲، ۱۳

تحفہ حسینہ
محمد اشرف الیالوی

تمہ مجت مذکورہ بالا = حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے انتہائی اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض اہم امور کے طرف صرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا ہے لیکن دھکوماء حب کے کلام باطل نشان کے پڑھنے سے پہلے وہ تفصیلات قارئین کرام کے ذہن میں ہونی ضروری ہیں، اس لیے بطور تہمان کو درج کیا جاتا ہے۔

شہادت عقل و خرد

۱۔ جس وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔ اس وقت سے لے کر جنگ بدر تک کے واقعات تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرماویں کہ خود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبی برادری کا رد عمل کیا تھا۔ ابولہب بھی چچا تھا لیکن دشمنی میں سب سے پیش پیش۔ حتیٰ کہ پوری سورت اس کی مذمت میں نازل ہوئی۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چچا ہیں مگر جنگ بدر میں کفار کی طرف سے برسوا کیا ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی حضرت خضیل بھی ہیں جنگ میں اور قتال میں کفار کا ساتھ دے رہے تھے۔ بالآخر گرفتار ہوئے اور فدیہ دے کر رہا ہوئے۔ جب اس قدر قریبی برادری کا حال یہ تھا تو جن حضرات نے اس وقت آپ کا ساتھ دیا اور ان مشکل حالات میں آپ کے دامن نبوت سے وابستہ ہوئے جب کہ آپ خود اپنے دیس میں اجنبی سمجھے جاتے تھے اور آپ کا وجود اہل مکہ اور قریش کے لئے ناقابل برداشت تھا اور بالآخر آپ کو ہجرت کرنا پڑی اس وقت آپ کا طوق غلامی گلے میں ڈالنا اور کفر کی طاغوتی طاقتوں کے ہر جبر و اکراہ اور ظلم و تشدد کو برداشت کرنا کسی بھی لاپرواہ اور دنیوی غرض کے تحت نہیں ہو سکتا تھا نہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بظاہر مال و زر تھا اور نہ حکومت و سلطنت نہ اور کوئی جائیداد تو پھر ان لوگوں کو ان تکالیف کے برداشت کرنے اور مصائب و آلام کو سینے سے لگانے پر کون سی چیز آمادہ اور راضی کر سکتی تھی سوائے اعتراف حق، اعتقاد، صداقت اور اذعان حقانیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی بھی عقلمند اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اگر کوئی ازہ و تحکم اور سینہ زدوری کے اس کا انکار کرے تو کم از کم اسے ایسی کوئی نظیر پیش کرنی چاہیے اور تاریخ انسانیت کے کسی دور کی صرف ایک مثال پیش کرنا چاہیے کہ مقتدا وہیشوا بظاہر مسکین اور فقیر ہو، مال و مثال، دولت و ثروت اور جاہ و حشمت، حکومت و سلطنت وغیرہ دنیوی کشش کا کوئی سامان بھی اس کے پاس نہ ہو لیکن ارباب دولت، اصحاب جاہ و حشمت کسی دنیوی لاپرواہی میں اس کے حلقہ بگوش بنے ہوں اور اپنا سب کچھ ان پر نثار کر دیا ہو اور خود بھی ان کی خاطر درویش اور فقیر ہو گئے ہوں اور جب ایسی کوئی مثال تاریخ آدمیت و

انسانیت پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ہے تو پھر مہاجرین رفوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں اس بدظنی اور بدگمانی کا کیا جواز ہو سکتا ہے اور انصار کے حق میں اس قسم کے غلط مفروضوں کا تصور کس طرح کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اس گزارش کو ارباب عقل و دانش اور اصحاب فہم و فراست کی مائٹ رائے پر چھوڑتے ہوئے اب خالق عقل و دانش اور موجد فہم و فراست کے کلام حق ترجمان سے ان مقدس ہستیوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔

شہادت قرآن مجید۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لبقدر الذین اخرجوا من ديارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (سورۃ حج : ۱۷)

پروانگی عطا کی گئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بناء پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے، صرف اتنی بات کرنے پر کہ رب ہمارا اللہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں مہاجرین کا مظلوم ہونا اور ناحق گھروں سے نکالا جانا اور نگاہ کفار میں ان کا صرف یہ جرم ہونا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار اور رب کیوں تسلیم کیا، اور اس کے بعد ان کو قتال و جہاد کا اذن دیا جانا ثابت ہے۔ تو اس قرآنی شہادت کے بعد ان کی مظلومیت اور ان کے اخلاص پر کوئی شہادت درکار ہو سکتی ہے؟ اور پھر اس میں کسی خاص فرد کا ذکر نہیں بلکہ علی العموم ان حضرات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے کافر لڑتے ہیں اور جن کو اپنے گھروں سے نکالا گیا اور عام کا اپنے عموم پر رکھنا لازم ہوتا ہے لہذا سب مہاجرین کا اخلاص یہاں سے ظاہر اور واضح ہو گیا۔

(۲۸) وَالْفُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ
فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيُنْصِرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ
هُمُ الصَّادِقُونَ - (سورہ حشر: ۲۸)

ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے
نکلے گئے، اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ اور
رسولؐ کی مدد کرتے ہیں وہی سچے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں بھی علی العموم مہاجرین کرام علیہم الرضوان کے جبراً وطن اور
اموال سے جدا کیے جانے کی تصریح اور ان کے فضل خداوند تعالیٰ اور اس کی رضا و رضوان
کی طلب گاری، اللہ تعالیٰ اور رسولؐ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کا جذبہ
اور سراپا ہدف و اہل میں ہونا بے راجح نہ ہو سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ گواہی دے تو
پھر مزید کسی کی شہادت کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ کہ قال تعالیٰ: اَقْلَىٰ شَىْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةٍ مِنَ اللَّهِ

(۳) وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ
إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ
عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَعْمَ نَفْسِهِ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ - (سورۃ حشر: ۲۸)

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا، دوست
رہتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں
میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی
جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو
اپنے نفس کے لالچ سے بچا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

اس آیت کریمہ میں انصار کا اہل اس، مہاجرین سے محبت اور ان کو اپنی
ذوات پر اور ان کی حاجات کو اپنی حاجات پر ترجیح دینا خواہ خود محتاج ہی کیوں نہ
ہوں، بیان کیا گیا ہے جس سے ان کا اعزاز و اکرام نمایاں ہے اور بغیر کسی لالچ کے

کے اسلام، بانی اسلام اور شہداء ائیاں اسلام کی خدمات سر انجام دینا ثابت اور علی الخصوص
مہاجرین سے محبت کرتا روشن اور پھر انہی حضرات کی بدولت فلاح پانا اور کامیاب
ہونا ثابت جب خدا نے عظیم و خیر نے ان کی یہ نمایاں خصوصیات بیان فرمادیں اور ان
کی فلاح کا اعلان واجب الاذعان بھی فرمادیا تو انہیں کسی دوسرے شخص سے اخص
اور کمال ایمان کی سند لینے کی ضرورت نہیں ہو سکتی، نیز جب مہاجرین کے ساتھ محبت،
ان کی فلاح کی ضامن ہے تو ہمارے لیے فلاح کا ایسے علاوہ دوسرا کونسا پختہ۔
وسیدہ اور مضبوط ذریعہ ہو سکتا ہے؛ بلکہ جب ان کی محبت موجب فلاح ہے تو ان کی
دشمنی یقیناً موجب ذلت اور رسوائی ہوگی اور باعث عذاب و عقاب۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ: محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی
الکفار رحماء بینہم تراہم رکعاً سجداً یدتغون فضلہ
من اللہ ورضوانا۔ (سورۃ فتح: ۲۶)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں۔
اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ کرتے اللہ
کا فضل اور رضا چاہتے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر پندرہ سو کے قریب مہاجرین و انصار نبی الانبیاء صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہ آیت کریمہ ان کے کفار پر سخت ہونے اور آپس میں
نرم دل اور مہربان ہونے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف و مشغول ہونے اور
اس کے فضل اور رضائے طلب گزار ہونے کی گواہ ہے علاوہ ازیں تورات و انجیل
میں ان کی شان ارفع و اعلیٰ اسی تمثیل رنگ میں مذکور ہونے پر شاہد ہے۔ ذلک
مثلہم فی التوراة و مثلہم فی الانجیل۔ پھر ان پر اپنی خوشی اور اپنے
محبوب کی خوشی کا بیان ہے: تعجب المیزان اذ کفار کے دلوں میں ان کی وجہ سے
غیظ و غضب اور بغض و حسد کی آگ بجھانے کا بیان لفظ ہم الکفار، الغرض ان کلمات
مقدسہ نے مجموعی طور پر مہاجرین و انصار کے خصوصی مقام اور امتیازی شان اور

اخلاص کامل کو پوری طرح اجاگر کر دیا ہے۔

(۵) قال اللہ تعالیٰ: فالذین ہاجروا وادوا ذوا فی سبیلی و قاتلوا وقتلوا لا اکثرن عنہم سیئاتہم ولا دخلنہم جنات تجری من تحتہا الا نہار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب۔ (سورہ آل عمران: ۴۰)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور میری راہ میں ان کو ایذا پہنچائی گئی اور لڑے اور مارے گئے ہیں ضرور ان کے سب گناہ دور کر دوں گا۔ اور ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے پتے نہریں بہتی ہیں۔ بطور ثواب کے اللہ تعالیٰ کے پاس سے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اچھا ثواب ہے۔

اس آیت کریمہ میں ہجرت کرنے، ایذا نہیں برداشت کرنے جہاد و قتال میں حصہ لینے اور راہ خدا میں قربان ہو جانے والوں کے متعلق بشارت ہے کہ اگر بشری تقاضوں کے تحت ان سے کوئی غلطی سرزد ہو بھی گئی تو اللہ تعالیٰ ضرور اس گناہ کو ان سے دور کر دے گا اور جنات النعیم میں داخل فرمائے گا اس میں بھی عموم ہے اور جو بھی ان صفات عالیہ کے ساتھ مومن و متصف ہوئے ان کے متعلق یہ ثرودہ جانفرا ہے لہذا جب اللہ تعالیٰ نے ہاجرین اور مجاہدین کے موافقہ اور باز پرس اور عقاب و عتاب کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تو ہم کون ہیں جو اپنی تمام تر سیاہ کاریوں اور گناہ گاریوں کے باوجود ان مقدس ہستیوں پر لعن و تشنیع کریں جن کی مغفرت و بخشش کا ثرودہ غیر فانی اور ابدی کتاب خدا میں موجود ہے۔

اصحاب بدر اور شہادت قرآن:

(۶) قال اللہ تعالیٰ: اذ تستغیثون ربک فاستجاب لکم فی مددکم بالف من الملائکۃ مردفین (الی) وما النصر الا من

عند الله ان الله عزيز حكيم (سورہ انفال : ۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ساتھ ہزار فرشتے کے جو قطار در قطار ہوں اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے صرف تمہاری خوشی کو کیا، اس لیے کہ تمہارے دل چین پائیں اور مدد نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مومنین کی فریاد سنا اور فرشتے امداد کو بھیجنا ثابت ہے۔ اجابت و عا ان کی کرامت ہے۔ اور ملائکہ کا ان کے ساتھ شامل ہو کر جنگ لڑنا ان کا امتیازی نشان ہے اور اللہ تعالیٰ رسل کرام اور اہل ایمان کی نصرت فرماتا ہے اور ظالمین اور کفار کے خلاف اپنے اجراء اور مقبولین کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ لہذا ان مقدس کلمات سے اہل بدر کا مؤمن کامل ہونا اور عند اللہ محبوب اور عزیز و مکرم ہونا واضح ہو گیا۔

(۷) قال تعالیٰ، واذ یوحی ربکم الی الملائکة انی معکم فثبتوا

الذین آمنوا (سورہ انفال : ۹)

جب اسے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو،

اس ارشاد خداوندی سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بدری صحابہ کے ساتھ تھے اور ان کے حوصلے بلند کرنے والے اور ان کی دھارس بندھانے والے جب کہ اس نے نصرت فاضلہ کا وعدہ صرف رسل کرام اور مخلص اہل ایمان کے ساتھ کر رکھا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وانا لننصر وعلنا فوز الذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا و یوم بقوۃ الا مشہاد۔ بیشک ہم ضرور مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی اور جب کہ شاہد اور گواہ قائم ہوں گے۔ یعنی قیامت کے دن، لہذا اہل بدر مجاہدین و انصار کے اخلص اور ایمان کامل پران۔

کلمات قدسی نے ہر تصدیق لگا دی۔

(۸) قال الله تعالى: اذ يقول المنافقون والذين في
قلوبهم مرض غر هؤلاء دينهم ومن يتوكل على
الله فان الله عزيز حكيم (سورہ انفال: ۴۹)

جب کہتے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں آزار اور بیماری ہے
کہ یہ مسلمان اپنے دین پر موزور ہیں اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بیشک
اللہ غالب حکمت والا ہے۔

میدان بدر میں اہل اسلام کی قلیل تعداد دیکھ کر ان لوگوں نے کہا یہ لوگ اپنے
اس دین کی وجہ سے موزور ہو گئے ہیں ورنہ اس قدر قلیل تعداد اور بے سر و سامانی
کی حالت میں اس قدر کثیر تعداد اور سافرد سامان سے آراستہ لشکر کے مقابل صف
بستہ نہ ہوتے۔ اس فرمان صداقت نشان سے واضح ہو گیا کہ منافقین اور مریض القلب
لوگوں نے بھی محاب بدر کے کمال وثوق اور یقین کامل کی گواہی دی اور دین کے نشہ
میں ان کو غمور تسلیم کیا۔ اگر منافق اور مریض القلب بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر
نہ رہ سکیں تو مؤمنین کے لیے شک و تردد اور اضطراب و تذبذب کا کیا امکان باقی
رہ جاتا ہے؟

غزوہ اعدا و شہادت قرآن

(۹) وما اصابكم يوم النقي المجعان فباذن الله وليعلم
المؤمنين وليعلم الذين نافقوا وقيل لهم تعالى قاتلوا
في سبيل الله او ادفعوا عن انفسكم قالوا لو تعلم قتلانا لا تبعناكم هم للكفر
يومئذ اقرب منهم للايمان (سورہ آل عمران: ۴)

اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں قوتیں ملی تھیں وہ اللہ تعالیٰ
کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ پہچان کر اے ایمان والوں کی اور

اور اس لیے کہ پہچان کر ادرے ان کی جو منافق ہوئے اور ان منافقین سے
کہا گیا اُو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔ یا دشمن کو ہٹاؤ تو کہا اگر ہم لڑائی
ہوتی جاختے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ اس دن وہ ظاہری ایمان کی
نسبت کفر کے زیادہ قریب ہیں۔

ان کلمات طینبت میں جنگ احد کے دن اہل ایمان اور منافقین کے درمیان امتیاز کرانے کا اعلان ہے اور ان کی زبان سے نکلنے والے کلمات بیان کر کے اور ان کا عمل و کمزور واضح کر کے بتا دیا کہ مخلص مخلص کون ہیں اور منافق کون۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور ساتھ دینے والوں اور آپ کی خاطر ہر قسم کی مصیبت کو برداشت کرنے والوں کو مومن تسلیم نہیں کرتا بلکہ متذبذب اور متروک ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ایمان نصیب نہیں اور وہ خود اس دولت سے محروم ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادہ اور مقصد میں ناکام دیکھنے والا ہے جس کے تحت اس نے اہل ایمان اور کفار کو آمنے سامنے لاکر اکیا یعنی اس نے جہنم کا منافقین سے امتیاز نہ کیا حالانکہ اس حرب و قتال کا اولین مقصد ہی یہی تھا۔

(۱۰) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى هُوَ اللَّهُ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا

لله والرسول من بعد ما اصابهم القرحة للذين احسنوا منهم واتقوا

اجر عظيم الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنَعْمَ الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنْ

اللّٰهُ وَفَضْلُ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَابْتِغَاوْا رِضْوَانَهُ ^{وَاللّٰهُ} وَفَضْلُ

عظیم (آل عمران: ۲)

اور بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا اجرِ مؤمنین کا جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسولِ گرامی کے لیے تمہیل اور شاد کی بعد اس کے کہ انہیں مشقت پہنچی اور زخم لگے تھے۔ ان میں سے مستین کے لیے اور متقین کے لیے اجرِ عظیم ہے جنہیں لوگوں نے کہا کہ لوگوں (کفار) نے تمہارے

یہ بڑا شکر تیار کر رکھا ہے پس ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ
ہوا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز
ہے تو واپس ہوئے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ
انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور اللہ کی مرضی پر چلے اور اللہ تعالیٰ بڑے
فضل والا ہے۔

جنگ احد سے واپس ہونے کے بعد کفار نے جب مدینہ منورہ کی طرف
پلٹ کر اسے الیاذ باللہ تس تس کرنے کا ارادہ کیا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
جنگ احد میں شریک اہل اسلام اور میدان کا نڈار میں تکلیف اور مشقت اٹھانے والوں
کا ہتھالے کر ان کے تعاقب پر نکلے آپ کے حکم کی تعمیل میں نکلنے والوں کی داد و سپین
اور ان کی قوت ایمانی اور ان کے اخروی درجات کو ان کلمات طیبات میں بیان
کیا گیا ہے اور کفار کی تیاری کی خبر سن کر اس حالت درد و کرب میں بھی ان کا خوفزدہ نہ
ہونا بلکہ ان کے ایمان و ایقان کا بڑا متا بیان کیا گیا جو ان حضرات کے ایمان کامل
اور بے مثل اخلاص کی عظیم دلیل ہے۔

(۱۱) ان اللہ بین تولوا منکم یوم النہی الجمع انما استنز لہم الشیطان
ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنہم ان اللہ غفور حلیم۔ (آل عمران)
بیشک وہ لوگ جو لوٹے تم میں سے جس دن دونوں فوجیں ملیں۔
انہیں صرف شیطان نے ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلایا اور
یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا
بردبار ہے۔

اس آیت مبارکہ میں تیر اندازوں کے اس خیال پر مرکز کو چھوڑ دینے کی وجہ
سے کہ اب دشمن بھاگ گیا ہے لہذا چلو مال غنیمت حاصل کرو جو مورتبہ حال۔
پیش آئی اور میدان جنگ سے بعض مجاہدین پھر گئے تو ان کے متعلق بھی عفو اور درگزر
کا اعلان کیا گیا ہے اور کسی بھی شخص کے لیے ان کے حق میں ملن و تشینع کے لیے

کوئی گنجائش نہیں چھوڑی جس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی مزدوری بھی واضح ہوتی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی بھی۔

غزوہ خندق اور شہادت قرآن:

(۱۲) قال الله تعالى: ولما رأى المؤمنون الأحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زادهم إلا إيماناً وتسليماً. (سورة احزاب: ۲۱)

اور جب مومنوں نے کفار کے لشکر دیکھے تو کہہ رہے تھے کہ یہ ہے وہ جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ دیا اور سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے اور لشکر ہائے کفار دیکھ کر نہ بڑھا مگر ان کا ایمان اور حکم خداوند پر رضامندی و اطاعت

(۱۳) قال تعالى: وروا الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالوا خيراً وكفى الله المؤمنين القتال وكان الله قوياً عزيزاً۔

اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان کے قلبی غیظ اور عین کے ساتھ لوٹایا، وہ کچھ بھی بھلائی اور کامیابی حاصل نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو لڑائی میں کفایت فرمائی اور اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے

ان آیات مقدسہ میں بھی جنگ اُخزاب اور غزوہ خندق میں شامل ماجرین و انصار کی ایمانی پختگی اور جذبہ جہاد و سرفروشی کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان پر خصوصی کرم کا کہ اپنی قدرت کاملہ سے کفار کو بھگا دیا اور انہیں کسی قسم کی پریشانی سے دوچار نہ ہونے دیا۔

معاندہ حدیث اور شہادت قرآن:

(۱۴) قال الله تعالى: لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك

تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فأنزل السكينة عليهم
واثابهم فتحا قريبا الآية (سورة فتح ۲۶)

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ راضی ہوا مؤمنین سے جب کہ وہ درخت کے نیچے
تمہارے ساتھ بیعت کرتے تھے پس جانا جو ان کے دلوں میں ہے
تو ان پر المینان و سکون اتارا اور انہیں جلد آئینہ الی فتح کا انعام دیا
اور بہت سی غنیمتوں کا جن کو حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ عزیز حکمت
والا ہے۔

اس آیت مقدسہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید کیے جانے کی اطلاع پر
جو بیعت لی گئی تھی اس میں صحابہ کرام کا خلوص اور ان سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے
کا اعلان ہے اور ان پر خصوصی تسکین اور بردباری کے نزول کا اور جلد ہی فتح اور
اموال غنیمت کے حصول کا جس میں مہاجرین و انصار کی بھاری تعداد تھی اور پندرہ سو
کے قریب جاٹا ران مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شامل تھے لہذا ان کے کمال ایمان اور
مدنایت تک واصل افلاص پر اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کے بعد کسی مؤمن کے لیے
شک و تردید کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی

(۱۵) قال تعالیٰ۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ

ید اللہ فوق اید یہم (سورة الفتح ۲۶)

بیشک جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ تو صرف اللہ تعالیٰ
سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔

اس آیت مقدسہ میں اس بیعت رضوان میں شامل حضرات کا کس قدر اعزاز و
اکرام ہے۔ اور رسول گرامی کا بھی وہ چشم بعیرت پر ممتحن نہیں۔

(۱۶) قال تعالیٰ: سيقول لك المخلفون من الاعراب شغلنا

اموالنا واهلونا فاستغفر لنا يقولون بالسنتهم مالم یس

فی قلوبهم (الی) بل ظننتم ان لن یتقلب الرسول والمؤمنون الی اہلبہم

ابدأوزین ذلک فی قلوبکم وقلنتم ظن السوء وکنتم قومًا بورًا (سورۃ الفتح ۲۶)

عنقریب کہیں گے آپ کو وہ گنوار جو پیچھے رہ گئے تھے کہ ہمیں ہمارے اموال اور ہمارے گھر والوں نے مصروف و مشغول رکھا پس ہمارے لیے استغفار کیجئے۔ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو ان کے دلوں میں نہیں ہے بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ رسول خدا اور مومنین ہرگز لوٹ کر اپنے گھروں کو نہیں آسکیں گے اور یہی امر ہمارے دلوں میں مزین کیا گیا تھا اور تم نے برا گمان کیا تھا۔ اور تم ہلاک ہونے والی قوم تھے۔

اس آیت مبارکہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عمرہ کے لیے جانے والوں کے کمال ایمان کی گواہی ہے اور اطراب و گنوار لوگوں کے اندیشوں اور گمانوں کے برعکس مہاجرین و انصار کی اس عظیم جماعت کے صبر و سکون اور وثوق و اعتماد کی عظیم و خیر خدا کی طرف سے شہادت ہے جس کا ملاحظہ کرنے کے بعد کسی مومن کے لیے مقدس ہستیوں کے حق میں کسی قسم کے توہم کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

غزوہ حنین اور شہادت قرآن:

(۱۷) قال تعالیٰ: لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذا عجبتمکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئًا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین و انزل جنودہ الم تر وہا و عذاب الذین کفروا واذ ذلک جزاء الکافرین (سورہ توبہ ۱۰)

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی اور علی الخصوص حنین کے دن جب کہ تمہیں تمہاری عدوی کثرت بھلی معلوم ہوئی تو وہ کچھ تمہارے کام نہ آئی اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر پھرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین

نازل کی اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور ایسے لشکر اتارے جو
تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کی یہی
سزا ہے۔

اس آیت کریمہ میں غزوہ خنین کے شرکار پر سکینت اور خصوصی اطمینان کا نزول،
طاغوت کے ذریعے ان کی امداد کا مرتجح بیان ہے اور ظاہر ہے جن کو اللہ تعالیٰ مومن بھی
کے، ان پر سکینت بھی نازل کرے اور طاغوت کے ذریعے ان کی امداد و نصرت بھی فرمائے
کون سا مومن ہوگا۔ جو ان کے متعلق شک و شبہ کا شکار ہوگا اور تذبذب و اضطراب کا
مرکب، کیونکہ نصرت خداوندی کے حقدار انبیاء و رسل ہوتے ہیں۔ یا مومنین غلصین۔
قال تعالیٰ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا۔

غزوہ تبوک اور شہادت قرآن:

(۱۸) قال تعالیٰ: لقد تاب الله على النبی والمہاجرین والانصار الذین
اتبعوه فی ساعۃ العسرة من بعد ما کاد یرزق قلوب فریق منهم
ثم تاب علیہم انه بہم رؤوف رحیم (سورۃ توبہ ۱۱)
البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم اور مہاجرین و انصار پر رحمت فرمائی
جنہوں نے مشکل گھڑی میں ان کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے کہ قریب تھا کہ
ان میں سے ایک فریق کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت کے ساتھ
متوجہ ہوا بیشک وہ ان پر مہربان رحم والا ہے۔

غزوہ تبوک میں شامل مجاہدین اسلام مہاجرین و انصار کے لیے اللہ تعالیٰ کی خصوصی
رحمتیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رافت و رحمت کا یہ ابدی اعلان اور مشکل ترین اوقات
عالات میں الکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وقاداری کا مظاہرہ اور جانثارانہ
سپاری کا عزم اس فرمان واجب الایمان سے پوری طرح عیاں ہے اس کے بعد کون
مومن ہونے کا دعویٰ دار ہوگا جو ان کی وقاداری اور اعلیٰ میں شک کرے گایا

ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کا منکر ہو گا۔

(۱۹) قال اللہ تعالیٰ: والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار

والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه واعدا لهم جنات

تجري تحتها الانهار خالدين فيها ابدًا ذلك الفوز العظيم (سورة توبہ ۱۰)

اور سبقت لے جانے والے مهاجرین اور انصار اور جو بھلائی کے۔

ساتھ ان کے تابع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے

راضی اور ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے

نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مهاجرین اولین اور انصار اولین کے ساتھ ساتھ ان کی اتباع

کرنے والے مهاجرین و انصار یعنی بعد میں ان کے ساتھ شامل ہونے والوں سے

اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ان کی اللہ تعالیٰ سے رضامندی کا بیان ہے اور سابقین۔

کی اس امتیازی خصوصیت کا کہ ان کے نقش قدم پر چلنے والے خواہ مهاجرین و انصار

لاحقین ہوں یا قیامت تک آنے والے مؤمنین ہوں وہ کبھی مستحقِ رضاء اور اجر نہیں

ہیں تو پھر اس رضاء خداوندی نے واضح کر دیا کہ جب ان سابقین کے متبعین کا یہ مقام ہے

تو ان کو یقیناً اس سے ارفع و اعلیٰ مرتبہ و مقام حاصل ہو گا،

(۲۰) قال تعالیٰ: لا يستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک

اعظم درجۃ من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد الله

الحسنی واللہ بما تعملون خبیر (سورہ حدید ۲۷)

فتح مکہ سے پہلے راہِ خدا میں خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے

تم میں برابر نہیں وہ ان سے درجات میں عظیم تر ہیں جنہوں نے بعد میں

خرچ کیا اور جہاد کیا اور ہر فرقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنت کا

وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں فتح مکہ سے قبل جہاد کرنے والوں اور راہِ خدا میں مال صرف

کرنے والوں کے عظیم درجات اور بعد والوں پر ان کی فوقیت کا بیان ہے لیکن استحقاق جنت اور وعدہ ثواب میں دونوں کو شریک کرنے کا اعلان بھی ہے جس کا حصول بغیر ایمان و اخلاص کے ممکن نہیں لہذا فتح سے قبل اور فتح سے بعد حلقہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی ایمانی کیفیت اور اخلاص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آیت کریمہ میں مہر تصدیق ثبت ہے اور ان کے اخروی فوز و ظہار کا اعلان واجب الادعا ہے لہذا اول سے آخر تک جو حضرات ہر مقام اور مرحلہ میں ساتھ رہے ان تمام تر آیات میں گنوائی گئی خوبیوں، اعلیٰ معات اور انفرادی خدمات اور کامل اخلاص اور اجر جہنم اور ثواب جمیل میں ان کا شامل اور شریک ہونا علی الوجه الاثم والاکمل ثابت ہے اور ہر باایمان شخص اور قرآن کی ان آیات کا ماننے والا اس اعتقاد حق اور یقین صادق کا پابند ہے ورنہ اس کا اپنا دعویٰ ایمان نقص ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کے دعویٰ ایمان کی مانند ہوگا۔

ہم نے صرف بیس آیات گنوائی ہیں اگر دامن ادراق تنگ نہ ہوتا تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے بیسوں واسے دعویٰ کو بھی بالکل عیاں اور مستثنیٰ از بیان کر دیتے لیکن سعادت ازلیہ جن کے مقدر میں ہے ان کے لیے مذکورہ آیات کا بیسواں حصہ بھی کافی ہے اور جوازِ بد بخت اور شقی ہیں۔ ان کے لیے ان سے بیس گنا بھی نا کافی ہیں۔ اس لیے یہ معاملہ بھی اہل انصاف کے غور و فکر اور ارباب اخلاص کے فہم و فراست پر چھوڑتا ہوں کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی شان اقدس انہیں ان آیات سے معلوم ہوتی ہے یا نہیں اور ان کا سراپا اخلاص ہونا یا ہاں سے مستحود ہوتا ہے یا نہیں؛ یقیناً ان پر روز روشن کی طرح یہ حقیقت عیاں ہے۔

اخلاص صحابہ اور تعالٰیٰ نبوی کی شہادت

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے حکم خداوندی کی روشنی میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حضرات کے ساتھ مسوک اور پرتاؤ سے ان کے اخلاص پر استدلال۔

اور استہاد پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يا ايها النبي جاهد الكفار والمنافقين واغلب عليهم وماواهم جہنم

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ساتھ جہاد کرو اور منافقین کے خلاف

جہاد کرو اور ان پر سختی اور تشدد کرو اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

کہ جن ہستیوں کو اس حکم مجیب کے بعد اللہ تعالیٰ کے پیارے رسولؐ نے اپنا ہمراز

اور دستار بنا کے رکھا اور اپنا وزیر و شیر منتخب کیے رکھا۔ ان کی طرف نفاق اور کفر کی

نسبت کرنے کا کیا جواز ہے۔ بلکہ ان کے صدق و صفا پر اعتراض براہ راست مہبطوحی

صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہے اور آپ کو حکم خداوندی کا مخالف قرار دے کر آپ کی

کھلی گستاخی؟

اقول: اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ أَنْ تَمَاسَّكُمُ النَّارُ دُونَ رُءُوسِكُمْ

کی آگ کا عذاب تمہیں پہنچے گا، اس فرمان خداوندی کے باوجود ان سے محبت نہ

پیار، ان کی تمام صحابہ کرام سے زیادہ عزت افزائی اور ان کی جمع عام میں تحسین و

توصیف، ان کے ساتھ باہم رشتہ دارانہ روابط حضرت صدیق کو شرف و امامدی بخشنا

اور اپنی بھادرج حضرت اسماء زوجہ جعفر طیار رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دینا حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کو شرف و امامدی بخشنا اور حضرت عثمانؓ کا سر بننا اس امر کی بین دلیل

ہیں کہ یہ مقدس ہستیاں نگاہ خداوند نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پاکیزہ، مقدس

اور سراپا افلاص تھیں ورنہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان قرآنی احکام کے برعکس

عمل پیرا ہونا لازم آئے گا۔ العیاذ باللہ

اہل بیدار اور شہادت نبوی:

قرآن حکیم کے حکیمانہ ارشادات کے بعد ذرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی صبر

کے متعلق ارشاد میں ملاحظہ کرتے چلیں۔

(۱) فی المجمع عن الیاقر علیہ السلام ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما نظر الی کثرة عدد المشرکین وقلة عدد المسلمین استقبل القبلة وقال: اللہم انجز لی ما وعدتني، اللہم ان تهلك هذه العصاة لا تعبد فی الارض فما زال یهتف ربہ ما ذأید یہ حتی سقط رداؤه عن منكبیہ فانزل اللہ اذ تستعیشون - الآية،

امام محمد باقر سے تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لشکر کفار و مشرکین کی کثرت دیکھی اور اہل اسلام کی قلت تو قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کی اور عرض کیا۔ اے اللہ۔ میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ نصرت پورا فرما، اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ آپ اسی طرح دست دعا دراز کر کے التجاء کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی تو اللہ تعالیٰ نے بشارت دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی (تفسیر حافی جلد اول ص ۲۳۳)

اور دوسری روایت میں اس طرح وارد ہے کہ جب اہل مکہ کفار و منافقین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی قلت کو دیکھا تو کہا۔

مساکین هولاء نحرهم دینہم فیکتلون الساعة (الی) فقال: یا رب ان تهلك هذه العصاة لم تعبدوا ان شئت لا تعبدوا لا تعبدوا

یہ مساکین ہیں ان کو ان کے دین سے ذبح کر دیا یہ تو ابھی قتل ہو جائیں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست دعا دراز کر کے عرض کیا اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت نہیں ہوگی۔

اور اگر تو یہی چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو اسی طرح ہی پھر آپ

پر استغزاتی حالت طاری ہوئی اور ملائکہ کی آمد کا مشرودہ سنایا گیا تو آپ نے صحابہ کو مبارکباد دی (مصافی ص ۲۳۷ و کذا فی تفسیر مجمع البیان ۲/۵۲۵)

۲۔ ابو عوانہ سے مروی ہے کہ عبدالرحمن بن عطاء اور ابو عبدالرحمن سلمی کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بات چلی (اور یہ ابو عبدالرحمن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف ہونے والوں میں سے تھا) تو اس نے حیان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کیا جانتا ہے کہ تیرے اماں کو کس چیز نے خون بہانے اور قتل و قتال کرنے پر براہِ گینختہ کیا ہے؟ تو اس نے دریافت کیا۔ "تو انہیں کس چیز نے اس امر پر براہِ گینختہ کیا ہے؟" اس نے کہا:

حدثنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا هل
بدار: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم او كلا ما هدا
معناه: (شرح نهج البلاغه جدیدی ص ۱۰۱)
انہوں نے ہمیں بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اہل بدر کے
متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم جو چاہو کرو کیونکہ میں نے
تمہیں بخش دیا ہے۔

۳۔ تفسیر مجمع البیان جلد ۲، مخ ۲ اور تفسیر منہج الصادقین جلد ۲، مخ ۱۲ پر بھی اہل بدر
کے لیے یہی بشارت موجود ہے جس کا سبب درود حضرت عاقل بن ابی طلحہ
بدری صحابی کی اہل مکہ کے لیے فیزیاتی جس کی وجہ سے ان کو منافق سمجھا گیا اور
ان کے قتل کرنے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی گئی تو آپ
نے فرمایا یہ بدری صحابی ہے۔ اور مجاہد بھی بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے
"اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم" جو چاہو کرو میں نے تمہیں
بخش دیا ہے۔ سبحان اللہ اس قسم کی سنگین غلطی کے باوجود نہ اس صحابی
کے حق میں نفاق کا لعنہ قابلِ برداشت اور نہ ہی تفریری اور تادیبی کارروائی
فرمائی حالانکہ ان کو بارگاہِ نبوت میں قرب بھی حاصل نہیں تھا جو عقائد مثلاً کو

حاصل تھا لیکن میاں دھکو صاحب کو اور اس کے ہم مذہب علماء کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان عام نہ نظر آتا ہے اور نہ اس پر اعتقاد اور عمل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، نعوذ باللہ من هذا الشقاء۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہؓ کے اس اعتراض کا کہ انہوں نے ہمارے صلاح و مشورہ کے بغیر خلافت کو سنبھالا ہے اور ہم اس اجماع میں شریک نہیں ہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

ان الناس تبع المهاجرين والانصار وهم شهود
للمسلمين في البلاد على ولاتهم وامرائهم فرضوا بي
وبايعوني،

باقی لوگ مهاجرین و انصار کے تابع ہیں اور صرف وہی مسلمانوں کے شہروں میں ان ولایت امر اور امراء پر شہود اور گواہ ہیں اور وہ مجھ پر رافضی ہیں اور انہوں نے میری بیعت کر لی ہے تو امیر معاویہؓ نے کہا، ہمارے ہاں شام میں بھی مهاجرین و انصار موجود ہیں جو آپ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے اور نہ آپ کی خلافت پر رافضی ہوئے لہذا یہ دعویٰ کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے، تو آپ نے جواب میں فرمایا

ويحكم هذا البدريين دون الصحابة ليس في الأرض
بدري الا وقد بايعني وهو معي او قد قام ورضي
فلا يغرنكم معاوية من انفسكم ودينكم۔

تمہارے لیے افسوس ہے یہ افتیاء اور تصرف بدری مهاجرین و انصار کے لیے ہے نہ کہ تمام صحابہ مهاجرین و انصار کے لیے اور روئے زمین پر کوئی بدری صحابی نہیں جس نے میرے ساتھ بیعت نہ کی ہو اور میرے ساتھ شریک کار نہ ہو یا بیعت کر کے اٹھا ہوا اور

مجھ سے راضی نہ ہو لہذا معاویہ تمہیں اپنے نفوس اور دین کے متعلق
دھوکہ میں نہ ڈالے (شرح حدیدی ص ۱ جلد چہارم)

الغرض ان روایات سے بدری صحابہ کرام و تابعین و انصار کا مدار اسلام و ایمان
ہونا اور عبادت خداوندی کا ان کی حیات اور بقا سے وابستہ ہونا واضح ہے اور
اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قولی اور دعویٰ کی وجہ سے اعتراض نہ کرنا اس
امر واقعہ کی بین دلیل و برہان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب میں اہل بدر کی حیات و بقا اور
فتح اور کامیابی پر تاقیام قیامت اسلام و ایمان اور توحید و عبادت کے موقوف و مترتب
ہونے کو مان لیا ہے اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت فرمائی۔
اور انہیں مرضی محبوب کے مطابق فتح و کامرانی بھی عطا فرمائی اور ساتھ ہی یہ اعزاز بھی بخشا
کہ آج کے بعد جو چاہو کر دم پر عذاب و عقاب نہیں ہے اور اسی طرح یہ بھی واضح
ہوا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ ولایت میں بھی یہ حضرات مقتدا
اہل اسلام ہیں۔ انہیں پر امراء و حکام کا انتخاب موقوف ہے اور ان کی بیعت ان امراء و
حکام کے لیے موزونیت و اسحقاق کی حتمی سند اور شہادت ہے۔

اہل حنین اور شہادت نبوی :

(۱) ثم رفع رأسه الى السماء فقال اللهم ان تهلك هذه
العصابة لم تعبد وان شئت ان لا تعبد (لا تعبد) صافی جلد اول)
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہل اسلام کے وقتی طور پر پیچھے ہٹنے پر)
آسمان کی طرف سر اٹھایا اور عرض کیا اللہ ہے اللہ اگر تو نے اس جماعت
کو ہلاک کیا دیا یہ جماعت کفار کے ہاتھوں ہلاک ہو گئی، تو تیری عبادت
نہیں کی جائے گی اور اگر تو یہی چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے
تو پھر تیری عبادت نہ ہی کی جائے، اور یہی مضمون تفسیر قمی ص ۲۸۷
پر موجود ہے۔

غزوہ بدر میں تین سو تیرہ مہاجرین و انصار تھے اور غزوہ خنین میں بارہ ہزار پنج ۔
 مہاجرین و انصار کے اور فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کے ، اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے دونوں گروہوں کو مدار اسلام اور بنیاد توحید و رسالت قرار دیا اور اساس عبادت
 خداوند تعالیٰ اور عرض کیا اے اللہ اگر یہ جماعت بدر میں اور وہ جماعت خنین میں ہلاک
 ہو گئی تو پھر تیری عبادت کبھی بھی نہیں ہو سکے گی تو جو ہستیاں مدار اسلام ہوں اور بنیاد
 شریعت اور ان کے حق میں یہ اعلان کرنے والے محمد رسول اللہ ہوں اور مہر تصدیق ۔
 لگانے والا اللہ تعالیٰ ہو ، وما ینطق عن الہوی ان ہوا لا وحی یوحی
 تو ان کے ایمان و اخلاص میں کون مسلمان شک کر سکتا ہے ۔

تتمیز بہ الامامیہ (ص ۲۵ / از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب)

کیا اصحاب ثلاثہ اسلام لائیں مخلص تھے

پیر سیالوی نے اپنے رسالہ کے ص ۱۳ و ۱۴ پر دو مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے پہلا
 یہ کہ اصحاب ثلاثہ اخلاص سے ایمان لائے تھے دوسرا یہ کہ منافق عہد رسالت کتاب صلی اللہ
 علیہ وسلم میں ختم ہو گئے تھے ۔

تحفہ حسینیہ : امرا دل ، حضرت شیخ الاسلام بلکہ تمام عالم اسلام کا ماسوائے روافض کے
 یہی عقیدہ اور ایمان ہے کہ اصحاب ثلاثہ واقعی اسلام لانے میں مخلص تھے اور دلائل عقلیہ و نقلیہ
 اس کے شاہد ہیں جس طرح حضرت شیخ الاسلام نے بیان فرمائے اور ہم نے بھی بطور تہتم
 ذرا تفصیل سے ان کا ذکر کر دیا ۔

امروم ” یہ کہ منافق عہد رسالت میں ختم ہو گئے ، یہ جملہ دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ
 آیہ معلومہ پڑھ ہی دیں ، لعنة اللہ علی الکاذبین ۔

حضرت شیخ الاسلام کی عبارت: ہمزو مل خط و مطالعہ فرمادیں اور بتائیں کہ یہ لفظ وہاں موجود ہیں یا آپ کی عبارت سے یہ مطلب کشید کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے آیت کریمہ یا ایہا النبی جاهد الکفار والمنافقین الآیہ کو نقل کر کے دعوت فکر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد اور تغلیظ و تشدید کا ہو تو آپ جن کو ہزار و دوساں بنائیں اور وزیر و مشیر تو یقیناً ان کے متعلق کفر و نفاق کا گمان خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بدعتیہ پیچھا کرے گا کہ آپ نے قرآن پر عمل نہیں فرمایا نہ یہ کہ مطلقاً منافق ختم ہو گئے تھے۔ مطالب کشید کرنے کے اس انداز پر تو ابن سبأ بلکہ شیطان لعین بھی۔ دھکوماحب کو رشک بلکہ حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔

تیمزہیر الامام میرہ ص ۴۵؛ الجواب واللہ المعین علی الصواب ارباب دانش و بینش کا قول ہے کہ۔

”عدم العلم لا یدل علی العدم“

یعنی کسی چیز کا معلوم نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اگر مولف کو اصحاب ثلاثہ کے اسلام لانے کے کسی دنیوی و اعلیٰ اور محرک کا علم نہیں ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ سوائے خلوص و ایمان کے اس کا کوئی اور دنیوی دائرہ موجود نہ تھا۔

تحفہ حسینیہ : دھکوماحب یہ قاعدہ اس وقت استعمال کرتے جب حضرت شیخ الاسلام نے دلائل پیش نہ کیے ہوتے جب آپ نے اجمالاً قرآنی اور عقلی دلائل کی طرف اشارہ فرمادیا جن کی تفصیل ہم نے عرض کر دی ہے تو یہ عدم علم عدم شئی پر استدلال نہیں بلکہ دلائل دبراہین قاہرہ کے وجود سے مدلول و مطلوب کے حتمی وجود پر استدلال ہے علامہ دھکوماحب دل کی آنکھیں چو نہ سہی مگر سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ یہاں ارباب دانش و بینش کے اس قاعدہ کا ذکر کر کے تم نے کس قدر دانش و بینش سے محرومی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

ابوبکر صاحب کے اسلام لانے کا اصل محرک

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک اعلان نبوت بھی نہیں فرمایا تھا کہ جناب ابوبکر کی سفر تجارت کے سلسلہ میں شام جاتے ہوئے بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے یہی احوال پرسی کے بعد یہ پیش گوئی کی کہ عنقریب تم میں ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا اور تکالیف شاقہ برداشت کرنے کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ تم اس کی تصدیق کرنا کیونکہ اس نبی کے بعد زمام اقتدار تمہیں ملے گی۔

(ملاحظہ ہو: سیرت حلبیہ ج ۱: ۳۱۰، تاریخ الخلفاء، ۲۳۱، موطا ص ۲۵۰)

(۱) چونکہ ابوبکر صاحب کو راہب کی بات پر بختہ یقین تھا۔ اس لیے جب آنحضرت نے اعلان نبوت فرمایا تو یہ بظاہر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور حصول اقتدار اور عروج حکومت سے ہمکنار ہونے کے لیے تمام تر تکالیف کو بطیب خاطر برداشت کیا۔

(۲) غلبہ صاحب کے قلبی مرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرک تم میں جیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے۔

(در منثور، ۵۴، کنز العمال ۲: ۱۶۹)

(۳) نیز آنحضرت نے یہ فرمایا کہ ابوبکر کی سبقت اسلامی کا بھانڈا بھی چوڑا ہے پر پھوڑا

ہے۔ ”ما سبقکم ابوبکر بصوم ولا صلوة الا بشی

وقر فی قلبہ، یعنی ابوبکر نے روزہ رکھنے، نماز پڑھنے میں تم پر سبقت

حاصل نہیں کی بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے کہ ہے جو ان کے دل میں راسخ

تھی، یعنی بحیرہ راہب کی پیشگوئی۔

ع - نہاں کئے ماند آن رازے کنو سازند مخلصا۔
تحفہ حسینینہ : از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی۔

ڈھکو صاحب نے قرآن مجید اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادات ائمہ جو اصحاب ثلاثہ کے اقلام پر دلالت کرتے ہیں ان کے مقابل اور معارض اقوال پیش کر کے حضرت شیخ الاسلام کے استدلال کا توڑ پیش کرنا چاہا ہے اور اس میں ترتیب خلافت کو ہی ملحوظ رکھ کر اپنے قلبی بغض کا اظہار کیا ہے۔ سیرت جلیہ اور عوائق فرقہ میں مرقوم روایت بجا کمراس سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ ڈھکو صاحب کی اپنی افتاد طبع ہے۔ اس قول میں کوئی ایسی دلالت تو کجا اشارہ بھی موجود نہیں ہے اور اسی کشید کردہ بلکہ فرض کردہ مقصد کو مد نظر رکھ کر تیسری دلیل بھی تیار کر لی ہے لہذا ڈھکو صاحب کے استدلال کا دار و مدار دو امور پر ہوا ایک اپنے مفروضہ پر اور دوسرا ایک حدیث پر اب ہم ذیل میں اس استدلال کی عقلی اور نقلی حیثیت کو واضح کرتے ہیں اور فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔

(۱) قابل توجہ امر یہ ہے کہ آیا قرآن مجید کے آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کے مقابل سیرت جلیہ کی روایت سے خود ساختہ اور تراشیدہ مطلوب پیش کرنا کسی با اصول عالم دین بلکہ مسلمان کے نزدیک قابل قبول ہو سکتا ہے ظاہر ہے دلائل کے مقابلہ میں جوابی طور پر دلائل پیش کرتے وقت قوت کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر دلیل وزنی ہوگی تو مستدل کا موقف وزنی ہوگا اور برابر دہرے کی ہوگی تو دونوں احکام موقوف اور معلق ہو کر رہ جائیں گے اور کمزور دلیل بلکہ شبہ پیش کیا جائے گا تو طفلانہ حرکت اور مہمونا نہ گپ قرار پائے گی۔ اس پس منظر میں دیکھو تو شیخ الاسلام قرآن مجید کی آیات کا غلام اور مغز پیش کر رہے ہیں اور ڈھکو صاحب ایسی روایت جس میں قطعاً ان کے مدعا پر کسی پہلو سے دلالت موجود ہی نہیں بلکہ صرف اپنا مزعومہ اور مفروضہ ہے جس کو صرف طفلانہ بلکہ مہمونا نہ حرکت ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۲) دلیل وہ ہوتی چاہیے جو دعویٰ اور مدلول کو مستلزم ہو اور عقلاً تحقق دلیل کے بعد مدلول کا متحقق نہ ہونا باطل ہو لیکن اس روایت میں اس طرح کا کوئی استلزام موجود نہیں یہ خبر سن کر حضرت ابو بکرؓ ہو سکتا ہے غلوں سے ایمان لائے ہوں اور راہب کی خبر کے ہر دو حصوں کا یقین کیا ہو کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور میں ان کی زندگی میں وزیر و مشیر اور بعد از وفات خلیفہ و زناٹ ہوں گا۔ جب یہ احتمال موجود ہے بلکہ دلائل کتاب و سنت کی روشنی میں متعین ہے تو دوسرے احتمال کی وجہ ترجیح تو کجا، اس کا تصور بھی کوئی ٹھوس اور عقلمند نہیں کر سکتا۔ اس کے تحت پہلی صورت کو رد کیونکر کیا جاسکتا ہے اور کم زکم۔

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال دال دالے عقلی قاعدہ کے تحت باعزت انسان کو اپنے استدلال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔

جب اس کے استدلال میں دوسرا احتمال موجود ہو چہ جائیکہ جب دوسرا احتمال ہی متعین ہو۔

منذیل : یہی حال تیسری دلیل کا بھی ہے کہ جناب ابو بکرؓ نے اسی چیز کی وجہ سے سبقت کی ہے جو ان کے دل میں راسخ ہے،

(۱) کیونکہ ظاہر ہے دل میں حرص و لالچ بھی ہوا کرتا ہے اور ایمان و اخلاص بھی اور عشق و محبت بھی، جب دونوں احتمال موجود ہیں تو انہیں عقل اور دیانت یہ استدلال بھی لنوا اور باطل ٹھہرا

(ب) تحریف معنوی اور تم بالائے ستم : دیکھو صاحب نے اپنی جان پر ظلم یہ کیا ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف معنوی کر دی ہے۔

”ما سبقکم ابوبکر بصوم ولا بصلوة الا بشئ وقر فی قلبہ“ جس کا صحیح ترجمہ تو یہ تھا کہ تم سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ روزہ کے ذریعے سبقت لے گئے ہیں اور نہ نماز کے سبب سے لیکن اس ہیز کی وجہ سے جو ان کے دل میں راسخ ہے۔

یعنی ان کی سبقت۔ کہ اہل اسلام پر مسلم ہے مگر سبب اسکا کثرت موم و صلوة۔
 نہیں بلکہ یہ تو اعمال ظاہرہ ہیں اور وہ سبب ان کے دل سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن
 ڈھکوصاحب نے طالب علموں کے سامنے شرمندگی کا خوف کیے بغیر اپنی مرضی کا ترجمہ
 داغ دیا۔ طلبہ جانتے ہیں کہ جس چیز کی طرف سبقت مراد ہو اس پر دالی داخل کیا جاتا
 ہے کما قال تعالیٰ: سابقوا الی مغفرة من ربکم۔ الآية نہ کہ اس
 پر باء داخل کی جاتی ہے جو کہ سبیت پر دلالت کرتی ہے لیکن اگر یہ معنی کرتے جو
 قواعد کے مطابق ہے تو قلبی بغض کا اظہار نہیں ہو سکتا تھا اس لیے شرم غلو اور شرم
 خدا سے بے نیاز ہو کر یہ ترجمہ کر دیا۔

الفرض جب اس میں بھی احتمال ہے کہ وہ شئی ایمان و یقین کامل اور اخلاص
 اکمل ہو تو استدلال باطل ہو گیا بلکہ یہی احتمال متعین ہے کیونکہ تمام اہل اسلام پر سبقت
 طلب جاہ اور حرص سلطنت سے تو ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ایمان و اخلاص کامل اور
 حب صادق سے کیونکہ اعمال ظاہرہ مجسمے ہوا کرتے ہیں اور یقین محکم اور حب صادق اور
 عشق کامل۔ ان کی جان اور ان کے پیر و پلہ ہوا کرتے ہیں جو سبقت کا موجب بنتے
 ہیں۔ قال الحمید فقط الشیرازی۔

انجا کہ زاہداں بہ ہزار اربین ہند۔ مست شراب عشق بیک آہ میرسد
 علاوہ انہی یہ تیسری دلیل ڈھکوصاحب کی پہلی دلیل کی فرع ہے جب اس کے
 پرچھے فضاء آسمانی میں بکھرے ہوئے ہر آنکھ واسے کو تکر آ جائیں گے تو اس
 کا فیصلہ وہ خود کریں گے۔

(۳) بحیراراہب نے جو کچھ آپ کو بتلایا تھا اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
 نبی آخر الزمان ہونا بھی داخل تھا اور سب اہل کتاب کا ان کی راہ میں آنکھیں پھٹنے
 ہونا بھی۔ اگر آپ کو اس کی بات سن کر اپنے وزیر اور خلیفہ ہونے کا یقین
 آگیا تو آپ کی نبوت و رسالت کا یقین کیونکر نہ ہوا اور جب آپ کو اس کی
 خوشخبری کے تحت دونوں امر کا یقین ہو گیا تو اس سے آپ کے غلوں پر اعتراض

کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے مثلاً ہمیں یقین ہے کہ آپ کی غلامی میں آکر جنت ملے گی اور حور و غلمان اور نہ ختم ہونے والی زندگی تو کیا ہمارا ایمان صرف اس لالچ کے تحت ہو گا لہذا خدا کا اعتبار ہی نہیں ہو گا؛ نعوذ باللہ من ذلك جب یہ بشارت ہمارے اخلاص میں غل نہیں تو وہ بشارت حضرت صدیق کے اخلاص میں کیونکر خلل انداز ہو سکتی ہیں۔

(۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب کے ملک بن چکے ہوتے یا آپ کے لیے حالات سازگار ہوتے تو پھر تو اس توہم کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن مکی زندگی کے تیرہ سال انتہائی پر آشوب تھے، پھر مدنی زندگی میں کبھی جنگ بدر کبھی جنگ احد اور کبھی خندق وغیرہ، علاوہ ازیں وطن سے بے وطن ہونا، گھر بار سے الگ ہونا اور کفار کی طرف سے زور و کوب کیا جانا، جس کو خود ڈھکوا صاحب نے تقیہ نہ کرنے کے خوفناک انجام کے تحت ذکر کیا ہے، قریبی رشتہ داروں بلکہ اولاد کے ساتھ جنگ و جدال صرف اس موہوم امید پر کون برداشت کر سکتا ہے اگر دل میں حلاوت ایمان گھر نہ کر چکی ہو اور عشق نبوی کے شراب نے مست بنا کر دنیا کی ہر تکلیف کو سہل نہ کر دیا ہو تو ایسے مصائب و شدائد کبھی برداشت نہیں ہو سکتے۔

(۵) ماہب نے من و ذرات اور غلاف کی خبر دی تھی وہ ذاتی رائے اور ہجوم و مل کے علم پر مبنی تھی یا اللہ تعالیٰ کی منزل کتب میں ازلی فیصلہ اور محیط علم غیب کی بناء پر، صورت اولیٰ میں اس قدر جزم اور یقین کس کو آسکتا ہے بالخصوص ان مشکل اور تکلیف دہ احوال میں اور دوسری صورت میں اخلاص کی نفی نہیں ہو سکتی ورنہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بھی یہی فتویٰ لگے گا کیونکہ ولادت شریفہ کے وقت سے لے کر اعلان نبوت سے پہلے تک مختلف رحبان اور اجبار آپ کی نبوت و رسالت کی خبریں دیتے رہے اور اس وجہ سے آپ کو جناب البوطا لب نے سفر تجارت میں شام کی طرف لے جاتے وقت راہ

سے واپس کر دیا تھا کیونکہ راہب نے آپ سے کہا تھا کہ یہ پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ اور مجھے ان کے متعلق یہودی کی بدیاہلی اور دشمنی کا خطرہ ہے اور اس قسم کے بے شمار واقعات کتب سیرت میں موجود ہیں تو کیا یہاں بھی اس قسم کے توہم کی گنجائش ہوگی۔

(۶) اگر یہ خلافت ظالمانہ تھی تو راہب کو بطور بشارت اور مشورہ اس کو ذکر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ اس کے حصول کے لیے کوشش کرنے کی ترغیب دینے کی کوئی وجہ ہو سکتی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام اور عطیہ کے طور پر تھی تو اس سے حضرت صدیق کا اعزاز و اکرام ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل ان کی خلافت کا اعلان ملا کہ اور جنوں میں کیا گیا۔ آدم علیہ السلام کے اس ذہن پر اجماع کی خلافت کا اعلان بھی ان کی پیدائش سے قبل آسمانی کتابوں اور رسل و انبیاء علیہم السلام کی زبانی کرایا گیا اور مقدمہ کی بات ہے کہ پہلی امتوں کا بھی اس پر ایمان اور اعتقاد ہے لیکن یہ بد قسمت لوگ محمد عربی کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کے مدعی ہو کر اس پستی میں گرے ہیں کہ اس عظیم خلافت پر ایمان نہیں لائے بلکہ اس کے انکار کو جزو ایمان بلکہ عین ایمان تسلیم کرتے ہیں۔

(۷) نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ محض شورائی خلافت نہیں تھی بلکہ اس کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے ازلی کلام میں ہو چکے تھے اور کتب سابقہ میں بھی ہاں البتہ زبان خلق تقارہ۔ خدا کے تحت اس اجماع و اتفاق نے اس ازلی فیصلہ پر تصدیق لگا دی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو یہ خلافت پسند نہیں تھی تو اس کے اعلان کرنا اور لاپرواہی نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کونسی ہر بانی کا اظہار کر رہا تھا جو برحق خلیفہ ہے اس کا اعلان نہ ہو اور کسی کتاب سماوی میں نام نہ ہو اور جو ناحق ہیں ان کی خلافت کا ہر دور میں اعلان ہو اور ہر ایک کا اس پر ایمان ہو آخر یہ عدل کے عدل کے کہاں تک مطابق اور موافق ہے اور اگر ان کی خلافت کا ذکر بھی تھا

تو لازماً ان کو بھی علم ہو گا ورنہ علم میں ناقص ہونا لازم آئے گا اور عالم صاحبان
و مایکوت ہونے کے خلاف، جو کہ عقیدہ روافض ہے۔ تو آپ کے
اخلاص پر بھی حرف آ سکتا ہے صرف ابو بکر صدیق پر اعتراض کیوں؟ پھر ایسے نابھی
لوگوں کے ذریعے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو سہارا
دینے کی کیا ضرورت تھی کیا وہ خود اور حضرت علی کافی نہیں تھے۔

(۱۸) چلے دھکوماحب آپ کے اداء بالمل کے مطابق ابو بکر صدیقؓ کو توبہ حرص اور
لاپنج تھا لہذا مشکلات بھی برداشت کر لیں اور نظام اسلام بھی لے آئے مگر دوسرے
مہاجرین و انصار کو کس نے مجبور کیا، اس راہب کی بشارت نے یا ابو بکر کی افواج
اور سپاہ نے، ان کا اخلاص اور صدق دل سے اسلام لانا قرآن سے ثابت
ہے اور علی الخصوص انصار کا ایشار کہ اپنے شہر میں آنے والے مسلمانوں کو ہی
اپنا خلیفہ اور سردار بنالیا تو آخر ان کو کس نے مجبور کر لیا تھا کم از کم وہ اپنے علاقہ
میں تو اپنی حکومت قائم کر لیتے اور دنیا میں ایسا کون سا دشمن عقل و دین ہو گا
جو دین بھی گنواٹے اور دنیا بھی گنواٹے۔ اگر انصار نے تقاضائے دین کے
برعکس ہی کرنا تھا تو آپ خلیفہ اور حاکم بنتے یا پھر دنیا کو نظر انداز کرتے اور دین
کو برقرار رکھتے اور جو صحیح خلیفہ تھا اس کی خلافت کو تسلیم کرتے۔ الغرض واضح
ہو گیا کہ راہب کی خبر نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مجبور نہیں کیا تھا انہوں
نے جو فیصلہ دیا وہ اپنی مرضی سے دیا لہذا یہ خلافت حق تھی اور عند اللہ اسی کا فیصلہ
تھا اور اسی صدیق کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھوانا
چاہتا تھا۔ اس لیے اس کے اعلانات پہلے سے ہی کرادئے گئے اور تمام
اہل اسلام مہاجرین اور انصار کو آپ کی خلافت پر متفق کر دیا۔

(۱۹) مہاجرین کا اخلاص قول باری تعالیٰ۔ یبتغون فضلا من اللہ و
رضوانا سے واضح ہے اور ارشاد خداوندی الذین اخرجوا من دیارہم
بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ، سے ظاہر ہے اور ان سب کے

امام دیشوا صدیق اکبر ٹھہرے تو ان کے اعلان میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے نیز مہاجرین کو اولئك هم الصادقون فرمایا گیا اور انصار کو اولئك هم المقلحون۔ جب کہ صدیق اکبر صادقین و مقلحین کے بھی امام دیشوا تو پھر ان کے اعلان اور صدق دلی پر کسی کافر کو بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) راہب نے آپ کے خواب کی کہ ”چاند طلوع ہوا اور اس کا ایک ایک ٹکڑا مکہ شریف کے ہر گھر میں گرا اور پھر وہ مکمل ہو کر آپ کی گود میں آگیا“ تبیر بیان کی تھی۔ یہ شیطانی تو ہونہیں سکتا کیونکہ اس میں نبوی عظمت کا اظہار عطا اور آپ کے فیوض کے علوم کا بیان : لہذا یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ترغیب تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لانے کی۔ تدبیر جس میں نہ ابو بکرؓ کا دخل اور نہ راہب کا کیونکہ اگر آپ کو خواب نہ آتا تو نہ تبیر پوچھتے اور نہ ہی خلافت حقہ کے غضب ہونے کا راستہ کھلتا، لہذا حضرت صدیق کی ذات اقدس پر ناراض ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے متعلق فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے روافض کے عقیدہ پر کاری ضرب لگانے میں دلچسپی کیوں ہے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کی راہ میں روڑے اٹکانے کا خیال کیوں!

تلك عشرة كاملة فہا توا برہانکما ان کنتم صادقین۔
قائدہ : ڈسکو صاحب کی بنیادی دلیل کا حال دیکھ کر اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حیب اصل کی حالت یہ ہے تو فرع کی کیا ہوگی۔ یعنی تیسری دلیل کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکرؓ تم پر صرف اس چیز کی وجہ سے سبقت سے گیا ہے جو اس کے دل میں راسخ ہو چکی ہے یعنی بحیرا راہب کی پیش گوئی کی وجہ سے حکومت کا حرص، لیکن اس شبہ کا بھی علمی تجزیہ ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ قرآن مجید نے غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔

(۱) والسابقون الأولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان
 یہاں بھی سبقت کا لفظ ہے تو اس سے اخروی درجات مراد ہیں اور ایمان و
 اسلام میں سبقت مراد ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان سابقین کے
 ایک اہم اور مقدم رکن ہیں۔ لہذا حدیث شریف میں بھی ان کی اس سبقت کا ذکر
 ہے اور اس کی بنیادی وجہ اور حقیقی سبب کا جس نے ان کو سابقین کا بھی رئیس
 اور سرور بنا دیا ہے حضرت علیؑ نے فرمایا: الا ان الیوم مضمار وغدا السباق
 والسبقۃ الجنة (نعم مع الشرح الحدیدی ص ۲۱۰) آج ریاضت و مشقت ہے اور
 کل سبقت ہے اور وہ جنت ہے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو خطاب کرتے
 ہوئے فرمایا: فکنتم فیمن دخل فی ہذا الدین امار غبۃ و امارہبۃ
 فکنتم فیمن دخل فی ہذا الدین امار غبۃ و امارہبۃ علی جبن فاز ص ۲۱۰
 اہل السبق بسبقہم و فاز المهاجرون الاولون بفضلہم (شرح حدیدی جلد سوم)
 تم ان لوگوں میں سے تھے جو اس دین میں رغبت کی وجہ سے داخل ہوئے
 یا خوف کی وجہ سے جس وقت کہ سبقت لے جانے والے اپنی سبقت
 کی وجہ سے کامیاب ہو چکے تھے اور مہاجرین اولین اپنے فضل و مرتبہ
 کی وجہ سے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں بھی سبقت سے مراد وہی سبقت ہے جو
 موجب فوز و فلاح ہے اور ضامن ترقی درجات اور یہی تحقیق لفظ سبق کی امام راغب
 نے ذکر کی ہے السابق لاحراز الفضل والتبریز و علی ذلک (والسابقون
 السابقون) الخ (مفردات ص ۲۲۲) لہذا ڈکومنا صاحب کا یہ شبہ
 بیت تکبوت سے بھی کمزور تر ہے۔

مولف کا دوسرا شبہ اور اس کا جواب: ڈکومنا صاحب نے حضرت صدیق اکبر
 رضی اللہ عنہ کی طرف روئے سخن ہونے کی وجہ سے آپ کو مورد الزام ٹھہرایا اور ان کے

دل کی مرض کی تشخیص کا دعویٰ کر دیا حالانکہ دیگر دلائل کتاب و سنت کے مقابل اس شبہ کا سہارا لینا بے سود ہے جو ان کے اخلاص پر صریح الدلائل ہیں۔ علاوہ انہیں یہاں چند امور توجہ طلب ہیں۔

(۱) بسا اوقات ایک اہم ہستی کی طرف روئے سخن کیا جاتا ہے لیکن مراد دوسرے لوگ ہوتے ہیں اور اس خطاب کا مقصد دوسروں کے دلوں میں اس حکم کی اہمیت کا راسخ کرنا ہوتا ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”وَلَا تَقْدِرْ عَلَىٰ عَيْنِيكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا“

آپ آنکھیں بڑھا کر اور اٹھا کر ہر گز دیکھیں ان چیزوں کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو عطا کی ہیں حیوۃ دنیویہ کی زینت کے طور پر۔

حالانکہ اس ذات مقدس نے کونین کی نعمتوں کو بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے فقر و مسکنت کو اختیار فرمایا ہوا تھا لہذا یہاں روئے سخن آپ کی طرف ہے۔ اور مراد دوسرے لوگ ہیں اور یہی معاملہ حضرت صدیق کا ہے لہذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض قلب کی نشاندہی تو اس سے نہیں ہوتی البتہ مؤلف صاحب کے مرض قلب و روح کی نشاندہی ضرور ہوتی ہے۔

(۲) الشُّرَكَاءُ خَفِيَ فِيكُمْ۔ کا خطاب اگرچہ عام ہے لیکن کہیں عام سے عموم والا معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ بعض کا فعل ہوتا ہے مگر اس کی نسبت سب کی طرف کر دی جاتی ہے جس طرح نبی اسرائیل میں سے بعض نے قتل کا ارتکاب کیا لیکن نسبت سب کی طرف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَادْعُ قَتْلَ نَفْسَانَا دَارِائِمَ فِيهَا، اس وقت کو یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا پھر اس قتل کو ایک دوسرے پر ڈالا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ فَاَبَدْنَا بَعْدَ الضَّلَالَةِ بِالْهُدَىٰ وَاعْطَانَا الْبَصِيرَةَ

بعد المعی رنج البلاغہ مصری (۵۳۹)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں گمراہی کے بعد اس کے بدلے ہدایت عطا فرمائی اور دل کے ناجیہ اور اندھا ہونے کے بعد قلبی بصیرت عطا فرمائی اگر اس کلام کو اپنے ظاہر پر رکھو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی پہلے گمراہ ہونا اور قلبی بصیرت سے محروم ہونا لازم آئے گا، حالانکہ نہ شیعہ اس کے قائل ہیں اور نہ ہی ہم اس کے معتقد ہیں، اسی طرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی دوسرے دلائل کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی تاویل متعین ہوگی ورنہ خطاب عام ہونے کی صورت میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس میں داخل ہوں گے اور شرک خفی کا آپ میں بھی سرایت کرنا لازم آئے گا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس مضمون کو دوسری روایت میں **المشرك في هذه الامة اخفى من ديب النمل** سے تعبیر کیا گیا ہے (مفردات راجع ص ۱۰۲۶) اور امت میں حضرت علی، حضرت ابو ذر، حضرت مقداد اور حضرت سہیل رضی اللہ عنہم اجماع میں بھی داخل ہیں حالانکہ وہ اس سے منزہ و مبرا ہیں لہذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بھی مبرا و منزہ ہیں اور خطاب چونکہ امت کے متعلق ہے لہذا قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں میں سے کوئی بھی اس شرک خفی میں مبتلا ہو تو آپ کا فرمان بھی صادق ہو جائے گا لیکن صدر اول اور مہاجرین و انصار اور علی الخصوص بدری صحابی ہی اس کا نشانہ بنانے کیوں ضروری ہیں کیا صرف اس لئے کہ ابن سبا کی قوم اور مجوسیوں کو ان سے تکلیف پہنچی۔

لمحور فکر یہ : وعدہ غلافت ہو تو پھر خطاب کی ضمیر ہونے کے باوجود مصداق حضرت مہدی علیہ السلام بن جائیں گے جیسے کہ تفسیر صافی وغیرہ میں زیر آیت : **وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم (الایہ)** لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام کی امامت و غلافت کا وعدہ ہے اور اگر ریاکاری اور شرک خفی کے بیان میں ضمیر خطاب وارد ہو تو پھر صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات

مراد ہوگی کیا یہ انصاف کا تقاضا ہے یا علم تحقیقی اور شان اجتہادی کا، اگر کہیں تو ضمیر
خطاب سے ڈیڑھ ہزار سال بعد واسے یا اس سے بھی متاخر لوگ مراد ہوں اور کہیں
صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اور قریبی صحابی مراد ہوں جو مہاجرین۔
اولین میں سے ہوں اور مجاہدین بدر و احد، خندق و خیبر اور غازیان تبوک میں سے جن
کا اخلاص بیسیوں آیات، سینکڑوں احادیث اور ارشادات اللہ سے مہر و نیروز کی طرح
واضح اور عیاں ہو، بریں عقل و دانش بیاید گریست۔

(۳) خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما
کے اخلاص کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا،

كان افضلهم في الاسلام كما زعمت. وانصهم لله ورسوله
الخليفة الصديق

الفاروق ولعمري ان مكانهما في الاسلام لعظيم وان المصاب
بهما الجرح في الاسلام شديد الخ شرح ابن ميثم بحراني ۴۸۸

ان سب مہاجرین میں سے افضل جیسے کہ تیرا قول اور نظریہ ہے اور
سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے
غلو میں رکھنے والے خلیفہ رسول ابو بکر صدیق ہیں اور ان کے خلیفہ
عمر فاروق اور مجھے اپنی حیات کے خالق کی قسم ان کا مرتبہ اسلام میں
بہت بڑا ہے اور ان کا دنیا سے رخصت ہونا اسلام کے لیے

ناقابل تلافی نقصان اور نہ مندمل ہونے والا زخم ہے ۲

ایک طرف قرآن مجید ان کے اخلاص کی گواہی دے دوسری طرف سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فضائل و مناقب بیان کریں اور خود علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان
کو سب سے زیادہ افضل اور مخلص اللہ و للرسول قرار دیں اور ان کی جدائی کو اسلام
کے قلب و جگر کا زخم مندمل ہونے والا زخم قرار دیں اللہ تعالیٰ اور رسول گرامی اور
معدن ولایت علی مرتضیٰ سے بڑھ کر کون زیادہ حکیم ہے کہ اس نے تو مرض قلب کی

تشخیص کر لی لیکن ان حضرات کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

(۴) علاوہ ازین شرک خفی نام ہے ریاکاری کا اور کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور وہ اندر ہی اندر ترقی کرتا رہتا ہے لہذا طیب روحانی نے زیر تربیت اپنے غلاموں کو اس کی اہمیت بتلانے کے لیے فرمایا کہ ریا بیونی کی چال میں غیر محسوس طریقہ پر انسان میں سرایت کرتا رہتا ہے لہذا اس سے ہوشیار اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے اور دل کی پاسبانی اور نگرانی کی ضرورت ہے لہذا یہ تربیت اخلاق اور اعلیٰ ترین اوصاف کے ساتھ متصف ہونے کی ترغیب ہے نہ کہ مرض قلب کا اثبات اور اس کے لاعلاج ہونے کا بیان۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

وہی روایت جس کا ایک جھوٹا حکو صاحب نے مفید مطلب لکھ کر لکھ دیا خود اسی روایت سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے آپ نے فرمایا، الا ادلک علی شی اذا قلتہ ذهب قلیلہ وکثیرہ کیا میں تجھے ایسا وظیفہ نہ بتاؤں کہ جب تو اسے پڑے تو قلیل اور کثیر ہر طرح کا شرک دور ہو جائے۔

قل اللہم انی اعوذ بک ان اشرك بک وانا اعلم واستغفرک لما لا اعلم و تفسیر در منشور ۵۴ اسی طرح کہا کرو ابے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس کی کہ تیرے ساتھ شرک کروں دیدہ دانستہ اور میں تجھ سے استغفار کرتا ہوں اور غشش طلب کرتا ہوں اس کی جو میں نہیں جانتا، تو کس قدر مطلب اور مفہوم واضح ہے کہ طیب روحانی اپنے غلام کو تربیت دے رہا ہے اور امکانی صورت کا تدارک بتلا رہا ہے لہذا اس صورت میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟ اور اگر حضرت صدیق کے دل میں شرک تھا تو ان سے ازواجی مراسم قائم کرنا اور برادرانہ روابط روار کھنا کیا قرآن مجید کے اس ارشاد کی کھلی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

”یا ایہا النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم“

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔

اور اسی طرح فرمان باری تعالیٰ کی بھی

”ولا تتركوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار“

ظالموں کی طرف لوئی میلان احمد رهنوی رغبت بھی نہ رکھو ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ اپنی پیٹ میں لے لے گی اور کونسا مسلمان ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس خلاف درزی کو ردوار کرے۔

تنبیہ : دیکھو صاحب نے لفظ شرک مطلق لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہاں شرک جلی اور شرک اکبر مراد ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے اس میں حیونٹی کی چال کی طرح چٹنے کا کیا مطلب بلکہ یہاں ریا مراد ہے جیسے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
ان یسیر الدیاء شرک“ مہولی سی یاد کاری بھی شرک ہے اور ریا کا صدور انسان کو کافر و شرک شرعی نہیں بناتا لہذا یہاں بھی ڈبڈی ماری گئی ہے خود اسی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

هل الشرك الا من جعل مع الله الها آخر“ اور دوسری روایت میں

ہے کہ آپ نے عرض کیا۔ هل الشرك الا ما عبد من دون الله

او ما دعی مع الله ، یعنی کیا شرک تو صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ

کے ساتھ کسی کو الہ اور معبود مانا جائے اور ہم تو آپ کے غلام ہیں۔ اور توحید و رسالت

کے عقیدہ پر کار بند ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں وہ حیونٹی کی طرح سرایت کرنے والا

بھی ہوتا ہے اور فیض بتلاتے ہوئے اس کا اثر بھی یہی بتلایا کہ اس سے قلیل اور کثیر

ہر دو شرک دور ہو جائیں گے حالانکہ شرک جلی تو قلیل نہیں ہو سکتا وہ تو ان الشرک

لظلم عظیم کا مصداق ہے اور کثیر و عظیم ہی ہے۔ اس صورت میں بھی دیکھو صاحب

کی تشخیص غلط ہو گئی اور اس کی دھاندلی واضح ہو گئی۔ کیونکہ شرک جلی منافی ایمان ہے،

شرک خفی تو ایمان کے منافی نہیں البتہ کمال حدیقتی کے منافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

آپ کو قرآن مجید میں الا تقی فرمایا ہے۔

”سبحنہا الا تقی الذی یوقی ماله یتنز کی“ دوزخ کی دھکتی آگ سے

وہ شخص ضرور دور رکھا جائے جو بہت زیادہ پرہیزگار ہے جو کہ مال کو تزکیہ قلب کے حصول کے لیے راہِ خدا میں دیتا ہے اس آیت کریمہ کے تحت ابو علی طبرسی نے مجمع البیان میں کہا کہ اس سے مراد ابو بکر ہیں۔

عن ابن الزبیر قال ان الایة نزلت فی ابی بکر لانه اشتری المسالیک الذین اسلموا مثل بلال و عامر ابن قھیرة و غیرهما واعتقهما۔ (مجمع البیان ۵۰۲)

ابن الزبیر سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے ان غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جو اسلام لا چکے۔
تھے مثلاً حضرت بلال عامر بن قہیرہ اور دیگر غلام۔

لہذا ایسی ہستی میں قلیل ترین ریاکاری بھی قابلِ برداشت نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس کی اہمیت بھی واضح فرمائی اور اس کا علاج بھی بتلایا اس لیے یہ روایت۔
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خصوصی تہذیب اور اعلیٰ تہذیب کی دلیل ہے نہ کہ تنقیصِ شان کی۔

چشم بد بین کہ برکندہ باد — عیب نماید ہنزش در نظر۔

تشریح الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

اسلام عمر کی حقیقت: کتب سیر و تواریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کے اعلان نبوت کے چھ سال بعد تک عمر صاحب اسلامی دائرہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ اس اثناء میں مختلف طریقوں سے آنحضرت کو اذیت پہنچاتے رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب ابو جہل نے آنحضرت کو قتل کرنے پر ایک ہزار سرخ و سیاہ اونٹ اور ایک ہزار اذقیہ چاندی دینے کا اعلان کیا تو عمر صاحب قتل رسول کے ارادہ سے شمشیر بکف ہو کر رسول خدا کو قتل کرنے کے بدارادہ

سے روانہ ہوئے اور جب اسی حالت میں بارگاہ نبوی میں پہنچے تو آنحضرتؐ بہر تشریف لائے اور عمر صاحب کے دامن اور برہنہ تلوار کو جھوڑ کر فرمایا: اسے عمر معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت تک ان حرکات سے باز نہیں آؤ گے جب تک تمہارے متعلق خدا ذلت و رسوائی کی وہی باتیں نہ نازل کر دے جو اس نے ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل کی ہیں۔ یہ دھمکی سن کر عمرؓ نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ۵۵، شرح پنج البلاغہ حدیدی ۱۷۵ وغیرہ)

لمحکمہ یہ : یہ درست ہے کہ عمر صاحب کے ظاہری کلمہ پڑھنے سے وہ آیت نہ اتری جس کی رسول خداؐ نے دھمکی دی تھی مگر صاحبان عقل و دانش کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آیا اس کلمہ پڑھنے سے ولید بن مغیرہ کے ساتھ مشابہت کے اسباب بھی بدل گئے تھے یا بدستور قائم تھے؟ صلائے عام ہے یا ران نکتہ دان کے لیے (ص ۴۸، ۴۷)

تحفہ حبیبیہ

امیر المؤمنینؓ عمرؓ بن الخطاب کی حقیقت اسلام

ذکو صاحب نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کی شان اقدس میں گستاخی اور آپ کے ایمان و اخلاص کا انکار کرنے کے لیے جس روایت کا سہارا لیا ہے اس کے استدلال کا پتہ یہ ہے کہ چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ولید بن مغیرہ جیسے انجام سے ڈرایا اور اس کی دھمکی دی۔ لہذا آپ اسلام میں مخلص نہیں تھے سبحان اللہ کتاب و سنت کے دلائل کے مقابل ایسی دلیل وہی پیش کر سکتا ہے جس کی کھوپری میں منہ نام کی کوئی شئی نہ ہو۔ آئیے اس دلیل کی حقیقت پر بھی نظر ڈالتے چلیں۔

(۱۱) اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعید سنانے پر لایا ہوا ایمان قابل اعتماد اور لائق اعتبار نہیں کیونکہ کفر و شرک کی صورت میں جہنم کی دہکنی آگ کا ایندھن بننا اور

ہمیشہ کے لیے اس میں رہنا ہاتھوں اور پاؤں میں ہتھکیریاں اور بیڑیاں آگ کی۔
 ڈالے جانے کی نیز لپٹا کر مانی نٹریوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر نکال دے گا۔
 وغیرہ وغیرہ قرآن مجید میں جا بجا موجود ہیں۔ لہذا اس دلیل کے تحت کسی کا ایمان
 بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔ گویا جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر لہجہ و حرص کی خاطر ایمان
 کو مستلزم ہو گیا۔ اور دوزخ اور اس کے شدائد کا ذکر خوف و دہشت کی وجہ
 سے ایمان لانے کو مستلزم اور دونوں ایمان ڈھکوا صاحب کی شریعت میں
 ناقابل قبول۔

(۲) علامہ ڈھکوا صاحب نے اسلاف کی اتباع میں یہاں بھی تخریفات کا حق ادا کر دیا۔
 ہے۔ اور روایت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ حقیقت
 یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اس سے پہلے اپنے
 سابقہ ارادہ سے توبہ کر چکے تھے۔ اور اپنی بن اور بنوئی سے قرآن مجید کی
 آیات سن کر اور صحیفہ میں پڑھ کر اسلام کی طرف راغب ہو چکے تھے۔ اور
 اسی نعمت سے، مالا ہونے کے لیے وہاں حاضر بارگاہ ہوئے تھے۔
 لہذا اس میں جبر و اکراہ اور وعید و تشدید کا کیا دخل ہو سکتا تھا۔ یہ تو اس صورت
 میں تھا جب وہ خود حاضر نہ ہوتے اور آپ انہیں گھر سے یا کہیں جنگل سے
 پکڑ لیتے اور ڈرا دھمکا کر اسلام کی طرف مائل کر لیتے۔ یا دارابی ارقم میں سرور عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے ساتھ حرب و قتال کے لیے جاتے جب حقیقت
 اس کے برعکس ہے تو مؤلف کا استدلال بالکل نوا اور باطل۔

(۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کلمات پر اکتفا نہیں کیا تھا جو ڈھکوا صاحب
 نے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ بلکہ اس کے آخری حصہ کے الفاظ یوں ہیں
 "اللہم ہذا عمر اللہم اعز الاسلام بعمر فقال عمر اشہد ان لا الہ
 الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ" شرح پنج البیان حدیثی جلد اول ص ۱۸۱
 اسے اللہ یہ عمر ہے۔ اسے اللہ اسلام کو عمر کے ساتھ عزیز اور

اور ابتدائی حصہ میں یہ الفاظ ہیں۔

”ثم ندورق وجلس واجمأ فخرج اليه
جناب فقال ابشر يا عمر قاني ارجوان تكون
دعوة رسول الله صلى الله عليه وسلم لك الليلة
فانه لم يزل يدعوك منذ الليلة اللهم اعز الاسلام
بعمر بن الخطاب او بعمر وبن هشام“

یعنی بن اور بنوئی کے ساتھ لڑائی اور ان دونوں کی پٹائی کرنے کے
بعد آپ نام ہوئے اور آپ کا دل نرم ہو گیا۔ اور تمکین ہو کر بیٹھ
رہے۔ تو حضرت جناب جو چھپے ہوئے تھے وہ حوصلہ پا کر باہر نکلے
اور کہا اے عمر تیرے لیے بشارت اور مبارکباد ہو کہ آج رات
کی دعائے مصطفیٰ تیرے حق میں منظور ہو گئی ہے۔ کیونکہ آج آپ صلی اللہ
علیہ وسلم ساری رات یہی دعا فرماتے رہے۔ اے امیر اسلام کو
عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام کے ذریعے عزت عطا فرما۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ اس دعا سے آپ کا مقدر سنور گیا ہے۔

غور کیجئے روایت کا پہلا حصہ بھی غلط عمر بن الخطاب کی دلیل اور آخری حصہ
بھی مگر ڈھکوسل صاحب اس کو تو شیر بادریج کہ ہضم کر گئے اور درمیانہ حصہ سے کہ اپنی
طرف سے حاشیہ چڑھانا شروع کر دیا۔ استدلال کبھی برہانی انداز میں ہوتا ہے اور
کبھی جدلی انداز میں پہلا مفید یقین ہوتا ہے اور دوسرے میں صرف خصم اور مد مقابل کو
خاموش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ آخر ڈھکوسل صاحب بتلا میں کہ یہ استدلال کا کون سا قسم
ہے۔ اور پھر ہر دو کی دراشت میں ملنے والی قرینت کو یہاں کیونکر استعمال کیا کیا دوسرے
لوگوں کے پاس کتابیں نہیں یا مطالعہ نہیں رکھتے۔ دن دھارے اتنی اندھیر کیوں؟
بہر حال اس روایت سے تو یہ واضح ہوا کہ امیر تعالیٰ سے آپ نے ان کو مانگ

کر لیا۔ اور عربین الخطاب اور عمرو بن ہشام میں سے ایک کا آپ کی طرف سے مطالبہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت فاروقؓ کا انتخاب کیا اور تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کے ادراک گواہ ہیں کہ واقعی آپ کی بدولت اسلام کو چار چاند لگ گئے۔

(۴) ڈھکو صاحب کا عقیدہ ہے کہ چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن مغیرہ کے انجام سے آپ کو ڈرایا لہذا لازماً جو حقیقت باعتبار نسب کے اس کی تھی آپ کی بھی وہی ہے۔ مگر یہ تو فیصلہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا تھا کہ ایسے شخص کو سرسریوں بناؤں اور ان کو یہ اعتراض کیوں بخشوں۔ اگر ڈھکو صاحب عام قسم کے خاندان سے متعلق ہو کر اور معمولی قسم کے مولوی ہو کر ایسے لوگوں سے تعلق اور رشتہ داری گوارا نہیں کر سکتے تو پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر آدم و نبی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسا گمان کیونکر ہو سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سطور لکھتے وقت یہ مولف نشے میں تھا اور شعور و ادراک سے محروم در نہ اپنے اس استدلال سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لازم آنے والی توہین اور بے ادبی اور گستاخی سے بے خبر کیوں کر رہ سکتا تھا۔

(۵) علاوہ ازیں کوئی اس مدعی علم بلکہ دعویٰ راہ اجتہاد سے دریافت کرنے کیا تشبیہ جمیع امور میں اشتراک اور مساوات کو مستلزم ہوتی ہے۔ مثلاً ڈھکو صاحب کو ہی شیر اہل تشیع کہہ دیا جائے تو اس کا مطلب کیا ہوگا شیر کی دم ہوتی ہے لہذا اس کی بھی دم ہے۔ یا وہ چار ٹانگوں والا ہوتا ہے تو اس کی بھی چار ٹانگین ہیں۔ وہ شریعت کا پابند نہیں لہذا یہ بھی اس کا تولد نکاح سے نہیں لہذا..... آخر کسی کی عداوت میں یوں تو بے ہوش اور بدحواس نہیں ہو جانا چاہیے کہ قواعد و ضوابط اور اصول و قوانین اور آداب و اخلاق انسانی کو بھی خیر باد کہہ دیا جائے۔ ولید بن مغیرہ کا انجام یہ ہوا کہ اس کو ناک پر زخم آیا۔ آئندہ سورج کو انتہائی بھیاں بن گیا۔ اور اسی حالت میں مر گیا۔ تو شب بیدار اسلام دلاسنے کی صورت میں اس قسم کے خوفناک انجام

میں بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن آپ کا ذہن جو ایک خاص نکتے کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس سے خود جناب کے جوہر کا اندازہ ہوتا ہے اگر آپ کے محسن جناب سید نواز شمس علی شاہ کے بھائی جناب سید عنایت علی شاہ کی ثالثی آپ کو منظور ہو تو میں تامل نہیں ہو گا۔ گمان غالب بلکہ یقین کامل ہے کہ وہ میرے اندیشہ کو سو فیصد درست ثابت کر دیں گے۔ بلکہ نئی محفلوں میں کرتے رہتے ہیں۔

(۶) پھر شارح حدیدی نے اس روایت کو بلا سند اور بلا حوالہ نقل کیا۔ جب کہ انکی باحوالہ روایت بھی معتبر نہیں ہوتی۔ جوہری جیسے فرعی نام استعمال کرتا ہے تو بے سند اور بے حوالہ روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ پکا قبیح تھا اور ابن عثمٰی جیسے غدار شیعہ کا نمک خوار لہذا اس کی وہ روایت جو اہل سنت کے خلاف ہو اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ کتب اہل سنت میں صرف

”اللہم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمر بن ہشام“ موجود ہے۔ یا اللہم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصۃ مروی ہے یا پھر ”لو کان بعدی بنی لکان عمر“

اگر میرے بعد بنی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتے۔

اور انبیاء تو ایسے امور سے قطعاً منزہ و مبرا ہوتے ہیں جو عوام میں قابل نفرت سمجھے جاتے ہیں۔ لہذا جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سرفرازی کیلئے منتخب کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت کے شایان شان سمجھا۔ اس کی شان اقدس میں اس قسم کی گستاخی سرکوفتہ یہودی اور مجوسی ہی کر سکتا ہے جن کو عمر بن الخطاب کی وجہ سے ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا نہ کہ حقیقی مسلمان اور مؤمن۔

(۷) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھمکی دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو کلمہ پڑھوایا تھا اسی طرح ابولہب اور ابو جہل سے کیوں نہ پڑھوایا کیا انہیں دھمکیاں نہیں دی گئی تھیں۔ ذرا سوراہ لب پڑھ کر دیکھیں۔ لیکن کوئی نتیجہ مترتب ہوا۔ معلوم ہوا کہ دھمکی اور ترغیب و ترسب بھی اس وقت کام دیتی ہے۔ جب کہ سعادت اور نیک بختی مقدر میں ہو۔ اور جو ہر قابل ہو۔ اور صلاحیتیں مسلوب نہ ہو چکی ہوں۔ لہذا آپ کا دھمکی سن کر ہدایت قبول کر لیتا بھی سعادت ازلی کی علامت ہے۔ بلکہ روشن دلیل۔

(۸) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دھمکی اور تحدید و تشدید کے ذریعے پڑھائے ہوئے کلمہ کو حضرت عمرؓ سے قبول کیا یا نہ؟ اور اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا یا نہ؟ دارابی رقم میں لفرۃ بکیر بلند ہوا تو اسی عمر کے اسلام اپرا و جبریل امین نے بھی اسی اسلام پر آ کر بشارت دی۔

”لقد استبشواہل السماء باسلام عمر“ کہ آسمان واسے بھی حضرت کے اسلام لانے سے خوش ہوئے ہیں اور جب آپ نے اس اسلام کو قبول کر لیا اور اس پر خوشی منائی تو آخر مولف کو کیوں غم اور رنج و الم لاحق ہے حروف اس لیے کہ یہودیوں کو ان کے ہاتھوں تکلیف پہنچی اور ابن سبا ان سے ناراض تھا؟

(۹) دھمکو صاحب کہتے ہیں کہ آپ چھ سال بعد اسلام لائے تو کیا چھ سال بعد والا اسلام قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فتح مکہ کے بعد واسے اسلام پر بھی جنت کی خوشخبری دی ہے۔

”و کلا وعد اللہ الحسنی“ اگر اعلان نبوت کے اکیس سال بعد اسلام لانا قابل قبول ہے تو چھ سال بعد والا کیوں نہ قابل قبول نہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”الاسلام یهد م ما کان قبلہ“

سلام پہلے گناہوں کو گرا دیتا ہے اور معدوم کر دیتا ہے شرک و کفر
ہو یا فسق و فجور۔

الغرض ڈھکوماحب کا اس روایت کو پیش کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً
درست اور نہ کسی طرح اس میں اس کے قلبی غیظ و غضب اور غلو و بغض کے لیے
سامان تکین ہے۔ سوائے اپنی تزیل اور سیاہ بختی کے اظہار کے۔
عجیبہ: ڈھکوماحب نے یَنْزِلُ بِكَ كَالْقِطْرِ دیکھ کر بھلایا کہ نزول کا لفظ آیت
اترنے کے معنی میں ہی ہوتا ہے۔ لہذا بھلایا کہ آیت اترنے کی دھمکی دی گئی تھی
اور کلمہ پڑھنے سے وہ آیت نہ اتری۔

۵۔ بریں عقل و دانش بیاید گریست۔

وہاں تو خیزی اور نکال کے نزول کا ذکر ہے۔ اس کے لیے آیت اترنی
ہی ضروری تھی دوسرے جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے رہے
کیا ان کے خلاف جوابی کارروائی میں صرف آیت اترنی ہی گئی تھی۔ بات صرف اتنی
تھی کہ اگر تم مخالفت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقامی کارروائی
کا نشانہ بن جاؤ گے۔ اور آپ پہلے ہی اسلام لانے اور کلمہ پڑھنے کے لیے
ہا قمر ہوئے تھے۔ لہذا اس مشروط انتقامی کارروائی کا امکان بھی باقی نہ رہا جیسے
کلام مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے۔

”لَنْ أَشْرَكَتَ لِعَبْطَنٍ عَمَلُكَ“

اگر آپ شرک کر دے تو آپ کے عمل بیکار ہو جائیں گے لیکن
جب شرط ہی موجود نہ ہوئی تو اعمال کا بے اثر اور بے نتیجہ ہونا لازم نہ آیا
وہی صورت یہاں بھی ہے۔

تتزیہ الامامیہ

اسلام عثمان کی ماہیت

بعض ارباب تاریخ کے بیان سے واضح دیاں ہوتا ہے کہ جناب عثمانؓ

دین اسلام کو دین برحق سمجھ کر اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ رقیہ بنت رسول
بڑے جال۔ کمال کی مالک تھیں۔ ان کا عقد پہلے عتہ سے ہوا تھا۔ جب ان کو وہاں
سے طلاق مل گئی۔ تو عثمان صاحب ان سے شادی کرنے کے شوق میں اسلام لائے۔
اس سے بھی قطع نظریہ تو سب مانتے ہیں کہ جناب عثمانؓ حضرت ابو بکرؓ کی
تحریک پر اسلامی برادری میں داخل ہوئے تھے۔ لہذا جو غلوں میں تھا۔ اسی کا
عکس ثالث بالخیر میں بھی نمایاں ہوگا

تحفہ حسینیہ:

حضرت سیدنا عثمانؓ ابن عفان کے خلاف زہر افشانی کے لیے قرآن مجید
سے کوئی آیت نہ ملی۔ اور پورے ذخیرہ اماریت سے کوئی ایک حدیث بھی نہ
ملی۔ صرف ایک روایت ذکر کی جس میں خود حضرت عثمانؓ نے اپنے اسلام لانے
کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے بڑھ کر بے بسی اور بے چارگی بھی کوئی ہو سکتی ہے کہ
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں اور دوسری طرف بیسویں آیات اور سینکڑوں
امادیت جو مستقل ابواب قائم کر کے بیاں کی گئی ہیں۔ اور بخاری شریف مسلم شریف
جیسی اہم کتابوں میں مذکور ہیں اور شیعہ صاحبان کی مستند کتابوں میں بھی اگر ذرا بھر بھی
شرم و حیا ہو بلکہ اس کی رفق کسی میں ہو تو ہزار دشمنی حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہونے
کے باوجود ایسا عنوان کبھی قائم نہ کرتا اور عوام کے سامنے اس قسم کا دعویٰ قطعاً
نہ کرتا۔

آئیے اب اس روایت کو اصل کتاب سے دیکھیں اور اس میں کی گئی
سبائی صیرا پھیری اور تحریف و تفسیر کا ملاحظہ کریں۔

(۱) حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی
کا نکاح عتہ بن ابیؓ بھیب کے ساتھ ہو جانے کی خبر سنی تو میرے دل میں۔
حسرت پیدا ہوئی کہ میں نے کیوں نکاح کے لیے سبقت نہ کی۔ اور

شرف کیوں حاصل نہ کر سکا یاد رہے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوپھی زاد بہن ام اردی کے
لحنت جگرتے اور جدی برادری سے بھی اگرچہ عتبہ زیادہ قریبی تھا، اس کے بعد آپ اپنی خالہ
کے پاس پہنچے اور انہیں علم کمانت میں مہارت تھی۔ اس نے آپ کو اس حال میں دیکھتے ہی
بشارتیں دینا شروع کر دیں جن میں یہ بھی تھی۔

انکھت واللہ حصاناً ذہراً وافیتمہا بنت عظیم قدرا
کہ تیرا عقد پاک دامن اور چمکدار رنگت والی عظیم القدر شخص کی بیٹی سے
ہوگا۔

فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا قالہ تم کیا کہہ رہی ہو اور کسی بشارتیں دے
رہی ہو۔ تو اس نے کہا عثمان تو صاحب جمال بھی ہے۔ اور صاحب لسان بھی اور یہ
نبی ہیں جن کے پاس صداقت و حقانیت کا برہان ہے۔ انہیں دیان نے حق کے
ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور ان کے پاس تمزیل اور قرآن آیا۔ لہذا ان کے حلقہ غلامی
میں آجاؤ اور اوثمان و اصنام بچے غارت نہ کرتے رہیں۔ آپ نے کہا اے خالہ
تم جس امر کا ذکر کر رہی ہو تمہارے اس شہر کہ میں تو قرآن و تمزیل اور نبوت و رسالت
کو جانتا کوئی نہیں۔ لہذا اس کی ذرا وضاحت کرو۔ تو اس نے کہا۔

محمد بن عبد اللہ۔ رسول من عند اللہ

جاء بتنزیل اللہ۔ یدعوا الی اللہ

محمد رسول اللہ ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کے

ساتھ مبعوث ہوئے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلا تے ہیں

آپ کا چراغ ہی نور پھیلانے والا ہے۔ اور آپ کے دین میں سراسر

فلاح ہے۔ آپ کے امر میں ہی نجات اور کامیابی ہے۔ آپ کے لیے وادیاں

سنگوں ہو چکی ہیں۔ اگر آپ نے جہاد شروع کر لیا اور مخالفین کا قتل تو پھر جہاد

پکار فائدہ نہیں دے گی۔ اور نہ ہی حیب تلواریں میانی سے باہر آگئیں اور نیزے

بند کر دیئے گئے۔ قال ثم انصرفت ووقع کلامہا فی

قلبی وجعلت افکرفیہ۔ فرماتے ہیں میں واپس ہوا تو ان کا کلام میرے دل میں گھر کر چکا تھا۔ اور میں نے اس میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ اور میرا ابو بکر صدیق کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا بھی تھا۔ میں نے اپنی خالہ سے جو کچھ سنا تھا ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا عثمان تجھ پر افسوس ہے تو عقلمند آدمی ہے اور حق کی باطل سے پہچان تجھ پر مشکل نہیں ہے۔ یہ کیا پتھر ہیں جن کی عبادت ہماری قوم کرتی ہے۔ کیا وہ سخت پتھروں سے تیار شدہ نہیں ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔ اور نہ نفع و ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں یہ تو بالکل ٹھیک ہے تو انہوں نے کہا تمہاری خالہ نے بالکل درست کہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں محمد بن عبد اللہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کی باتیں سنو میں نے کہا کیوں نہیں چنانچہ میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔

یا عثمان اجب اللہ الی جنتہ فانی رسول
اللہ الیک والی خلقہ قال فواللہ ماتما لکت
حین سمعت قوله ان اسلمت ثم لم البث ان
تزوجت رقیة بنت رسول اللہ فکان یقال حسن
زوج رقیة و عثمان۔ (خصائص کبری جلد اول صفحہ ۱۳۱)
اے عثمان اللہ تعالیٰ کی جنت کی طرف دعوت کو قبول کر کیونکہ میں۔
اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں میری طرف بھی اور ساری مخلوق کی طرف
بھی۔ آپ نے کہا بخدا جب میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
فرمان سنا تو میں اسلام قبول کرنے میں زمام کار ہاتھ سے دے بیٹھا
اور علقہ بگوش اسلام ہو گیا پھر زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ حضرت رقیہؓ سے
میری شادی بھی ہو گئی چنانچہ کہا جاتا تھا کہ جوڑا رقیہ اور عثمان والا کس
قدر خوب صورت ہے۔

یہ ہے وہ روایت جس کو ڈکھو صاحب نے اپنے دعویٰ کی دلیل بنایا ہے۔
اسے بار بار غور سے پڑھیں اور سبائی ذہنیت کی داد دیں کہ بات کیا ہے۔ اور
اسے کیا بنا دیا ہے چاہے اس روایت کا عملی رنگ میں تجزیہ کرتے ہیں اور مستدل
کے مدعا سے اس کا کوسوں دور ہونا واضح کرتے ہیں۔

(۱) اہل اسلام اور کفار کی باہمی رشتے داری کی حرمت والا حکم جنگِ بدر کے بعد
نازل ہوا۔ پہلے یہ رشتے داریاں جائز تھیں اس لیے عتہ کے ساتھ نکاح ہو
گیا۔ حالانکہ وہ بھی مشرف باسلام نہیں تھا۔ لہذا طلاق ہو جانے کے بعد بھی اس
نکاح کے لیے اسلام کی کوئی شرط ہی نہیں تھی۔ اس لیے حضرت زینبؓ
اور حضرت ابوالعاص ابن الربیع کا نکاح برقرار رہا۔ اور جنگِ بدر کے
بعد جب یہ حکم نازل ہوا۔ ”لَا تَنْكَحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا“
تب آپؐ نے ان کو رہا کرتے وقت اس امر کا پابند کیا کہ وہ حضرت زینبؓ
کو مدینہ منورہ بھیج دے۔ چنانچہ اس نے وفائے عہد کرتے ہوئے انہیں
مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

(۲) حضرت رقیہؓ کا تو نکاح ہو چکا اور طلاق کا تو اس میں ذکر ہی نہیں۔ لہذا منکوحہ
رقیہؓ کے نکاح کی رغبت اسلام لانے کا باعث کیسے بن گئی۔

(۳) اس روایت کی مدد سے آپؐ کی خالہ نے نکاح کا ذکر ضرور کیا۔ لیکن کس
سے ہو گا۔ کب ہو گا کیونکر ہو گا۔ قطعاً اس کا ذکر نہیں۔ مگر اتنا کہ منہلہ دوسری
بشارتوں کے ایک یہ بھی بشارت دی کہ ایک عظیم القدر شخص کی حسین و جمیل
بچی سے تیرا نکاح ہو گا۔ اس سے یہ کب معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت رقیہؓ ہی
ہیں اور انہیں طلاق بھی ہو گی اور اسلام لانے بغیر انہیں یہ رشتہ نہیں مل
سکے گا۔

(۴) بقیہ پوری روایت میں خالہ کی طرف سے حقانیتِ اسلام بیان کی گئی۔
ہے۔ اور حضرت صدیق کی طرف سے بھی امدنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

بھی صرف اعلان رسالت اور جنت کی بشارت پر اکتفا فرمایا ہے۔
 اور خود حضرت عثمانؓ کا بارگاہ نبوی میں حاضر ہونے سے قبل حضرت صدیقؓ
 کی تقریر پر تبویٰ کی ہے بسی اور بیچارگی کا اعتراف کرنا منقول ہے۔ وہاں
 نہ ڈر نہ خوف۔ نہ حرم۔ نہ لالچ۔ تو پھر کو تسا شیطان آپ کے اعداء پر
 نازل ہو گیا ہے جس نے انہیں یہ الہام کیا ہے کہ بس صرف اور صرف یہی
 باعث تھا اسلام لانے کا۔ واقعی وہ بہت بڑا شیطان ہے جس نے یہ
 کام سرانجام دیا۔ ان الشیاطین لیوحون الی اولیاءہم

(۱۵) اگر دلیل کوئی ہے تو صرف اتنی کہ پہلے نکاح ہو جانے پر اطلاع ملی تو دل میں
 حسرت پیدا ہوئی لیکن وقت گزر چکا تھا اور اسلام لانے کے بعد خالہ کی
 پیش گوئی کے مطابق اس عظیم القدر ہستی کی عظیم القدر رحمت جگر سے نکاح
 ہو گیا۔ تو کیا دیکھو صاحب کے دعویٰ کے ساتھ اس کو کوئی تعلق ہے۔ اور
 برہانی یا جہلی انداز میں اس روایت کے ساتھ مدعا کا اثبات یا زعم فاسد
 کا دفاع ممکن ہے۔ اور کیا یہ بچکانہ حرکت نہیں اور طلبہ علم کے لیے
 مقام حیرت اور تعجب نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو ازلی بد بخت ہو قرآن و حدیث کے دلائل اور روشن
 عقلی اور نقلی براہین اس کے دل کی تاریکی اور دھندلوں کو قطعاً دور نہیں
 کر سکتے۔

علیم بخت کسے کہ بافتد سیاہ

بآب زہم و کوثر سفید نتواں کرد

(۱۶) حضرت عثمانؓ کے اسلام کی جو ماہیت دیکھو صاحب کو سمجھ آگئی۔ وہ نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ نہ آ سکی نہ پہلا رشتہ دیتے وقت نہ بدر کے بعد دوسرا
 رشتہ ام کلثوم کا دیتے وقت نہ جنتی ہونے کا اعلان کرتے وقت نور بائیں
 منہ اور نہ حضرت علیؓ کو سمجھ آئی۔ درد مجلس شوریٰ کے فیصلے پر ہی سوال کھڑا

کر دیتے۔ مہاجرین نہیں تو انصار کو ہی اس دلیل سے مطمئن کر لیتے مگر آپ نے قطعاً کوئی ایسا شک و شبہ ظاہر نہیں کیا جس سے صاف ظاہر کہ اس اعتراض و تنقید کے پیچھے نبوی سونح اور فراست و ولایت کا فرما نہیں ہے بلکہ صرف ایسی اور سبائی ذہنیت ہی کا فرما ہے۔

(۷) اگر الغیاذ باللہ شمر العیاذ باللہ آپ کو ان کے متعلق پوری طرح اگلا ہی تھی اور اس کے باوجود صرف مریدین اور امتیوں میں ایک فرد کے افسانے کے لیے رشتہ دیا تو اس سے نبوت کی حقانیت اور صداقت رسالت کا دامن تارتا رہتا ہو جائے گا۔ مگر آپ کو اس سے کیا۔ آپ کا مسلح نظر تو صرف اپنے شیخ ابن سبا کو راضی رکھنا ہے۔

(۸) دھوکو صاحب کے مذہب میں تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہاجرادی ہی ایک ہے۔ ایسی صورت میں تحقیق سے تو اس دلیل کو کوئی نسبت ہی نہ رہی آجکلے گئی الزامی کاروائی اور جدلی انداز تو جہل میں مسلمات ختم پیش کئے جاتے ہیں کیا ہمارے نزدیک حضرت عثمانؓ کا اسلام قبول کرنے میں یہ باعث اور داعیہ قابل قبول ہے۔ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر الزامی کاروائی بھی نہ رہی۔ چلو مسلمات سے تنزل کرتے ہوئے کہتے کہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے پھر بھی کوئی وجہ تھی۔ جب روایت میں کسی طرح اس اختراعی نظریہ پر دلالت نہیں تو کسی طرح بھی استدلال نہ پایا گیا۔ بلکہ ادنیٰ درجہ کا شبہ بھی ثابت نہ ہو سکا۔ چہ جائیکہ دلیل لہذا اس تاریخی روایت کو اپنے عقیدہ فاسدہ کے اثبات میں پیش کرنا لفظانہ حرکت سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا

(۹) پہلے غرض کیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کا اپنا بیان کردہ واقعہ ہے۔ تو کیا آپ سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اپنے اسلام لانے کا باعث اور سبب موجب ایسے امر کو قرار دیں جو ان کے اسلام کو مشکوک

بناوے۔ لہذا اس شبہ پر مرادِ محکم کے لحاظ سے بھی کوئی دلالت موجود نہیں ہے جو ڈھکو صاحب نے یہاں بیان کیا ہے۔

(۱۰) ڈھکو صاحب کہتے ہیں اسلام عثمانؓ فرخ اور تابع ہے اسلام ابو بکر کے لہذا جو غلوں میں تھا وہی ثالث بالخیر میں بھی ہوگا۔ اول کا غلوں میں بھی مجد اللہ آیات بینات اور واضح الدلائل روایات سے ثابت ہو چکا اور اگلے صفحات میں بھی ہوگا۔ اور ثالث بالخیر کا بھی ہو چکا اور آئندہ بھی ثبوت پیش کیا جائے گا۔ صرف ایک روایت یہاں درج کی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد پر تشریف فرما تھے۔ اور ابو بکر صدیقؓ عمر فاروق اور حضرت عثمانؓ ساتھ تھے۔ احد خوشی میں رقص کرنے لگا۔ اور اس کے پھر بڑھاک کر نیچے۔ گرنے لگے۔ تو آپ نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر فرمایا۔

اسکن احد فاما علیک بنی و صدیق و شہیدان۔
اسے احد ٹھہر جائے گا پر ایک نبی کی ذات ہے۔ اور ایک صدیق کی اور دو شہید موجود ہیں۔

اگر اخلاص نہ ہوتا تو صدیقیت اور شہادت کی بشارت کیوں ملتی۔
لمحہ فکریہ : پہاڑ اور پتھر تو ان کی قدر و منزلت پہچانیں اور ان کے مقدس قدم لگنے پر خوشی سے جھوم اٹھیں۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ان کا تذکرہ کیا۔ مگر انسان اور مسلمان ہونے کے دعویداران کا نام سن کر جل جائیں۔ اور ان کے غیظ و غضب کا لاوا بھڑک اٹھے۔ نعوذ باللہ من الشقاء
اگر حضرت عثمانؓ میں غلوں نہ ہوتا تو جبرہ کی طرف ہجرت کیوں کرتے بھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کیوں کرتے اور گھربار خویش و اقرباء سے علیحدگی کیوں اختیار کرتے صرف اور صرف اخلاص ہی تھا۔ جس نے ان عظیم قربانیوں پر برا بھلا کیا صرف شادی مقصود ہوتی تو وہ تو ہونچکی تھی۔ پھر ان تکالیف کو برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔
سہ ہنزہ چشمِ عداوت بزرگ ترعیب است۔

فصل دوم

تتزیہ الامامیہ

کیا آیت جاہد الکفار والمنفقین کے نزول کے
بعد منافق ختم ہو گئے تھے۔

الجواب السوی بفضل اللہ القوی :

مؤلف کے اس بیان سے دو چیزیں عیاں ہوتی ہیں۔
اول : یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد منافقوں کا وجود ختم ہو گیا تھا۔
دوم : یہ کہ اس حکم کے نزول کے بعد جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باقی رہ گئے تھے وہ مخلص مؤمن اور کامل مسلمان تھے۔ حالانکہ اسلامی حقائق پر معمولی نگاہ رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں غلط اور بے بنیاد ہیں اور اس آیت مبارکہ کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی پیداوار ہیں۔

چنانچہ جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ منافقین کے ساتھ جہاد بالسیف کیوں نہیں فرماتے۔ تو فرمایا

يقول (او يتحدث) الناس ان محمدا يقتل اصحابه
لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں
(اور اس سے تبلیغ نبوت رک جائے گی)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابیوں کے لباس میں کچھ منافق بھی موجود تھے اور اگر بعض
حال اس جہاد سے جہاد بالسیف مراد ہوتا اور آپ اس پر عملدرآمد بھی کرتے تو
اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ منافقین ختم ہو گئے؛ کیونکہ جب وہ کفار جن کے ساتھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسیوں جہاد فرمائے ختم نہیں ہوئے بلکہ آج تک بدستور موجود ہیں۔ تو منافقین کس طرح ختم ہو سکتے تھے۔

اجبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ رحلت کے بعد منافقوں کی حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی اور ان کی تخریبی کاروائیاں تیز سے تیز تر ہو گئیں تھیں۔ چنانچہ جناب عذیقہ یمانی سے منقول ہے فرمایا۔

آج منافقوں کی حالت عہد نبوی سے بدتر ہے کیونکہ اس وقت یہ لوگ خفیہ ریشہ دوانیاں کرتے تھے مگر آج کھلم کھلا اپنی جنابت کا اظہار کر رہے ہیں۔

ملاحظہ ہو بخاری۔ جلد ۴۔ ص ۱۴۱۔ طبع مصر

فصل دوم کا رد

تحفہ حسینیہ ۱ علامہ دھکو صاحب کی اس فصل کا جواب پہلے آچکا ہے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ الزیز نے قطعاً نہ یہ فرمایا کہ منافق ختم ہو گئے تھے اور نہ یہ کہ جو لوگ کمر پڑھتے تھے اور آپ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ سبھی مؤمن تھے۔ آپ کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے جو دوپہر کے اجالے سے بھی زیادہ واضح اور آشکارا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد منافقین کو دمساز و ہراز بنانا اور انہیں وزیر و مشیر بنانا اور سفر و حضر میں ساتھی اور رفیق بنانا اس امر کو مستلزم ہو گا۔ کہ آپ نے اس آیت مبارکہ پر عمل نہیں کیا۔ یا ایہا النبی جاهد الکفار والمنفقین واغلظ علیہم۔ الآیۃ۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اس برہان صداقت نشان کا کون انکار کر سکتا ہے؟ رہا دھکو صاحب کا یہ مطلب کشید کرنا کہ آپ نے منافقین کے ختم ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تو یہ قطعاً غلط ہے۔

۱۱ اس جگہ دھکو صاحب نے جو نئی منطق چلائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ جہاد کرتے بھی تو بھی منافق ختم نہیں ہو سکتے تھے؟ کیا خوب؟ اسی طرح کافر

بھی ختم تو نہیں ہو سکتے تھے لہذا ان کے خلاف جہاد کیوں کیا۔

(۲) منافقین مدینہ منورہ میں اور اس کے گرد و نواح میں موجود تھے اجماع میں کلام ہی کس نے کیا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اور اتنا زور پکڑ گئے تھے کہ خلیفہ وقت بھی ان کی سازشوں سے اپنے خون میں نہا گیا۔ سوال صرف یہ ہے کہ جن کو امام الانبیاءؑ نے قرب خاص سے نوازا کہیں نائب امام بنایا۔ کبھی حج میں نائب امیر بنایا کبھی جنگوں میں علم ان کے حوالے کئے۔ اور امیر لشکر اسلام بنایا کبھی کفار کے ساتھ گفتگو اور عہد و پیمان کے لیے ان کو اپنا سفیر اور ترجمان بنایا۔ جن میں بعض کو اپنا سر بنایا اور بعض کو اپنا شرف و امان دی بخشا۔ ان کا معاملہ کیا ہے۔ اگر وہ واقعی مخلص ہیں۔ تو جھگڑا ختم اور العیاذ باللہ نہیں تو دامن رسالت پر اس آیت مبارکہ کی خلاف ورزی کا داغ ضرور لگ جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد گرامی ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔

ظالموں کی طرف میلان سے دوزخ کی آگ تمہیں اپنی پیٹ میں لے لیگی۔

خلاف ورزی کی صورت میں مزید نازک صورتحال پیدا کر دے گا بالذات اتنا۔ پڑے گا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی ربط و تعلق ہی مؤمن مخلص اور منافق کی پہچان میں میاں اور کسوٹی ہے۔

(۳) دھوکہ صاحب نے مزید ترقی کرتے ہوئے ”لَا تَعْلَمُهُمْ غَن تَعْلَمُهُمْ“ بھی پڑھ دیا۔ گویا بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم ہی نہیں تھا۔

”علم منافقین“

الف! کہیں تو دھوکہ صاحب کی مذہبی کتابیں ہر امام کے لیے ماکان و مایکون کا علم اور احکام لازمی ٹھہراتی ہیں، اور اس موضوع پر مؤلف کتابیں ان کے

پاس موجود ہیں۔ اور کہیں امام الانبیاء اور معدنِ امامت کے لیے بھی منافقین کے علم کا انکار اور وہ بھی ایسے منافق جو پاس موجود تھے پر جسے آدمی ایک غلطی کو چھپانے کے لیے ہزار غلطیاں کرتا ہے۔ مگر وہ غلطی مستور ہونے کے بجائے زیادہ قباحت و شناعة کے ساتھ ظہور پذیر ہوتی ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا حکم دیا۔ چلو وہ جہاد بالسیف نہ سہی جہاد لسانی سہی۔ لیکن اگر منافقین کا علم ہی نہ ہو تو ان کے خلاف کسی قسم کا جہاد کیونکر ہو سکتا ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا۔
وَلَا تَقْصِدْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ۔ (الایہ)
اور جب مخلص اور منافق میں تمیز اور باہمی پہچان ہی نہ ہو سکے تو ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے کس طرح رک سکتے تھے۔ لہذا قطعی طور پر آپ کو ان کا معلوم ہونا ضروری ٹھہرا۔

(د) اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔

اللہ تعالیٰ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ تمہیں اس مخلوط حالت میں رکھے یہاں تک کہ وہ خبیث کو طیب اور طیب کو پاک سے علیحدہ نہ کر دے اور طیب و خبیث کی پہچان عیب ہے۔ جس کی اطلاع ہر ایک کو نہیں دی جاسکتی۔ وَلٰكِنْ اللَّهُ يَجْتَبِيٰ مِنْ رَّسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ۔
لیکن اللہ تعالیٰ اس اطلاع اور تمیز و پہچان کے لیے اور غیبی اطلاعات کے لیے اپنے رسل کرام کو منتخب فرماتا ہے۔

(هـ) فرمانِ خداوندی ہے۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَارَيْنَكُمْ فَعَلَرْتُمْ بِسِيَمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ

اگر ہم چاہیں تو آپ کو منافق دکھا دیں۔ پس آپ ان کو چہرہ سے پہچان لو گے۔ اور ضرور وبال ضرور آپ ان کو انداز گفتگو اور لب و لہجہ سے معلوم کر لو گے۔

اور اللہ تعالیٰ کے دکھانے اور علم خصوصی عطا کرنے پر آپ نے جمعہ کے دن بہت بڑی تعداد کو دھتکار کر مسجد سے نکال دیا۔ نام لے کر فرماتے۔

اخرج يا فلان فانك منافق۔

اے فلاں نکل میری مسجد سے کیونکہ تو منافق ہے۔

۱۱) عبداللہ بن ابی میدان احد سے یمن سو ساتھیوں کے ساتھ واپس ہوا تھا۔ تو مسلمانوں میں سے بعض نے کہا۔ ان کے خلاف کارروائی کر لیں۔ اور بعض نے نے کہا فی الحال مشرکین سے نمٹ لیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ما لکم فی المنافقین فلتین۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے متعلق دو گروہ ہو گئے ہو۔

اور رائے میں مختلف۔

۱۲) جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی تھی اور آپ کو اس میں نماز پڑھنے کی دعوت دی تھی کیا ان کا نفاق کسی سے اور جھیل اور مخفی رہ گیا تھا۔

ان الذین اتخذوا مسجداً ضراراً و کفراً و تفریقاً بین المؤمنین و ارضاء للن جارب اللہ و رسولہ الغرض منافقین بنی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہیں تھے۔ اور آیت مذکورہ جس سے ڈھکوا صاحب نے استدلال کیا اس کا مطلب ان دلائل قرآنیہ کی روشنی میں یہی ہے کہ بذات خود نہیں جانتے جب تک ہم نہ بتلائیں کیونکہ نحن تعلمہم میں علم ذاتی استقلالی مراد ہے۔ لہذا لا تعلمہم میں بھی نفی اسی کی ہوگی۔ اور جب واضح ہو گیا کہ وہ معلوم و ممتاز تھے۔ تو پھر غلطیوں اور ان کے درمیان ربط و تعلق میں ہم ہرگز ادوم سازی میں اور وزارت و مشاورت میں فرق ہونا چاہیے تھا۔ یا نہیں؟ اور وہی امتیازی سلوک ہی عام اہل اسلام کے لیے کسی کو غلط

یا منافق سمجھنے کے لیے میار ہونا چاہیے یا نہیں؛

قال اللہ تعالیٰ

لا یَتَّخِذُوا الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ .

مؤمنین غلصین کے بجائے کفار کے ساتھ دوستی اور قلبی محبت مؤمنین

کو نہیں رکھنی چاہیے ۔

آخر اس فرمان پر عمل کی بھی کوئی ظاہر اور محسوس صورت ہے یا نہیں ؟

یہی مقصد تھا حضرت شیخ الاسلام کا کہ ان حضرات خلقائے ثلاثہ کے ساتھ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خصوصی روابط اور تعلقات تھے اور ان پر جو خصوصی کرم تھا وہ

ہمیں ان کے اخلاص کا بین ثبوت فراہم کرتا ہے ۔ ورنہ آپ کا انصوص قرآنی کی مخالفت

کامرتکب ہونا لازم آئے گا جو قطعاً غلط ہے اور ناممکن ۔

(۴) ڈھکو صاحب نے حضرت خدیفہؓ کا قول بھی پیش کیا ہے کہ آج منافقین کی

حالت عہد نبوی سے بدتر ہے ان پر تو ڈھکو صاحب کو اعتماد ہو گیا ہے انہیں

کے عمل اور برتاؤ کی روشنی میں معلوم کر لیتے ہیں کہ کون منافق تھے اور کون

مخلص ان کا معاملہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت فاروق کے ساتھ کیسا تھا ۔

کیا تاریخ کے ادراک گواہ نہیں ہیں کہ وہ ہمیشہ ان کے معاون و مددگار بلکہ عام

سپاہی اور خادم کی حیثیت سے رہے ۔ آخر کسی پر اعتماد کرو ۔ اور کسی کے

تعلقات اور روابط کو ان حضرات کے نظریہ اور عقیدہ کو معلوم کرنے کے لیے

میار اور کسوٹی بناؤ ہم اسی کے عمل سے اور اقوال سے آپ کو جواب

دینگے اور ان مقدس ہستیوں کا اخلاص اور کمال ایقان ثابت کر دیں گے ۔

(۵) ڈھکو صاحب نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے

منافقین کو قتل نہ کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا ۔ تو آپ نے فرمایا ۔ لوگ

یہ نہ کہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریب آنے والوں کو قتل کر دیتے

ہیں ۔ اور تبلیغ رسالت کا کام رک نہ جائے ۔ اس سے کیا ثابت ہوا کہ

حضرات خلفائ ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں افلاس نہیں تھا۔ آخریات کرنے کا موقعہ و محل بھی کوئی ہونا چاہیے کیا پوچھنے والے نے انہیں کے متعلق دریافت کیا تھا؛ ذرا ابن ابی کی گستاخی اور اللہ تعالیٰ کا جواب ہی ملاحظہ کر لو۔ تاکہ سمجھ آجائے کہ مہاجرین کا مقام کیا ہے۔ ایمان لانا تو قدر کی بات ہے۔ اس رئیس منافقین نے کہا تھا۔

لئن رجعنا الى المدينة ليخرجن الاعز منها الا ذل .

ہم واپس مدینہ پہنچ لیتے ہیں تو اہل مدینہ جو مقامی ہیں۔ اور عزت والے ہیں۔ وہ ان مہاجرین کو نکال باہر کریں گے جو ہمارے محتاج ہیں اور بے سروسامان تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لله العزة ولرسوله وللمؤمنين ولكن المنافقين لا يعلمون .

عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مؤمنین کے لیے لیکن منافقین ان کی عزت کو نہیں جانتے۔ یہ کون مؤمنین ہیں۔ جن کی عزت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول کی عزت میں داخل فرمایا۔ اور ان کو ایک قرار دیا ہے اور ان کی شان اقدس اور مقام ارفع و اعلیٰ سے منافقین کو بے خبر اور نادان قرار دیا۔ وہ ہیں مہاجرین جو یتیموں فضلہ من اللہ و رضوانا کی شان کے ساتھ اور اخراجوا من دیارہو بغیر حق الا ان يقولوا ربنا اللہ کے شاملین کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے تھے۔ دیکھا دیکھو صاحب اللہ تعالیٰ کا فرمان کس قدر سچا ہے۔ نہ اس وقت منافقین نے ان کا مقام جانا پہچانا اور نہ ہی آج کے دن اس وقت ان کو ذلیل کہتے تھے۔ اور آج بھی ان کی شان اقدس میں تو ہین و تحقیر کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جاتے نہیں دیتے۔

مزید تفصیل اس آیت مبارکہ کی دیکھنی ہو تو مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں۔

تفسیر عثمانی - جلد ثانی صفحہ نمبر ۲۲۹۔ مجمع البیان جلد پنجم صفحہ نمبر ۲۹۵۔

منہج الصادقین جلد نہم صفحہ نمبر ۲۹۷ اور قمی جلد ثانی صفحہ نمبر ۳۶۹، ۳۷۰۔

اور دیکھیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر دکھ ہوا اور آپ نے اس مناقق کے قول پر جمع مہاجرین مدینہ واپسی کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب کہ مناقق کے اس قول کے وقت آپ مریض میں تھے۔ لیکن حضرت سعد بن عبادہ اور غلصین انصار کی منت سماجت پر آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور بقول قتی یہ غزوہ پارچہ بھری میں وقوع پذیر ہوا۔

۱۶) دھکو صاحب نے کہا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مناققین کے ساتھ زیادہ لطف و مدارات فرماتے تھے۔ اور ان کو زیادہ مال و منال سے نوازتے تھے۔ اور قریب تر بٹھاتے تھے۔ دھکو صاحب ہی بتائیں کہ اللہ تعالیٰ تو ان پر سختی کا حکم دے۔ اور نماز جنازہ سے بھی روک دے اور آپ ان کے ساتھ یہ سلوک کریں تو مطلب یہی ہوا کہ آپ نے واقعی حکم خداوند تعالیٰ پر عمل نہیں فرمایا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

آئیے اس معاملہ میں مزید غور و فکر کر لیں کہ آیا مناققین پر روز اول سے ہی سختی اور تشدد کا حکم تھا۔ اور نماز جنازہ وغیرہ ترک کرنے کا یا بعد میں نازل ہوا جب یقیناً یہ بات ثابت ہے کہ پہلے مدارات کا حکم تھا۔ اور بعد میں وہ منسوخ کیا۔ تو اب اس سے استدلال کی کیا گنجائش ہے۔ عبد اللہ بن ابی کا جنازہ ہی اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب بنا۔ ولا تصل علی احد منہم الا یہ۔ لئلا غلط ملط اور گڑ بڑ کرنے کی کوشش ارباب تحصیل کو

زیب نہیں دیتی۔ یہ بازاری اور جمع باز حال کا پیشہ ہوا کرتی ہے۔

اب، مؤلفہ القلوب کا ذکر معارف صدقات کے اندر موجود ہے۔ لیکن ہمارا کلام

تو ان لوگوں میں ہے جو صدقات دینے والے ہیں۔ خذ من اموالہم

صدقة تطہرہم و تزکیہم بہا وصل علیہم۔ ان صلواتک سکن لہم

ان کے اموال سے صدقات وصول کرو۔ اور ان کے ظاہر و باطن کو

ان صدقات کے ذریعے پاک کرتے ہوئے اور ان کے لیے دعا

کھینچے کیونکہ تمہاری دعا ان کے لیے سامانِ تسکین ہے۔

مذاکرہ ان میں ہے جنہوں نے اسلام کی خاطر جان اور مال کی بازی لگا رکھی تھی جہاں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال خرچ کرنے کو کہا مال خرچ کیا اور جہاد کرنے کو کہا تو لاپرواہی و چراہی جانوں کو قربان کرتے کے لیے نکل پڑے۔ انہیں کی شانِ جانشاہی اور ایثار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لكن الرسول والذين آمنوا معه جاهدوا اباؤهم
وانفسهم واولئک لهم الخیرات واولئک هم المفلحون (سورۃ توبہ)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے اموال کے ساتھ اور نفوس کے ساتھ جہاد کیا۔ انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

جن کی مالی قربانیوں کو اور پھر اجر و جزاء کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔
سَيَجْزِيهِمُ اللّٰهُ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى . وَمَا لِحَدِّ عِنْدَ مَنْ
نِعْمَةٌ تَجْزَى . اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ اَعْلٰی وَلَسَوْفَ يَرْضٰی .
عنقریب دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ سے اس کو دور رکھا جائے گا۔
جو بہت پرہیزگار ہے جو اپنا مال اس لیے دیتا ہے تاکہ تزکیہ حاصل ہو
اور کسی کے لیے اس کے پاس نعمت اور احسان نہیں جس کا اس کی
طرف سے بدلہ دیا جائے۔ لیکن اس اتفاق اور تصدق کا مقصد صرف
رب اعلیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

اور وہ ضرور اس سے راضی ہوگا جن کے متعلق فرمایا۔

وَلَا يَأْتِلْ اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُؤْتُوْا اُولٰٓئِ
الْقَرْبٰی وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِيَعْفُوْا
وَلِيَصْفُوْا اَلَا تَحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ . (سورۃ نور ۱۸)

اور قسم نہ اٹھائیں تم سے جو فضیلت واسے اور گنجائش واسے ہیں کہ
دین قرابت والوں اور مساکین کو ۱۰۔ اور اشد کی راہ میں ہجرت کرنے
والوں کو ۱۰۔ اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم دوست
نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش کو اللہ تعالیٰ بخشے والا۔
مہربان ہے۔

تنبیہ: اس سے پہلی آیت کے متعلق ذکر ہو چکا کہ اس سے مراد ابو بکر صدیق ہیں۔ اور
بعض نے کہا حضرت ابوالدرداء اور طبری نے کہا کہ اولیٰ اور النسب یہ ہے کہ اس
کو عام رکھا جائے بھر مال اس صورت میں بھی حضرت ابو بکر کا اس میں داخل ہونا۔
یقینی ہے۔

اور دوسری آیت کے متعلق تفسیر صافی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۵۱ میں ہے کہ اس سے
مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے جنہوں نے قسم اٹھائی تھی کہ انک میں حصہ لینے والوں پر
خروج نہیں کریں گے۔ اس صورت میں بھی حضرت ابو بکر کا یہاں داخل ہونا قطعی طور پر ثابت
ہو گیا۔ کیونکہ انک اور بہتان کا تعلق ہی انہیں کی تخت جگر حضرت صدیق کے ساتھ تھا۔
اور طبری نے مجمع البیان صفحہ نمبر ۱۳ جلد چہارم پر اس آیت کو یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق
اور حضرت مسطح کے حق میں نازل ہونے کی تصریح کی ہے۔ جب کہ عموم والا قول بھی
ذکر کیا ہے۔ اور یہی مضمون کاشانی نے منہج الصادقین جلد ششم صفحہ نمبر ۲۸ پر ذکر کیا
ہے۔ اور ہمارا کلام ان میں ہے جو مظلومیت کی حالت میں وطن کو خیر باد کہہ کر مدینہ میں
آگئے۔

(۵) قال اللہ تعالیٰ :

والذین هاجروا في الله من بعد ما ظلموا لنبؤنهم
في الدنيا حسنة ولا جبر الآخرة اكبر لو كانوا يعلمون.
الذین صبروا و علی رہم یتوکلون۔ (سورہ نحل)
اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد اس کے کہ

ان پر ظلم کیا گیا ہم ضرور ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر البتہ بہت بڑا ہے۔ اگر جانتے ہوتے جنہوں نے مبر کیا اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

الغرض ہم نے ان لوگوں کی بات نہیں کی جن کے شر سے بچنے کے لیے ان کو مال دیا جاتا تھا۔ اور ان کی تالیف قلب کی جاتی تھی۔ ہم نے کلام ان میں کیا جو خود صدقات دیتے تھے۔ اور مال کو میل سمجھ کر اس کو راہِ خدا میں دے کر دل کا تزکیہ حاصل کرتے تھے۔ اور مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہوا کرتی تھی۔ اور محبت خدا و مصطفیٰ کے تحت وطن۔ گھر بار، خان و ماں، خویش و اقرباء، بے کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ طیبہ آ گئے۔ اور ان پر نظرِ کرم اور نگاہِ لطف ان کے شر سے بچنے کے لیے نہیں بلکہ ان کے ایشار اور قربانیوں کے تحت ہوا کرتی تھی۔ لہذا ان مقدس ہستیوں کا قیاس ایسے مؤلفہ القلوب پر کیونکہ درست ہو سکتا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم حضرت علی مرتضیٰ حسنین کریمین اور سیدہ فاطمہ زہراء حضرت عباس اور ان کی اولاد۔ حضرت جعفر اور ان کی اولاد پر بھی تھا۔ تو کیا کوئی کم بخت بلکہ بد بخت اور شقی اذی کہہ سکتا ہے کہ اس لطف و مدارات اور مہربانی اور نوازش سے ان کا کوئی امتیازی شان ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ کی مہربانی تو منافقین پر بھی ہوا کرتی تھی۔ جس طرح یہاں پر ہر مومن اپنے نورِ ایمان سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ مہربانی مہربانی میں فرق ہے۔ اس طرح یہاں بھی فرق بین ہے۔ مگر ہر شخص اس کو محسوس نہیں کر سکتا۔ صرف وہی کر سکتا ہے۔ جس کی ظاہری اور دل کی آنکھ پر بعض دغما کا کالا موتیانہ چڑھا ہوا ہو۔ ورنہ کتاب اللہ کے ان واضح دلائل کے بعد کون سی دلیل درکار ہو سکتی ہے قباہی حدیث بعدہ یؤمنونکما ظہرین کرام ہر ایک پر یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو گئی ہوگی کہ مہاجرین و انصار بالعموم اور مخلصانہ عقائد اور لبہ بالخصوص کس عظیم شان کے مالک ہیں اور ان کے اخلاص و ایشار اور راہِ حق میں دی ہوئی قربانیوں کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کس صراحت اور وضاحت

کے ساتھ اعلان کیا۔ اور ان کے اخروی درجات و مراتب بیان فرمائے صرف آیات ذکر کرتے جائیں تو بہت بڑا دفتر تیار ہو جائے گا۔ پھر کتب اہل سنت میں منقول صحیح اور متواتر منوی احادیث مزید برآں ہیں۔ جن کا عشر عشر بلکہ ہزار میں سے ایک حصہ بھی بیان کریں تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ اور اس کے مقابل ڈھکوحا صاحب نے اصحاب ثلاثہ کی شان اقدس کو کھٹانے کے لیے جو ناقابل اعتبار و التفات شبہات پیش کئے ہیں۔ وہ بھی آپ ملاحظہ کر چکے اور ان کے جوابات بھی اب ترازو سے انصاف تمہارے ہاتھ میں ہے۔ خود ہی فیصلہ کر لو۔ کہ ڈھکوحا صاحب کے ترکش میں کوئی تیر ہے یا ان کے معن میں عقل و فہم اور ادراک و علم نے کبھی قدم بھی رکھا ہے۔ تاہم تو ملن چہ رسد۔ لیکن اس تہی دامن کے باوجود تلیان اور شخیاں ہیں اور بلند بانگ دعوے۔

ۛ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

رسالہ مذہب شیعہ : از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

محبوب رب العالمین علیہ علی آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہ ماجرین و انصار کے فضائل و مناقب میں آیات کلام اللہ اور احادیث صحاح اس کثرت کے ساتھ وارد ہیں کہ جن کو لکھا جائے تو ایک بہت بڑی مستقل کتاب تیار ہو جائے گی اہل تشیع حضرات کی معتبر ترین تصانیف بھی اگر غور سے مطالعہ کی جائیں تو جھکڑا ختم ہو جاتا ہے بطور نمونہ چند روایات اہل بصیرت کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور غور مطالعہ کرنے کی۔ درخواست کرتا ہوں۔

رسالہ مذہب شیعہ صفحہ نمبر ۱۳

تحفہ حسینیہ : از ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی اس تحریر کو دیکھتے ہی علامہ ڈھکوحا صاحب بہت طیش میں آ گئے اور قلم غیظ و غضب کا آتش فشاں بن گئی۔ لیکن جوانی کا روائی میں وہ

یہ بھول گئے کہ واقعی کلام مجید میں کوئی آیت ہے جو فضیلت صحابہ کرام پر دلالت کرتی ہے۔ یا سارا قرآن مجید ان کی العیاذ تقیص و تنقیذ پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اگر شیعوہ صاحبان کے زبانی دعاوی کو دیکھا جائے جن میں اس قرآن کو اصلی مانتے اور اس پر ایمان لانے کے تذکرے ہیں۔ تو پھر صرف یہی ایک کتاب ہے جو اہل سنت اور ان رد و انقض کے درمیان قدرے مشترک بن سکتی ہے۔ اور ہر فریق کے لیے اس کی آیات کریمہ حجت اور برہان کا درجہ رکھتی ہیں اور دوسرے فریق کے ساتھ محض جدلی اور انزاعی کاروائی پر موقوف اور منحصر نہیں رہتی جبکہ دوسری کتب ہر فریق کی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ نہ اہل سنت کی کتابوں پر اہل تشیع کا ایمان ہے خواہ ان کا تعلق احادیث رسول سے ہی کیوں نہ ہو اور نہ اہل تشیع کی کتابوں پر اہل سنت کو اعتماد و اعتبار ہے خواہ روایات آئمہ کی طرف ہی منسوب کیوں نہ ہوں اور نہ ہی ان دونوں فریق کو اپنے مذہب کی ان کتابوں کے تمام مندرجات کے صحیح ہونے کا دعویٰ ہے بلکہ ہر فریق کو تسلیم ہے کہ کتب میں صحت و سقم اور قوت و ضعف کے لحاظ سے تفاوت بھی ہے۔ اور محتاج کے اندر بھی بعض ضعیف روایات موجود ہیں جس طرح آئندہ صفحات پر یہ تفصیلات ہدیہ ناظرین ہوں گی۔ ایسی صورت میں ڈھکوماحب کو پہلا کام یہ کرنا چاہیے تھا۔

قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے۔ اور پھر ان کی تائید میں اہل سنت کی مستند روایات پیش کرتے اور اپنی کتب کی بھی وہ روایات جو کلام مجید کے مطابق ہوتیں۔ کیونکہ جب قرآن مجید پر ایمان کا دعویٰ کیا جائے تو پھر انسانی تصنیفات کو اس پر ترجیح نہیں دی جاسکتی بلکہ ان مصنفہ کتب کی صحت کی کسوٹی صرف اور صرف کلام مجید کی مطابقت و موافقت ہوگی۔ لیکن افسوس صد افسوس حضرت شیخ الاسلام نے ابتدائی کلمات میں جن آیات کی طرف اشارہ فرمایا اور آئندہ صفحات میں ان کی تصریحات فرمائیں علامہ ڈھکوماحب نے ان کا جواب دینے کی بالکل تکلیف نہیں فرمائی۔

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا۔

قرآن کی بیسیوں آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والوں اور انصار و مہاجرین کے حق میں نازل ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ ان کے لیے جنت کے اعلیٰ و ارفع مراتب اور نعمتیں مہیا ہیں۔ ان کو بھی سامنے رکھا جائے۔ رسالہ مذہب شیعہ صفحہ نمبر ۱۳۔ اور اسی رسالہ کے صفحہ نمبر ۱۴ پر حضرت علیؑ کے ارشاد اور آیت کلام مجید والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوہو باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ الایہ کو ذکر فرمایا جس میں ثقلین کی متفقہ شہادت کے ذریعے اپنے دعویٰ کو ثابت فرمایا جو صفحہ نمبر ۱۳ پر ذکر کیا۔ اسی طرح امام زین العابدین کا ارشاد اور قرآن مجید کی شہادت کو صفحہ نمبر ۱۹ پر نقل فرمایا۔ جو اس دعویٰ پر ثقلین کی متفقہ شہادت ہے۔ اسی طرح آپ نے رسالہ مذکورہ کے صفحہ نمبر ۵۵ سے ص ۵۹ تک۔

حضرت علیؑ اور قرآن مجید کی شہادت سے صحابہ کرام بالخصوص حضرت فاروقؓ کا ایمان اور عمل صالح اور ان کی خلافت کا خلافت موعودہ اور خلافت الہیہ ہونا ثابت کیا ہے۔ اور یہی اصولی انداز ہے بحث کا اور صحیح طریقہ ہے استدلال کا لیکن علامہ موصوف ہیں کہ انہوں نے نہ کوئی آیت پیش کی ہے۔ نہ ان آیات کا ہی جواب دیا ہے۔ اور نہ ہی اپنی پیش کردہ روایات میں اس معیار صحت کو ملحوظ رکھا ہے۔ جو ائمہ کرام نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے مطابق روایت و حدیث سچی ہے۔ اور جو مخالف ہے وہ جھوٹی ہے۔ اور سراسر بہتان و تفصیلی روایات بعد میں ذکر کی جائیں گی۔

بلکہ حضرت شیخ الاسلام کی پیش کردہ پنج البدائع اور شرح پنج البدائع۔ لابن یثیم کی اکثر عبارات کا سرے سے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ حالانکہ۔ پنج البدائع شیعہ مذہب کی صحیح ترین کتاب ہے۔ اور اس کی روایات کو قطعاً نظر انداز

نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی نے ڈکھو صاحب سے پہلے ان کو نظر انداز کرنے کی جسارت کی ہے۔ تو اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ علامہ موصوف نے چند ادراق سیادہ کرنے کی سعی فردر کی ہے۔ لیکن نہ اپنے ساتھ انصاف کیا ہے نہ اپنے مذہب کے ساتھ اور نہ ان کے ساتھ جن کے معارف خود برد کرنے کے لیے قلم کے حقوق کا خون کیا ہے۔ کیونکہ بہت بھاری قرض اسی طرح اس کے اور دیگر اس کے ہم مذہب علماء کے ذمہ واجب الاداء ہے۔ جو انشاء اللہ العزیز قیامت تک ادا نہیں ہو سکتا۔

لمحہ فکر یہ : جب حضرت شیخ الاسلام نے شیعہ مذہب کی کتابوں سے ثابت کیا کہ ان کے نزدیک موجودہ قرآن اہل قرآن نہیں ہے۔ اور نہ ان کا اس پر ایمان ہے تو اس وقت علامہ ڈکھو صاحب نے بڑی دھواں دھار تقریر کی اور یہ دعویٰ کیا۔ یہی قرآن شیعہ ایمان حیدر کرار کے سینہائے بے کینہ میں بھی موجود ہے۔ اور حکم اللہ ہمارے ہماری مساجد اور ہمارے مدارس میں بچوں سے بوڑھوں تک اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ہمارے علمائے اسلام اس سے احکام شریعہ کا استنباط کرتے ہیں۔ اسی قرآن کو شیعہ حق و باطل کا معیار اور صحیح و سقیم کے معلوم کرنے کا میزان سمجھتے ہیں۔ تنزیہ الامامیہ صفحہ نمبر ۲۹

لیکن شیخ الاسلام کے منقولہ روایات اور مستند کتب بالخصوص پنج البلاغہ جیسی اہم اور صحیح ترین کتاب کی عبارات جن پر قرآن مجید کی شہادات بھی ساتھ ہی پیش فرمائیں۔ تو اس وقت اس قرآن مجید کا معیار حق و باطل ہونا اور صحیح و سقیم حدیث کے لیے میزان ہونا بھول گیا۔ اور صرف روایات متواترہ کی اور احادیث صحیحہ کی آڑ لینے پر اکتفا کیا گیا۔ حالانکہ جب معیار حق قرآن ہے۔ اور صحیح و سقیم کا میزان محض سقیم وہی ہے۔ تو جو اس کے خلاف ہوگی وہ بہر حال مردود ہوگی کیونکہ قرآن کا تواتر اور اس کی صحت حسب ادعاء علماء شیعہ مسلمین الغریقین۔ لیکن ان روایات کے تواتر اور ان کی صحت کا صرف علماء شیعہ ہی دعویٰ کرنے والے ہیں دوسرے تمام

اہل اسلام ان کو موضوع اور من گھڑت تسلیم کرتے ہیں جن میں حضرات صحابہ اور بالخصوص
 خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان ہو یا اہل بیت کرام اور ان میں مستقل دائمی مناقشت
 اور منافرت ثابت ہوتی ہو۔ اور عداوت و دشمنی اللہ امر عوم اور موہوم تو اتر اور صحت
 کا دعویٰ ثقلین کی شہادت کے مقابل پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا اور سوائے عجز اور
 بے بسی کے اظہار کے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ
 اور بندہ نے جو آیات نقل کی ہیں اور ان کے مفہیم و مطالب سیاق و سباق آئمہ کرام اور آئمہ کرام
 کی روایات اور ان کے ارشادات کی روشنی میں بیان کئے ہیں۔ ان پر ذرا دوبارہ نظر
 ڈالیں اور پھر ڈھکو صاحب اور اس کے طبیب روحانی و جسمانی کا غبطہ اور بدحواسی
 ملاحظہ کریں اور اصول و قواعد اور قوانین و ضوابط سے انحراف اور فرار کا اندازہ کریں اور
 بعض صحابہ کرام میں کلام اللہ اور کلام اللہ سے عدول اور روگردانی کا مشاہدہ کریں۔



باب چہارم

رسالہ تشریحہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

اہل بیت نبوت اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات کا بیان جناب پیر صاحب سیالکوٹی کی ساری نگہ قنار اور کدوکاوش سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس رسالہ کی نگارش سے ان کا اصل مدعا یہی ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات اور مراسم کا خوشگوار ہونا اور ان لوگوں کا ممدوح اہل بیت ہونا ثابت کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے رسالہ کے صفحہ نمبر ۱۴ سے صفحہ نمبر ۸۰ تک پورے سرسٹھ صفحات اپنے نامہ اعمال کی طرح دجل و قریب۔ کذب و افتراء۔ حق کشی اور باطل کوشی سے سیاہ کیے ہیں (تانا) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء مسلمین کے بارے میں ائمہ طاہرین کے حقیقی نظریات اپنی کتب مستبرہ سے پیش کریں۔ اور اس کی تائید مزید کتب معتمدہ اہل سنت سے پیش کر دیں (تانا) اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے ہم اس طویل سلوماتی مقالہ کو ہی سپرد قلم اس کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ جو... حکیم امیر الدین نے اپنے رسالہ ”ابطال الاستدلال“ میں حوالہ قلم فرمایا۔ (جو کہ ڈھکو صاحب کے رسالہ کے صفحہ ۵۳ سے صفحہ ۶۹ تک پورے سترہ صفحات پر پھیل ہوا ہے۔ اور اس میں اپنے مسلک کی چند کتابوں سے متعدد روایات نقل کرنے کے بعد خلاصہ بحث یوں بیان کیا ہے)

اس قدر متواتر اور صحیح احادیث کے برخلاف اگر کوئی خبر واحد کہیں سے

ملے جس سے بظاہر ثلاثہ کی مدرج مترشح ہوتی ہو۔ تو اس کو شاذ۔ مرجوح اور ساقط عن الاعتبار
بجھا جائے گا۔ یا اس کا ایسا معنی مراد لیا جائے۔ جو ان احادیث کے مطابق ہو ص ۶۰

تحفہ حسینیہ از محمد اشرف سیالوی

علامہ ڈاکو صاحب فضائل ثلاثہ اور اہل بیت کرام کے ساتھ ان کے عجبانہ مراسم
اور نیاز مندانہ تعلقات دیکھ کر ایسے گھبرائے کہ حکیم صاحب کے نسخوں کا سہارا لے بغیر کوئی
چارہ کار نظر نہ آیا۔ لیکن ناظرین کرام دیکھیں گے ان کی دوائیں بھی ان کی گھبراہٹ
اور اختلاج قلب کا قطعاً سامان فراہم نہ کر سکیں گی بلکہ ان کے لیے۔

مریض بنفص پر لعنت خدا کی ۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

والا معاملہ بن گیا۔ مندرجہ بالا اقتباس میں چند امور غور طلب ہیں۔

(۱) ڈاکو صاحب فرماتے ہیں کہ حقیقی نظریات ائمہ اہل بیت کے معلوم کرنے کے
لیے ہم اپنے مذہب کی کتب مجتہدہ سے حوالہ پیش کریں گے۔

مگر جب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف زہراؑ گلنے کی ٹھانی تھی تو اس وقت
بھی یہ خیال کیا تھا۔ کہ آیا یہ کتابیں اہل سنت کی ہیں یا نہیں؟ یا آگے چل کر جوہر۔

پیش کی ہیں۔ وہ کتب اہل سنت ہیں معتبر ہیں کہیں ابن ابی الحدید معتزلی شیعہ کی۔

روایات درج کی ہیں۔ جو ابن علقمی شیعہ وزیراعظم خلیفہ مستعصم کا نمک خوار اور بندہ درگاہ

تھا کہیں مردرج الذہب مسعودی کے حوالے جو یکا شیعہ تھا۔ اور اعلیٰ درجہ کا تقیہ باز۔

(۲) علاوہ انہیں اپنی کتب معتبرہ کے چند حوالے پیش کرنے کے بعد اگر ڈاکو صاحب

اور اس کے ماہر طبیب کو حق حاصل ہے کہ وہ اہل سنت کی جس کتاب

سے بھی چاہیں حوالے پیش کر سکتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے ان کی طرف

منسوب کر کے بھی۔ تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کو یہ حق کیوں نہیں دیتے

کہ وہ کتب متداولہ معتبرہ کے حوالے کتاب و سنت سے استشاد کے

کہیں متواتر ساقط الاعتیار اور کہیں اخبار احاد حجت و دلیل

(۳) ڈھکوماسب اور ان کے روحانی پیشوا فرماتے ہیں کہ اس قدر متواتر اور صحیح احادیث کے برخلاف جو خبر واحد ملے گی وہ شاذ۔ مرجوح اور درجہ اعتبار سے ساقط ہوگی۔ مگر جو ضابطہ یہاں یاد آیا وہ تریف القرآن کے باب میں کیوں نہ یاد آیا۔ کہ جب متواتر اور صحیح ترین احادیث اور کتب معتمدہ متداولہ میں منقول احادیث اور ایسے ناقلین کی نقل کردہ جن کے متعلق صفت کا گمان تک نہ کیا جاسکتا ہو۔ اور نہ ان کے مذہب میں راسخ ہونے بلکہ امام اور مقتدا ہونے میں شک و شبہ کیا جاسکتا ہو ایسی روایات جب تحریف پر دلالت کرتی ہوں تو انکی مخالف روایات بھی مرجوح اور ساقط عن الاعتبار ہونگی معلوم ہوتا کہ شیعی علماء کا نہ کوئی ضابطہ ہے۔ اور نہ اصول و قواعد۔ بس جدمصر سے جان چھوٹی نظرائی اور مصر ہی دوڑ پڑا۔ جمی چاہا تو متواتر کو اخبار احاد بلکہ اپنے عقل اور قیاس سے رد کر دیا۔ اور جمی چاہا تو من گھڑت اخبار احاد کو متواتر کا درجہ دیگران کے ساتھ صحیح اور واقعی اور قرآن مجید کی تائید و تقویت یافتہ متواتر یا مشہور روایات کو اور پنج البلاغہ جیسی اصح الکتاب میں منقول۔ روایات کو بھی رد کر دیا۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لکھ گرام کا بیان فرمودہ صحت روایات کا معیار

آئیے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ خود لکھ گرام نے اختلاف کی صورت میں سب سے مضبوط اور اہم معیار کون سا بیان فرمایا اور اس پر پوری اترنے والی روایات کونسی ہیں حضرت علیؑ نے امام حسن مجتبیٰ کو فرمایا۔

انی اوصیک بتقوی اللہ ولزوم امرة وعمارۃ قلبک
یذکرۃ والاعتصام بعجلہ وای سبب اوثق من

سبب بینک و بین اللہ ان انت اخذت بہ۔ (نہج البلاغہ جلد ثانی صفحہ ۴۹)
 میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کے احکام کو اپنے اوپر
 لازم سمجھتے رہنے اور دل کو اس کے ذکر سے آباد رکھنے اور
 اللہ تعالیٰ کی رسی سے چنگل مارنے اور چمٹے رہنے کی وصیت
 کرتا ہوں اور کون سا سبب ہے۔ جو اس سبب اور رشتہ سے
 مضبوط اور پائیدار ہے۔ جو تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔
 بشرطیکہ تم اسی کے ساتھ تسک کرو۔
 یہاں پر اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔
 واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً۔

(۲) خیر الناس فی حالاً النمط الاوسط فالزموہ والزموا السواد
 الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقة فان الشاذ
 من الناس لاشیطان کما ان الشاذ من الفتن للذنب۔
 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میرے اندر دو گروہ ہلاک ہوں گے
 ایک حد سے تجاوز کرنے والا محب اور دوسرا میرے خداداد مقام میں
 تقصیر و کوتاہی کرنے والا مبغض اور میرے حق میں اور میری وجہ سے
 جو سب سے بہتر حالت پر ہے۔ وہ صرف ایسا گروہ ہے جو
 افراط و تفریط اور تجاوز و تقصیر سے محفوظ ہے لہذا تم اسی کو لازم پکڑو
 اور سواد اعظم کا دامن تمہا کو کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔
 اور اپنے آپ کو افتراق اور علیحدگی سے بچاؤ۔ کیونکہ جماعت
 سے الگ ہونے والا انسان شیطان کے تصرف میں ہوتا ہے۔ جس
 طرح پلوڑے الگ ہونے والی بکری بھیرے کا تقوہ ہوتی ہے

(۳) فلا تکتوبوا انصاب الفتن واعلام الیدم والزموا ما عقد علیہ
 حبل الجماعۃ وبنیت علیہ ارکان الطاعة (نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۳۳)

نہ فتنوں کے لیے نشان اور نہ بدعات کے لیے اعلام بنو بلکہ اس امر کو لازم پکڑ لو جس پر جماعت کی سنی معنوی اور بنیدھی ہے۔ اور جس پر ارکان جماعت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

(نوٹ) یہ تحقیق پہلے ہدیہ قارئین ہو چکی کہ ہر دور میں سواد اعظم اور عظیم جماعت کی صورت میں اہل سنت والجماعت ہی موجود رہے ہیں۔ نہ کہ دوسرے فرقے۔
حضرت امام حسن کو فرمایا۔ (۱۴)

و اردد الی اللہ و رسولہ ما یضلعک من الخطوب و یشتبہ علیک من الامور فقد قال اللہ تعالیٰ لقوم احب ارشادہم " یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ و الرسول "

فالرد الی اللہ المحکم بحکم کتابہ و الرد الی الرسول الاخذ بسنتہ الجامعة غیر المفرقة (بیج البلاغہ جلد ثانی ص ۱۲)
جواہم امور تجہ پر ملتیس ہو جائیں اور مشتبہ ہو جائیں تو ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو فرمایا۔ جن کی رہنمائی اور بھلائی اس کو محبوب تھی۔ " اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور اس کے رسول اور اولوالامر کی اطاعت کرو۔ پس اگر تمہارے اندر کسی امر میں باہم نزاع پیدا ہو جائے۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ " تو اللہ تعالیٰ کی طرف رو کرنے کا معنی ہے اس کی کتاب کے آیات حکمت اور مزج الدلائل کی طرف لوٹنا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے کا مطلب ہے آپ کی سنت جماعہ کے ساتھ تمسک کرنا۔ اور سہارا لینا جو اجتماع و اتفاق پیدا۔

کرنے والی ہے۔ اور تفریق و اختلاف پیدا کرنے والی نہیں ہے۔
 الف، اس عبارت سے اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم۔
 واجب الطاعت ہونا ثابت ہوا اور آپ نے صرف اپنی طرف سے اس کو
 نہیں بلکہ قرآن مجید سے دلیل پیش کر کے اس کو لازم اور ضروری ٹھہرا دیا تو قرآن مجید
 کے ساتھ معدن ولایت اور ابوالاثر حضرت علیؑ کے ارشاد نے یہ حقیقت واضح کر
 دی کہ صحیح اور غیر صحیح قابل اعتقاد و عمل اور ناقابل اعتقاد و عمل کو پرکھنے کا میاں قرآن مجید
 کے واضح ارشادات ہیں۔ اور وہ سنت جو جماعت میں اجماع و اتفاق اور اتحاد
 یکجہتی کی موجب ہو نہ کہ افتراق و امتشاکی۔ اور اہلسنت کی وجہ تسمیہ میں ہم نے واضح
 کر دیا ہے کہ جو جماعت اور سواد اعظم ان عبارات میں مذکور ہے۔ وہ صرف
 اور صرف اہلسنت والجماعت ہی ہیں اور ان کے مقتدا و پیشوا جو اہل بیت کرام
 کی عزت و حرمت کو بھی ملحوظ رکھنے والے تھے۔ اور اکابر صحابہ مہاجرین و انصاریہ
 کے خداداد منصب و مقام کا بھی پاس کرنے والے تھے۔ لہذا اس ارشاد گرامی
 کے تحت صحیح روایت دہی ہو سکتی ہے جو قرآن مجید کی آیات و حکمت کے
 مطابق ہو۔ جیسے کہ چند ایک آیات قبل ازیں میں نے ذکر کی ہیں۔ اور اس
 سنت کے مطابق ہو۔ جس میں سواد اعظم اور جماعت عظیمہ کی موافقت ہو۔ لیکن
 جو قرآن کے خلاف ہوں یا سنت جامعہ غیر مفرقہ کے خلاف ہوں۔ وہ قطعاً
 قابل قبول نہ ہوں گی۔

۱۵) نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے ہدایت پر قائم رہنے اور صراطِ مستقیم
 پر گامزن رہنے کے لیے جو سامان ہدایت اور استقامت عطا فرمایا ہے
 وہ کیا ہے۔ فرمایا۔

”انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدہما
 اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض
 وعترتی اہل بیتی لن یتفرقا حتی یردوا علی الحوض فانظروا

کیف تخلفونی فیہما“ (رواہ الترمذی)

”انی مخلف قیکم الثقلین ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی ولن یتفرقا حتی یرد اعلیٰ المحوض“ (تفسیر صافی ص ۵۸)

بے شک میں تمہارا اندوہ قیمتی چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ کہ جب تک ان کا سہارا ایسے رہو گے اور ان کے ساتھ وابستہ رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ ان چیزوں میں سے ایک کتاب اللہ ہے۔ جو دوسری سے عظیم ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف ٹھکی ہوئی ہے۔ اور دوسری میری عزت اور اہل بیت ہیں اور وہ دونوں جدا نہیں ہوں گے۔ حتیٰ کہ مجھ پر حوض کوثر پر وارد ہونگے اچھی طرح خیال رکھو کہ تم ان کے حق میں میری نیابت کا حق کس طرح ادا کرتے ہو۔

رف: یہ وہ روایت ہے۔ جو فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہے اور مسلم البیروت اور معروف الصحت جس سے واضح ہے کہ قرآن اور اہل بیت مجتمع اور متفق رہیں گے۔ اور ان کی راہ ایک ہی ہوگی۔ اور منزل بھی ایک ہی ہوگی۔ اور باہم مل کر صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ ائمہ کے اقوال و ارشادات فی الواقع وہی ہوں گے جو قرآن عظیم کے موافق اور مطابق ہوں گے۔ ورنہ راہیں جدا ہو جائیں گے اور افتراق پیدا ہو جائے گا۔ اور کتاب کو دوسرے ثقل سے اعظم کہا گیا ہے۔ تو واضح ہوا کہ اصل دلیل کتاب اللہ ہوگی اور اقوال ائمہ اس کے تابع نہ کہ قرآن کو ان کے اقوال کے تابع کر دیا جائے یا اس کو چھوڑ دیا جائے۔ پہلی صورت میں اس کا اعظم اور اصل ہونا ختم ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں ان کا اجتماع و اتفاق کالعدم ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسے اقوال و ارشادات

جو ائمہ کی طرف منسوب ہوں لیکن خلاف قرآن ہوں۔ ان کے متعلق موضوع اور
من گھڑت ہونے کا یقین کرنا پڑے گا۔ اور ان کو سبائی سازش قرار دینا۔
لازم ہوگا۔

معیار حق کے مطابق کونسی روایات درست ہیں

جب یہ معیار متعین ہو گیا۔ اور قرآن مجید کے چند ایک ارشادات اور آیات
بینات بھی ملاحظہ کر چکے تو ایسا تقسیم کیے بغیر چارہ نہیں رہے گا۔ کہ جو ارشادات ائمہ
حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بیان فرمائے ہیں۔ یہاں تم عرض کر سے گا۔ تو وہی اور
صرف وہی برحق ہیں۔ اور دوسرے موضوع اور مفریات ہیں۔ جو یہود کی تفسیر بازی اسلام
اور اہل اسلام بلکہ بانیان اسلام کی دشمنی اور عداوت پر مبنی ہیں۔

تواتر کونسا معتبر ہے

دعویٰ صاحب اور ان کے روحانی اور جسمانی طبیب نے صحابہ کرام کی عداوت
اور دشمنی پر مبنی روایات کو متواتر قرار دیا ہے۔ اور واجب القبول۔ لیکن امیر المؤمنین۔
حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جماعت اور سواد اعظم کے عقائد اور نظریات کی۔
موافقت پر زور دیا ہے۔ اور اس کے ماسوا کو غلط قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی علت
بھی بیان کر دی۔ کہ بعض لوگوں نے میرے حق میں افراط سے کام لیا۔ جیسے شیعہ
اور روافض، اور بعض نے تفریط سے کام لیا ہے۔ (جیسے خوارج اور جدوریہ)
لہذا ان دونوں سے ہٹ کر جو معتدل اور افراط و تفریط سے محفوظ اور مصئون جماعت
ہے اس کے نقش قدم پر چلو۔ تو آپ کے اس ارشاد کی روشنی میں نہ شیعہ کی انفرادی
روایات کا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اور نہ خوارج کی انفرادی روایات کا۔ کیونکہ فریقِ ادل

نے اہل بیت کے غلو محبت میں روایات کا اختراع کیا۔ یاد گیر صحابہ کے ساتھ عداوت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی تنقیص شان کی روایات وضع کیں۔ اور خوارج نے حضرت امیر کی عداوت میں تفریط پر مشتمل روایات گھڑ لیں۔ یا پھر ان پر اپنے پسندیدہ نظریات کے تحت دوسرے صحابہ کرام کو فوقیت دینے میں حدود سے تجاوز کیا۔ لہذا اگر معتبر ہیں تو وہ متواتر روایات جن کا تواتر اہل سنت کے ہاں بھی مسلم ہو۔ نہ کہ صرف شیعہ کہاں متواتر ہوں۔

شیعہ صاحبان اور تخریفات روایات

شیعہ صاحبان نے جب علی مرتضیٰ میں افراط کا لازمی تقاضا یہ بھی سمجھا کہ دیگر اکابر صحابہ کی شان میں نقص اور تنقیص کی جائے۔ لہذا مقدور بھر سعی کر کے ان روایات کے الفاظ میں تبدیلی کی اور کہیں بیان معنی و مقصود میں تبدیلی کی کوشش کی جو کہ فضائل صحابہ اور ان کے ساتھ اہل بیت کے بہتر تعلقات پر دلالت کرتی تھیں اور یا پھر اس حقیقت کو چھپانے کی مقدور بھر سعی کی کہ ان حضرات کا یہ ارشاد کس ہستی کے متعلق ہے۔ چند ایک مثالیں اس کی عرض کرتا ہوں تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

۱۱ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ ہجرت اور رفاقت نبویہ جیسے اعزاز کو کم کرنے اور آپ کی اس امتیازی حیثیت کو نگاہ مؤمنین سے اوچھل کرنے کیلئے بلکہ بالکل الٹا اور برعکس تاثر دینے کے لیے ابوالحسن القمی نے جو کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

قوله تعالى : اذها في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن (الآية)

حدثني ابي عن بعض رجاله رفعه الى ابي عبد الله عليه السلام قال لما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في الغار قال لغلات كاتي النظر الى سفينة جعفر في اصحابه يقوم في البحر وانظر الى الانصار محتبين في افيئتهم فقال فلان و تراهم يا رسول الله قال نعم قال فادنيههم فمسح على عينيهم فراءهم فقال في نفسه الا ان

صدقت انتک ساحر فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم انت الصديق .

ترجمہ: مجھے میرے باپ نے اپنے بعض شیوخ روایت کے واسطے سے امام ابو عبد اللہ جعفر صادق تک مرفوع روایت بیان کی کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے تو آپ نے فلان را ابو بکرؓ کو فرمایا کہ میں جعفر کی کشتی میں ان کے ساتھیوں کے مندر میں کھڑا ہو رہا ہوں اور انصار کو اپنے گھروں کے سامنے بیٹھے ہوئے۔ تو فلاں نے کہا یا رسول اللہ آپ ان کو دیکھ رہے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو انہوں نے کہا وہ مجھے بھی دکھلائیں۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر دست کرم پھیرا تو انہوں نے مہاجرین جشمہ اور انصار کو دیکھ لیا۔ (تو دل ہی دل میں کہا کہ اب میں اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ تم ساحر اور جادوگر ہو) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ہی صديق ہے۔

تبصرہ: الف: اس روایت میں دو جگہ ابو بکر کا نام لینے کی جگہ فلاں کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں جو نیک نیتی کا فرمایا ہے وہ واضح ہے۔ یعنی نام کو ابہام پیدا کرنے کے لیے فلاں کے لفظ سے بدلا دیا۔

اب: بریکٹ میں اپنی طرف سے ابو بکر کے دل کا حال معلوم کر کے لکھ دیا کہ انہوں نے کہا کہ اب مجھے تمہارے جادوگر ہونے کا یقین ہو گیا۔

اج: اس کے متصل بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہہ دیا کہ آپ نے فرمایا۔ انت الصديق تو ہی سچا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ بریکٹ کے اندر دیئے ہوئے جملہ کی درستی کی صورت میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ابطال سے۔ العیاذ باللہ۔ کیونکہ ابو بکر نے آپ کے ساحر ہونے کا یقین کر لیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ تم سچے ہو۔ اگر آپ کو جادوگر سمجھنے والا سچا ہے۔ تو نبی سمجھنے والا جھوٹا۔ اور جو جھوٹا ہو اس کو صادق کہنا بھی غلط ہے۔ چر جائیکہ صديق کہا جائے بہر حال روایت کا اس طرح ستیاناس کیا ہے کہ۔

عظمت ابو بکر کے ساتھ عظمت رسالت کو بھی گستا کر رکھ دیا ہے۔

لله بلاد فلان فقد قوم الاود وداوى العمد خلف الفتنة الخ نهج البلا

یاں یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت امیرؓ نے تو یقیناً اس ہستی کا نام لے کر اور اس کی پوری طرح نشانہ ہی کر کے یہ خوبیاں بیان فرمائیں لیکن اس میں سبائی چال چلتے ہوئے ناقلین نے فلاں کا لفظ لکھ دیا تاکہ کسی کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ یہ فضائل کس کے بیان کئے گئے ہیں یعنی اللہ ہی جزائے خیر دے فلاں کو جس نے کجی کو درست کیا اور مرض جہالت کی دوا کی راع (۱۳) تحریف لفظی اور قطع و برید اور کتر بیونت کے ساتھ ساتھ بعض عبارات

کے مطلب میں گڑ بڑ کرنے کے لیے ترتیب خطبہ کو اس طرح بدلا کہ جس کی تعریف حضرت مرتضیٰ نے کی تھی اس کی تنقیص لازم آجائے۔ اور یہ اس قدر بھیانک اور سنگین جرم اور حق پوشی اور بالملل کوشی کی رذیل اور گھٹیا چال تھی کہ اپنے بھی چلا اٹھے اور اس ذلیل حرکت پر اپنا اضطراب چھپانے سکے۔

(الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طویل خط جو آپ نے امیر معاویہ کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا اس سے فضیلت شیخین پر دلالت کرنے والے جملے سبائی ذہنیت کے بھینٹ چڑھے۔ ذرا وہ جملے دیکھ لیں تاکہ مؤلف کی مجبوری واضح ہو جائے اور کتر بیونت کا موجب معلوم ہو جائے۔

كان افضلهم في الاسلام كما زعمت وانصهم لله ولرسوله الخليفة
الصديق وخليفة الخليفة الفاروق ولعمري ان مكانهما في الاسلام عظيم
وان المصاب بهما لخير في الاسلام شديد يرحمهما الله وجزاهما باحسن
ما عملتا (ای) نما سمعت باحد هو انصر الله في طاعة رسوله ولا طوع
لرسول الله في طاعة ربه ولا صبر على الاذى والضراء حين الياس . و
مواطن المكروة مع النبي صلى الله عليه وسلم من هؤلاء النفر الذين
سميت . كذلك وفي المهاجرين خير كثير تعرفه جزاهم الله باحسن
اعمالهم۔ (شرح ابن میثم)

اس عبارت کے ترجمہ کا کچھ حصہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور بقیہ شیخ الاسلام کی عبارت میں ملاحظہ کرو گے۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ یہ تمام تر عبارت جو عظمت صدیق اور مرتبت فاروق کا منہ بولنا ثبوت ہے۔ اور نصف النہار کی طرح واضح اور روشن برہانہ ہے۔ مؤلف ہیچ البلاغہ نے حذف کر کے بعض شیخین کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ اور کیوں نہ کرتا۔ اگر حضرت مرتضیٰ کی زبانی ان کا صدیق اور فاروق ہونا اور سب سے افضل اور سب سے زیادہ مخلص ہونا عوام پر ظاہر ہو جائے تو پھر مذہبِ رفض کب پنپ سکتا ہے اور کون اسے قبول کر سکتا ہے۔ اس لیے یہ عبارت تو حذف کرنی شریعتِ رفض میں فرض تھی۔

اب اس کے علاوہ اس خطبہ کی ترتیب میں اس طرح الٹ پھیر سے کام لیا کہ مفہوم کچھ سا کچھ ہو گیا جس پر شارح ابن شیم کو بھی کتنا پڑا۔

وهذا خطب عجب من السید مع وجود کتبہ فی
کثیر من التوار یخ (شرح ابن میثم جلد ۲ ص ۳۶۳)

یہ سید رضی کی طرف سے عجیب غلط اور التباس داشتباہ ہے۔ حالانکہ حضرت علیؑ کے خطوط بہت سی تاریخی کتب میں موجود ہیں۔ لہذا ان میں التباس داشتباہ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اور تبلیس و تغلیط کی بھی۔ کیونکہ ہر شخص اصل مراجع کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ جس کے بعد سوائے ذلت اور سوائی کے کیا ہاتھ اُٹھاسکتا ہے۔

تحریف معنوی: اسی طرح سنی علماء نے تحریف معنوی میں بھی وہ کمال کر دکھایا ہے کہ یہودی بھی سر پیٹ کر رہ گئے ہوں گے اور پھر لطفت یہ کہ اس کی نسبت بھی آئمہ کرام اور اصدق الصادقین کی طرف کر دی ہے مثال کے طور پر ایک حوالہ پیش خدمت ہے، سید نعمت اللہ الجزائر می موسوی نے الوار نعمانیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت کے دربار میں شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق علی الاعلان فرمایا:

”ہما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق فماتا علیہ علیہما رحمة

اللہ یوم القیامۃ (اور نعمانیہ جلد اول ص ۹۹)

جس کا ترجمہ و مفہوم ظاہر ہے اور اہل دربار نے بمع خلیفہ آپ کا یہی ظاہری مقصد سمجھا کہ وہ دونوں امام عادل ہیں اور منصف، دونوں حق پرست تھے اور اسی پر ان کا وصال ہوا، ان دونوں پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت ہے، مگر جب آپ مجلس سلطان سے باہر تشریف لائے تو آپ کے خواص میں سے ایک آپ کے پیچھے ہو لیا اور اس نے عرض کیا۔

یا بن رسول اللہ قد مدحت ابا بکر وعمر هذا اليوم فقال انت لاتفہم معنی ما قلت فقال : یئنه لی۔

اے نحت جگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم آج آپ نے ابو بکر و عمر کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف کر دی ہے آپ نے جواب میں فرمایا تو میرے قول کا معنی و مفہوم نہیں سمجھتا تو اس نے عرض کیا میرے لئے اس کی وضاحت کریں تو آپ نے بقول اس (مجھوں اور نامعلوم مرید خاص) کے فرمایا۔

اما قولی هما امامان فهو اشارة الى قوله تعالى : " ومنهم ائمة یدعون الى النار " واما قولی عادلان فهو اشارة الى قوله تعالى : " والذین کفروا یربہم یعد لون " واما قولی قاسطان فهو المراد من قوله عزم قائل : " اما القاسطون فکانوا الجہنم حطباً " واما قولی کانا علی الحق فهو من المکاونة أو الکون ومعناه انہما کاونا علی حق غیرہم لأن الخلافۃ حق علی بن ابی طالب وکذا ما تا علیہ فانہما لم یتویا بل استمرا علی افعالہم القبیحۃ الی ان ماتوا وقلی علیہما رحمۃ اللہ المراد بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدلیل قوله تعالى : " وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین " فهو القاضی والحاکم والشاہد علی ما فعلوه یوم القیامۃ۔

(انوار نعمانیہ جلد اول ص ۹۹)

(۱) میں نے جو یہ کہا کہ دونوں امام ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں سے بعض امام ہیں جو نار جہنم کی طرف جاتے ہیں۔

(۲) اور میں نے ان کو عادل کہا تو اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ (غیروں کو) برابر ٹھراتے ہیں یعنی عدالت والا معنی مراد نہیں تھا بلکہ برابری والا۔

(۳) لیکن میں نے جو ان کو قاسطان کہا تو اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مراد ہے لیکن قاسط تو جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

(۴) اور میں نے یہ جو کہا کہ انا علی الحق تو اس کا معنی یہ ہے کہ دوسروں کے حق پر زبردستی قابض ہو گئے کیونکہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور وہ اس پر قابض ہو گئے تھے۔

(۵) اسی طرح مائا علیہ کہنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ انہوں نے اس ظلم و زیادتی اور غضب و عنیب سے توبہ نہ کی بلکہ مرتے دم تک انہیں افعال قبیحہ پر برقرار رہے۔

(۶) اور میں نے جو علیہما رحمۃ اللہ کہا ہے تو اس سے میری مراد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آیت کریمہ میں رحمت کہا ہے۔ "وما ارسلناک الا رحمة للعالمین" تو آپ

ان دونوں پر قیامت کے دن حکم اور قضا نافذ کریں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا اس پر گواہی دیں گے۔

امام موصوف کا یہ تفصیلی جواب اور وضاحتی بیان سن کر اس مرید خاص نے کہا: "فرجت عنی فرج اللہ عنک" آپ نے میری مشکل حل کر دی اللہ تعالیٰ

آپ کی مشکل حل کرے۔

لمحہ فکر یہ: امام صادق رضی اللہ عنہ نے بھرے دربار میں غیلون کے روبرو جو کچھ فرمایا۔ اس سے ہر ایک نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی

مدح و ثنا اور تعریف و توصیف بھی اور ان کا آپ کے نزدیک امام برحق اور عادل
منصف ہونا، تا دم نزہت حق پر قائم ہونا اور اسی پر دنیا سے رخصت ہونا اور رحمت
خداوند تعالیٰ سے مشرف ہونا سمجھا بلکہ آپ کے مرید خاص نے بھی یہی معنی و مفہوم اور مقصد
مطلب سمجھا اس لیے ٹرپ اٹھا اور اپنے قلبی اضطراب اور دکھ درد کو چھپانے کا بلکہ
شکوہ کہا آپ نے تو ابوبکر و عمر کی مدح و ثنا کر دی، جس سے صاف ظاہر اور آفتابِ نبوی
کی طرح روشن کہ عام اہل اسلام کے سامنے قطعاً ائمہ کے کام سے ان حضرات کے متعلق
تنقیص و توہین اور تحقیر و تفریط پر مشتمل کوئی کلمہ سرزد نہیں ہوتا تھا بلکہ ان سب کو یہی علم
اور نظریہ یہاں سے ملتا تھا کہ ائمہ اہل بیت ان کی عظمت و رفعت کے قائل و معترف
ہیں اور ان کے لیے مدح سرا اور دعا گو تو گویا ان تمام اہل اسلام کو غلط راہ پر ڈالنے
اور انہیں گمراہی و ضلالت میں مبتلا کرنے کی ساری ذمہ داری انہیں ائمہ پر عائد ہوئی
لیقول شیوہ یہ حضرات العیاذ باللہ ہدی ہونے کی بجائے ائمہ ضلالت بن گئے اور
اگر یہ حضرات ایسی چالیں چلنے والے ہوتے اور عالم اسلام کو بے وقوف بنانے والے
ہوتے تو واقعہ ہائیکہ کربلا والا کبھی پیش نہ آتا اور جب سب ائمہ کا مذہب ایک ہے
تو یقیناً آپ کا بھی ظاہر و باطن ایک ہونا لازم ہے اور پھر آپ کو بالخصوص صادق
لقب دیا جاتا بھی اس امر کی بین دلیل ہے، کیا امام حسین رضی اللہ عنہ نیز یہ کو اس طرح
امام عادل قاسط کن علی الحق کہہ کر اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان اور پردگیان عصمت
کی عزت و ناموس کا تحفظ نہیں کر سکتے تھے، جب کر سکتے تھے اور یقینی تحفظ بھی حاصل
کرتے تھے مگر جان کی بازی لگا دی اور یہ طریقہ اختیار نہ کیا تو واضح ہو گیا کہ یہ دورخی چال
اور روٹلی پالیسی اہل بیت کرام کے شایان شان نہیں ہے۔

امام جعفر صادق کے لیے تقیہ و کتمان کا عدم جواز :-

نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے لیے

تقریب و کتمان جائز ہی نہیں تھا اور کسی امام جابر اور سلطان جائز کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس قسم کی حیلہ سازی اور اصل نظریہ و عقیدہ کا اخفاء آپ کے لیے قطعاً حرام تھا کیونکہ محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی جلد اول ص ۲۸۱ مطبوعہ تہران پر خود امام جعفر صادق سے ہی یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے قریب جبریل علیہ السلام کے ذریعے ایک کتاب نازل فرمائی جس میں تمام ائمہ کے متعلق وصیتیں مرقوم تھیں اور ہر وصیت نامہ سر بہر تھا جو ہر امام اپنے دور امامت میں ہی کھول سکتا تھا چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وصیت نامہ کی عبارت یہ تھی۔

حدث الناس وافهموا نشر علوم اهل بيتك وصدق
آباءك الصالحين ولا تخافن الا الله عز وجل وانت في
حوز و امان ففعل۔

یعنی لوگوں کو احادیث بیان کرو اور فتوے جاری کرو اور اپنے اہل بیت کے علوم کی نشر و اشاعت کرو اور اپنے اسلاف اور آباء و اجداد صلحاء کی تصدیق کرو۔ اور سوائے اللہ عزوجل کے ہرگز کسی سے نہ ڈرو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں ہو۔ اہل انصاف و دیانت اور اہل ایمان و امانت اس وصیت کو اس روایت کے ساتھ لگا کر ہیں بتلائیں کہ وصیت پر عمل کس صورت میں پایا جاسکتا ہے، شیعی تاویل اور تحریف کی صورت میں یا ظاہری معنی و مفہوم جو عام اہل اسلام نے سمجھا، حتیٰ کہ اس مرید خاص نے بھی۔ وہ مراد ہونے کی صورت میں یقیناً وصیت پر عمل کی صورت صرف وہی ہے جو اہل سنت کے مذہب و مسلک کے بالکل مطابق ہے اور چونکہ آپ از سوائے وصیت علوم اہل بیت کی نشر و اشاعت اور اپنے اسلاف کی تائید و تصدیق کے پابند تھے تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ تمام اہل بیت اور ائمہ کرام کا مذہب و مسلک بھی یہی تھا جس پر سواد اعظم اہل سنت و الجماعت اب تک قائم ہیں اور بصورت دیگر جب آپ نے وصیت کی خلافت و رزنی کی تو امامت ہی ختم ہو گئی۔ اور صدق

بھی ختم ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ پھر نہ آپ کو امام تسلیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی صادق کا لقب دیا جاسکتا ہے۔

محررین کی وجہ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اضطراب

مراد ائمہ کی تشریح و توضیح پیش کرنے والوں سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی پریشانی بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

رجال کشی میں مذکور ہے کہ امام موصوف تے فیض بن مختار کو فرمایا۔
 إِنَّ النَّاسَ أَوْلَعُوا بِالْكَذِبِ عَلَيْنَا كَانِ اللَّهُ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ لَا يَرِيدُ مِنْهُمْ غَيْرَهُ وَانِّي أَحَدُثُ أَحَدَهُمْ بِالْحَدِيثِ فَلَا يَخْرُجُ مِنْ عِنْدِي حَتَّى يَتَأَوَّلَهُ عَلَى غَيْرِ تَأْوِيلِهِ (رجال الکشی ص ۱۲۲)
 یعنی لوگ ہم پر بہتان باندھنے اور افترا کرنے کے عاشق ہو چکے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے یہی کام ان پر فرض کر دیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے کسی امر اور فعل کا ان سے ارادہ نہیں رکھتا، میں ان میں سے ایک کو حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے نکل نہیں پاتا کہ اس کو میری مراد کے برعکس دوسرے معنی پر محمول کر دیتا ہے امام صادق کے اس ارشاد صادق کے بعد اس تاویل کے بطلان و غلطی اور اس کے ناقل کے افتراء اور بہتان میں قطعاً شک و شبہ کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی اور صرف یہ ایک روایت اور اس کی تاویل فاسد بطور نمونہ ذکر کی ہے ورنہ یہاں تو جھوٹی روایات کے انبار ہیں اور صحیح روایات کی تاویلات فاسدہ کے دفاتر اور بہت بڑی جماعت اسی شیطانی کام میں شب و روز مصروف تھی اور ائمہ کرام کی ان پر لعنتوں اور برائتوں اور تکذیب کے باوجود انہیں کے نام پر یہ ملعون و مروجہ اس مذموم مقصد کو جاری رکھے رہے۔

بعض انتہائی مقتدر اور معتبر راویوں پر ائمہ کرام کے تبصرے دوسری جگہ ذکر

کیے گئے ہیں وہاں ملاحظہ فرماویں اور خدا تعالیٰ موقوفہ سے تو صرف رجال انکشی کا ہی مطالعہ کر لیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کون لوگ تھے اور ان کا اصل مقصد کیا تھا یعنی یہود و مجوس تھے اور اسلام کو فاکم بدین نیست و نابود کرنے کے مدد پر تھے نعوذ باللہ من شر الشیاطین من الجنة والناس۔

الغرض جب ایک فریق اس بات پر تلا ہوا ہو کہ کوئی کمال اور فضیلت صحابہ کرام کی ثابت نہیں ہونے دیں گے۔ تو اس کے تواتر کا جو حال ہو گا وہ بھی واضح ہے۔ ہم تو یہ بھی قدرت خداوند تعالیٰ کا اعجاز سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں کہیں کوئی کلمہ خیر کا حضرات صحابہ اور خلفاء ثلاثہ کے حق میں صادر ہو جائے۔ اس لیے اگر کوئی تواتر یہاں حجت ہو سکتا ہے اور دلیل صداقت اور معیار حقاقت ہو سکتا تو وہ بالعموم اہل اسلام کی روایات کا ہے اگر کتب شیعہ میں بھی وہ روایت دستیاب ہو جائے اور تمام اہل اسلام کی کتابوں میں بھی تو اسی کو معیار حق سمجھا جائے گا۔ اور یہی حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے جو کہ نظر نواز ہو چکا۔ اور قرآن مجید کی تائید اور موافقت ہی اصل معیار صداقت ہو گا۔ کیونکہ وہ بھی اہل اسلام میں متواتر ہے کامل و مکمل طور پر جس طرح کہ ہمارا مذہب ہے۔ یا جس قدر بچ گیا۔ جیسے کہ شیعہ صاحبان کا مذہب ہے۔

معیار حق کتاب اللہ اور سنت رسول جو اس کے موافق ہو

اب اس پر مزید تائیدی روایات پیش خدمت ہیں کہ معیار حق صرف کتاب اللہ ہے۔ اور وہی سنت قابل قبول ہے جو اس کے موافق ہو۔

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ان علی کل حق حقیقۃ و علی کل ثواب نور انما و افق کتاب اللہ فخذ وہ و ما خالف کتاب اللہ فهو زحرف۔

(۲) عن ایوب بن الحر قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام

کل شی مردود الی الکتاب والسنة وکل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فهو زحرف۔
 (۳) عن ایوب بن راشد عن ابی عبد اللہ السلام قال ما لم یوافق من الحدیث
 القرآن فهو زحرف (۴) عن هشام بن الحکم وغیرہ عن ابی عبد اللہ علیہ
 السلام قال۔ خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنی فقال ایہا الناس ما
 جاءکم عنی یوافق کتاب اللہ فاناقلته وما جاءکم ینالف کتاب اللہ فلم اقلہ۔
 (۵) عن ابن ابی عمیر عن بعض اصحابہ قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ
 السلام۔ من خالف کتاب اللہ وسنة محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقد کفر۔
 اصول کافی باب الاخذ بالسنة وشواهد الکتاب جلد اول ص ۶۹۔۔ خلاصہ سب
 روایات کے معنی و مفہوم کا یہ ہے کہ ہر اختلاف و نزاع کا فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق
 کرنا ضروری ہے۔ اور جو دونوں کا خلاف کرے وہ کافر ہے۔ اور جب ان میں
 مخالفت آجائے تو ائمہ کا بھی اور سرور انبیاء اور امام الائمہ کا حکم بھی یہی ہے کہ قرآن مجید
 کے ساتھ تسک کر دے۔ اور اس سنت اور حدیث کے ساتھ جو اس کے موافق ہو۔
 اور دوسری روایات کو موضوع۔ زحرف اور من گھڑت سمجھو۔

جب ائمہ کا بیان کردہ میاں حق اور مداد صداقت یہ ہے۔ بلکہ خود رسول خدا۔
 صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی ہے۔ تو ڈھکو صاحب نے اور ان کے پیرو لیت اور
 حبیب جسمانی اور روحانی نے جو میاں قائم کیا ہے۔ یعنی ہماری متواترات کے مطابق
 ہو تو درست ہے۔ ورنہ ساقط عن الاعتبار وہ بالکل غلط ہے۔ اور ناقابل اعتبار اور
 ان ارشادات ائمہ کے سراسر مخالف و معاکس اس لیے یہ جواب ان کا سراسر عجز اور بے بسی
 بیچارگی پر مبنی ہے۔ اور اپنے مذہبی کتب میں بیان کردہ میاں اور کسوٹی کے بھی خلاف
 ہے تاہم جمیع اصول اہل اسلام متواترہ و مجمع علیہا چہ رسد

لمحہ فکریہ :

حضرت علی رضی اللہ عنہ و ڈھکو صاحب اور ان کے حبیب محترم کے ارشاد کے مطابق

اور کتاب الروضہ کے مطابق اپنے مافی الضمیر کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور انہیں لشکر میں بغاوت اور ان کی علیحدگی کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس لیے خلفاء و سالیقین کے جاری کردہ احکام میں تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔ اور صرف تراویح کو بند کرنا چاہا تو شور مچ گیا کہ عمر کی سنت بدلی جا رہی ہے۔ اور حضرت امیر کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا۔ لہٰذا ہم پوچھتے ہیں کہ اس پوزیشن کا مالک کیا علانیہ ان پر تنقید کر سکتا تھا۔ اور ان کی عظمت شان کے خلاف کوئی لفظ زبان پر لا سکتا تھا۔ قطعاً نہیں۔ اس لیے ان کا عام خطبات میں یقیناً طریقہ کار یہی رہا کہ ان حضرات سابقین کی مدح و ثنا کرتے۔ اور ان کے متقیدین کو خوش رکھتے اور بقول شیعہ درپردہ ان کے خلاف ظلم و ستم اور غصب و نسب کے الزامات عائد کرتے تھے اور صرف خواص پر حقیقی نظریات کا اظہار کرتے تھے۔ ایسی صورت میں تو اتر کہاں رہا جو ظاہر اور متواتر ہے وہ شیعہ کیلئے قابل قبول نہیں۔ اور جو خفیہ اور راز دارہ داری سے چھپنے والا حقیقی نظریہ ہے۔ اس کو متواتر کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور اس پر ظاہر اور علانیہ کے مقابل اعتبار کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان خفیہ اور راز دارہ انداز میں پروان چڑھنے والی روایات کو قطعاً متواتر نہیں کہہ سکتے۔

دور خمی پالیسی اور انصاف و عدالت کے مختلف ترازو اور پیمانے

جب خلفاء ثلاثہ پر اعتراض کرنا تھا۔ تو اہل سنت کی غیر اہم کتابوں کے حوالے اور قطع برید کر کے عبارات پیش کر دیں یا اپنے ترشیدہ مضمون اور معنی کو پیش کر دیا اور یہ خیال نہ آیا کہ آخر اہل سنت کے ہاں متواتر روایات اور صحیح ترین احادیث کیا ہیں۔ اور جو روایات ہم پیش کر رہے ہیں۔ ان کی حیثیت کیا ہے۔ بلکہ یہ بھی نہ سوچا کہ کتابیں بھی ان کی ہیں یا نہیں اور حیب اپنی باری آئی تو اپنی کتابوں کی اور علی الخصوص اصح الکتاب نہج البلاغہ کی روایات اور عبارات کو شاید ضعیف خلاف متواتر اور ساقط عن الاعتبار قرار دے دیا آخر جو اپنے لیے پسند نہیں وہ دوسروں کے لیے پسند کیوں کیا گیا۔

علامہ ڈھکو صاحب اور مولوی امیر الدین کاراہ اسلاف سے انحراف

نبی البلاغہ جیسی اہم کتاب کی روایات کے متعلق کسی شیعہ نے ایسی بے رحمی اور بے باکی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ بظاہر اجماع شیعہ کے خلاف ہونے کے باوجود روایات کی محنت کو تسلیم کر کے تاویل و توجیہ کی کوشش کی ہے۔ مثلاً علامہ ابن ہشیم نے اور صاحب درۃ التجفیہ نے حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد اللہ بلاد فلان جس میں بقول بعض حضرت امیر المؤمنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مدح و ثنا ہے اور بقول بعض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظیم منقبت اور مدحت ہے۔ اس کے تحت یہ سوال نقل کیا ہے۔ کہ اگر یہ ارشاد آپ کا ہے تو شیعہ کا اجماع خطا اور غلطی پر لازم

آتا ہے۔ اگر ان کا اجماع و اتفاق صحیح ہے۔ یعنی ان حضرات کو ظالم و غاصب و غیرہ کہنے پر تو پھر اس عبارت کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف درست نہیں ہو سکتی۔ لیکن جواب میں اس عبارت کی نسبت آپ کی طرف درست تسلیم کر کے پہلا جواب یہ دیا کہ آپ نے عوام اہل اسلام کو اپنا ہمنوا اور موافق رکھنے کے لیے اور اپنا محدود معاون رکھنے کے لیے بطور مصلحت اس طرح فرمایا۔ نہ کہ ذاتی نظریہ اور عقیدہ کے طور پر۔ اور دوسرا جواب یہ دیا کہ اگرچہ کلمات مدحیہ اور ستائش کے ذکر کے لیے مقصود ان حضرات کی مدح و ستائش نہیں تھی۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سرزنش مقصود تھی۔ کہ تمہارے۔ پیش رد حضرات نے ایسے کام نہ کیے جو موجب نزاع و اختلاف اور باعث حرب و قتال بنے۔ بلکہ وہ صاف دامن اور پاکیزہ خصال دینا سے کوشش کر گئے۔ لیکن تم اس معیار کو برقرار نہ رکھ سکے۔ ملاحظہ ہو شرح ابن ہشیم جلد نمبر ۴ ص ۹۸ اور درہ تجفیہ جلد نمبر ۲ ص ۱۲۵ اسی طرح علماء شیعہ نے حضرت علی کا یہ ارشاد تسلیم کر لیا کہ آپ نے۔ برسر منبر اعلان فرمایا۔

الا ان خیر هذه الامة بعد نبیہا۔ ابو بکر و عمر و شافعی ص ۱۲۶ و تلخیص ص ۴
یعنی اس امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور

عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور اس پر منفع اور وضع کا حکم نہیں لگایا۔ لیکن اس کا مغل یہ بیان کیا ہے۔ کہ لوگوں کو ہموا بنانے کے لیے آپ اس طرح کے ارشادات فرماتے رہتے تھے۔ جسے کہ آئندہ کے صفحات میں اس کی مکمل بحث آتی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا۔ مقصود ہے کہ ان اسلاف نے یہ ضابطہ اور قاعدہ قطعاً استعمال نہیں کیا۔ کہ جو فضائل میں وارد روایات ہیں وہ سب ضعیف شاذ اور ناقابل اعتبار ہیں۔ بلکہ انہوں نے تسلیم کیا کہ خطبات میں فضائل شیخین بیان کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول رہا ہے البتہ مذہب کا دفاع اس طرح کیا ہے کہ صرف رعیت کو اپنے ساتھ وابستہ رکھنے کے لیے ان کے ممدوعین خلفاء کی تعریف فرماتے تھے۔

ان جوابات میں وجوہ منفع اور سقم جہالت۔ بطالت۔ مخالفت ہر صاحب عقل و خرد پر روز روشن کی طرح عیاں اور تفصیل انشاء اللہ اسی عبارت کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔ لیکن بہر حال ان لوگوں کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ ان عبارات کو شاذ۔ ضعیف اور ساقط عن الاعتبار کہیں یہ صرف اور صرف ڈھکوسل صاحب اور اس کے طبیب کا دل گردہ ہے کہ ارشادات مرتضویہ کو رد کر دیا اور ساقط عن الاعتبار قرار دے دیا ہے غلامہ مرام یہ ہے کہ ان کے ہاں کوئی ضابطہ اور قاعدہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی معیار اور میزان سوائے ہوائے نفس اور خواہش قلب کے اور عقیدہ فاسدہ مفردہ مخترعہ کے کہ جو روایت اس کے مطابق وہ سچی اور صحیح خواہ ضعیف ترین کتاب میں ہی کیوں نہ ہو اور جو اس کے خلاف ہے وہ جھوٹی اور خلاف واقع اور ناقابل اعتبار خواہ جس قدر بھی مستند اور ارجح الکتاب میں ہی موجود کیوں نہ ہو۔ اور قرآن مجید کے بھی مطابق اور موافق کیوں نہ ہو۔

تنبیہ

اب حضرت شیخ الاسلام کے رسالہ "مذہب شیعہ کی روایات جو کتب شیعہ سے منقول ہیں۔ اور ڈھکوسل صاحب نے ان کی تاویلات و تفسیلات میں جو کچھ ذکر کیا ہے اور

ترتیب کتاب کو ملحوظ رکھے بغیر ادھر ادھر ذکر کیا ہے۔ ان کو بھی اسی ترتیب سے ذکر کر کے ساتھ ہی جوابات عرض کرتا جاؤں گا۔ اور حقیقت حال کا فیصلہ ارباب نظر و فکر اور اصحاب عقول سلیمہ و آراء صابہ پر چھوڑ دینا البتہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عظمت اور کتاب خطبات نہج البلاغہ کی اہمیت کے پیش نظر بندہ نے ان ارشادات و عبارات کو دوسرے حوالہ جات پر مقدم کر دیا ہے۔ اور اپنی طرف سے بھی چند عبارات تائید مزید کے طور پر ذکر کی ہیں۔

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

فضائل صحابہ اور انج البلاغہ

پہلی روایت (۱۱) حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لقد رأيت أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم قمارى
أحداً منكم يشبههم لقد كانوا يصبحون شعثاً غبراً قد باتوا
سجداً وقياماً يراو حون بين جباههم وخذودهم ويقفون
على مثل الجمر من ذكر منادهم كان بين أعيانهم ركب المعزى من
طول سجودهم إذا ذكر الله هملت أعيانهم حتى تبل جيوبهم
ومادوا كما يميد الشجر يوم الريح العاصف خوفاً من العقاب
ورجاءاً للثواب. (انج البلاغہ ج ۹۶ مطبوعہ تہران)

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا تم میں سے کسی کو بھی
ان کے مشابہ نہیں دیکھتا وہ ماکرات سجدوں اور نماز میں گزارتے صبح
کو اس حال میں ہوتے کہ ان کے بال پریشان اور غبار آلود ہوتے
تھے۔ شب کو ان کا آرام جینوں اور رخساروں کے درمیان دلوں
سجدوں کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اپنی عاقبت کی یاد سے دیکھتے ہوئے
گوئوں کی طرح بھڑک اٹھتے تھے۔ زیادہ لمبے لمبے سجدوں کی وجہ سے
آنکھوں کے درمیان دھینوں پر دھنوں کے گھٹنوں کی طرح نشان
ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا نام جب ان کے سامنے لیا جاتا تو ان
کی آنکھیں بہہ پڑتیں۔ یہاں تک کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے اور

اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اور اس کے ثواب کی امید میں
اس طرح کا پنتے تھے۔ جیسے سخت آندھی میں درخت کا پنتا ہے۔
تحفہ حسینیہ :

اقول اس ارشادِ مرتضوی کے مناسب قرآن مجید میں ان حضرات کے صفات اس
طرح بیان فرمائے گئے۔

حمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء
بینہم تراہم رکعاً سجدایبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً۔
سبماہم فی وجوہہم من اثر السجود۔ (الایہ)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور جو ان کے ساتھ ہیں۔
وہ کفار پر سخت آپس میں رحیم و کریم تم انہیں دیکھو گے رکوع کرتے سجود
کرتے در آن عالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں
ان کے علامات ان کے چہروں میں ہیں سجود کے اثرات سے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ علامات ان حضرات کے بیان کیے گئے ہیں جو صلح حدیبیہ کے
موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لہذا حضرت امیرؓ کا خطبہ بھی تمام صحابہ کرام
کو شامل نہیں تو ان حضرات کو تو لازماً شامل ہونا چاہیے تاکہ ثقل اکبر اور ثقل اصغر میں باہمی
اتحاد و اتفاق ثابت ہو جائے۔ اور افتراق و اختلاف نہ لازم آئے اور کون کہہ سکتا ہے۔
کہ حضرت شیخین بلکہ خلفائ ثلاثہ رضی اللہ عنہم بھی ان میں شامل نہیں تھے۔ لہذا ثقلین کے
اتحاد و اتفاق سے بالعموم صحابہ کرام اور بالخصوص خلفائ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت و منقبت
یہاں سے روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

تشریح الامامیہ۔ علامہ محمد حسین ڈھکو

علامہ موصوف کا علی طور پر اعتراف عجز

نوٹ۔ علامہ ڈھکو صاحب نے بیجا البلاغہ کی جملہ عبارات میں سے صرف اس عبارت
کا جواب دیا ہے۔ اور وہ بھی ان الفاظ کے ساتھ ”بیجا البلاغہ کا یہ اقتباس۔“

جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض مختص اصحاب کے بارے میں۔
 ہے مثل سلمان۔ ابوذر مقداد اور عمار و اشعث کی مدح و ثناء میں وارد ہے جن
 کا تمام اصحاب اور بالخصوص پیر صاحب کے مدح و ثناء کے ساتھ دور کا بھی کوئی
 تعلق نہیں۔ تحفہ حسینیہ۔ محمد اشرف سیالوی

لیکن اباب عقل و دانش پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ ڈھکوصاحب کا محض یہ
 یہ دعویٰ ہے۔ اس پر دلیل پیش کرنا تو دور کی بات ہے کوئی قرینہ بھی قائم نہیں کر سکے
 جب کہ ہم نے ثقلین کا اتحاد و اتفاق ثابت کر کے قطعی طور پر خلفاء ثلاثہ کے حق میں
 اس کا اور وثاقت کر دی ہے۔

(۱۲) ڈھکوصاحب کو خود اعتراف ہے کہ نصوص کو اپنے غموم پر رکھا جائے گا۔
 اور خصوصی مورد کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ تنزیہ الامامیہ صفحہ ۱۵۶ اور یہاں۔
 مورد میں بھی کوئی تخصیص نہیں پھر غموم الفاتحہ سے عدول کا باعث کیا ہو سکتا
 ہے۔ یوں تو ڈھکوصاحب کا کوئی ٹنگ کہہ سکتا ہے کہ اقیمو الصلوٰۃ کا خطاب
 اس دور کے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ وہ گزر گئے جو اس کے مخاطب تھے۔
 پھر کیا جواب ہو سکے گا۔ اس طرح تو شریعت مذاق بن کر رہ جائے گی۔

(۱۳) جن کا ذکر ڈھکوصاحب نے کیا ہے۔ وہ حضرات امیر المؤمنین عمر بن الخطاب
 رضی اللہ عنہ کے عامل اور نائب کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں حضرت
 سلمان فارسی ہوں یا حضرت عمار وغیرہ رضی اللہ عنہم اور سبھی جنگوں میں انکے سپاہی
 کے طور پر تو کیا یہ انتہائی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہوگی کہ جو نائب اور ماتحت
 رہے ہوں وہ تو ان فضائل کے مصداق ہوں اور جو انکے امیر اور امام و خلفاء
 ہیں۔ وہ ان اوصاف سے دور کا تعلق بھی نہ رکھتے ہوں۔

چشم بد ہیں کہ برکت ہر بار عیب نماید ہر شے در نظر
 مذهب شیعہ۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز
 دوسری روایت (۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں خطبہ دیتے

ہوئے فرماتے ہیں۔

واعلموا عباد الله ان المتقين ذهبوا بعاجل الدنيا و آجل
الآخرة فشاركوا اهل الدنيا في دنياهم ولم يشاركهم اهل
الدنيا في آخرتهم سكنوا الدنيا بافضل ما سكنت والكلوها
بافضل ما اكلت فخطوا من الدنيا بما حظى به المترقون
واخذوا منها ما اخذوا الجبايرة المنتكرون ثم انقلبوا عنها
بالزاد المبلغ والمجنح الرابع اصابوا الذلة زهد الدنيا في
دنياههم ويتقنوا انهم جيران الله غدا في آخرتهم لا ترد لهم
دعوة ولا ينقص لهم نصيب من لذة (پنج خطبہ ع ۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندو۔ اچھی طرح جان لو کہ متقی اور پرہیزگار لوگ
دہی تھے۔ جو دنیا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کر کے گزر چکے ہیں۔ وہ
ہستیاں اہل دنیا کے ساتھ ان کی دنیا میں شریک ہوئیں۔ لیکن اہل
دنیا ان کی آخرت میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو سکے وہ مقدس ہستیاں
دنیا میں اس طرح سکونت پذیر ہوئیں جیسا کہ سکونت اختیار کرنے
لاحق تھا۔ اور دنیا کی ہر اس نعمت سے ان ہستیوں نے حصہ پایا
جس سے بڑے بڑے متکبرین اہل دنیا نے حصہ پایا اور دنیوی مال و
دولت۔ جاہ و شہمت جس قدر بھی بڑے بڑے جابرین و عکبرین نے
حاصل کی ہے۔ اسی قدر انہوں نے حاصل کی ہے۔ پھر یہ ہستیاں
زادِ آخرت لے کر اور آخرت میں نفع دینے والی تجارت کو ساتھ
لے کر دنیا سے بے رغبت ہوئیں۔ یہ لوگ دنیا سے بے رغبتی کی
لذت کو اپنی دنیا میں حاصل کر چکے تھے۔ کہ کل اللہ تعالیٰ سے ملنے
واسے ہیں اپنی آخرت میں یہ وہ لوگ تھے جن کی کوئی دعا نامنظور
نہیں ہوتی تھی۔ اور ان کی آخرت کا حصہ دنیاوی لذات کی وجہ سے

کم نہ ہو گا۔ تحفہ جینیہ۔ محمد اشرف سیالوی

اقول اس خطبہ کے اندر منقول و مذکور صفات کو بقائم ہوش و حواس اور بقائے ایمان و انصاف سوائے خلاقانے راشدین اور ان کے کمانڈروں اور جرنیلوں کے کسی پر منطبق نہیں کیا جاسکتا ہے جنہوں نے قیصر و کسری کی سلطنتوں کو اپنے قبضہ و تصرف میں لیا اور ان کے تاج و تخت اپنے پاؤں سے روندے اور ان کے اموال و خزانے اپنے سپاہیوں اور لشکریوں میں اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تقسیم کئے۔ اور ایرانی شہزادیوں کو لونڈیوں کی صورت میں مدینہ منورہ لاکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرضی کے مطابق ان کو بانٹنے اور تقسیم کرنے کا اختیار دیا ماسی خدا داد عظمت و شوکت اور تصرف اقتدار کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

هو الذی جعلکم خلائف الارض و رفع بعضکم فوق بعض
درجات لیبلوکم فیما آتاکم۔ (الآیہ)

اور وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو زمین کا متصرف بنایا۔ اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی تاکہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں اس میں تمہاری آزمائش کرے

ترجمہ مقبول اور اسی آیت کریمہ کے حاشیہ میں مولوی مقبول نے لکھا خلائف الارض اس کے معنی ہیں۔ وہ گروہ جو پہلے گروہ کا قائم مقام ہو۔ اور زمین میں تصرف کرے جیسے کہ اہل اسلام جو یہود و نصاریٰ اور عجم کی سلطنتوں کے فاتح اور ان کے تصرف اور تسلط کے قائم مقام بنے۔ حاشیہ نمبر ۳ صفحہ نمبر ۲۳۸ اور ان کا اس امتحان میں پورا اترنا اور کامیابی کے ساتھ ہمکنار ہونا حضرت علیؑ کے فرمان سے ظاہر اور واضح ہو گیا۔ لہذا اس خطبہ میں تقلید کا اتحاد و اتفاق واضح اور ظاہر ہو گیا۔ اور بالعموم صحابہ کرام کے فضائل کے ساتھ ساتھ خلفاء ثلاثہ کے فضائل بھی بطریق ادبی و اکمل ثابت ہو گئے۔

نوٹ۔ ڈسکو صاحب نے اس خطبہ کو بھی بالکل نہیں چھیڑا۔ اور ایک لفظ بھی اس کے متعلق کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

مذہب شیعہ - حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز
تیسری روایت: (۳) سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنے زمانہ خلافت
میں فرماتے ہیں۔

فان اهل السبق بسبقهم وذهب المهاجرون الاولون
بفضلهم.

(اسلام اور ایمان کے ساتھ) سبقت لے جانے والے اپنی سبقت
کے ساتھ فائز المرام ہو چکے۔ اور مہاجرین اولین اپنی فضیلت اور
برتری کے ساتھ گزر چکے۔

(اس ارشاد حیدری کی تائید بلکہ تشریح ثقل اکبر اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام
میں بھی موجود ہے۔ اور ثقلین کا سابقین اولین مہاجرین و انصار کے فضائل و فوائد اور
عالی درجات و منازل میں پورا پورا اتفاق ملاحظہ ہو)

صدق الله مولانا العظيم: "والسابقون الاولون
من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم بلحسن
رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجري
تحتها الانهار خالدون فيها ابداً ذلك الفوز العظيم.

تحفہ حسینیہ:

تتمہ روایات، نجم البلاغہ

حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ
کے مطابق ہے اور دونوں ثقل اس حقیقت کے اظہار پر متفق نظر آتے ہیں۔ کہ۔
مہاجرین و انصار میں سے اسلام کی طرف سبقت لے جانے والے مہاجرین و انصار
فائز المرام ہیں۔ اور کامیاب و کامران اور علی الخصوص مہاجرین اولین کو سب پر فوقیت

اور فضیلت حاصل ہے۔ اور آپ کے ارشاد گرامی کی تائید اس سے ہوتی ہے۔
کہ ہر جگہ مہاجرین کو انصار سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ آپ کا فرمان اسی وجہ تقدیم
کے راز کا ترجمان ہے۔

اور حضرت امیر المؤمنین کے کلام میں فوز و فلاح کا صرف ان سابقین اور مہاجرین
اولین میں حصر نہیں۔ اور قرآن مجید نے والذین اتبعوہم باحسان فرما کر بعد میں ہجرت
کر کے دامن مصطفویٰ میں پناہ لینے والوں کی عظمت بیان کر دی۔ بلکہ قیامت تک
ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔
رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذلک الفوز العظیم لہذا اس فضیلت میں درود نقل قرآن اور اہل بیت
متفق ہیں۔

۴۔ تحکیم قبول کرنے پر جب آپ کو اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا تو اس وقت اپنے
شکریوں کو خطاب کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ ملاحظہ ہو۔

۴۔ این القوم الذین دعوا الی الاسلام فقبلوہ۔ وقرؤ القرآن
فاحکموہ وھیجوا الی القتال فولہوہ ولہ اللقاح الی
اولادہا و سلبوہا السیوف اغمدہا واخذوا باطراف
الارض زحفاً زحفاً و صفاً صفاً بعض ہلک و بعض نجاً ،
لا یبشرون بالاحیاء ولا یعزون بالموتی مرہ العیون
من الیکاء ، تخص البطون من الصیام ، ذیل الشفاه
من الدعاء ، صفر الالوان من السہر۔ علی وجوہہم
غبرۃ الخاشعین اولئک اخوانی الذاہیون فحق
لنا ان نطمأ الیہم و نعض الایدی علی فراقہم ان
الشیطان لیسنی لکم طرقہ و یرید ان یجل دینکم
عقدۃ عقدۃ و یعطیکم بالجماعۃ الفرقۃ فاصدقوا
عن نزعاتہ و نقثاتہ و اقبلوا النصیحۃ عن اہداہا
الیکم و اعقلوہا علی انفسکم (منہج البلاغہ مصری جلد اول صفحہ ۲۸)

ترجمہ۔ کہاں ہیں وہ لوگ جن کو اسلام کی دعوت دی گئی تو فوراً انہوں نے اس کو قبول کیا اور قرآن مجید کو پڑھا اور اسے اچھی طرح ضبط کیا۔ انہیں جب جہاد و قتال کی طرف آمادہ اور براہیگتہ کیا گیا۔ تو اس محبت سے اس کی طرف نکلے جیسے شیردار اونٹیاں اپنی اولاد کی طرف دوڑتی ہیں اور انہوں نے تلواروں سے ان کی میاٹوں کو کھینچ لیا اور زمین کے اطراف و کنارے کو تھوڑا تھوڑا کر کے قبضہ میں لیتے گئے اور دشمنوں کے سامنے صف بستہ رہے۔ بعض راہی ملک بقاء ہو گئے اور بعض نے نجات پائی۔ نہ ان کو زندہ لوگوں کی طرف سے بشارت دی جاتی ہے۔ اور نہ فوت ہو جانے والوں کی طرف سے تعزیت کی جاتی ہے۔ خوف خدا سے رو رو کر آنکھوں کو خراب کر دینے والے ہیں۔ اور روزے رکھنے کی وجہ سے ان کے پیٹ پیٹھ سے لگے ہوئے ہیں۔ بارگاہ خداوند تعالیٰ میں دعا و استعا کی وجہ سے ہونٹ خشک ہیں۔ شب بیداری کی وجہ سے زرد رنگ، ہنردوں پر عبسہ خشک و خضوع لوگوں جیسی خاکستری رنگت، وہ عظیم شان والے میرے بھائی ہیں۔ جو اس دنیا سے کوچ کر کے جانے والے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے دیدار کے پیاسے ہوں اور ان کے فراق پر ہاتھ کاٹیں۔

بے شک شیطان تمہارے لیے اپنی طرف سے نئے راستے کھولتا ہے۔ اور یہ چاہتا ہے۔ کہ تمہارے دین کی مضبوط گانٹھوں کو ایک ایک کر کے کھول دے۔ اور تمہیں جماعت اور جمعیت کے بدلے افتراق و انتشار دے۔ لہذا اس کے جذبات اور کشاکش اور اس کے افشون اور منتہ سے اپنے آپ کو دور رکھو۔ اور جو تمہیں نصیحت کرے اس کی نصیحت کو قبول کرو۔ اور اسے پٹے باندھو

اور اپنے عقول کا اس کو پابند بناؤ۔

ان کلمات صداقت نشان سے خلفاء راشدین اور مجاہدین و انصار کی عمومی اور خصوصی مدح سرائی ظاہر ہے ان کا فتوحات کرنا اور زمین کے اطراف و اکناف کو اپنے قبضہ میں لینا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور پھر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ادوار خلافت میں ہی پایا گیا۔ خود حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کادور خلافت تو باہمی اختلاف و نزاع کا شکار ہو گیا۔ لہذا وہ تو یہاں پر مراد ہو نہیں سکتا۔ اور پہلے ادوار میں۔ جو فتوحات ہوئیں اور اسلام پھلا پھولا تو اس کا اعزاز اور کریڈٹ کس کو ملے گا وہ کسی چشم بینا سے مخفی نہیں۔ اور عبادت اور شب بیداریوں کے جو اثرات اور نشانات آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ قرآن مجید اس کی تائید اس طرح فرماتا ہے۔

تَرَاهُمْ رُكْعًا سَعِيدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔

کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کفار پر سخت ہیں۔ آپس میں رحیم و کریم ان کو دیکھو گے رکوع کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوتے ہوئے در آنحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طلب کار ہیں۔ اور ان کے چہروں میں سجدہ ریزیوں کی وجہ سے نشانات اور علامات ہیں۔

اگرچہ حضرت امیر کے بیان کردہ علامات بالعموم سب صحابہ کرام میں موجود ہیں لیکن ان آیات مقدسہ نے ان میں سے اہل حدیث کے امتیازی مقام کو ظاہر کر دیا لہذا ان کے حق میں بھی حضرت امیر اور ثقل اکبر قرآن مجید کا بیان باہم متوافق ہو گیا۔ اور لن یتفرقا کی غیبی خبر کی حریف بحرف تصدیق ہو گئی۔

۵۔ این خیاریکم و صلحاءکم و سمیاءکم و این المتورعون
فی مکاسیہم و المتترہون فی مذاہبہم الیس قد طعتوا جمیعاً
عن ہذہ الدنیا الدنیہ و العاجلۃ المتغصۃ و لا خلفتم الا فی

مثالۃ لا تلتقی بذا مهم الشقتان استصغارا لقدیم
وذاها با عن ذکرهم فاننا لله وانا الیہ راجعون
(پنج البلاغہ مصری صفحہ ۳۰۳)

کہاں ہیں تمہارے بہترین اور صلحاء اور مردانِ حرا اور اصحابِ جود و سخا
کہاں ہیں جو مکاسب اور ذرائع آمدنی میں تقویٰ اور احتیاط سے کام
لینے والے تھے اور مذاہب اور مسالک میں تنزہ اور ورع سے کام
لینے والے اور تم باقی نہیں رہ گئے مگر کیا وہ بھی اس گھٹیا دنیا سے کوچ نہیں کر گئے تھے مگر
ردی اور بے مقدار لوگوں میں جن کی قدر و منزلت اس سے بھی
کم ہے۔ کہ ان کی مذمت کی جائے یا زبان پر ان کا نام لایا جائے۔
انا لله وانا الیہ راجعون۔

وہ خیاء و صلحاء کون ہیں۔ اور مردانِ حرا اور اصحابِ جود و سخا اور مجسمہ ہائے
تقویٰ اور تورع کون ہیں؟ ظاہر ہے جن کی سیرت اور روش و کردار سے حضرت علیؓ
کو بھی عدول کا چارہ نہیں تھا۔ اور آپ کے لشکری بھی اس کی اجازت نہیں دیتے تھے
کہ ان کی سنت صالحہ اور سیرت مرضیہ سے عدول کیا جائے ان کے علاوہ ان صفاتِ کاملہ
کے مصداق اور اخلاقِ عالیہ کے موصوف کون ہو سکتے ہیں۔ تمام شیعہ اسلاف و اخلاف
کو تسلیم ہے کہ حضرت امیرِ قدس سرہ اپنے دورِ خلافت میں بھی سیرتِ شیخین پر عمل پیرا
رہے۔

۶۔ قد مضت اصول نحن فروعہا فالبقاء الفروع بعد
ذہاب اصولہا۔ (پنج البلاغہ مصری جلد اول ص ۳۲)

تحقیق ہمارے اصول گزر چکے جن کے ہم فروع ہیں اور اصول کے
چلے جانے کے بعد فروع کے لیے یقیناً کی صورت کیا ہو سکتی ہے
انصار کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا۔

هم والله ربوا الاسلام كما يربى القلوب مع غناؤهم

یابدیہم السباط والسنتہم السلاط (بیچ البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۳۱۵)
 بخدا انہوں نے اسلام کی اس طرح تربیت کی اور اسے قوی و توانا اور
 مضبوط و مستحکم بنایا جیسے کہ پھیرے کا مالک اس کی تربیت کر کے اس کو
 عظیم گھوڑا بنا دیتا ہے۔

اور اسلام کی تائید و تقویت ان کے سخاوت پیشہ ہاتھوں کے ساتھ ہوئی اور
 اعداء اسلام پر سخت زبانون کے ساتھ۔ اس کلام بلاغت نظام میں وجود اسلام کو گوانصا
 کے انصار بننے سے قبل تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس کی توانائی اور رعنائی اور اس میں
 رغبت اور میلان کا موجب انصار کو تسلیم کیا گیا۔ اور اس کو لوگوں کے لیے نفع بخش دین
 کے طور پر پیش کرنے کا سہرا انصار کے سر باندھا گیا ہے۔ جس طرح پھیرا کار آمد اور
 نفع بخش اسی وقت بنتا ہے۔ جب اس کی تربیت کر کے اسے قوی و توانا اور مضبوط و
 مستحکم بنا دیا جائے۔ قرآن مجید کا انہیں انصار فرمانا بھی اسی حکمت کے پیش نظر ہے۔
 جو حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے بیان فرمائی تو دونوں نقل ان کی خدمات کے مترف دکھائی
 دیتے۔ اور وہ انصار متفقہ طور پر حضرات شیخین کے خادم اور جانثار سپاہی سمجھے
 ۱۸۱۔ ہماجرین و انصار کے فیصلوں اور ان کے اجماع و اتفاق کی اہمیت حضرت
 امیر المؤمنین کے نزدیک کیا ہے۔ اسکا اندازہ آپ کے اس کلام حقیقت ترجمان
 سے کریں۔

انما الشوری للہماجرین والانصار فان اجتمعوا علی رحیل و
 سمرۃ اما ما کان ذلک للہ رضی فان خرج عن امرہو
 خارج بطعن او بدعة ردوہ الی ما خرج منہ فان ابی
 قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین و ولاہ
 اللہ ماتولی (بیچ البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۳۱۵)
 مشادرت کا حق فقط ہماجرین و انصار کے لیے ہے۔ اگر وہ کسی شخص
 پر اجتماع و اتفاق کر لیں۔ اور اس کو امام نامزد کریں تو وہی اللہ تعالیٰ

کے ہاں پسندیدہ ہو گا۔ اور ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا منظر ہو گا۔ اگر کوئی شخص ان کے فیصلہ اور اجماع سے خروج کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس پر ملعون و تشنیع کی وجہ سے یا بدعت کی وجہ سے تو اس کو مجمع علیہ امر اور متفق علیہ امر کی طرف لوٹائیں پس اگر وہ ابا و ادرا نکار کرے تو مؤمنین کی راہ چھوڑ کر علیحدہ راستہ اختیار کرنے پر اس کے ساتھ جنگ کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے ادھر ہی پھیرے جہرہ۔
خود پھرا ہے۔

دیکھئے کس صراحت اور وضاحت کے ساتھ آپ نے مہاجرین و انصار کے فیصلوں کو حق کا منظر قرار دیا ہے۔ اور ان سے اختلاف کو گمراہی کا راستہ اور اس میں بھی ثقلین کا اتفاق واضح ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
”وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا“
جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر راہ ہدایت واضح ہو چکا۔ اور مؤمنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے ہم اس کو ادھر ہی پھیریں گے جہرہ۔ خود پھرا۔ اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا اور مقام بازگشت ہے۔

ان دونوں ارشادات کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ قرآن میں مذکور مؤمنین جن کا راستہ راہ حق ہے۔ اور موجب ثبات ان کا مصداق حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے نزدیک مہاجرین و انصار ہیں۔ اور ان کے متفقہ فیصلہ کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور اس کے قضا و قدر اور اس کی مرضی اور پسند کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے مخالف کے خلاف تموار اٹھانا لازم اور اس کو دوزخی سمجھنا ضروری اس کے بعد بھی ان ہستیوں کی عظمت شان اور ان کے مقتدا و پیشوا حضرت کی عظمت شان میں چوں و چرا کی

کوئی گنجائش اور ایسے ارشادات کو متواترات کا خلاف قرار دینے کا کوئی امکان ہے جب کہ دونوں ثقل قرآن اور اہل بیت میں اس اعتراف و اقرار پر اتحاد و اتفاق ہے مزید بحث تمحیص اس کی بحث امامت میں ذکر کی جائے گی یہاں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ سابقہ عبارات میں بالعموم جن حضرات کے اوصاف و کمالات بیان کئے گئے ہیں۔ ان کو اس عبارت اور اس آیت کے پس منظر میں دیکھو تو یہ یقین کئے بغیر چارہ کار نہیں رہتا کہ ان سب کا مصداق اولیٰ اور موصوف اصلی ہی مہاجرین و انصار ہیں جن کی مخالفت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت قرار دی گئی ہے۔ جو مخالفت رسول کا حکم اس آیت کریمہ میں ہے۔ وہی ان کی مخالفت کا حکم ہے۔ اور ان کی موافقت کو راہ حق پر گامزنی اور منزل مقصود تک پہنچائی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ اصول ہیں جن کی فرع ہونے کی تصریح حضرت امیر نے فرمائی ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے فراق میں کف دست کاٹنے اور ہر وقت ان کے شوق لقاء و دیدار کا پیاسا اور شائق رہنے کی تلقین آپ نے فرمائی ہے۔ اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۹۔ لعمری لئن کانت الامامة لا تنعقد حتى تحضرها
عامۃ الناس فما الى ذلك سبیل ولكن اهلها
يحكمون علی من غاب عنها ثم ليس للشاهد ان
يرجع ولا للغائب ان يختار۔

(نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۳۹۷)

مجھے اپنی حیات دنیست کی قسم اگر امامت اس وقت تک منعقد نہ ہو۔
کے جب تک عام لوگ اس میں حاضر اور شامل نہ ہوں۔ تو پھر اس
کے انعقاد کی سرے سے کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ بلکہ جو اہل ولایت
اور ارباب عل و عقد ہیں وہ غائبین پر حاکم ہیں۔ ان کے حکم اور فیصلہ
کے بعد نہ حاضر اور موقوفہ پر موجود شخص کو رجوع کا حق ماسل ہو سکتا ہے

اور نہ غائب کے لیے اختیار۔

اس بیان حق نشان میں حلف اور قسم اٹھا کر آپ نے واضح کر دیا کہ امامت کا انعقاد اہل ولایت اور ارباب مل و عقد کے ہاتھوں میں ہے۔ اور پھلی عبارت کی رو سے وہ مہاجرین و انصار ہیں۔ تو واضح ہو گیا کہ حضرت امیر کی نگاہ ولایت میں ان کا مرتبہ اور مقام اسلام میں کیا ہے۔ اور ان کے فیصلوں کی اہمیت کیا ہے اور یہ کہ نظام حکومت اور خلافت و امامت کا مستحق وہی ہے جس کے حق میں ان کا فیصلہ صادر ہو۔ اس کے بعد بھی ان کے اخلاص اور تقویٰ و تورع اور بے نفسی اور تلہیت میں کلام کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

(۱۰) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے اہل فارس کے خلاف جنگ میں بہ نفس نفیس حصہ لینے کے متعلق مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا۔

ہو دین اللہ الذی اظہرہ وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی
بلغ ما بلغ وطلع حیثما طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجین
وعدہ وناصر جندہ (بیج البلاغہ مصری جلد اول صفحہ ۳۲۵)

اور وہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے جسے اس نے غالب فرمایا۔ اور اس کا لشکر جس کو اس نے غلبہ اسلام اور قہر اعداء کے لیے تیار فرمایا۔ اور اس کی مدد و معاونت فرمائی۔ یہاں تک کہ وہ پہنچا جہاں پہنچا اور طلوع ہوا جہاں کہ طلوع ہوا اور ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کا وعدہ دیئے گئے۔
ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔ اور اپنے لشکر کی نصرت فرمانے والا ہے۔

اس ارشاد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کا لشکر قرار دینا اور اللہ تعالیٰ کا اس لشکر کے لیے ناصر و مددگار ہونا واضح ہے۔ اور یہ بات۔
اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ایمان و اخلاص کا پیکر ہو گا اور جب لشکر کا حال یہ ہو تو ان کے امیر کا ایمان و اخلاص بھی اظہر من الشمس ہو گیا جس کے وہ تابع۔

فرمان اور مطیع و فرمانبردار ہیں۔ الحمد للہ قتلک عشرۃ کاملۃ۔

بقیہ مباحث اس عبارت سے متعلق بعد میں ذکر کئے جائیں گے۔

تنبیہ : ان عمومی ارشادات کے بعد ہم خاص اشخاص اور اہم ہستیوں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نظریات بیان کرتے ہیں۔ لیکن ابھی صرف نہج البلاغہ سے کیونکہ شیعہ برادری کی یہ سب سے اہم کتاب ہے۔ اور سب سے اصح بلکہ قرآن ثانی اسی لیے علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کے پیش کردہ حوالہ جات کے تحت دوسری ہر کتاب پر تبصرہ کیا۔ لیکن نہج البلاغہ کے متعلق مکمل سکوت اختیار کیا۔ اگر المینان قلب مقصود ہو تو رسالہ کا ص ۶۹ تا ص ۷۷ ملاحظہ فرمائیں جہاں یہ عنوان قائم کر کے ہر کتاب کے متعلق یا اس کی روایات کے متعلق بحث کی ہے فصل دوم فضائل ثلاثہ کے سلسلہ میں کتب شیعہ سے پیش کردہ روایات کے تحقیقی جوابات، ” مگر نہج البلاغہ ادعاس کی پیش کردہ روایات کے متعلق جناب کو صرف وہی رٹ نظر آئے گی۔ جو اجمالی اور مبہم انداز میں جواب دیتے ہوئے کہی ہے کہ متواتر کے خلاف جو بھی روایت ہوگی وہ ساقط عن الاعتبار ہوگی اور اس ضابطہ کی حقیقت ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

مذہب شیعہ — از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

شیخین کی فضیلت اور تقیہ کا رد

چوتھی روایت اللہ بلاد فلان قلعہ قوم الاود و داوی العمد
اقام السنۃ و خلف الفتنۃ و ذهب نقی الثوب قلیل العیب
اصاب خیرھا و سبق شرھا اذی الی اللہ سبحانہ طاعۃ

وانتقاہ بحقہ رحل و ترکہم فی طرق متشعبۃ لا یہتدی
فیہا الضال ولا یتیقن فیہا المہتدی۔

(کتاب نہج البلاغہ)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی جزائے خیر عطا کرے فلاں نے کو جس نے کچ روئی
کو قطعی طور پر درست کیا اور جہالت کی مرض کی دوا کی جس نے سنت
کو قائم کیا اور فتنہ کو پیچھے دھکیلا دینا سے پاک دامن ہو کر اور بے عیب
ہو کر گیا۔ بھلائی اور خیر کو حاصل کیا۔ اور فتنہ و شر سے پھلے چلا گیا۔
اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی عبادت کا حق کی۔ وہ رخصت ہو گیا۔
اور لوگوں کو اس طرح پریشان حالت میں چھوڑ گیا۔ کہ گمراہ ہدایت
نہیں پاسکتا اور ہدایت یافتہ یقین نہیں کر سکتا۔

حضرت امام الائمہ سیدنا علی مرتضیٰ کے اس خطبہ کی شرح میں صاحب مجملہ المدائق
اور ابن ابی الحدید اور منہاج البراءہ لای بھی اور ابن یشیم تصریح کرتے ہیں کہ فلاں سے
مراد عمر نہیں۔ البتہ ابن یشیم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ الدرۃ النجیہ
میں ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ نہج البلاغہ کی یہ شروح متعصب اور غالی
اہل تشیع کی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ صاحب مجملہ المدائق اس خطبہ کی شرح کے آخر میں۔
کہتے ہیں۔ شیر خدا نے بطور تقیہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس قدر تعریف
فرمائی ہے۔

بہر حال ہم نے مولیٰ کرم اللہ وجہہ کا کلام پاک اور ان کا ارشاد گرامی پیش
کرنا ہے۔ ان کے مافی الضمیر المیز کے متعلق خدا جانے اور وہ جانیں شاید امام عالی مقام
علم الصدق والصفاء شہید کر بلا رضی اللہ عنہ کو تقیہ کرنے کا مسئلہ معلوم نہ ہو گا۔ ورنہ جب
گھر میں تقیہ ضروری تھا۔ تو عزیمت اور سفر میں علی الخصوص جب کہ عزت معصومین ان کے
ساتھ تھے۔ تو وہ بھی تقیہ کرتے اور خاندانہ نبوت کو شہید نہ کراتے اور بامن و امان
مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے اہل تشیع کو باطنی اور مدری علوم زندہ جاوید سنیوں

کا ماتم منانے اور مقتدایان امت کے حق میں سب دشتم بکنے سے حاصل ہو گئے۔
 بھائی یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے۔ اگر باب مدینہ العلوم کا نظریہ اور ان کا مذہب
 عقیدہ ان کی رازداری کا شرف اور ان کے بالمنی علوم نہ معلوم ہوں تو مظلوم کربلا کو اور ان
 کے افکار و اسرار و مانی الغمیر کا علم حاصل ہو گیا تو شیعہ کو مگر۔

سہ سردار نہ داد دست در دست یزید

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

نقیہ نہ کرنے والے پر جو بے پناہ فتویٰ اور ان کی تکفیر اہل تشیع کی ام الکتاب
 یعنی کافی مکتبی میں موجود ہے کہ ان کا مستقل باب باندھا ہے جس کو دیکھ کر الامان و
 الحفظ بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ اور اہل تشیع کے صدق و صفا اور ان کی صاف
 بالمنی کی داد دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ بیس کا نمونہ عرض کر چکا ہوں حضرت امام حسین
 حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے نزدیک۔ ان کے شاگرد۔ ان کے خلیفہ، ان کے
 فیض یافتہ اور شیعہ ان تمام نعمتوں سے محروم تو پھر یہ نعمت عظمیٰ ان کو نصیب ہو گئی۔
 اور بالمنی علوم سے صرف اور صرف یہی فیض حاصل کر سکے۔ اور امام مہذا اللہ محروم
 رہ گئے۔ تلک اذا قسمة ضیعیٰ بہر حال ہم ظاہرینوں کو مدعیان محبت و توفی
 کی انتہائی مستبر کتابوں میں آئمہ ظاہرین معصومین کی سند سے جو روایات پہنچی ہیں۔ ہم
 تو انہیں پر اکتفاء کرتے ہوئے گزارش کر بیٹھے اہل ہیں۔ اور امام عالی مقام شہید کربلا
 رضی اللہ عنہ کے ظاہری طرز عمل اور ان کی ظاہری تعلیم کو اہل بیت کے صدق و صفا کا علم
 سمجھتے ہیں۔ اور اسی پر قناعت کر سکتے ہیں۔ میدان کربلا کا ذرہ ذرہ ہمیں جس صاف
 بالمنی اور غیر خدا کے خوف سے بے دھڑک ہو کر صدق بیانی اور صاف گوئی کی طرف
 بلاتا رہے گا۔ ہم تو بھائی اسی کو شیر خدا کا نظریہ یقین کرتے رہیں گے اور جب تک
 روضہ اطہر کو میدان کربلا میں دیکھتے رہیں گے ہماری آنکھیں تو کسی دوسرے مدری
 علم کو دیکھ نہیں سکتیں اپنی اپنی استعداد ہے۔

رسالہ مذہب شیعہ ص ۶ تا ص ۹

تحفہ تسینہ :

نوٹ : پنج ابلاغہ کی اس عبارت اور پہلی دو عبارات کے متعلق ڈھکو صاحب نے مکمل سکوت اور خاموشی سے کام لیا ہے۔ اس کا پورا رسالہ چھان مارو۔ کہیں ایک حرف بھی ان کے متعلق آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ جس سے ان کا اعتراف عجز ظاہر و باہر ہے۔ اور حق کا غلبہ عیاں اور مستغنی از بیان علاوہ انہیں پنج ابلاغہ کی اس روایت کے متعلق چند امور قابل غور اور خصوصی توجہ کے لائق ہیں۔

اول : جب فضیلت خلفاء رضی اللہ عنہم کا بیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہو۔ تو اس کو چھپانے کی اور حقیقت حال سے لوگوں کو بے خبر رکھنے کی کس طرح مذموم اور ناپاک کوشش کی جاتی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو حضرت ابوالائمہ مدین ولایت رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو عام اہل اسلام تک پہنچانے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ بلکہ تحریف جیسے گھناؤنے عمل کو بھی اپنا کر غلط فہمی پیدا کرنے اور مفاصلے دینے کی مقدور بھرسبی سے گریز نہیں کرتے کیونکہ یقیناً حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابو بکر یا حضرت عمر کا نام ذکر فرمایا۔ مگر وہ نذر تحریف ہو گیا۔ اور اس جگہ فلاں کا مبہم لفظ ذکر کر دیا گیا تاکہ حقیقت حال معلوم نہ ہو سکے۔

دوم : اس عبارت حق ترجمان اور صداقت نشان کا مصداق حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بہر حال حضرت امیر کا ان کی مدح سرائی فرمانا اور ان کی عظمت شان کو اجاگر کرنا اس سے صاف ظاہر ہے۔ اور اہل سنت کے نظریہ کی موافقت حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس سے بالکل واضح ہے۔ اور بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نظریات امیر کے ابن صرف اور صرف اہل سنت ہیں نہ کہ روافض

سوم : اس عبارت نے تشیع اور رافضی کے بنے ہوئے متافرتوں اور عداوتوں۔

کے مصنوعی جال کو تار تار کر کے رکھ دیا اور اس فرخرف محل کو بیخ و بن سے
اکھٹ کر رکھ دیا ہے اور باہمی محبت والفت اور قدر وانی اور حق شناسی
کا غیر فانی رشتہ اور ابدی تعلق واضح کر دیا جو ہمارے مذہب کی روح ہے۔

نہج البلاغہ کی عبارت اور اہل تشیع کا اضطراب

علامہ ابن شیم بکرائی نے مذہب رفض کا قلم منہدم ہوتا دیکھا تو اس کے تحفظ کے
یے لنگوٹ باندھ کر اور کمر کس کر میدان نقد و نظر میں اترے۔ پہلے ان کا جواب ملاحظہ
فرمائیں اور پھر ہمارا تبصرہ۔

اعلم ان الشيعة قد اوردوا ههنا سوالا فقالوا ان
هذه الاما د حرم التي ذكرها عليه السلام في حق احد
الرجلين تنافي ما اجمعنا عليه من تحفظهم واخذهما المنصب
الخلافه فاما ان لا يكون هذا الكلام من كلامه عليه السلام
او ان يكون اجما عنا خطأ.

ثم اجابوا من وجهين احدهما لا نسلم التنا في
المذكور فانه جاز ان يكون ذلك منه عليه السلام
على وجه استصلاح من يعتمد صحة خلافة الشيخين
واستجلاب قلوبهم بمثل هذا الكلام. الثاني ان يكون
صدحه ذلك لاحد هما في معرض توبيخ عثمان
بوقوع الفتنة في خلافته واضطراب الامر عليه واستثارة
بيوت مال المسلمين زهو وبنو ابيه حتى كان ذلك سببا لثوران
المسلمين من الامصار اليه وقتلهم له ونيه على ذلك بقوله
فخلف الفتنة وذهب نقى الثوب قليل العيب اصاب

خیرہاد سبق شروھا۔ شرح ابن شیم البعراتی جلد چہارم ص ۹۸
اس بات کو ذہن نشین رکھیں کہ شیعوں نے اس مقام پر ایک سوال
دار کیا ہے اور پھر اپنی طرف سے اس کے دو جواب دیئے ہیں
سوال و جواب ملاحظہ ہوں۔

سوال : یہ کلمات مدح و ثنا اور خصال خیر جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ
نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں ذکر کئے
ہیں۔ اس نظریہ و عقیدہ کے خلاف ہیں جس پر اہل تشیع کا اجماع ہے۔
یعنی اہل تشیع کا ان کو خطا کا قرار دینا اور ان پر غضب خلافت کا الزام۔
عائد کرنا یا تو یہ کلام حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا نہیں ہونا چاہیئے۔ اور
یا پھر سارا اجماع خطا اور باطل ہونا چاہیئے۔

جواب :۔ اس کلام کی دو طرح توجیہ کی گئی ہے۔ اول یہ ہے کہ اجماع
شیعہ اور کلام مذکور میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے آپ
کا یہ کلام صرف ان لوگوں کی اصلاح اور درستگی اور ہمنوائی اور موافقت
حاصل کرنے کے لیے ہو جو شیعیان کی خلافت کو درست اور برحق
سمجھتے ہیں اور اس لیے کلام کے ذریعے صرف ان کے دلوں کو اپنی طرف
مائل کرنا مقصود ہو۔ دوم یہ کہ اس کلام کا بنیادی مقصد عثمان بن عفان
رضی اللہ عنہ کو سرزنش کرنا ہو کہ تمہارے دور خلافت میں فتنے وقوع
پذیر ہو گئے۔ اور امر خلافت میں اضطراب اور بے سکونی اور تم نے
اہل اسلام کے بیت المال کو اپنے اور اپنی جدی برادری کے لیے
مخصوص ٹھہرا لیا جس کی وجہ سے شہروں سے لوگ اٹھ کر مدینہ منورہ
آگئے۔ اور ان کو قتل کر دیا۔ اور اس تو جہر اور مقصد پر تنبیہ اس عبادت
سے ہوئی ہے جس میں اس ممدوح کو فتنے سے سبقت لے جانے
والا اور پاکیزہ صفات، بے عیب قرار دیا جس نے امامت و خلافت

کے خیر یعنی ثواب عدل و انصاف کو پالیا۔ اور اس کے شر یعنی جور و جفا سے سبقت لے جانے والا قرار دیا۔

تبصرہ: اہل تشیع کے پہلے جواب کا حاصل وہی ہے جس کو تقیہ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے اس پر بہت مؤثر انداز میں رد فرما کر اس کی لغویت کو واضح کر دیا۔ اور اس جواب کو ائمہ کرام کے مذہب کے خلاف ثابت کر دیا کیونکہ علماء شیعہ کا اس پر اصرار ہے کہ ائمہ میں سے جو ایک کا مذہب ہو سب کا مذہب وہی ہوتا ہے چنانچہ ڈھکوا صاحب نے اس کو بڑے شد و مد سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

ملاحظہ تنزیہ الامامیہ ص ۶۹ ص ۷۰

لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کا مذہب معلوم کرنے کے لیے کسی روایت کی ضرورت نہیں صرف کر بلا میں قائم مقدس روضہ جات اور قبائے مقدس کو ایک نظر دیکھ لینا کافی ہے۔ اور جب اس امام مظلوم کا مذہب ثابت ہو گیا تو سب کا مذہب معلوم ہو گیا۔

آئین جواں مرداں حق گوئی دے باکی

اشد کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

علاوہ ازین حضرت امیر المؤمنین کا ارشاد اور عمل بھی سراسر اس جواب کی تکذیب کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

(۱) ولعمری ما علی من قتال من خالف الحق و خابط

الغی من ادھان ولا ایھان رنج البلاغہ جلد اول صفحہ ۷۳

مجھے اپنے حیات و زیست کی قسم جو شخص بھی حق کی مخالفت کرے اور

گمراہی و ضلالت کے اندر بھٹکنے والا ہو مجھ پر اس کے خلاف حرب و

قتال اور جنگ و جدال میں کسی زمانہ سازی اور موافقت یا کمزوری

اور بزدلی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ جب حرب و قتال سے گریز نہیں ہو سکتا۔ تو زبانی تعریفات اور توصیفات کر کے عوام اہل اسلام میں ان کی اصلی پوزیشن واضح کرنے کی بجائے غلط تاثر دینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ جواب آپ کے اس ارشاد کے بھی خلاف ہے۔

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلافت سنبھالتے وقت حالات کی نزاکت اور اضطراب اور بے چینی کی فضا میں مصلحت سے کام لینے اور وقتی طور پر رواداری اور موافقت کا اظہار کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

ولہ شہرا واعزله دھراً فانہ بعدان یبایعوک لایقدر علی ان یعدل فی امرتہ ولا یدان یجور فتعزلہ بذلک فقال کلاما کنت متخذ المصلین عضداً (شرح ابن میثم بحرانی جلد چہارم صفحہ ۳۹۱) امیر معاویہ کو ایک مہینے کے لیے شام کا عامل اور دالی بنادو۔ پھر ہمیشہ کے لیے معزول کر دینا۔ کیونکہ وہ تمہاری بیعت کرنے کے بعد بھی عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکیں گے اور لازماً جو ر و ظلم کو اپنائیں گے۔ لہذا اس عذر کے تحت معزول کر دینا۔ تو آپ نے فرمایا میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو نہیں بنا سکتا۔ اور نہ غلط کار لوگوں کا تعاون حاصل کرتا ہوں۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس نے مشورہ دیا کہ طلحہ کو بصرہ کا گورنر بنادو اور زبیر کو کوفہ کا عامل بنادو اور معاویہ کو گورنری پر بحال رکھو اور اس کو قرابت اور صلہ رحمی کا واسطہ دے کر تعاون حاصل کرو تا، اور فتنہ کے سمندروں میں اپنے آپ کو داخل نہ کرو۔ تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ معاذ اللہ ان افسردہ دنیا بدینا غیری اللہ کی پناہ کہ میں کسی کی دنیا کے لیے اپنے دین کو تباہ کروں۔ ولک یا بن عباس ان تشیر علی واری وان عصیتک فاطعتی۔ آپ کو مشورہ کا حق ہے

اور مجھے اس میں غور و فکر کا اور اگر میں تمہارے مشوروں کے برخلاف کروں تو تم پر میری اطاعت لازم ہے۔

نہج البلاغہ مع ابن میثم جلد پنجم ص ۲۰۳

بلکہ خود امیر معاویہ کے اس مطالبہ کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا۔

و اما طلبك الى الشام فاني لم اكن لاعطيك اليوم ما منعك بالامس. و اما قولك ان اجر ب قد اكلت العرب الاحشاشات النفس بقيت الا ومن اكله الحق فالى الجنة ومن اكله الباطل فالى النار۔

نہج البلاغہ مع ابن میثم جلد رابع صفحہ ۳۸۸

رہاتیر اشام کی ولایت اور امارت کا مطالبہ کرنا تو میں آج وہ چیز تجھے عطا کرنے والا نہیں ہوں۔ جو کل میں نے تجھ سے روک رکھی تھی۔ رہاتیر ایہ عذر مصالحت کی اہمیت اور اس کو قبول کرنے کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے کہ ہماری باہمی جنگ عربوں کو نگل چکی ہے۔ مگر چند نفوس پیچ گئے ہیں جو کٹ جانے والوں کے مقابل غیر اہم ہیں۔ تو اچھی طرح سن لے جس کو حق۔ اپنا القمہ بنالے تو وہ جنت کی طرف جانے والا ہے اور جسے باطل اپنا القمہ بنالے تو وہ دوزخ کا ایندھن ہے۔ (لہذا حق پر کٹ مرنے، واسے بھی مرجائیں تو قابل برداشت ہے۔ لیکن ملامت اور زمانہ سازی ناقابل برداشت ہے۔

ابن میثم نے اسی عبارت کی تشریح میں کہا۔ اگرچہ دنیاوی مصلحت اور کاروبار خلافت کی ظاہری اصلاح اور استحکام کا تقاضا تو یہی تھا۔ لیکن آپ دین کے چھوٹے سے معاملہ میں بھی تساہل اور مداخلت سے کام لینے والے نہیں تھے۔ لہذا اس رائے کو مسترد کر دیا اور ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔

قد كان الراي الدنياوي المخلص في حفظ الملك لكنه م يكن ليتسناهل في شئ من امرا الدين اصلا وان قل. (شرح ابن میثم بحرانی سنہ ۱۲۰۲ ج ۲)

تجربہ کا مقام ہے۔ جو ہستی ایک مہینہ کے لیے اتنی عظیم خلافتی مصلحتوں کے حصول اور خوزیریوں اور جنگوں سے بچ سکنے کے واضح امکانات کے باوجود ایسی لچک روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ اور زندہ امراء کے متعلقین کو اپنے ساتھ ملانے کی ایسی کوشش کرنے کے روادار نہیں تھے۔ وہ فوت شدہ امراء و خلفاء کے معتقدین کے ساتھ ملائے رکھنے کی خاطر ضمیر کے خلاف اقدام کو کیونکر گوارا کر سکتے تھے۔ لہذا یہ جواب نہ آپ کے ارشاد آ کے مطابق ہے۔ اور نہ ہی آپ کے طرز عمل کے۔ اور نہ ہی آپ کی تعلیم کے مطابق ہے۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں۔

لا يترك الناس شيئاً من امر دينهم (استصلاح دنيا ہم
الافتح الله عليهم ما هو اضر منه۔

جب لوگ امر دین میں سے کسی چیز کو اپنی دنیا کی اصلاح کے لیے ترک کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر اس سے زیادہ مضر چیز کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

نہج مع شرح ابن شیم بلد پنجم ص ۲۹۵

بلکہ اصلاح عوام کا جو نسخہ کیا آپ نے تجویز فرمایا وہ یہ ہے

من اصلح ما بينه وبين الله اصلح الله ما بينه وبين الناس
ومن اصلح امر آخرته اصلح الله امر دنياہ۔

جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیانی تعلق کو درست کر لیا۔ تو
اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیانی تعلق کو درست فرما دیتا ہے
اور جس نے اپنی آخرت کی اصلاح کر لی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کو اس
کے لیے درست کر دیتا ہے۔

اور یہی مضمون ص ۲۲۷ پر بھی موجود ہے تو جو ہستی لوگوں کو یہ تعلیم دے اور

مخلوق کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست کرنے کا حکم دے وہ خود
ہی اس کا خلاف کیسے کر سکتی ہے۔

رہ گیا دوسرا احتمال کہ اس کلام صداقت نشان میں آپ نے اپنے حقیقی نظریہ کو
 نہیں بیان کیا۔ بلکہ صرف غلیفہ ثالث کے لیے تو بیخ و سرزنش ہے۔ لیکن ہر عقلمند یہ جانتا ہے۔
 ہے۔ اور کسی ادنیٰ طالب علم سے تو یہ حقیقت بالکل مخفی نہیں کہ خلاف اصل کے لیے قرینہ
 کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اگر قرینہ نہ ہو تو پھر تبادر اور حقیقی معنی ہی مراد ہو گا اور بلا قرینہ
 صارفہ خلاف حقیقت کا ارادہ کلام کو بلاغت و فصاحت تو درکنار عامیانہ سطح سے بھی گرا
 دے گا۔ بلکہ مہمل کلام بنا دے گا۔ مثلاً کوئی شخص رأیت اسدا کا ترجمہ کرے میں نے
 بہادر آدمی دیکھا تو اس کا بیان کردہ یہ معنی اگر درست تسلیم کیا جائے تو عبارت غیر
 معیاری اور عامیانہ بن جائے گی۔ ہاں جب رأیت اسدا فی الحماہ پامیری کہا جائے تو
 پھر بے شک ترجمہ ہی متعین ہو گا کہ میں نے بہادر شخص کو عام میں دیکھا یا اسے تیرا انداز
 کرتے دیکھا۔ اور یہاں اس قسم کا قطعاً کوئی قرینہ نہیں ہے۔ بلکہ مثلاً دظان اپنے محاوراتی
 معنی کے تحت اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنی قدرت کاملہ
 سے اس ممدوح کو صفات کمال اور اخلاق عالیہ سے نوازا ہے۔ اور یہ خوبیاں اور اعلیٰ
 اخلاقی قدریں کسی کے اپنے بس میں نہیں ہوا کرتیں گویا فرمایا۔
 ایں سعادت بزور بازو نیست۔

تا نہ بخشہ خدا سے بخشندہ

۲۲) تعریف اور اشارات و کنایات کا استعمال وہاں ہوا کرتا ہے جہاں تصریح سے
 کوئی امر مانع ہوا اور جب حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے رویہ
 باہمی مکالمات ہوتے رہے۔ اور آپ نے لگی پٹی رکھے بغیر دل کی بات
 ان کے سامنے کہی اور حضرت عثمان نے ان کو خلفاء سابقین سے مختلف
 رویہ ان کے ساتھ رکھنے پر بار بار گواہ دیا تو پھر اس طرح کی تعریف وغیرہ کا کیا مطلب
 دونوں حضرات کے مکالمے ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس حقیقت کا پچھم خود ملاحظہ
 کریں۔

۱۰) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمانا۔

ان الناس ورائی وقد استسفرونی بینک و بینہم و اللہ
 ما درى ما قول لك ما اعرف شيئا تجهله ولا ادلك على شيء
 لا تعرفه. انك لتعلم ما نعلم ما سبقناك الى شيء فنخبرك
 عنه ولا خلونا بشيء فتبلغك وقد رأيت كما رأينا
 وقد سمعت كما سمعنا وصحبت رسول الله كما صحبنا
 وما ابن ابى قحافة ولا ابن الخطاب اولى بعمل الحق
 منك وانت اقرب الى رسول الله وشيعة رحم منهما
 وقد نلت من صهره ما لم ينال .
 فالله الله في نفسك فانك والله ما تبصر من عمى .
 ولا تعلم من جهل وان الطرق لواضحة وان اعلام
 الدين لقائمة .

(ہج البلاغہ مصری جلد اول صفحہ ۳۷۳)

تحقیق لوگ میرے پیچھے ہیں۔ اور انہوں مجھے اپنے اور تمہارے درمیان
 سیف بٹایا ہے۔ اور بخدا میں نہیں جانتا کہ میں تمہیں کیا کہوں میں کوئی ایسی
 چیز نہیں جانتا جس سے تم بچ رہو۔ اور نہ میں کسی ایسی چیز پر تمہاری رہنمائی
 کر سکتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔ بے شک البتہ تم وہ جانتے ہو جو ہم
 جانتے ہیں ہم آپ سے کسی معاملہ میں سبقت نہیں لے گئے تاکہ اس
 اس کی خبر تمہیں دیں۔ اور نہ ہم نے خلوت میں بارگاہ رسالت سے
 کوئی شئی حاصل کی۔ جو آپ تک پہنچائیں آپ نے دیکھا جس طرح
 کہ ہم نے دیکھا اور سنا جس طرح ہم نے سنا اور تمہیں رسول خدا
 صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ محبت اس طرح حاصل ہے جیسے ہم نے شرفِ
 محبت حاصل کیا۔

اور ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکر صدیق) اور ابن الخطاب (حضرت عمر)

تم سے زیادہ حق پر عمل پیرا ہونے کے حقدار نہیں خصوصاً جب کہ تم
 رحمہ والے رابطہ و تعلق میں ان کی نسبت رسول منظم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے زیادہ قریب ہو اور تمہیں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا ایسا شرف
 حاصل ہے جو ان دونوں کو حاصل نہ ہوا۔ لہذا اپنی ذات کے متعلق اللہ تعالیٰ
 سے ڈرو۔ بخدا تم نابینائی کے بعد بصیرت اور بینائی حاصل کرنے والے
 نہیں اور نہ جھل کے بعد علم حاصل کرتے والے اور بے شک راستے
 واضح ہیں اور دین کے اعلا مقام اور برقرار ہیں۔

قانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یوتی بالامام
 المجاہد یوم القیامۃ ولیس معہ نصیر ولا عاذر فیلقی فی نار جہنم۔

یقین جانئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ
 امام جو پیشہ کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لایا جائے گا۔
 دماغ خالی اس کے لیے نہ کوئی معاون و مددگار ہوگا۔ اور نہ کوئی اس کی
 طرف سے عذر کرنے والا پس اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس سارے خطبہ کا مطالعہ کر کے اندازہ لگائیں کہ ایسی حق گو اور صاف گو ہستی

کو اس قسم کی تعریف و غیرہ کا سہارا لینے کی کیا ضرورت تھی۔ لہذا یہ توجیہ جو سابقہ خطبہ کی۔

اہل تشیع نے کی ہے وہ توجیہ الکلام بجالا یرضی بہ العاقل کے قبیلے سے ہے۔

فوائد: اس خطبہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ

بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مجدد کالات علی عرفانی۔ اور شرف صحبت اور اخلاص میں

ان کو اپنے مثال قرار دیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خوئی رشتہ

میں شیخین کی نسبت قرب کا اثبات بھی ہے۔ اور آپ کے سرور عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کے شرف دامادی کے ساتھ مشرف ہونے کا بھی اعتراف ہے اور

اس خطبہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

کے حق پر عمل پیرا ہونے کی صراحت بھی ہے۔ اس لیے دامادی اور خوئی رشتہ

میں منسلک ہونے کا لازمی تقاضا بیان کر کے ترغیب دی کہ تمہیں بھی ان سے بڑھ کر نہیں تو کم از کم ان کے برابر عمل حق اور عدالت و انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔

البتہ قوم نے آپ کو جن مطالبات میں سفیر بنا کر حضرت عثمان کے پاس بھیجا تھا۔ ان کی ترجیحی کا حق ادا کرتے ہوئے آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کیا۔ اور امام کا منصب اور اس کے جوہر پر جزاء منرا کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ عثمانی حکومت کے دور میں اللہ تعالیٰ کا یہ شیر ڈرنے والا اور مداحنت اور زمانہ سازی سے کام لینے والا نہیں تھا۔ تو اپنی خلافت کے دوران اس قسم کی زمانہ ساز اور موافقت ظاہرہ کی توقع آپ سے کیونکر کی جاسکتی ہے۔

نوٹ: یہ سب کچھ خطبہ کے الفاظ کا جو مفاد مدلول تھا وہ بیان کیا ہے۔ ورنہ ہم تو قطعاً اس کے قائل نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو رد اعتساف سے کام لیا۔ اور عداوت استقامت سے ہٹے۔ یہ صرف سبائی سازش تھی۔ اور معمولی معاملات کو ہوا دیکر اسلام کے خلاف بدترین سازش کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غلط طعناں لگائے گئے۔ اپنا سفیر بنانے کا فلسفہ ہی تھا۔ کہ آئندہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے ٹکراؤ اور آویزش کے لیے فضا ساز کار ہو جائے۔ جیسے کہ ابن سبا کی سازش مفصل طور پر بعد میں بیان کی جائے گی، اور ان کی یہ سازش اور گری چال کافی حد تک موثر رہی اور وہ اسلام دشمنی کے اس منصوبے میں کافی پیش رفت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شیخیہ رضی اللہ عنہما کی طرح موافقت

اور معاونت کا مطالبہ کرتا۔

فقال له نشدتك الله ان تفتح للفرقة باباً فلعهدى
بك انت تطيع عتيقاً وابن الخطاب طاعتك لرسول
الله ولست يدون واحد منهما وانا احس بك رحماً

واقرب اليك صهراً رالى) فلم اقصر عنهما فى ديني
وحسبى وقرايتى فكن لى كما كنت لهما ۛ

(ناسخ التواريخ جلد دوم۔ کتاب روم صفحہ ۵۱۹)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
نے کہا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ افتراق و
انتشار کا دروازہ نہ کھولیں۔ میں آپ کے اس دور کو اچھی طرح جانتا ہوں
جب کہ آپ عقیق (حضرت ابوبکر) اور ابن الخطاب (حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہما) کی اس طرح الحاحت کرتے تھے۔ جیسے کہ رسول خدا،
صلی اللہ علیہ وسلم کی الحاحت کرتے تھے۔ اور میں ان دونوں حضرات
میں سے کسی سے بھی کمتر نہیں ہوں جب کہ میں تمہارے ساتھ رحم اور
خونی رشتہ میں زیادہ قریبی ہوں۔ اور دامادی کے لحاظ سے بھی زیادہ
قریب ہوں، تاہم پس میں ان سے نہ دین میں کم ہوں اور نہ حسب و قرابت
میں لہذا میرے ساتھ بھی وہی تعلق و ارتباط اور موافقت و معاونت اختیار
کرو۔ اور اس کا مظاہرہ کرو۔ جیسے کہ ان دونوں کے لیے کیا کرتے
تھے۔

فوائد :- اس خطبہ کا مفصل تذکرہ حضرت شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ کے رسالہ میں ہے۔ اور
عنقریب اپنی جگہ اس کے جملہ مالہ و مایہ کو بیان کیا جائے گا۔ یہاں قدر ضرورت پر
اکتفا کیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے روبرو دل کی بات کہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
نے بھی اسی لب و لہجہ میں ان سے متوقع موافقت اور معاونت کا پر زور
مطالبہ کیا۔ اور شیخین کے ساتھ آپ کے سلوک کے مطابق سلوک کا مطالبہ کیا۔
بلکہ اس سے بھی زیادہ استحقاق کا اظہار کیا۔
علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیخین کی الحاحت اور معاونت میں۔

وہی طریقہ اختیار کرنا جو سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کرتے تھے ان حضرات کی عظمت خداداد کی ناقابل تردید شہادت ہے۔ اور جبر و اکراہ اور تشدد و تہدید وغیرہ افسانوی روایات کا بھی اس سے بالکل رد ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ سردست یہ بتلانا تھا کہ اس خطبہ میں اس قسم کی عجیبات اور تاویلات و تسویلات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ بحد اللہ واضح ہو گیا۔

(۱۲) فضیلت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حضور شہادت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

وولیهما وال فاقام واستقام حتی وضع الدین بحرانہ

فتح البلاء جلد دوم ص ۳۱۷

اور ان کا متولی امور بنا ایسا والی جس نے لوگوں کو درست کیا خود بھی درست رہا حتیٰ کہ دین نے اپنے حقوق کو زمین پر رکھ دیا۔ یعنی راحت عسویں کی اور سکھ کا سانس لیا۔

یہ ایک طویل خطبہ سے لیا گیا جملہ ہے۔ اور شرح ابن میثم میں ذرا تفصیل سے اس کو درج کیا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں والی ٹکرا در رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نہیں جیسے کہ مصری فتح البلاء کے حاشیہ میں ظاہر اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ اور قیل کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس مراد ہونے کا قول نقل کیا ہے۔ جب کہ ابن میثم بحرانی نے کہا۔

والمنقول ان الوالی عمر بن الخطاب یعنی از روئے نقل جو کچھ ثابت ہے وہ یہی ہے کہ اس سے مراد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اصل خطاب میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے متعلق ایسا نظریہ اور تاثر بیان فرمایا ہے۔ جب خطبہ کا ایک حصہ مسلم ہے تو لا محالہ سارا خطبہ مسلم ہونا چاہیے۔

قال فیہا فاختار المسلمون بعدہ یأراہم رجلا منہم فقارب وسدد حسب استطاعته علی ضعف وجد کانا فیہ

ثم وليهم بعده وال فاقام واستقام حتى ضرب الدين
بجرائته على عسف وعجز كنافيه۔

شرح ابن ميثم جلد خامس ص ۲۲۴

پس مسلمین نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد اپنی رائے سے
اپنے میں سے ایک شخص کو منصب خلافت کے لیے چن لیا تو اس نے حق کے ساتھ
مقاربت اور رغبت درجہ پنجگی اور مضبوطی کا مظاہرہ کیا اور اپنی استطاعت اور استعداد
کو پوری طرح بروئے کار لے آیا۔ باوجودیکہ اس میں صفت اور توانائی (جسمانی) موجود
تھی اور رسمی و کوشش پھر ان کے بعد ایک اور شخص والی بنا اس نے دین اور اہل دین
کو درست کیا۔ اور خود بھی درست اور راہ راست پر قائم رہا۔ حتیٰ کہ دین نے
اس اونٹ کی طرح سکون محسوس کیا جو پیٹ بھر کر کھاپی لینے کے بعد اپنا حلقوم زمین
پر رکھ کر سو جاتا ہے۔ باوجود تشدد کے اور ضبط کامل سے بجز کے جو اس میں تھا۔
یعنی ذاتی طو پر دونوں میں بشری تقاضوں کے تحت کچھ نہ کچھ جسمانی صفت یا قوت
برداشت کی کمی وغیرہ موجود تھے۔ لیکن قدرت خداوندی ان کی دستگیری تھی۔ اور
توفیق الہی ان کے شامل حال کرانہوں نے اسلام کو از سر نو استحکام بخشا اور سدا و
پختگی اور حق پر استقامت کا بھرپور مظاہرہ کیا اور نہ صرف خود حق پر ثابت قدم رہے
بلکہ دوسروں کو بھی اس پر جرات کے ساتھ گامزن کیا و کذا فی شرح حدیدی جلد ۲ ص ۲۱۸
۳۔ جب حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی حق پرستی اور سدا و قول و عمل
اور استقامت دین واضح ہو چکی۔ تو اسی مناسبت سے حضرت علی المرتضیٰ
رضی اللہ عنہ کے وہ خطبات بھی ملاحظہ کرتے چلیں جو آپ نے اپنی خلافت
کے دوران مختلف مقامات پر دیئے۔

و۔ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
نے زما خلافت سنبھالنے کے بعد پہلا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا جس میں خلفاء
کی تعریف یوں کی فوی الامر ولا لہ لم یالوا الناس خیرا پس امر خلافت

کے والی وہ لوگ سب سے جنہوں نے لوگوں کی بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر اٹھانیں رکھی تھی۔

ب۔ بصرہ کی طرف روانگی کے وقت آپ نے خطبہ دیا جس کو کلبی نے مفصل طور پر نقل کیا ہے۔ اس میں خلفاء سابقین کے حق میں آپ نے الفاظ استعمال فرمائے۔

فولی الامر قوم لم یالوا فی امرہما اجتہاداً ثم انتقلوا الی دار الجزاء واللہ ولی تحیص سیئاتہم والعفو عنہم ہفواتہم پس امر خلافت کے والی وہ لوگ بنے جنہوں نے اپنے فریضہ خلافت میں کوشش اور سعی کے اندر کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ اور مقدور پھر اس کو نبھانے کی جدوجہد کی پھر وہ دار جزاء کی طرف منتقل ہوئے۔ اللہ ان سے ان کی سیئات کو مٹانے اور درگزر کرنے کا مالک ہے اور ان کی لغزشات سے درگزر کرنے کا۔

ج۔ زبیر بن عوفان نے ذی قار کے مقام پر دیئے گئے آپ کے خطبہ کو بیان کرتے ہوئے خلفاء سابقین کے حق میں آپ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

ثم استخلف الناس ابابکر فلم یال جہدہ ثم استخلف ابوبکر عمر فلم یال جہدہ، ثم استخلف الناس عثمان فمال منکم ونلتم منہ حتی اذا کان من امرہ ما کان یتیمونی

لتبایعونی لاحاجۃ لی فی ذلک الخ شرح ابن ابی الحدید المقرئ الشیعی جلد اول ص ۲۰۹

پھر لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے امر خلافت نبھانے میں۔

جدوجہد میں کوئی کسر بنایا نہ چھوڑی پھر ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے بھی اس فرض کو ادا کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی بعد ازاں

لوگوں نے عثمان کو خلیفہ بنایا اس نے تمہیں تکلیف پہنچائی اور تم نے

ان پر تشدد کیا حتیٰ کہ ہوا جو ہوا تو تم میرے پاس آگے تاکہ میرے۔

ساتھ سیت کر دے۔ حالانکہ مجھے اس کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں تھی
 قائمہ: ان تینوں خطبات سے نہج البلاغہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق الفاظ کی۔
 بھی تائید ہوتی ہے۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں صادر ارشاد امیر کی
 بھی جس کو شریف رقصی نے ذکر نہیں کیا تھا۔ مگر ابن میثم اور ابن ابی الحدید نے
 ذکر کیا تھا۔ اور گویا یہ بھی نہج البلاغہ کے خطبہ کا حصہ ہیں اس مناسبت ان
 کامیاباں ذکر درست ہو گیا۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ معدن ولایت کی نگاہ میں۔
 حضرات شیخین نے ماجہ بن والنصار کے سوچنے ہوئے فریضہ خلافت کے
 نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات۔
 مور و طعن و تشنیع بنی۔ مگر ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اور وہی بخشش
 کا مالک ہے۔ کوئی اس کی منفرت اور بخشش کو محدود نہیں کر سکتا۔ اور دوسرے
 نمبر پر دیئے گئے خطبہ کے الفاظ میں تمیص اور غوفوفات کا اگر چہ ذکر ہے۔ مگر
 تیسرے خطبہ کے الفاظ نے اس کی وضاحت کر دی۔ کہ وہ نسبت تینوں۔
 حضرات کے مجموعی احوال کا لحاظ کرتے ہوئے تھی۔ نہ کہ انفرادی حالت میں جیسے
 کہ اگلے خطبہ کے الفاظ میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی
 اور اس ضمن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ کی طرف سے مصالحت
 کی گفتگو کے لیے بھیجے ہوئے سفراء یعنی حبیب بن مسلمہ، نمر بن شریل بن سمطا و
 مسن بن یزید بن الاغس اسلمی کے ساتھ کلام اور حضرات شیخین کے حق میں
 اپنے بیان کردہ تاثرات جن کو نصر بن مزاحم نے بیان کیا ہے ملاحظہ فرمادیں
 اما بعد فان الله سبحانه بعث محمدا صلى الله عليه وسلم
 فانقذ به من الضلالة ونعش به من الهلكة وجمع به
 بعد الفرقة ثم قبضه الله اليه وقدا دى ما عليه
 فاستخلف الناس ابا بكر ثم استخلف ابو بكر عمر فاحسنا
 السيرة وعدلنا في الامة ووجدنا عليه ما ان توليا الامر

دوننا ونحن آل الرسول وأحق بالامر فقفرنا ذلك لها

شرح حدیثی جلد رابع ص ۲۳

بعد از حمد و تلاوت واضح ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا پس آپ کے ذریعے لوگوں کو گمراہی سے بچایا۔ اور ہلاکت سے حفظ و امان میں رکھا اور افتراق و اختلاف کے بعد جمعیت اور اتفاق بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف بلا لیا۔ جب کہ آپ اپنا فریضہ رسالت ادا فرما چکے۔ پھر لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا بعد ازاں انہوں نے عمر کو پس انہوں نے اپنی ہدایت اور کردار کو قابل ستائش رکھا۔ اور امت میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اور ہیں ان پر یہ ارمان تھا کہ وہ امر خلافت کے والی بن گئے۔ بغیر ہمارے حالانکہ ہم آل رسول تھے اور اس امر کے زیادہ حقدار لیکن ہم نے ان کو معاف کر دیا اور ان سے درگزر کیا۔ اس بیان سے بھی ان کا حسن کردار اور شان عدل و انصاف بھی ظاہر اور یہ بھی ظاہر کہ آپ کو اگرچہ برادرانہ شکر پہنچی تھی کہ ہیں صلاح و مشورہ میں بھی شامل نہ کیا گیا۔ لیکن خلافت کے بنیادی مقصد کی با حسن طریق تکمیل ہوتی دیکھ کر آپ نے رضامندی کا اظہار کیا۔ اور عدل سے اس ارمان کو بھی دور کر دیا۔ اور رحمت پریم کی شان عملی طور پر ظاہر فرمائی۔ والحمد للہ

۱۴۱) حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور مہاجرین کی فضیلت قبل ازین اجمالاً تحریف

روایات کے ضمن میں اس کا کچھ حصہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ اب مفصلاً اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرات شیخین کے متعلق بالخصوص اور حضرات مہاجرین کے متعلق بالعموم نظریہ اور تاثر معلوم کریں۔

نوٹ: اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جب اس خطبہ کا کچھ حصہ صاحب نبج البلاغہ نے ذکر کیا۔ خواہ ترتیب میں رد و بدل کر کے سہی بہر حال اس سے اتنا قدر

واضح ہو گیا۔ کہ اس کے نزدیک اس خطبہ کی نسبت حضرت امیر المؤمنین -
 کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف بالکل صحیح ہے۔ لہذا یہ عبارت بظاہر شرح ابن مہثم
 کی ہے لیکن حقیقت میں گویا نہج البلاغہ کی ہے۔ اور یہ خط آپ کا امیر معاویہ
 کے ایک خط کا لموئل جواب ہے۔ جس میں ان کے خط کے مندرجات میں
 سے بعض کے ساتھ اتفاق کیا گیا ہے۔ اور بعض کے ساتھ اختلاف

وذكرت ان الله اجتبى له اعداؤه من المسلمين ايدهم
 به فكانوا في منازله عند هـ على قدر فضائلهم في
 الاسلام وكان افضلهم في الاسلام كما زعمت وانهم
 لله ولرسوله الخليفة الصديق وخليفة الخليفة الفاروق
 ولعمري ان مكانهما في الاسلام عظيم وان المصاب
 بهما بحر في الاسلام شديد يرحمهما الله وجزاهما
 يا حسن ما عملنا غير انك ذكرت امران تم اعتزلت
 كله وان نقص لم يلحقك ثلثة مانت والصديق؛ فالصديق من
 صدق بصدقنا وابطل باطل عدونا ومانت والفاروق؛ فالفاروق من
 فرق بيننا وبين اعدائنا وذكرت ان عثمان كان في الفضل ثالثا فان يك
 عثمان محسنا فيسلفي ربا غفورا لا يتعاطى ذنب يغفره جزاهم الله
 يا حسن اعمالهم ثم مانت والقييز بين المهاجرين الاولين وترتيب
 درجاتهم وتعريف طبقاتهم؛ نهج البلاغہ مع ابن مہثم جلد نمبر ۴ ص ۳۶۲
 نهج البلاغہ مع شرح حدیدی جلد نمبر ۵ ص ۷۶

ترجمہ تو نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 لیے اہل اسلام سے معادن اور مددگار منتخب فرمائے جن کے ساتھ
 آپ کی تائید و تقویت کا انتظام فرمایا۔ وہ آپ کے نزدیک اپنے
 انہیں مراتب و درجہ منان میں تھے۔ جو ان کو اسلامی خدمات سرانجام

دینے اور اسلام میں حاصل کردہ فضائل کے مطابق حاصل تھے اور ان میں تیرے نظریہ کے مطابق افضل اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے زیادہ مخلص اور ہمدرد خلیفہ صدیق تھے۔ اور پھر ان کے خلیفہ فاروق نے اپنے زندگیانی کی قسم ان دونوں کا مرتبہ اسلام میں البتہ عظیم ہے۔ اور ان کا وفات دیا جانا اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے اور نہ مندرجہ ہونے والا زخم۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کو اپنے اچھے اعمال کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

لیکن تو نے ایسے امر کا ذکر کیا ہے کہ اگر وہ تمام اوکمل ہو جائے تو تجھ سے علیحدہ اور الگ تھک رہے گا۔ تجھے اس کا نفع نہیں پہنچے گا۔ اور اگر تمام ممکن نہ ہو تو تجھے اس کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ لہذا تجھے اپنے اور میرے اختلاف کے دوران وہ حوالہ دینا اور ان حضرات کے منازل و مراتب کا اور فضائل کا ذکر کرنا کارآمد نہیں ہے۔ تم اپنی بات کر دو تمہیں صدیق سے کیا نسبت حضرت صدیق تو وہ شخصیت ہیں کہ جنہوں نے ہمارے حق کی تصدیق کی۔ اور ہمارے اعداء کے باطل کو باطل ٹھہرایا اور تمہیں فاروق سے کیا نسبت ہے۔ فاروق تو ایسی ذات والا ہیں کہ انہوں نے ہمارے درمیان اور ہمارے اعداء کے درمیان فرق اور بعد پیدا کیا۔ اور اہل اسلام اور اہل کفر میں امتیاز پیدا کیا اور حق کو باطل سے جدا کیا۔ پھر تو نے یہ ذکر کیا کہ عثمان ان کے بعد تیسرے درجہ میں تھے۔ اگر عثمان عمن تھے تو اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ جو غفور اور بخشنے والا اور کسی بھی گناہ کا بخشا اس کے لیے دشوار نہیں ہے۔ اور مجھے اپنی زندگیانی کی قسم میں البتہ اس امر

کی قوی امید رکھتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے فضائل اسلامیہ کے مطابق اجر اور ثواب عطا کرے گا۔ تو ہمارا حصہ بہت زیادہ ہوگا۔

اور بالعموم مہاجرین میں خیر کثیر ہے جو تجھے بھی معلوم ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اچھے اعمال کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے۔
لیکن تیرا یہ منصب نہیں اور تجھے اس سے واسطہ نہیں چٹا ہے کہ تو مہاجرین اولین کے درمیان امتیاز قائم کرے اور ان کے درجات میں ترتیب بیان کرے اور ان کے طبقات کا تعارف کرائے۔
نوٹ، اس خط کا کچھ حصہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے اپنے رسالہ کے ص ۲۷ پر نقل کیا جس کا آغاز و ذکر ت ان اجتنبی لہ ہے اور اختتام تہذا ما حسن ما عملی ہے اور میں نے پنج البلاغہ میں صراحتاً یا ضمناً مذکور عبارات کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی غرض سے یہاں درج کیا ہے۔

تبصرہ و بیان فوائد، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط میں نہ حضرت ابو بکر کو صدیق لکھا گیا تھا۔ اور نہ حضرت عمر کو فاروق بلکہ صرف خلیفہ اور خلیفۃ النبیفہ کہنے پر اکتفا کیا گیا تھا۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی طرف سے ان کو صدیق اور فاروق کے القاب سے بھی نوازا۔ اور پھر شانِ مدینی کا تقاضا اور شانِ فاروقی کا منطقی نتیجہ بھی بیان فرمایا۔ یعنی صدیق نے ہمارے حق کی تصدیق کی اور اعداء کے باطل کو باطل کر دکھایا اور فاروق نے اہل حق کو اہل باطل سے ممتاز کر دکھایا۔ اس کے بعد بھی ان مقدس شخصیات کے ان اعزازات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے۔ چہ جائیکہ ان کے انکار کی محبت علی ہونے اور ائمہ کے مذہب پر چلنے کا دعویٰ بھی ہو۔ اور آپ کی بیان کردہ شیخین کی اس شان کا انکار بھی یہ دونوں چیزیں قطعاً کیجا نہیں ہو سکتیں۔ اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ بخوی قاعدہ کی رو سے اور اصولی قاعدہ کی رو سے بھی معرف باللام کو

مرف بالدم کر کے لٹایا جائے۔ تو پھل پلے کا عین ہوتا ہے لہذا الخلیفۃ
الصدیق اور فالصدق من صدق بحقتا کا مصداق ایک ماننا۔
ضروری ہے اور اسی طرح خلیفۃ الخلیفۃ الفاروق اور فالفاروق من
فرق بیننا و بین اعدائنا میں بھی دونوں کا مصداق ایک ہونا ضروری
ہے۔ لہذا قواعد و اصول کو نظر انداز کر کے مغالطہ دہی کی کوشش کارآمد نہیں
ہو سکتی۔

اب آپ نے اعتراف کیا کہ انکا مرتبہ و مقام اسلام میں عظیم ہے۔ اور ان کا وصال
اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اور ان کی جدائی اسلام کے لیے
نہ مندمل ہونے والا نہ فہم ہے۔ اور پھر اس عقیدہ و نظریہ کو علت اور قسم کے
ساتھ آپ نے مؤکد بھی فرمایا۔ لہذا ان کی شان اور ان کے خداداد مقام کا انکار
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جھٹلانے کے مترادف ہے بلکہ ڈکھ صاحب
کا دعویٰ ہے کہ سب ائمہ کا مذہب ایک ہے۔ لہذا صدیق و فاروق ماننا
اور ان کے مرتبہ و مقام کو عظیم ماننا اور ان کی جدائی کو ناقابل تلافی نقصان قرار
دینا سب ائمہ کا نظریہ ٹھہرا اور اس کی تکذیب گویا سب کی تکذیب ہو گئی۔
اسی لیے تو امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو ان کو صدیق نہ کہے۔
اللہ تعالیٰ اسے نہ دنیا میں سچا کرے۔ اور نہ آخرت میں کیونکہ یہ انکار مرف
مقام صدیق کا انکار نہیں بلکہ بارہ اماموں کے عقیدہ کا انکار ہے اور ان کو جھٹلانے
کے مترادف ہے

ج ۱ آپ کے اس خط میں مہاجرین کی فضیلت اعمال صالحہ کا اقرار ہے اور ان
کے خیر کثیر کا اور ان کے لیے جزائے خیر کی دعا بھی موجود ہے۔ اگر۔
نور بہ اللہ وہ مرتد ہو چکے ہوتے تو نہ ان کے لیے اعمال خیر اور افعال حسنہ
کا ثابت کرنا درست اور نہ ان میں کسی خیر کا پایا جانا درست۔ اور
ان کے لیے دعائے خیر کا شرعاً کوئی جواز باقی رہتا تھا جس سے۔

ماہر ہوا کہ آپ کے نزدیک نہ ان مہاجرین اولین کے حق میں
تقیص و تنقید کا کوئی پہلو موجود تھا۔ اور نہ ان کے اور سب اہل اسلام
کے مقتدا و پیشوا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر اعتراض و انکار کا۔
اس خطبہ میں سے نقل کی گئی عبارت میں جو دھاندلی روار کھی گئی ہے اس
کے باوجود بھی مہاجرین اولین کی فضیلت اور شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت
پوری طرح آشکار ہے۔ شریف رضی نے اس خط کو نقل کرتے ہوئے
یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔ وزعمت ان افضل الناس فی الاسلام فلان
وفلان مذکور امر ان تم اعتراف کلاہ وان نقص لم یلحق ثلثہ ومانت
والفاضل والمفضل والسائس والمسوس ما للطلقاء وابناء الطلقاء
والتمیز بین المهاجرین الاولین وترتیب درجاتہم وتعریف طبقا تم ہیمات
لقد حقن قدح لیس منها وطفق بحکم فیہا من علیہ الحکم لالہ نہج البلاغہ ص ۳۸
تو نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسلام میں سب سے افضل فلاں اور
فلاں ہیں۔ تو تو نے ایسے امر کا ذکر کیا ہے کہ اگر پاپہ تکمیل تک۔
پہنچے تو تجھے اس کا نفع نہیں پہنچے گا اگر ناقص رہے تو تجھے اس کا
نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور تجھے اس سے غرض ہی کیا ہے کہ فاضل
کون ہے اور مفضل کون ہے؛ عالم کون ہے اور رعایا کون؛
ملقاء اور ان کی اولاد کو مہاجرین اولین میں امتیاز قائم کرنے،
ان کی ترتیب درجات بیان کرنے اور ان کے لمبقات کا تعارف
کرنے سے کیا کام قدارح قمار سے وہی تیر چنچا جو ان میں سے
نہیں تھا۔ یعنی جوہر کے ٹھکانے سے اور وہی حکم کرنے لگا۔ جو حکم
کرنے کے لائق نہیں تھا بلکہ محکوم تھا۔

ف، اس عبارت سے بھی ظاہر ہوا کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر و عمر
کو مہاجرین اولین کے عظیم اہل اراد شمار کیا۔ البتہ مہاجرین کے ترتیب درجات

اور تشریف طبقات کو امیر معاویہ کے ذہن اور مقام سے بالاتر قرار دیا
اور ظاہر ہے کہ مہاجرین اولین از روئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ سے راضی
اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور آخرت میں بلند درجات پر فائز ہیں۔
کما قال تعالیٰ: والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار
والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوانہ الیہ
اور جب تمام مہاجرین والانصار کے وہ امام و خلیفہ اور مقتدا و شہرے
تو ان فضائل کا ان کے حق میں اکمل و اتم طریقہ پر ثابت ہونا یقینی ہے اور
اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شرح مدیری میں ابن ابی الحدید
نے کہا۔

هذا الكلام ينقض ما يقول من يطعن في السلف فان امير
المؤمنين عليه السلام انكر على معاوية تعرضه بالمفاضلة
بين اعلام المهاجرين ولحميد كرم معاوية الا المفاضلة بينه
عليه السلام وبين ابى بكر وعمر رضي الله عنهما فشهادة امير
المؤمنين عليه السلام بانهما من المهاجرين الاولين ومن
ذوى الدارجات والطبقات التى اشتبه الحال بينهما و
بينه فى اى الرجال منهم افضل وان قدر معاوية
يصغران يدخل نفسه فى مثل ذلك شهادة قاطعة
على علو شانها وعظم منزلتهما۔

شرح مدیری جلد پنجم ص ۱۹۱

یہ کلام اس شخص کے قول کا رد کرتا ہے جو اسلاف پر لعن و تشنیع
کرتا ہے کیونکہ امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ تہ امیر معاویہ پر اگر
انکار کیا ہے تو ان کے اعلام مہاجرین اور ان کے رؤساء
کے درمیان باہمی فضیلت کے بیان کرنے پر اور انہوں نے

باہمی فضیلت کا ذکر شیخین اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے درمیان
 ہی کیا تھا لہذا امیر المؤمنین نے اس فرمان میں یہ شہادت دی
 کہ وہ دونوں حضرات مہاجرین اولین سے ہیں اور بلند درجات
 اور عالی مراتب لوگوں میں سے ہیں جن کے اندر اس امر میں اشتباہ
 التباس پیدا ہو چکا ہے کہ ان میں سے کون سا فرد افضل ہے
 اور معاویہ کا مقام اس سے بہت کمتر ہے کہ وہ اس قسم کے
 معاملات میں مداخلت کرے حضرت امیر کا یہ ارشاد ان دونوں
 حضرات کے علم و مرتبت اور عظمت شان کی عظیم شہادت ہے۔
 اور شرح ابن مہثم میں ہے استفہام علی سبیل الإنکار والاستحقاق علیہ
 ان ینحوض علی صغر شانہ ومقامہ فی ہذہ الامور الکبار ص ۴۳۷ جلد نمبر ۲ یعنی
 مہاجرین اولین کے درجات میں ترتیب اور ان کے لمبقات کی درجہ بندی۔
 جیسے عظیم امور میں داخل دینا امیر معاویہ کے مقام و مرتبہ سے بعید ہے۔ اور
 قابل انکار ہے اذلیس لك نصیب ولا تشرك فی درجاتہم ومرااتبہم و
 سابقہم فی الاسلام کیونکہ تو نے ان کے ساتھ درجات و مراتب میں شریک
 اور حصہ دار اور نہ ان کے اسلام کی طرف سبقت لیجانے میں اور اس
 عبارت سے یہ بھی بالکل واضح ہے کہ جن حضرات کے مراتب کی ترتیب
 اور درجہ بندی کے لیے امیر معاویہ جیسے شخص کو اہل اور موزوں نہیں سمجھا گیا
 ان کے درجات و مراتب کتنے عظیم ہوں گے۔

نہج البلاغہ کی ان عبارات کو ملاحظہ کرنے کے بعد جو بالعموم مہاجرین و انصار
 کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہیں۔ اور علی الخصوص شیخین رضی اللہ عنہما کی
 شان پر اور اس ضمن میں دیگر خطبات کے عبارات بھی ملاحظہ ہو چکے جن کا اصل
 نہج البلاغہ کے جامع اور مؤلف شریف رضی کے نزدیک مسلم تھا۔ اب ہم پھر
 مذہب شیعہ مؤلفہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے رسالہ کی عبارات کا سلسلہ

شروع کرتے ہیں۔

مذہب شیعہ علامہ امام ۱۹؎ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

اگرچہ اجماعی طور پر مجاہدین اولین اور انصار رضی اللہ عنہم کی مدح و ثنا اور منقبت کے بارے میں اہل تشیع کی تقریباً ہر کتاب میں المصنوعین طاہرین کے خطبات اور ملفوظات موجود ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ قلفائے راشدین رضوان علیہم اجمعین کے مناقب اور رفعت شان کے متعلق اہل تشیع کی مسلم اور معتبر کتابوں کی عبارات در نہج البلاغہ کے علاوہ بھی بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب کشف الہدایہ فی مناقب الائمہ مضافہ عیسیٰ بن ابی النضر الاربلی جو اہل تشیع کی مستند اور معتبر ترین کتاب ہے اور مصنف مذکور غالی شیعہ ہے۔ جس کے غلو فی الفیض کا نمونہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

ومن اغرب الاشياء واعجبها انهم يقولون ان قوله عليه السلام في مرضه مروا ابا بكر يصل بالناس نص غففي في تولية الامر تقليد امر الامة وهو على تقدير صحته لا يدل على ذلك ومتى سمعوا حديثا في امر علي عليه السلام نقلوه عن وجهه وصرفوه عن مدلوله واخذوا في تاويله بابعد احتمالاته منكبين عن المفهوم عن صريحه او طعنوا في راويه وضعفوه وان كان من اعيان رجالهم وذوى الامانة في غير ذلك عندهم، هذا مع كون معاوية بن ابي سفيان وعمرو بن العاص والمغيرة بن شعبة وعمران بن الحطان الخارجي وغيرهم من امثالهم من رجال الحديث عندهم ورواياتهم في كتب الصحاح عندهم ثابتة عالية يقطع بها ويعمل عليها في احكام الشرع وقواعد الدين۔

ومتی روى احد عن زين العابدين بن على بن الحسين وعن ابنه
 الباقر وابنه الصادق وغيرهم من الائمة عليهم السلام نبذة و
 روايته وطرحوها واعرضوا عنها فلم يسمعوها وقالوا رافضى لا
 اعتماد على مثله وان تلطفوا قالوا شيعى مالنا ولنقله مكابرة للحق
 وعدواة له ورغبة فى الباطل وميلا اليه واتباع القول من قال انا وجدنا
 آباءنا على امة اولعدهم رأوا ما جرت الحال عليه اولامن الاستبداد بمنصب الامامة
 فقلوا ينصرون ذلك محامين عنه غير مظهرين لبطلانه ولا معترفين به (كشف الغم مطبوعه
 دار الطباعت كربلائی) سب سے عجیب و غریب بی بات ہے کہ یہ لوگ یعنی اہل السنّت والجماعت
 کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بحالت بیماری میں فرمانا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
 کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ان کی امر خلافت کے لیے اور حضور کی امت کی امامت و
 امامت کے لیے نص خفی ہے۔ اس روایت کو اگر سچا بھی مان لیا جائے تو بھی یہ روایت
 خلافت پر دلالت نہیں کرتی اور یہ لوگ جب علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں
 کوئی حدیث سنتے ہیں تو اس حدیث کو صحیح توجیہ سے سے ہٹا دیتے ہیں اور اس کے
 اصل معنی سے اس کو پھیر دیتے ہیں اور اس میں تاویلیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور
 اس کو بعید ترین احتمالات پر غمول کر کے صریح مفہوم سے پھیر دیتے ہیں یا اس حدیث
 کے راویوں پر اعتراض کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کے مشہور راویوں میں سے ہوں اور
 دوسری روایات میں ان کے نزدیک ثقت اور امانت داسی کیوں نہ ہوں باوجود ان کے
 کہ معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم، اور عمران بن حطان
 خارجی ان کے نزدیک حدیث کے راوی ہیں اور ان کی روایات ان کی کتب صحاح
 میں مندرج ہیں جن کے ساتھ یقین کیا جاتا ہے اور شرعی احکام اور قواعد دین میں
 ان پر عمل کیا جاتا ہے۔

لیکن حیب امام زین العابدین، ان کے صاحبزادے محمد باقر اور ان کے فرزند محمد
 جعفر صادق علیہما السلام سے کوئی شخص روایت کرتا ہے تو اس کو پھینک دیتے ہیں اور

اور اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ پس اسے سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا راوی رافضی ہے ایسے راویوں پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اور اگر مہربانی اور نرم دلی سے کام لیں تو کہتے ہیں کہ راوی شیعوہ ہے ہمیں اس کی روایت اور نقل سے کیا غرض ہے، اور یہ سب کچھ حق کے ساتھ مکابہ و مقابلہ اور اس سے اعراض اور روگردانی اور باطل کی طرف میلان اور رغبت کی وجہ سے کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اتباع و تقلید میں ایسا کہتے ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نے اپنے آباء کو ایک طریقہ اور راستہ پر پایا اور ہم انہیں کی اتباع اور پیروی کریں گے۔

یاشاید ان لوگوں نے ابتدائے میں ہی منصب امامت کے ساتھ ظلم و استبداد والی حالت کو دیکھا تو اس جاری ظلم و استبداد کی امداد و اعانت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے درآنحالیکہ اس سے الگ رہنے والے تھے اور اس کے بطلان و فساد کو ظاہر نہیں کرتے تھے اور نہ اس کو تسلیم ہی کرتے تھے۔

اس عبارت کو ملاحظہ کرنے کے بعد کتاب کشف اللہ کے متعلق مزید تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس کا مصنف سخت غالی شیعوہ ہے اور خلافت راشدہ کا منکر و مخالف اور اہل السنۃ والجماعت اس کے نزدیک گمراہ ہیں اور اس کا ایک ایک لفظ اہل السنۃ والجماعت پر آشباری کی مثال ہے، اس کے دعوے کی صداقت یا کذب کے متعلق تو اہل فکر و ہوش خود ہی فیصلہ کریں گے، اس موقع پر اس کتاب کے چند حوالے جو امام عالی مقام حضرت زین العابدین علی بن الحسین رضی اللہ عنہ اور ان سے عاجز اسے امام عالی مقام سیدنا محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اس توقع کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ مدعیان محبت و ولا تو کسی صورت میں بھی ان کی روایات کو رد نہیں فرمائیں گے اور نہ پھینکیں گے اور نہ ہی ان سے روگردانی فرمائیں گے بلکہ سنیں گے اور سن کر ایمان لائیں گے

رسالہ مذہب شیعوہ ص ۱۹ تا ۲۰

فرمائی ہے۔ (جس کی عبارت کا ترجمہ ڈھکو صاحب کی زبانِ قلم حاضر ہے) میں نے زیادہ تر اہل سنت کی کتابوں سے رقصائل و مناقب نقل کرنے پر اعتماد کیا ہے۔ تاکہ زیادہ قابلِ قبول ہو۔ اور سب لوگوں کی رائے کے مطابق ہو۔ کیونکہ جب خود مخالف کسی دلیل کی مضبوطی اور کسی فضیلت کے ثابت کرنے کے درپے ہو جائے تو یقیناً وہ دلیل و فضیلت نہایت قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے ہاں جو فضیلت اہل سنت کی کتابوں میں نہیں ملی اسے اپنی کتابوں کے حوالے سے درج کیا ہے تاہا

اس کتاب کے حوالہ جات میں پیرسیا کوئی نے یہ چابک دستی دکھائی ہے کہ اس کتاب میں کتب اہل سنت سے باحوالہ بعض روایات مندرج ہیں۔ ان کو اپنے رسالہ میں درج کر کے یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ شیعوں کی معتبر کتاب کشف النہ میں یہ روایات درج ہے۔ حالانکہ دراصل وہ روایت اہل سنت کی ہے نہ شیعوں کی صفحہ ۷۳ تا ۷۴۔

تحفہ حسینیہ : ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

علامہ ڈھکو صاحب نے کشف النہ میں مندرجہ روایات اور حضرت شیخ الاسلام کی پیش کردہ عبارات سے غلط فہمی کا یہ اہتمام فرمایا۔ کہ اس میں زیادہ تر روایات ہی اہل سنت کی کتب معتبرہ سے لیے گئے ہیں۔ لہذا ہم ان کے جوابدہ ہی نہیں ہیں لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ

(۱) وزیرِ باتدبیر نے اس کتاب کو جمیع کی رائے کے مطابق بنانے کی سعی فرمائی ہے جیسے کہ جناب کے ترجمہ اور ان کی عربی عبارت سے ظاہر ہے۔

”واعتمدت فی الغالب النقل من کتب الجہور لیکون ادعی الی تلقیہ بالقبول وفق رأی الجمیع الخ اور شیعوں کے لیے قابلِ قبول بنانے کی سعی فرمائی۔ اگر اس کتاب میں ایسی روایات درج ہیں۔ جو شیعوں

صاحبان کے نزدیک بالعموم اور اہل صاحب کے نزدیک بالخصوص قابل قبول اور موافق رائے نہیں تھیں تو کتاب کے تالیف کرنے کا مقصد ہی ختم ہو کر گیا۔ شیعہ روایات اہل سنت کے لیے قابل قبول نہیں۔ اور ان کے کتب سے منقولہ اہل تشیع کے لیے قابل قبول نہیں۔ تو یہ کتاب نہ شیعوں کے لیے قابل قبول اور موافق رائے و اعتقاد ٹھہری۔ اور نہ ہی خود اہل سنت کے لیے کیونکہ انہیں اہل بیت کے فضائل و مناقب معلوم کرنے کے لیے اپنی کثیر التعداد بلکہ ان گنت کتابیں چھوڑ کر اس وزیر صاحب کی کتابیں دیکھنے کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔ العزمن ڈھکو صاحب کے قول کے مطابق یہ کتاب بے کار بے منفعت اور وزیر صاحب کی بے تدبیری کا شاہکار ٹھہری اور کسی فریق کے لیے بھی قابل قبول اور موافق اعتقاد نہ بن سکی۔

۱۲) اہل صاحب کی عبارت صاف صاف بتا رہی ہے کہ کتب اہل سنت سے روایات نقل کرنے کا یہ مقصد اور باعث نہ تھا۔ کہ کتب اہل تشیع میں وہ روایات موجود نہیں تھیں۔ بلکہ سابقاً بیان کردہ مقصد کے علاوہ یہ مقصد تھا کہ ان کے فضائل اور مناقب کی پختگی اور واقعیت ثابت ہو جائے۔ جیسے ڈھکو صاحب کے ترجمہ اور اہل صاحب کی عربی عبارت ”لانہ متی قام الخصم لتشيده الى كانت اقوى“ سے ظاہر ہے۔ لہذا جو کچھ روایات کتب اہل سنت سے لی گئی ہیں۔ وہ پختگی اور مضبوطی پیدا کرنے کے لیے لی گئی ہیں۔ کہ جب مخالف خود تسلیم کرتا ہے۔ تو اپنوں کے لیے تسلیم کرنے میں تردد و تذبذب کیونکر ہو سکتا ہے۔ لیکن ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں ان روایات سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ وہ ہمارے مذہب کے خلاف ہیں۔ تو اہل صاحب کس کی تقویت اور پختگی بیان کرنا چاہتے تھے۔ مذہب اہل سنت کی یا مذہب روافض کی۔ ان کے ذکر کرنے کا مقصد کیا رہا۔ یہی کہ مذہب روافض پر ساتھ ساتھ پانی پھرتا جائے۔

۱۳) اربلی صاحب کہتے ہیں ”نقلت من کتب اصحابنا سالم یتصدی
الجمہور لدنکوة“ میں نے اپنی مذہبی کتابوں سے صرف وہ فضیلت
اور منقبت نقل کی ہے جس کو جمہور نے نقل نہیں کیا تھا اس سے بھی صاف
ظاہر ہے کہ شیعہ کتب سے صرف وہ روایات لی گئی ہیں جن کے ساتھ
اہل تشیع منفرد ہیں اور جس میں منفرد نہیں ہیں وہ کتب جمہور سے نقل کی ہیں۔
تاکہ یہ کتاب سب کے نزدیک مقبول ہو اور سب کی رائے اور نظریہ کے
مطابق ملے لگا کر اربلی صاحب سمجھے ہیں۔ تو ڈھکو صاحب نے جھوٹ فرمایا۔
اور اگر یہ سمجھے ہیں تو اربلی صاحب کا مدد و غبے فروغ اور بے تدبیری۔
ظاہر ہو گئی۔

لموعہ فکر یہ :- ڈھکو صاحب نے اربلی صاحب کی عربی عبارت بھی خود ذکر کی اور
اس کا ترجمہ بھی خود کیا۔ لیکن خدا جانے پیر و ماغ کیونکر چکر کھا گیا۔ اور بے ہوشی اور
مدہوشی اور مخموری میں کہہ گئے کہ اہل سنت کی روایات کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔
تمہیں کس نے کہا تھا کہ درج کرو کیا مجبوری تھی۔ اور کون سا قائدہ اس سے اٹھاتا۔
چاہتے تھے۔ اپنے مدعا پر دلائل قائم کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ برہانی اور
جدلی۔ برہان میں واقعی اور یقینی مقدمات سے مؤلف اور مرکب دلیل پیش کی۔
جاتی ہے جو قطعی طور پر مثبت مدعا ہوتی ہے۔ اور مفید یقین اور جدلی انداز میں۔
اپنے نظریہ کیے تحفظ کے لیے مد مقابل کو اس کے مسلمات پیش کر کے خاموش
کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کو خاموش کر کے اپنے نظریہ اور عقیدہ کے تحفظ کا اہتمام۔
کیا جاتا ہے جب اربلی صاحب نے ہماری روایات بیان کیں تو برہانی انداز میں۔
یا جدلی انداز میں اور ان سے حاصل کیا صرف اپنی تزیل اور تمام شیعہ برادری
کی رسوائی کیا اسے اس کا ربے خیر بلکہ مضر اور مذہب کے لیے تباہ کن کاروائی سے
روکنے والا کوئی نہیں تھا کیا وزیر یا تدبیر ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالصبیست

تنبیہ :- ڈھکوحاسب کے جواب کی لغویت ظاہر ہونے کے بعد اور حقیقت حال کے دوپہر کے اجالے کی طرح روشن ہونے کے بعد اسے شیعہ صاحبان اپنے امام و پیشوا کی کتاب سے حضرت شیخ الاسلام کی زبانی وہ روایات ملاحظہ فرما دیں جو کہ شیعہ و سنی کی متفق علیہ ہیں۔ اور موجب اتفاق و اتحاد ہیں۔ تاکہ باہمی اختلاف ختم نہ بھی ہو تو اتھائی کم ہو جائے۔

مذہب شیعہ: از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

کشف الغمہ و فضائل صحابہ کرام علیہم الرضوان

اس موقع پر اسی کتاب کے چند حوالے حضرت امام عالی مقام زین الدین علی بن حسینؑ اور ان کے صاحبزادے امام عالی مقام سیدنا امام باقر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ اس توقع کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ مدعیان محبت و تولد تو کسی صورت میں محمدؐ ان کی روایات کو رد نہیں فرما دیں گے۔ نہ پس پشت پھینکیں گے۔ اور نہ ہی ان سے روگردانی فرمائیں گے۔ بلکہ سنیں گے اور سن کر ایمان لائیں گے۔ ذرا با ادب ہو کر سینے۔

قدم علیہ نفر من اهل العراق فقالوا فی ابی بکر وعمر و عثمان رضی اللہ عنہم فلما فرغوا من کلامہم قال لہم ألا تخبرونی انتم المهاجرون الاولون الذین اخرجوا من ديارہم واموالہم یتبعون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ واولیاءک ہم الصادقون؟ قالوا لا قال فانتم الذین تمثوا الدار و الایمان من قبلہم یحبون من ہاجر الیہم ولا یجدون فی صدورہم حاجۃ مما اوتوا و یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ؟ قالوا لا! قال اما انتم فقد تبرأتم ان تکتونوا من احد ہذین الفریقین وانا اشہد انکم لستم من الذین قال اللہ فیہم والذین جاءوا من بعدہم یقولون ربنا

اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل
 في قلوبنا غلا للذين آمنوا ! اخرجوا عنى فعل
 الله بكم -

(کشف الغمہ ص ۱۹۹ مطبوعہ ایران)

اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عراقیوں کا ایک گروہ حاضر ہوا
 آتے ہی حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی شان اقدس میں بکواس
 شروع کر دیا۔ جب چپ ہوئے تو امام عالی مقام نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا
 تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم وہ مہاجرین اولین ہو جو اپنے گھروں اور مالوں سے ایسی حالت
 میں نکالے گئے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا چاہنے والے تھے اور
 اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و اعانت کرتے تھے اور وہی
 پہلے تھے تو عراقی کہنے لگے کہ ہم وہ نہیں ہیں۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تم وہ لوگ ہو گے جنہوں نے اپنے
 گھر بار اور ایمان کو ان مہاجرین کے آتے سے پہلے تیار کیا ہوا تھا ایسی حالت میں
 کہ وہ اپنی طرف ہجرت کرنے والوں کو دل سے چاہتے تھے اور جو کچھ مال و متاع
 مہاجرین کو دیا گیا تھا اس کے متعلق اپنے دلوں میں کسی قسم کا حسد یا بغض یا کینہ نہیں
 پالتے اور اگرچہ وہ خود عاجمند تھے مگر پھر بھی مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے
 تھے؛ تو اہل عراق کہنے لگے ہم وہ بھی نہیں ہیں۔

امام عالی مقام سید الشاہدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اپنے اقرار سے ان
 دونو جماعتوں میں سے کسی ایک یعنی مہاجرین یا انصار سے ہونے کی براہت ظاہر کر
 چکے ہو اور میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ تم ان مسلمانوں میں سے بھی نہیں جن کے
 بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور وہ مسلمان لوگ جو مہاجرین اولین اور انصار
 سابقین کے بعد آئیں گے وہ کہیں گے کہ اسے ہمارے پروردگار ہیں بخش اور ہمارے
 ان بھائیوں کو بخش جو ہم سے ایمان کے ساتھ سبقت لیجا چکے اور ایمان والوں کے

متعلق ہمارے دلوں میں کسی قسم کا کھوٹ، بغض اور کینہ، حسد یا عداوت نہ ڈال۔
 یہ فرما کر امام عالی مقام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے یہاں
 سے نکل جاؤ اللہ تمہیں ہلاک کرے
 آمین ثم آمین
 رسالہ مذہب شیعہ ص ۱۹ ص ۲۰

تشریحہ الامامیہ۔ از محمد حسین طھکوصاحب

مؤلف کشف الغمہ کی عادت اور روش یہ ہے کہ وہ آئمہ اہل بیت کے
 حالات و کوائف اور فضائل و مناقب کتب اہل سنت سے نقل کرتے ہیں۔ اور
 اگر اس مذکورہ عبارت میں کوئی جملہ ان کے موقف و مسلک کے خلاف بھی آجائے
 تو وہ اپنی دیانت داری کی وجہ سے عبارت میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں
 کرتے اور پھر اس کا جواب نہیں دیتے تاکہ مناظرہ کی کتاب نہ بن جائے (تا،
 یہ عبارت جس پر مصنف رسالہ نے اپنے قصور استدلال کی بنیاد قائم کی ہے۔ یہ
 شیخ کمال الدین بن طلحہ شافعی کی ہے۔ جو ان کی کتاب نور البصار میں موجود ہے
 اس لیے اس کو ہمارے خلاف بطور حجت ہرگز نہیں پیش کیا جاسکتا۔ اور ایسا
 کرنا اصول مناظرہ کے سراسر خلاف ہے۔ ص ۹۵ تا ۹۶

تحفہ حنیفیہ :- مگر دریافت طلب یہ امر ہے کہ وزیر باندہ برابری صاحب نے
 یہ کتاب کس کس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے تالیف فرمائی۔ اہل سنت تو اس
 کے ذریعے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے سے رہے ان کے مسلک کی کتب
 میں ہی ان کے لیے سامان ہدایت اور اسباب رشد کافی و وافی طریقہ پر موجود
 ہیں۔ ایک غالی شیعہ کی کتاب سے وہ کیونکر اپنا دین حاصل کریں گے۔ اور اگر ان کو الزام
 دینا مقصود ہے کہ تمہاری کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ آئمہ کرام شیخین رضی اللہ عنہما
 کو سب و شتم کرنے والوں کو مجاہدین و انصار اور ان کے علاوہ متبعین باحسان ہیں

سے کسی فریق میں بھی شمار نہیں کرتے تھے۔ اور انہیں دھتکار کر اپنے درِ والا سے اٹھا دیتے تھے۔ تو ہم اس کا قائل ہو تو الزامی کاروائی بھی کالعدم ہو گئی۔ اور تحقیق و تدقیق بھی نہ رہی۔ تو آخر ادراق سیاہ کرنے کا قائدہ کیا رہا۔ صرف یہی کہ ڈھکوا صاحب اور اس کے ساتھی ذلیل و خوار ہوتے رہیں۔ اور ہزار سخی و کوشش کے باوجود کوئی راستہ فرار کا نظر نہ آئے۔

۱۲) ڈھکوا صاحب۔ دیانت و امانت کے دعویٰ آسان ہیں۔ مگر عمل مشکل اور علی الخصوص آپ کے ہاں ہے

خیال است و محال است و جنوں

جب اربعی صاحب اس کتاب کو مقبول عند الکل بنانے کا داعیہ رکھتے ہیں۔ اور سب کی رائے کے مطابق بنانے کا تو انہیں اس روایت کی معنوی صحت اور اس کے ثبوت اور راقیت پر ایمان لانا بہر حال لازم اور ضروری ہے خواہ آپ ایمان نہ بھی لائیں۔

۱۳) آپ نے کہا کوئی جملہ اپنے مسک کے خلاف آجائے تو وہ من و عن قتل کرتے ہیں۔ اور بیچارے مناظرانہ انداز سے گریز کرتے ہوئے بالکل خاموشی سے آگے نکل جاتے ہیں۔ غریہ تو اول سے آخر تک ساری روایت ہی مسک شیدہ پر برقی آسمانی بن کر گری ہے۔ اور سارا عمل ہی مبہم کر کے رکھ دیا ہے۔ صرف ایک جملہ کو نسا ہے۔ جس پر آپ کے وزیر نے مبر سے کام لیا ہے۔

۱۴) پھر امام عالی مقام نے قرآن مجید سے استدلال اور استنباط کیا ہے مہاجرین کا شان اہل اصنام کی خاطر سب کچھ قربان کرنے اور اشرور رسول کی نفرت اور فضل خداوندی حاصل کرنے کے لیے گھروں اور اموال اور امتاع کو چھوڑ دینا ذکر کر کے دریافت کیا۔ کیا تم ان لوگوں میں سے ہو۔ پھر انصار کی۔

خدمات اور امتیازی علامات گنوا کر دریافت کیا کہ تم ان میں سے ہو کیا
 ہاجرین و انصار کی مخصوص من امیر شان اور امام کا ان کی شان میں سب و شتم
 کرنے والوں سے سوال فرمانا بھی اہل صاحب اور ان کے نیاز مند و شکو
 صاحب کو مسلم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مذہب کا بھانڈا چور ہے میں پھوٹا۔
 اور اگر نہیں تو قرآن مجید اور حقیقت و واقعہ کا انکار لازم آیا۔ کیونکہ قرآن سے
 ان کی اس شان اور خداداد مقام اور مرتبہ کو کھرچنا تو ساری شیعہ برادری کے
 بس کی بات نہیں۔ اور نہ ان مترضین کے حق میں ہاجرین و انصار ہونے کا دعویٰ
 کیا جاسکتا ہے رہ گئی تیسری آیت تو اس کا انکار بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ
 قطع نظر ارشاد امام کے ہر ایک مؤمن اور مسلمان کو یہ مانتا لازم ہے کہ اہل اسلام
 کے تیسرے گروہ کی علامت بر حال بھی ہے کہ پہلے گزرے بھائیوں کے
 حق میں دعائیں کریں اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں کسی قسم کا کھوٹ
 اور میل پیدا نہ ہونے دیں۔ لہذا یہ روایت ساری کی ساری مذہب شیعہ
 کی بربادی اور اس کے بیخ و بن سے اکھڑنے کی موجب ہے اور اس میں
 قرآن اور امام کی زبان کی مطابقت و موافقت بھی اہل سنت کے مسلک
 کا اثبات و احقاق اور اہل تشیع کے مذہب و مسلک کا ابطال کرنے میں
 کافی و روانی ہے کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ ائمہ اہل بیت بالخصوص خلاف
 قرآن نہیں ہو سکتے ورنہ فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم۔ ولن یتفرقا
 حتی یرد اعلیٰ المحوض کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ اور جب قرآن مجید
 نے اس حقیقت کا واضح گواہی و اظہار کر دیا ہے تو امازین العابدین
 بلکہ سب ائمہ کا اس کے ساتھ اتفاق تسلیم کرنا سب اہل ایمان کے لیے
 جزو ایمان ہے۔ اور جو قرآن کے مخالف ہوں اور ثقل اکبر کے باغی اگر اہل بیت
 انہیں اپنے دیکھ بھال میں اور نہ دھتکار میں تو..... اور کون ہے
 جو قرآن کی عزت کا پاس کرے؟ اور اس کی پاسبانی کرے؟ اور تصریح مرتضیٰ

رضی اللہ عنہ نظر نواز ہو چکی کہ خلفاء سابقین اور شیخین رضی اللہ عنہ تھے۔
 مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ لہذا اپنے آباء کے مسلک کا آپ تحفظ نہ کریں
 تو اور کون کرے گا۔ اس لیے یہ کاروائی امام ازمین العابدین رضی اللہ عنہ پر لازم
 تھی۔ اور واقعی آپ نے اپنا فرض منصبی باحسن طریق ادا فرمایا فجزاء اللہ احسن
 الجزاء۔

لہذا ڈھکو صاحب کی یہ ساری کوشش عبث اور بے کار ہے۔ اور اس
 کے لیے فرار کی راہیں بالکل مسدود کیونکہ اربلی صاحب نے خود ان کے پاؤں کاٹ
 ڈالے ہیں لہذا علامہ موصوف اربلی صاحب کے بارے میں یہی کہہ سکتے ہیں۔

من از یگانگاہاں ہرگز تنالم
 کہ با من ہرچہ کرداں آشنا کرد
 اور خود اربلی صاحب نے اپنا مسلح نظر واضح کر دیا ہے۔
 خوش تر آں باشد کہ سر دہراں۔
 گفتہ آید در حدیث دیگران۔

نوٹ: ڈھکو صاحب نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ والی روایت میں بھی یہی چال چلی
 ہے لہذا اس کا جواب بھی یہیں سے معلوم ہو گیا۔ اور جو روایت ہم اپنی طرف
 سے پیش کریں گے۔ اس کے متعلق بھی یہ حقیقت ذہن نشین رہنی ضروری
 ہے کہ صرف نام اہل سنت کا بے کمر یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ لیکن
 فی الواقع متفق علیہ اور مسلم عند اہل کل ہے۔

مذہب شیعہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین قدس سرہ العزیز

ناسخ التواریخ اور فضائل صحابہ کرام علیہم الرضوان

کتاب ناسخ التواریخ جلد دوم، کتاب احوال امام زین العابدین رضی اللہ عنہ
منہ پر امام الساجدین کے فرزند ارجمند حضرت زید کا ارشاد لکھی بھی مل خطہ فرمائی۔ اور الولد لیسوا حق لیسوا

«طائفہ از معارف کوفہ بازید بیست کردہ بودند در خدمت حضور
یافتہ گفتند۔ رحمت اللہ و حق ابی بکر (الصدیق) و عمر چہ میگوئی؟ فرمود
در بارہ ایشان جز بخیر نمیگویم و از اہل خود نیز در حق ایشان جز سخن
خیر شنیدہ ام و این سخنان متافی آل روایتی است کہ از عبد اللہ
بن اللہ مسطور افتاد بالجملہ زید فرمود ایشان بر کسے ظلم و ستم
نراندند و کتاب خدا و سنت رسول کار کردند آخر»

یعنی کوفہ کے مشہور ترین لوگوں کے ایک گروہ نے جس نے
حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما سے بیعت کی ہوئی تھی
ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ابشر آپ پر رحمت کرے
ابو بکر (صدیق)، اور عمر رضی اللہ عنہما، کے حق میں آپ کیا فرماتے
ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ان کے حق میں سوائے کلمہ خیر
کے اور کچھ کہنے کے لیے تیار نہیں اور اپنے خاندان سے بھی
ان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے میں نے کچھ نہیں سنا صاحب ناسخ التواریخ
کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن علی سے جو روایت لی جاتی ہے۔ امام کا
یہ فرمان اس روایت کے سراسر خلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ
حضرت زید بن علی نے فرمایا کہ ابو بکر اور عمر نے کسی پر بھی ظلم نہیں۔

کیا اور اشد کی کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر
کار بند رہے۔ (بخ)

اور کتاب ناسخ التواریخ جلد ۳ احوال زین العابدین رضی اللہ عنہ صفحہ ۹۱
سطر ۱ تا ۷ اکامبی مطالعہ فرمائیں اور الولد سرلابیہ کی تصدیق فرمائیں۔
”بالجملہ چوں مردماں در حق عمرو البکر (صدیق) رضی اللہ عنہما“
آل کلمات را از زید بشینند گفتند ہمانا تو صاحب مایستی۔ امام
از دست برفت و مقصود ایشان امام محمد باقر علیہ السلام بود آنکہ
از اطراف زید متفرق شدند، زید فرمود ”رفضونا الیوم“ یعنی ما را
امروز گزاشتند و گزشتند و از ایں ہنگام ایں جماعت را رافضیہ گفتند
رفض بجریک و تسکین ماندن چیزی را بجر گزاشتن ستور است و
رفض و مرفوض یعنی متروک است۔ روافضی گروہ سے راگوئند
کہ ہمہ خود را راندند و از دوسے باز گشتند و جماعت از شیعیان
باشند، در مجمع البحرین مذکور است کہ رافضہ و روافضی کہ در
حدیث وارد است فرقہ از شیعیہ ہستند کہ رفضوا یعنی ترکوا
زید بن علی بن الحسین علیہما السلام را کہ گاہے کہ ایشان را از طعن
در حق صحابہ منع فرمود و چوں مقالہ او را بدانستند معلوم ساختند کہ
کہ از شیعیین تبری نخست اورا بگذاشتند و گزشتند و از ایں پس
ایں لفظ در حق کسے استعمال میشود کہ دریں مذہب غلو نماید و طعن
در بارہ صحابہ را نیز جائز بشمارد۔“

وحاصل یہ کہ جب ان عراقیوں نے حضرت امام زین العابدین کے
صحابہ سے حضرت زید کی زبان فیض ترجمان سے حضرت ابو بکر صدیق
عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف سنی تو کہنے لگے کہ یقیناً آپ ہمارے
امام نہیں ہیں اور امام دہم آج کے دن سے، ہمارے ہاتھ سے

گیا۔ ان کا مقصود تھا امام محمد باقر علیہ السلام۔ اس وقت زید کی طرف داری سے ادران کی ماضی سے الگ ہو گئے۔ جس پر حضرت زید نے فرمایا کہ آج یہ لوگ رافضی بن چکے ہیں۔ یعنی ہمیں آج کے دن سے ان لوگوں نے چھوڑ دیا اور چلے گئے۔ اس وقت سے اس جماعت کو رافضی کہتے ہیں۔ رَفَض اور رَفْض کا معنی ہے سواری کو دکاندار کرنا اور رَفِض اور رَفُوض کا معنی ہے متردک ہونا۔ روافض اس گروہ کو کہتے ہیں جس نے اپنے امام اور رہبر کو چھوڑ دیا اور اس سے منہ پھیر لیا اور شیعوں کی جماعت سے ہو گیا اور مجمع البحرین میں ہے کہ رافضہ اور روافض جو حدیث شریف میں آیا ہے اس سے مراد شیعوں کا فرقہ ہے کیونکہ یہ رافضی بن گئے اور انہوں نے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید کا انکار کر دیا اور ان کو چھوڑ دیا کیونکہ آپ نے ان کو صحابہ کرام کے شان میں طعن کرنے سے منع فرمایا تھا۔ جب ان لوگوں نے اپنے امام کا ارشاد سمجھ لیا اور معلوم کر لیا کہ وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں برابر داشت نہیں کرتے تو ان لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور نکل گئے اس کے بعد فقط رافضی اس شخص کے حق میں استعمال ہونے لگا جو اس مذہب میں غلو کرتا ہے اور صحابہ کرام کے حق میں طعن کرنا جائز سمجھتا ہے۔

بھائیو! جب حضرت امام عالی مقام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے حق میں طعن کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور دُعا کیا اور فرمایا کہ بھل جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے۔ تو ان کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کی سنت کو کیوں نہ اپناتے اور کیوں نہ سختی کے ساتھ اس پر عمل فرماتے الولد ستر لایہ کا یہی معنی ہے اب رَفَض اور تَشِیع کا ہم معنی ہونا اور صداقا متحد ہونا تو اول تشیع

کی اس معتبر ترین کتاب نے پوری اور مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جو کسی تبصرہ کا محتاج نہیں۔

رہا یہ امر کہ جس حدیث کی طرف اہل تشیع کی معتبر کتاب مجمع البحرین نے اشارہ کیا اور صاحب ناسخ التواریخ نے اس کا ذکر کیا وہ کوئی حدیث ہے تو یہ وہی حدیث ہے جس حدیث کے متعلق کافی د کتاب الروضہ ص ۱۶ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم ان لوگوں نے تو تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ تمہارا نام اللہ تعالیٰ نے رافضی رکھا ہے کافی کی بعینہ عبارت پیش کرتا ہوں۔ کافی شیعوں کی معتبر ترین کتاب ہے جس کے متعلق کئی دفعہ حوالے گزر چکے ہیں۔

قال: قلت: جعلت فداك فانا قد نبذنا نبذاً انكسرت
له ظهورنا وماتت به افئدة تناو واستحلت له الولاية دماونا
في حديث رواه لهم فقهاءهم قال فقال ابو عبد الله عليه
السلام الرافضة: قال قلت نعم قال لا والله ما هم بموم
بل الله سماكم الرافضة

یعنی ابوبصیر نے (جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا خاص الخاص شیوہ ہے) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں ہمیں ایک ایسا لقب دیا گیا ہے جس لقب کی وجہ سے ہماری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے اور جس لقب کی وجہ سے ہمارے دل مردہ ہو چکے ہیں اور جس کی وجہ سے حاکموں نے ہمیں قتل کرنا مباح اور جائز قرار دیا ہے۔ وہ لقب ایک حدیث میں ہے جس حدیث کو ان کے فقہانے روایت کیا ہے ابوبصیر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رافضہ کے متعلق حدیث: ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا جی ہاں امام صاحب

نے فرمایا کہ خدا کی قسم ان لوگوں نے تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ
نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے۔“

تتمہ بحث :

تحفہ حسینہ : حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کا شیخین سے برأت کا اظہار
نہ کرنا بلکہ تیروں کی بارش اور تلواروں کی چھاؤں میں اعلان حق کرنا اور بالآخر سولی پر
لٹک جانا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دینا چونکہ شیعہ مذہب کی جڑ اکھیر کر رکھ دینے
والا واقعہ ہے۔ اس لیے شیعہ صاحبان نے اس میں اچھ پچھ اور سیرا پھیری کی بہتری
کوشش کی ہے۔ لیکن۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

حق چھپانے سے چھپ نہیں سکا۔ قاضی نور اللہ شومتری نے اس حقیقت کو
بہت ٹال مٹول کے بعد تسلیم کر ہی لیا ہے۔ ملاحظہ ہو مجالس المؤمنین جلد دوم ۲۵۵/۲۵۶
شومتری صاحب نے کہا تحقیق یہ ہے۔ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے امامت
کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اور انہیں یقین تھا کہ اس زمانہ کے امام محمد باقر ہیں۔ بلکہ ان کا مقصد
اس خروج سے یہ تھا کہ متغلبان اہل زبان سے اہل بیت پر کئے گئے ظلم و ستم کا بدلہ
لیا جائے۔ اور آپ ہر طرح لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کوشاں تھے۔ تاکہ اپنے
خاندان کے دشمنوں کو دور کرتے اور ان کو مغلوب کرنے کی کوشش کر سکیں اور اس وقت
میں جو شخص بھی بنو امیہ کے شرور اور مجبور سے تنگ آیا ہوا تھا۔ خواہ سنی خواہ مختل و وہ
ان کے ساتھ موافقت کرتا گیا۔ اور مادی و مددگار ہو گیا اور اہل تشیع میں سے جو ان
کے ساتھ ہوئے بعض اس سبب سے ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جو پہلے ذکر ہو چکا۔
کہ امام زماں کی طرف سے ان کو خروج کی اجازت نہیں ملی اور یہ صرف ان کا ذاتی
فیصلہ ہے۔ لہذا وہ امام زماں یعنی امام محمد باقر کی اجازت کے بغیر ان کے بھائی کا
ساتھ نہیں دے سکتے تھے اس لیے، جنگ کے کسی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے ان سے

جدا ہو گئے۔

اور جن کو اس سبب اور حقیقی موجب کی اطلاع نہیں ہو سکی تھی۔ یا امام زماں کی اجازت کے بغیر جنگ کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ انہوں نے جنگ کرنے پر کبر ہمت باندھی۔ لیکن جب مخالفین کی جماعتوں کو بھی ان کے ساتھ دیکھا تو دو گروہوں میں بٹ گئے جن کا حضرت زید کے ساتھ حسن ظن تھا۔ اور ان کے حقیقی عقائد کی پوری معرفت اور پہچان ان کو تھی۔ وہ ان کے حق میں کسی شبہ اور بدگمانی کا شکار نہ ہوئے۔ اور مخالفین کے ساتھ ان کی الفت کو ان کے اعتقاد پر اعتراض و تنقید کا موجب نہ سمجھے بلکہ ان کو مؤلفہ القلوب کے قسم سے سمجھتے ہوئے حضرت زید کی محبت اور ہمدردی میں امثالہ ہمارے اعداء سے انتقام لینے کے جذبے سے سرشار ہو کر میدان انتقام میں کود پڑے۔

دیکھئے کہ ایشاں راز یادتی معرفت بحال زید بنو دیا در تشیع غالی بودند موافق بودند اور با مخالف دلیل اختلاف اعتقاد و خیال نمودند در مقام امتحان اور بودند تا آنکہ ادرا علی روس الاشهاد تکلیف برادت و سب شیخین نمودند و چون زید بنابر رعایت مصلحت وقت و استمالت قلوب جمہور شیوہ مدارا میور و زید لاجرم از اظہار تبرا امتناع نمود و آن جماعت معاملہ ناشناس اور ادرا آں باب معذورند و رنداشتند و در دست اعداء مخدوش گزاشتند۔

ترجمہ: اور شیعیان کوفہ میں سے بعض جو زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کے متعلق زیادہ معلومات نہیں رکھتے تھے یا تشیع میں غالی تھے انہوں نے آپ کو مخالفین کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے دیکھ کر ان کے اعتقاد میں خلل اور فساد کا خیال کیا اور ان کا امتحان لینے کے درپے ہوئے حتیٰ کہ ان سے مجمع عام میں شیخین سے برادت اور ان کو سب کرنے کا مطالبہ کر دیا مگر جب حضرت زید نے مصلحت وقت کو ملحوظ

رکھتے ہوئے ان کا مطالبہ پورا کرنے سے انکار کر دیا اور جمہور کی دلجوئی کو مقدم سمجھا تو لازمی طور پر اظہارِ تبرا اور سب و شتم سے گریز کیا اور اس معاملہ شناس اور حقیقت حال سے بے خبر جماعت نے ان کو معذرت نہ سمجھا اور ان کو دشمنوں کے حواسے کر دیا اور امداد و اعانت سے دست کش ہو گئے۔

فوائد۔ شیعیانِ کوفہ کے لیے گویا یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اپنے ساتھ اہل سنت کو بھی حضرت زید کی معاونت میں دیکھا تھا۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں تمام تر اہل سنت آپ کے ساتھ تھے اور کوفہ میں شیعہ عقائد کے لوگ اقل قلیل تعداد میں تھے۔ لہذا اس پر برہم ہونے اور برا فروختہ ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اور صرف یہ کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی آڑ میں ان کو بدترین دشمنی کا نشانہ بنایا جائے اور یہود و مجوس کا جگر ٹھنڈا کیا جائے ورنہ یہ دیکھنے کی ضرورت نہ تھی کہ ان کے ساتھ کون کون ہیں۔ بلکہ صرف اس پر نظر رکھنے کی ضرورت تھی کہ ہم کس کے ساتھ ہیں اور کس کیلئے قربانی دے رہے ہیں اگر ان کے ساتھ اہل سنت کو دیکھ کر ان کے عقیدہ میں اختلاف کا شہ ہو گیا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیسے یقین رہا کہ وہ صحیح عقیدہ کے مالک ہیں، جب کہ ان کی طرف سے خطبات اور خطوط میں عظمتِ شیخین کا بارہا۔ اعتراف پایا گیا اور کبھی آپ نے ان پر سب و شتم تو کجا امیر معاویہ پر سب و شتم کو بھی روانہ رکھا بلکہ ان کے اور ان کے متبعین کے حق میں بھی دعا کرنے کا حکم دیا الغرض خلافتِ طے سے قبل آپ اہل سنت اور ان کے ائمہ کی موافقت و معاونت فرماتے رہے اور خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے پر عالم اسلام کے اہل اہل و انساب کے اہل سنت آپ کے معاون و مددگار اور جانباز و جانثار بن گئے اور آپ کے مخالفین خواہ وہ کس قدر ہی عظیم المرتبت تھے ان سے ٹکرا گئے ماسوا شام کے محدود علاقہ کے لہذا یہ کوئی عذر اور واقعی بہانہ آپ کا ساتھ چھوڑنے

کاتیں ہو سکتا تھا۔ اصل راز اس میں وہی ہے۔ جو عرض کیا جا چکا ہے۔
 (۳) شوہتری صاحب کو اعتراف ہے کہ غالی شیعوں نے قبر اور سب و شتم
 کا مطالبہ کیا اور یہ بھی تسلیم ہے کہ آپ نے نتائج اور عواقب کی پروا کئے
 بغیر ان کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا بلکہ شیخین رضی اللہ عنہما کی عزت و عظمت پر اپنی
 جان کو قربان کر دیا اور عزمہ و ازیمک سولی پر لٹک کر تباہ و برباد کیا کہ ہم اہل بیت
 ان عسکین اسلام اور مختصین و وفاداران بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر
 جان تو قربان کر سکتے ہیں مگر ان کی شان میں ادنیٰ گستاخی گوارا نہیں
 کر سکتے۔

(۴) یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ تفتہ کو آپ نے قابل عمل نہ سمجھا ورنہ ان کو
 تفتہ کے ہتھیار سے رام کیا جاسکتا تھا۔ جیسے بقول شیعوں صاحبان حضرت علی
 رضی اللہ عنہ سے عام خلفاء راشدین کی تعریف بھی فرما لیتے تھے اور علیحدگی
 میں شیعہ صاحبان کو بھی خوش کر لیتے تھے۔ نہ امام حسین کو یہ سلیقہ آیا اور
 نہ ہی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ

(۵) اس قول کی رو سے امام زید نے غالیوں کا مطالبہ ٹھکرایا اور سابقہ ثابت
 کی رو سے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے غالیوں کو اپنے دربار
 اور در والاسے بھگایا جس سے ثابت ہو گیا کہ واقعی یہ حضرت زین العابدین
 کی تربیت کا اعجاز تھا کہ ان سنگین حالات میں آپ نے وفا شعار کی کا
 حق ادا کر دیا اور تباہ و برباد نہ ہوئے صرف میں خود ان کو اچھا نہیں سمجھتا بلکہ انہیں
 خویش ملیز و رفق ایشاں جز بسمین غیر نشیدہ ام۔ جس گھر میں میں نے آنکھ
 کھولی جن آغوشہ لے کر امت میں پرورش پائی وہاں کبھی ان کے متعلق
 بھلائی اور خیر کے علاوہ بات تک نہیں کی جاتی تھی بلکہ ہمیشہ ان کی مدح و
 ستائش کی جاتی تھی۔

والحمد لله علی ذالک

تشریحہ الامامیہ:

ناسخ التواریخ کے متعلق تبصرہ اور گلو خلاصی کی ناکام کوشش

یہ کتاب تاریخ کی ہے اور جس طرح عام تاریخی کتابوں میں ہر قسم کا رطب و یابس موجود ہوتا ہے۔ اس کتاب میں بھی اس قسم کا مواد ہے بلکہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ ہے ناسخ التواریخ (تا) یہ کوئی تفسیر اور حدیث کی کتاب نہیں اور اس میں تمام اسلامی فرقوں کی روایات درج ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب سے حوالہ جات نقل کرنے میں وہی دھاندلی روا رکھی ہے جو کشف الغمہ وغیرہ میں کی ہے ص ۴۳، ۴۴

تحفہ سینہ

(۱) جب اپنی باری آئی تو پتہ چلا کہ تاریخی کتابوں میں ہر قسم کے رطب و یابس ہوتے ہیں مگر جب اہل سنت کے خلاف بلکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلاف باطنی غیظ و غضب اور بغض و عناد کا اظہار کرتا تھا اس وقت کیونکہ خیال کیا کہ یہ تاریخی کتابیں ہیں امدان میں ہر قسم کے رطب و یابس ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے پیش کرنے سے جیاد کر جائیں لیکن وہ مرضی کے مطابق تھیں اس لیے بڑی دھوم دھام سے پیش کیں اور عنوان یہ قائم کر دیا۔ کتب سینہ سے مضمون بالا کی تائید یعنی اہل بیت کرام کے خلفاء ثلاثہ کے ساتھ اختلاف اور باہمی کدورت کی تائید میں جو حوالے دئے گئے ان میں مردج الذہب مسعودی تاریخ کاملہ تاریخ طبری تاریخ الجوفاء وغیرہ ذکر کی ہیں۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ آیات و احادیث اور ارشادات ائمہ کے مقابل ان تاریخی کتابوں کی کیا اہمیت ہے پھر بددیانتی یہ کہ مسعودی شیوہ ہے اس کی کتاب کا حوالہ بھی دے دیا اور ابن ابی الحدید مقلد

شیمی ہے اس کا حوالہ بھی دے دیا بلکہ زیادہ تر اسی کے حوالوں سے گزارا چلایا اور پھر لطف یہ کہ ہمارے خلاف جس مؤرخ کا حوالہ مل سکے وہ بھی محقق زمانہ خواہ شبلی نعمانی ہو یا عبدالغنی کاشمیری ہو یا عاقلہ اسلم ہو اور اپنی باری آئے تو اتنا بڑا قلم کار بھی ناقابل اعتداد و اعتبار اور مردود۔

(۲) ڈھکڑ صاحب فرماتے ہیں کہ تاریخ التواریخ میں اس قسم کا زیادہ مواد ہے کیونکہ یہ تاریخ التواریخ ہے۔ کیا خوب کہا۔ کیا تاریخ کا معنی یہی ہوا کرتا ہے کہ منسوخ کی نسبت اس میں زیادہ خرابیاں اور کوتاہیاں ہوں قرآن۔ تو رات و انجیل کے لیے تاریخ اور مذہب اسلام یودیت و نصرانیت کے لیے تاریخ وہاں تو لامحالہ تاریخ کا یہی معنی ہو گا کہ قرآن نے اس زمانہ کے مصالح مطلوبہ پر منطبق نہ ہو سکے واسطے احکام کو منسوخ ٹھہرایا یا محرف احکام کی حیثیت واضح کی اور مذہب اسلام نے اخلاق عالیہ کی تکمیل کر دی اور ادھورے معاملات کا نسخہ کر دیا لیکن شیعہ صاحبان کا تاریخ وہ ہے جس میں منسوخ کی نسبت زیادہ خرابیاں۔ رطب دیا بس اور موضوعات موجود ہوں، کیوں نہ ہوں ان کی گنگا الٹی جو بہتی ہے

(۳) تاریخ کے مؤلف نے بھی آغاز کتاب میں اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ میں۔ شیعہ دینی دونوں فریق سے متفق علیہ روایات پیش کروں گا تاکہ دونوں فریق کے لیے یہ کتاب قابل قبول ہو سکے مگر حجب اپنے ہی اس کو قبول نہیں کر رہے تو اہل سنت کیسے کریں گے تو گویا اس مؤرخ نے یوں ہی ہزاروں اوراق سیاہ کئے اور اپنا وقت اور قوم کا سرمایہ برباد کیا۔ الغرض اس کی اپنی قلم سے اس کتاب کا مقصد تالیف اور اس کو اہم اور مقبول ترین بنانے کا طریقہ کار ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ میں متفق علیہ روایات ہیں

علوم بادکہ راقم الحروف در تاریخ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و آل او بیشتر خبر اہل سنت
راہنکار و کہ شیعوہ و سنی در آل اتفاق دانند اگر سخنی برخلاف عقیدت علما و امامیہ اثنا عشریہ دریا
آید آنرا باز مینماید (ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۲۵)

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ راقم الحروف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ
کی آل کی تاریخ میں زیادہ تر اہل السنۃ کی ان روایات کو نقل کرتا ہے جن میں شیعہ
اور سنی کا باہم اتفاق ہوتا ہے اور اگر کوئی روایت اور خبر علما و امامیہ اثنا عشریہ
کے عقیدہ کے خلاف درمیان میں آتی ہے تو اس کی صراحت کر دیتا ہے اور حقیقت
حال کی وضاحت کر دیتا ہے۔

دیکھا آپ نے ڈھکوصاحب! مؤلف خود کہتا ہے کہ اہل السنۃ کی روایات
وہی نقل کرتا ہوں جس پر اہل تشیع کا بھی اتفاق ہوتا ہے اور اگر کوئی روایت شیعہ
کتب کی یا اہل السنۃ کی کتابوں سے لی ہوئی شیعہ مسلک کے خلاف آتی ہے۔
تو اس کی وضاحت اپنے اوپر لازم اور ضروری سمجھتا ہے۔ آپ نے میرے خیال
میں اپنی مذہبی کتابوں کو پڑھنے کی زحمت کبھی نہیں کی یا پھر ان کی عبارات پر غور و خوض
کا موقدہ کم ملتا ہے ورنہ اس طرح جواب دینے کی جسارت نہ کرتے اور اپنے
مصنفین کی محنت برباد نہ کرتے۔

(۱۲) اہل السنۃ کی روایات کے بغیر تمسار کوئی مختصر اور سیرت نگار یا مؤرخ چل
ہی نہیں سکتا کیونکہ جناب کا سلسلہ روایات منقطع ہے اور غیر مرفوع زیادہ تر
روایات کو حضرت امام جعفر صادق ہمک یا زیادہ ہمت کی تو امام محمد باقر تک
پہنچا کر چھوڑ دیا اور حیرت انگیز واقعات ان کی پیدائش سے بھی پہلے گزر چکے۔
وہاں اہل السنۃ کی کتابوں سے ہی استفادہ کرنا پڑتا ہے تفسیر قمی میں
اور مسافہ میں تفامیر اہل السنۃ سے استفادہ نہیں کیا گیا تو انتہائی مختصر اور

تمام تفسیر میں نہیں۔ لیکن مجمع البیان اور منہج الصادقین وغیرہ میں بھرپور استفادہ کیا گیا ہے تو بیسوط مخیم اور جامع تفسیر میں گئیں لہذا یہ تمہاری مجبوری ہے اس کے بغیر تمہیں چارہ ہی نہیں اور نقل کرنے والے اس خیال سے نقل کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ اہل تشیع کے منافی نہیں ہیں خود منہج البلاغہ کے خطبات و اقادی وغیرہ سے منقول ہیں۔ لہذا اس کو بھی مردود اور ناقابل اعتبار قرار دے دو لیکن یہ ایک حقیقت ذہن نشین رکھ کر کہ تمہارے اسلاف نے ان کو سنی سمجھ کر نہیں بلکہ واقعات نگار سمجھ کر وہ روایات لی ہیں اس لیے اس بیانے اور غدر کو چھوڑ کر اگر دامن عقل و دانش میں تحقیق و تدقیق کا کوہ یزد ہے تو اسے پیش کر دو۔

ناسخ التواریخ کی پہلی روایت، ڈھکو صاحب کے جوابات

اور ان کی لغویت

(۱) موصوف نے پہلا جواب تو حسب عادت یہی دیا ہے کہ روایت اہل اہلسنت سے لی گئی ہے جس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ اس نے تعلق علیہ روایات کا التزام کیا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت بھی منقول ہے جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق ان کے اس عقیدہ کے برعکس عقیدہ پر دلالت کرتی ہے لہذا اسی کا اعتبار ہو گا لیکن ہم قاضی نور اللہ شونیری شہید ثالث رئیس تقیہ بازاں کا قول پیش کر چکے ہیں جس کا آغاز انہوں نے اس طرح کیا ہے ”مؤلف گوید تحقیق آنست“ اور اس کے بعد شیعہ صاحبان کے عین گروہ کر ڈالے ایک آغاز جنگ سے بھاگ جانے والوں کا جنگی طرف سے عذر یہ بیان کیا کہ انہوں نے جب معلوم کر لیا کہ امام زمان حضرت ابو جعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر انہوں نے خروج کیا ہے تو ساتھ چھوڑ دیا اور ایک جماعت نے عین موقع پر سنیوں کو امام موصوف

کے ساتھ دیکھ کر ان کے عقیدہ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہونے پر شیخین کے متعلق سوال کر دیا اور خیب آپ نے برابر سے گریز کیا تو انہوں نے آپ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر گھر کی راہ لی اور تیسرا گروہ ساتھ رہا یا بیس ہزار نے بیست کی تھی اور میدان کارزار میں پانچ سو باقی رہ گئے تھے مگر امام موصوف نے ساڑھن تا بیس ہزار کی رعایت نہ کی۔

الغرض جب آپ کے تاسی القضاۃ اور شہید ثالث کی تحقیق یہ ہے تو آپ خلاف تحقیق بات کر کے اپنی آبرو اور ہمارا وقت کیوں برباد کرتے ہیں۔

(۱۲۱) ڈھکو صاحب فرماتے ہیں چونکہ دوسری روایت کی تائید بہت سی دیگر روایات سے ہوتی ہے لہذا وہی راجح ہوگی مگر تعجب ہے کہ روایات پر تو نظر جاتی ہے حقائق اور واقعات پر نظر کیوں نہیں جاتی کہ امام موصوف نے ان روایتوں سے روافض کو ساتھ لانے کی کیوں کوشش نہ فرمائی امدان کو جدا علی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حوالہ کیوں نہ دے دیا کہ وہ بظاہر خلفائے ثلاثہ کی تعریف بھی کر لیتے تھے اور حقیقی عقیدہ بھی اس کے خلاف تھا تا کہ اہل السنۃ کی تائید حاصل ہو سکے، میں بھی الولد سر لایہ پر عمل پیرا ہوں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعی یہی طرز تھا تو نہ آپ کو اس کے اظہار میں تامل ہو سکتا تھا اور نہ شیعہ کو اس عذر کے قبول کرنے میں لیکن ایسی کسی کوشش کا نہ پایا جانا بھی ہمارے لیے واضح دلیل ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قربان ہو جانا، گوارا کر لیا لیکن ایسے ملعونوں کی معاونت کو ٹھکرا دیا۔

اب، حضرت زید رضی اللہ عنہ پر سوال سامنے آتے ہی یہ حقیقت تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ اس جواب کا رد عمل کیا ہوگا۔ تو آپ شیعہ صاحبان کو ناراض کرنے کی بجائے حقیقی عقیدہ ظاہر کر دیتے خواہ سنی ساتھ چھوڑ ہی جاتے کیونکہ کسی بھی فریق کے چھوڑنے پر انجام تو وہی ہوتا تھا لیکن اس صورت میں اتنا ٹوکا جاسکتا تھا کہ امام موصوف نے حق پر ثابت قدمی کا حق ادا کر دیا اور موت کی آنکھوں۔

میں آنکھیں ڈال کر بھی اظہار حق سے گریز نہ کیا۔ لیکن جب آپ نے شیعوہ کا ساتھ چھوڑنا گوارا کر لیا اور جان دینا گوارا کر لیا مگر شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں سبقت ادران سے براءت کا اظہار نہ کیا تو یہ حقائق اور واقعات ہیں یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ آپ کا واقعی عقیدہ صرف اور صرف وہی تھا جس پر آپ شہید ہوئے اور جس کے برعکس کہلانے کی کوشش کے باوجود ان دشمنان دین و ایمان کو منہ کی کھانی پڑی۔ بلکہ صاحب مجالس کے قول کے مطابق پالیس ہزار سے بیت کی تھی۔ اور سیدان میں صرف پانچ سو باقی رہ گئے تھے تو مطالبہ کرنے والوں کا مطالبہ پورا کرنے پر کسی حد تک کامیابی کا امکان تھا لیکن تیرا نہ کرنے پر یقینی شکست اور شہادت پیش آنے والی تھی۔ لہذا ایسی صورت حال کے باوجود امام موصوف کی اس نظریہ پر استقامت اور روافض کو ٹھکراتے کی پالیسی ایسی ٹھوس اور ناقابل تردید انکار شہادت ہے جس کے مقابلہ میں ہزاروں روایات کی بھی پرکاوہ کے برابر حیثیت نہیں رہ جاتی۔

(۴) — ڈھکوصاحب فرماتے ہیں۔ یہ روایت درایت اور عقل کے خلاف ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ شیخین نے کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کیا اور کسی پر ظلم و ستم نہیں کیا اور یہ کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے اہل خاندان سے بھی ان کے حق میں سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں سنا حالانکہ ہم قبل انہیں حقیقی اعتقادات اللہ کے دربارہ خلاق ثلاثہ میں ان کے خلاف اہل بیت کے نظریات بیان کر چکے ہیں اور ان کا ظلم بھی غصب فک وغیرہ کے معاملہ میں ظاہر ہے تو اپنی جدہ ماجدہ کے ساتھ اس ظلم کا وہ انکار کیسے کر سکتے تھے۔ (مخص از تمیز بہ الامیرہ ص ۱۰۵)

(۵) — مگر کہاں روایات اور کہاں حقائق و واقعات جب حقائق و واقعات نے ثابت کر دیا کہ امام موصوف نے اہل تشیع پر اہل السنۃ کو اور شیخین رضی اللہ عنہما پر تیرا کی بجائے ان کی مدح و ثنا کو اختیار کر کے ہرچہ بادا باد کا

مظاہرہ کیا تو پھر روایات کی طرف بھاگنے کا کیا مطلب ؟

اب — ہم نے کتاب اللہ کے آیات حکمت سے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات عامہ و خاصہ سے ان مقدس ہستیوں کا ایمان داخل اس اور ان کا رضائے الہی کی خاطر گھر بار اور خویش واقرباء کو خیر باد کہنا ثابت کر دیا اور حضرت امیر کی زبانی یہاں تک ثابت کر دیا کہ ان دونوں حضرات کا مرتبہ اسلام میں عظیم ہے اور ان کا اوصال اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان وغیرہ ذلک لہذا جب ان روایات کے ساتھ ان واقعات کو اور آیات بینات کو ملائیں تو اہل ایمان کے لیے وہی عقیدہ اپنائے بغیر چارہ نہیں رہتا جو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تواروں کی چھاؤں تیروں کی بارش اور تیروں کی نوکوں کے سامنے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم

(ج ۱) — حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا فک غضب ہوا اور ان پر ظلم ہوا یا نہیں اس کی بحث آئندہ اوراق میں فک کی بحث میں آجائے گی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ڈھکوسلے صاحب واقعات و حقائق کا شاہدہ چھوڑ کر روایات کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ وہ خود متعرف ہیں کہ دوسری کتابوں کا تو کیا کہنا ہمارے نزدیک ہماری صحاح اربعہ بھی تمام تر صحیح نہیں عبارت۔ ملاحظہ ہو۔

”حقیقت یہ ہے کہ شیعہ علماء محققین اپنی کتب اربعہ کے متعلق بھی دعویٰ نہیں کرتے کہ ان کے تمام مندرجات قابل قبول ہیں ص ۱۰۲“

قیاس کن زنگستان من بہار ماہ جب روایات کی کتب معتبرہ کا حال یہ ہو تو ان کے بل بوتے پر ان ہستیوں کو مورد الزام ٹھہرانا جن کی عظمتوں کا قرآن قصیدہ خواں ہو، کہاں کا انصاف ہے۔

دوسری روایت کے جوابات اور ان کا رد و تبلیغ

روایت کا حاصل یہ تھا کہ شیعہ نے جب اپنی مرضی اور خواہش کے برعکس

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرف سے اظہار برہوت کی بجائے تشریفی کلمات سننے تو ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور امام موصوف نے فرمایا رضونا الیوم اس وقت سے اس جماعت کو رافضی کہتے ہیں یعنی چھوڑ جانے والے۔ اور جب اسی لقب کے متعلق ابو بصیر نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شکایت کی اور اس کی وجہ سے ہونے والے تشددات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا بخدا ان لوگوں نے تمہارا نام رافضی نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے۔

دیکھو صاحب فرماتے ہیں اس ابو بصیر والی روایت کا ایک تتمہ بھی ہے جسے نظر انداز کیا گیا ہے ورنہ ہمیں جواب کی ضرورت نہ پڑتی اور وہ یہ ہے کہ جب فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے تو خداوند عالم نے ان کا نام رافضہ رکھا یعنی فرعون اور اس کے انصار و لعوان کو ترک کرنے والے اور پھر یہ لقب باقی رہ گیا یعنی جو بھی اچھے لوگ برے لوگوں کو چھوڑ دیں ان کو رافضی کہا جاتا ہے الخ ص ۱۰۸۔

الجواب بفضل اللہ الوہاب

(۱) — حضرت شیخ الاسلام ندس سرہ نے صرف ناسخ التواریخ اور مجمع البحرین میں جس حدیث کی طرح اشارہ کیا تھا اس حدیث کی نشاندہی فرمادی۔ نہ آپ کا مقصد بالتفصیل وہ روایت بیان کرنا تھا۔ اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری تھی بلکہ صرف یہ بتلانا تھا کہ ابو بصیر نے اس لقب کی وجہ سے درپیش مشکلات کا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے آگے روزنا دیا جس سے واضح ہوا کہ جو شیعہ ہیں وہی رافضی ہیں ورنہ ابو بصیر جو خاص الخصاص شیعہ تھا اس کو اس لقب کی وجہ سے اپنے امام کے سامنے اس آہ و بکا کی ضرورت کیا تھی جب مقصد اتنا تھا۔ تو وہ اس قدر حصہ کے ذکر سے ہی پورا ہو گیا ساری روایت کو ذکر کرنا مقصد سے خارج تھا لہذا آپ کیوں ذکر فرماتے

(۲) — رہا یہ سوال کہ روضہ کافی میں تو رافضہ کا لقب عظمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فرعون کو چھوڑنے والوں کو رافضہ کہا گیا تھا اور وہ ابھی تک باقی تھا انج اس کا جواب نا سنج التواریخ کے مؤلف اور مجمع البحرین کے مؤلف کی ذمہ داری ہے نہ کہ حضرت شیخ الاسلام کی کیونکہ یہ انہوں نے کہا ہے ازیں پس اس لفظ ذر حق کے استعمال میں مذہب علوناید وطن دربارہ صحابہ رانتر جائز بشمار یعنی اس واقعہ ہائے اور حادثہ فاجدہ شہادت حضرت زید کے بعد یہ لفظ رافضی کا اس شخص کے حق میں استعمال ہونے لگا ہے جو اس مذہب تشیع میں علو اور تجاوز سے کام لے اور صحابہ کے حق میں علن و تشیع کو جائز شمار کرے۔ آپ تو اس کے ناقل ہیں۔

(۳) — چلو ہم سے ہی تطبیق کا مطالبہ کرتے ہو تو ہم ہی بتلا دیتے ہیں کہ یہ لقب یہودیوں کا تھا اور جب وہی یہودی عبد اللہ بن سبا اور اس کے ساتھی اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کے خلاف سازشیں شروع کیں کبھی صحابہ کرام پر ملن و تشیع سے کام لیا اور کبھی اہل بیت کرام کے ہمدرد بن کر ان کو میدان جنگ میں اتار دیتے اور عبر بانے بنا کر ساتھ چھوڑ جاتے تو سابقہ نام سے ہی پکارے جاتے گئے لہذا کوئی منافات اور مخالفت باقی نہ رہی یعنی اب بھی رافضی کو یہودیوں پر ہی استعمال کیا گیا اور آپ کے نزدیک جب صحابی رسول ہونا ایمان کی ضمانت مہیا نہیں کرتا تو رافضی جو یہود کا لقب تھا اور انہیں کارہا اس سے آپ لوگوں کی کون سی عظمت ثابت ہو سکتی ہے

(۴) — دیکھو صاحب نے ساحران فرعون کا تائب ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے حلقہ غلامی میں آنا رافضی کلام نے کا سبب بتلویا ہے حالانکہ یہ غلط محض ہے اور کذب قبیح کیونکہ روضہ کافی میں قطعاً اس طرح نہیں ہے عبارت ملاحظہ ہو۔ أما علمت یا ایا محمدان سبعین رجلا من بنی اسرائیل رفضوا فرعون وقومه لما استبان لهم ضلالتهم فلاحقوا موسیٰ لما

استبان لهم هداة قسموا في عسكر موسى الرافضة صف ۳۴۔

روضہ کافی مطبوعہ طہران یعنی بنی اسرائیل کے مترادفی جنہوں نے فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑا جب کہ ان پر فرعون کی گمراہی واضح ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لاحق ہو گئے جب ان کا حق ان پر واضح ہو گیا۔ تو ان کو رافضہ کہا گیا۔ اور یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ حضرت یسوع علیہ السلام تمام اہل و عیال سمیت حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر مصر میں تشریف لے گئے اور وہیں آباد ہوئے تھے اور جادوگر مدائن سے بلائے گئے۔ ”کما قال تعالیٰ حکایۃ عن آل فرعون: ارسل فی المدائن حاشرین یا تولک بکل ساحر علیم“ لہذا یہ روایت بذات خود غلط ہے اگر اس سے جادوگروں میں سے مترادف مراد ہیں تو کیونکہ خلاف قرآن ہے رہا قوم بنی اسرائیل کا معاملہ تو ان کا سدق و اخلاص کبھی ساحل قلم پر نظر آ جاتا ہے جب موسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں انا لمدینہ ہم مارے گئے اب کدھر جائیں آگے پانی پیچھے فرعون اور اس کا لشکر اور کبھی پھٹے کی پوجا پر اور خاص الخواص رافضہ کا حال طویل نظر آتا ہے جب کہ اعلان کر دیا۔ ”لن نوٹمن لك حتی نری اللہ جہرۃ“ ہم محض تمہارے کہنے پر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے جب تک خود علانیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں تو اللہ تعالیٰ نے بجلی گرا کر تباہ و برباد کر دیا اور تھے وہ بھی ستر ہی ذرا تحقیق کر کے بتلانا کہ وہ یہی ستر تو نہیں تھے کیونکہ ساری قوم سے موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کو منتخب جو فرمایا تو ظاہر ہے کہ انہیں پر فرعون کا ضلال اور موسیٰ علیہ السلام کا حق اچھی طرح ہی واضح ہو چکا ہو گا اور بیت بڑے رافضی وہی ہوں گے جنہوں نے پہلے فرعون کو چھوڑا اور اب طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑا۔

(۵) — ڈھکو صاحب فرماتے ہیں اس وقت کے رافضیوں نے فرعون کو چھوڑا اور اس وقت کے رافضی بھی فرعون معصیت لوگوں کو چھوڑے

ہوئے ہیں مگر اس وقت تو انہوں نے امام زین العابدین کے نور نظر کو اور محبوب فرزند کو چھوڑا جن کے منہ میں وہ اس وقت تک لقمہ نہیں رکھتے تھے۔ جب تک اسے اپنے منہ میں رکھ کر اطمینان نہ کر لیتے کہ گرم نہیں اور میرے پیٹے کو تکلیف نہیں دے گا اور انہوں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے بھائی کو چھوڑا۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے چچا کو چھوڑا جن کی خبر شہادت سن کر وہ خون کے آنسو روتے رہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا انہو ذبالہ نگاہِ رفض نے تشیع میں وہ بھی فرعون وقت تھے۔ علاوہ ازیں یہ لقب انہوں نے اور ان کے ساتھ نبی جانے والوں نے تجویز کیا۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی ہے تو انہوں نے کی ہے نہ کہ ہم نے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے تصریح کی ہے کہ حضرت زید نے فرمایا۔

رفضوني، مرا ترك كر دندواں قوم كه با نريد بماندند ايس قوم را رافضيه نام نهادند سرچ ۲۵۳ مجالس المؤمنین زید آل طايفه را مخالف لب گردانيد گفت يا قوم رفضتموني بناء بر ايس سخن اكم رافضی بر شيعه اطلاق يافت من گندايه سوال حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کیا جاتا چاہیے کہ رد افض تو فرعونوں کو چھوڑنے والوں کا نام تھا تم نے اہل بیت کے محبوبوں پر اس کا اطلاق کیوں کیا؟ جب کہ ہماری محبت کا ثبوت اپنی سرکی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہو۔

(۶) — علاوہ ازیں نام برقرار رہتے ہیں لیکن معنوی تبدیلی ہو ہی جاتی ہے فرعون کے مدد میں اہل مصر کو شیعہ کہا جاتا تھا۔ حالانکہ وہ فرعون کے پیاری تھے اور اب ماشاء اللہ ان کو کہا جاتا ہے جو سفید گھوڑوں کے پیاری بناؤں قبروں کے پیاری اور نکلڑی کے تابوت کے پیاری ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے منصب پر فائز ماننے والوں اور خودہ صدیاں گزرنے کے باوجود آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے صرف بارہ کو کامل ماننے والوں، امام حسن رضی اللہ عنہ کی ساری اولاد اور امام حسین رضی اللہ عنہ

کی اولاد میں بعض کو کذاب اور بعض کو مرتد ماننے والوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور مساجد چھوڑ کر نئے عبادت خانے تیار کرنے والوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر صحابہ الا ماشاء اللہ کو مرتد اور منافق سمجھنے والوں پر لہذا اگر اس وقت رافضی کے معنی میں کوئی خیر والا پہلو تھا بھی تو اب وہ غنقا ہو گیا جس طرح لقب شیعہ میں بقول شیعہ اس وقت کوئی شر والا پہلو موجود تھا تو اب خیر ہی خیر ہو گیا چشم بد دور

مذہب شیعہ : حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

رافضیوں والی حدیث احتجاج طبرسی

مطبوعہ ایران میں بھی موجود ہے اگرچہ اہل تشیع کی کتاب کافی کی روایت کے بعد اہل تشیع کی خدمت میں اس حدیث کی توثیق کے لیے مزید شہادت کی ضرورت نہیں علی الخصوص ایسی حالت میں کہ جب امام صاحب اس حدیث کی توثیق میں یہ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ مومنین کو خوش کرنے کے لیے بطور استہشاد ایک حدیث پیش کر دیں۔

عن علی قال یخرج فی آخر الزمان قوم لهم نبذ یقال لهم الرفضۃ یعرفون بہ فینحلون شیعتنا ویسوا من شیعتنا و آیۃ ذلک انہم یشتمون ابا بکر و عمر و لیسوا من شیعتنا ایما ادرکتوہم فاقتلوہم فانہم مشرکون۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں ایک فرقہ نکلے گا جس کا خاص لقب ہو گا جس کو لوگ رافضی کہیں گے اسی لقب کے ساتھ ان کی پہچان ہوگی وہ لوگ ہمارے شیعہ ہونے کا دعویٰ کریں گے اور درحقیقت وہ ہماری جماعت سے نہیں ہونگے اور ان کے پہلی جماعت نہ جنت کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں سب کہیں گے تو وہ تمہیں جہاں کہیں ملیں ان کو قتل کر دینا کیونکہ وہ مشرک ہوں گے۔

اس حدیث کی صحت کے متعلق صرف اس قدر کافی ہے کہ بعینہ وہی الفاظ اور وہی مضمون جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا جس کی تسدیق حضرت امام جعفر صادق نے فرمائی اس حدیث میں موجود ہے اس لیے اگرچہ یہ حدیث ہم کنز العمال سے پیش کر رہے ہیں۔ اور یہ کتاب اہل تشیع کے نزدیک معتبر نہیں ہے مگر اس حدیث کا ان کے نزدیک بھی صحیح ہونا کسی مزید دلیل کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کنز العمال میں یہ حدیث اور اس کی ہم معنی باقی احادیث ملاحظہ فرمائی ہوں تو جلد نمبر ۶ ص ۸۱ پر دیکھیں در سالہ مذہب شیعہ ص ۲۴، ۲۵

تشریحہ الامامیہ از علامہ محمد حسین دھکو صاحب

جواباً عرض ہے پیر صاحب نے جس روایت پر اعتماد کر کے مظلوم شیعوں کے قتل کا جواز پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے وہ اصول ردایت اور روایت کے مطابق ناقابل اعتماد ہے۔ ردایت کے لحاظ سے اس طرح کہ یہ ان کی اپنی مذہبی کتاب کی روایت ہے جسے ہمارے خلاف بطور محبت پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مناظرہ کا یہ مسئلہ قاعدہ ہے کہ استدلال میں مد مقابل کے مسلمات پیش کئے جاتے ہیں ان سے کون پوچھے کہ آیا کنز العمال بھی شیعوں کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اور ردایت کے لحاظ سے اس طرح کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ ابو بکر و عمر کو برکھلا کئے دے رافضی آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے مگر خود پیر صاحب بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ حضرت زید کو چھوڑ گئے وہ رافضی تھے اور وہ شیخین کو برا سمجھتے تھے۔ ص ۱۰۸، ۱۰۹۔

تحفہ حسینیہ : از محمد اشرف السیالوی

(۱) — ڈھکو صاحب نے کنز العمال والی روایت کا پیش کرنا اصول روایت اور ردایت کے خلاف قرار دیا ہے جس میں روایتی پہلو یہ بیان کیا کہ اہل سنت

کی مذہبی کتاب ہے مگر شیخ الاسلام قدس سرہ نے کب کہا کہ یہ مذہب شیعہ کی ہے اور ان کے نزدیک معتبر ہے آپ نے تو اس کو صرف اس مناسبت سے پیش فرمایا کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے خاص الخواص شیعہ نے کہا کہ ایک لقب ہمیں دیا گیا ہے جس نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی اور قلوب کو مردہ بنا دیا ہے اور حکام دقت نے اس کی وجہ سے ہمارا خون بہانا مباح سمجھ رکھا ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ان کے فقہانے روایت کی ہے تو امام صاحب نے فرمایا کون سا لقب رافضہ والا؟ تو ابو بصیر نے کہا بالکل وہی لقب تو آپ نے فرمایا یہ لقب تمہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

نوٹ: ڈھکو صاحب کو اگر صدق سالہ کے مورخ محمد کا علم ہوتا تو وہ حضرت شیخ الاسلام کے اس جملہ کا معنی باسانی سمجھ جاتے کہ یہ کتاب اگرچہ شیعہ کے نزدیک معتبر نہیں "کے صدق کی یہ صورت ہے کہ ان کی مذہبی کتاب ہے نہ ان کے ہاں معتبر یعنی یہ سالہ سلب موضوع کے ساتھ سچا آیا مگر علامہ صاحب اس جملہ کا معنی و مفہوم سوچے سمجھے بغیر کہ جس کے درپے ہیں۔

جب امام صاحب رضی اللہ عنہ کے سامنے اس شیعہ شخص نے حدیث کی آڑ میں اس لقب سے ملقب لوگوں کے قتل وغیرہ کا ذکر کیا اور آپ نے اس حدیث یا اس کے لازمی تقاضے کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے ہی اس لقب کی نشاندہی کر دی تو معلوم ہوا کہ آپ اس کو جانتے اور جانتے تھے جس کو اصطلاحی زبان میں حدیث تقریری کہا جاتا ہے اور جو کچھ کتاب کافی سے حدیث تقریری کے طور پر ثابت ہوا وہی کنز العمال والی روایت سے تصریح کے طور پر ثابت ہو گیا لہذا دونوں کی موافقت کے بعد مزید توثیق کی ضرورت ہی نہ رہی اور اس کا پیش کرنا صحیح ہو گیا لیکن نہ اس لحاظ سے کہ یہ کتاب اہل تشیع کی ہے یا ان کے ہاں معتبر ہے بلکہ اس لیے کہ جو مضمون اس میں ادا کیا گیا ہے وہی مضمون کافی والی روایت میں بھی ادا کیا گیا ہے۔

(۲) — اور ابھی قاضی القضاۃ نور اللہ شوستری صاحب کی زبانی یہ بات

نظر نواز ہو چکی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت والے حادثہ فاجعہ کے بعد رافضہ کا لقب انہیں لوگوں کو دیا گیا بلکہ خود حضرت زید نے دیا جو ان سے۔ سب و شتم اور تبرک کا مطالبہ کر رہے تھے اور بالآخر میدان کارزار میں چھوڑ گئے اور علی طور پر مروانیوں کو تقویت بہم پہنچائی اور ان کے غلبہ اور کامیابی کا سامان فراہم کیا۔ اس پس منظر میں دیکھیں تو روضہ کافی والی روایت میں جو تتمہ موجود ہے اور جس پر ڈھکوصاحب نے نظر جما رکھی ہے وہ سراسر موضوع و من گھڑت ہے ورنہ خود حضرت زید رضی اللہ عنہ پر کیا فتویٰ لگے گا؛ حالانکہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی کہ حکم بن عباس کبھی نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت پر یہ دو شعر کہے ہیں۔

صلبناکم زیدا علی جذع نخلة . ولونرمہدیا علی الجذع یصلب
وقسم بعثمان علیا سفاهة . وعثمان خیر من علی واطیب
ہم نے تمہارے زید کو سولی پر لٹکایا یعنی کجور کے تنہا پر اور ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی ہمدی کو تنہا پر سولی دیا گیا ہو اور تم نے کم عقلی سے علی (المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو عثمان (ذوالنورین رضی اللہ عنہ) کے برابر قرار دیا حالانکہ عثمان علی سے بہتر اور پاکیزہ تر ہیں۔ تو آپ نے کہا اللہم ان کان عندک کاذبا فسلط علیہ کلک
اے اللہ اگر یہ کبھی تیرے نزدیک کاذب ہے تو اس پر درندہ کو مسلط فرما چنانچہ آپ کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور ایک شیر نے اس کو کوفہ کے راستہ میں پھاڑ کھایا اور آپ نے یہ خبر سن کر فرمایا "الحمد للہ الذی انجز ما وعدنا" لہذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ہمدی اور ہمدی ہونا اور ادرحق پر ہونا جب مسلم ہے اور ان کو چھوڑ جانے والوں کا رافضی ہونا بھی مسلم تو پھر تتمہ کا من گھڑت ہونا بھی مسلم ہی ہونا چاہیے اور یہ خود ڈھکوصاحب کو تسلیم ہے کہ شیعہ علماء و محققین کے نزدیک ان کے صحاح اربعہ کے مندرجات بھی تمام تر صحیح اور قابل اعتبار نہیں ہیں۔

(۳) — علاوہ ان میں ناسخ التواریخ اور مجمع البحرین کی عبارت سے واضح ہو چکا کہ رافضہ غالیوں کا لقب ہے اور غالی و مفرط خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق ہلاک ہونے والے ہیں۔ مینوی مذاہب کے لحاظ سے نہ ہوں تو آخروی تو لازمی ہے جیسے کہ فرمایا سیدہ لک فی صنفان محب مفرط یدہب بہ الحب الی غیر الحق و مبغض مفرط یدہب بہ البغض الی غیر الحق وخیر الناس فی حالاً النمط الاوسط فالزموہ والزموا السواد الاعظم فان ید الله علی الجماعۃ۔

یعنی میری وجہ سے دیگر وہ ہلاک ہوں گے ایک محبت میں افراط اور غلو سے کام لینے والا گروہ جس کو میری محبت راہ حق کی بجائے باطل اور گمراہی کے راستہ پر ڈال دے گی اور دوسرا بغض و عناد رکھنے والا گروہ جو میری عداوت کی وجہ سے میری شان میں کمی اور کوتاہی کرے گا اور راہ حق سے بھٹکنے والا ہو گا اور میرے حق میں بہتر حالت اور اچھی عاقبت والا وہ گروہ ہے جو درمیانی راہ اختیار کرنے والا ہے لہذا اسی کو لازم پکڑو اور سواد اعظم اور جمہور کے راستہ کو اپناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اہل جماعت اور جمہور پر ہے۔

لہذا ان غالیوں اور حدود سے متجاوز لوگوں کی وکالت کر کے ڈھکوسل صاحب انہیں مذاہب دنیا و آخرت سے بچا نہیں سکتے اور نہ کنز العمال والی روایت کی مینوی صداقت کو چیلنج کر سکتے ہیں اور نہ کتاب الروافضہ کے تتمہ کو ان غالیوں پر چسپاں کر سکتے ہیں۔ اس لیے اصول روایت کی مخالفت کا دعویٰ لغو اور باطل ہو گیا والحمد للہ

(۴) — اب لیجئے درایت والے پہلو کو کہ کنز العمال والی روایت کی رو سے ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرنے والے آخر زمانہ میں پیرا ہونے چاہئیں حالانکہ خود پیر صاحب کو اعتراف ہے کہ وہ

رافضی حضرت زید کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ آخر زمانہ۔
 کہتے ہیں بالکل قیامت کے ساتھ متصل وقت کو اور ان کا ظہور ہو گیا تھا ۱۲۱ھ
 میں لہذا یہ روایت عقل کے خلاف ہو گئی کیونکہ ۱۲۱ھ کو آخر زمانہ کہنا ناممکن
 ہے اور محال۔ مگر ڈھکوسا صاحب کو یہ خیال نہ رہا کہ آخر کبھی حقیقی ہوتا ہے
 اور کبھی اضافی، دیکھئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیغمبر آخر الزمان ہوتا
 امتیازی وصف ہے حالانکہ پندرہویں صدی جا رہی ہے اور خدا جانے کتنی
 صدیاں مزید گزریں گی تب قیامت قائم ہوگی تو پھر آپ بھی نوزیلا اللہ پیغمبر۔
 آخر الزمان نہ ہوئے بلکہ قیامت کے نزدیک تشریف لاتے تب آخر الزمان
 کہا سکتے تھے۔

۵۔ بریں وراثت بباہر گریست۔

اسی طرح حدیث خوارج میں ہی الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں
 سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول يخرج في آخر الزمان
 قوم احداث الاسنان سفهاء الاحكام۔ الحديث
 الحديث (شرح حدیثی عبد ثانی ص ۲۶۷) اگر آخر الزمان کا وہ معنی ہے جو
 ڈھکوسا صاحب نے بیان کیا ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت
 میں ان کا خروج کیونکر متصور ہو سکتا ہے؛ الغرض آخر زمانہ میں ظہور کا مطلب
 یہی ہے کہ ہمارے بعد واسے زمانہ میں قریب ہوا قدرے بعید اس
 لیے یہ استعمال یہاں پیش کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛

(۵) — نیز ڈھکوسا صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب تو
 تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فرقہ حضرت امیر کی حین حیات ۱۲۱ھ میں پیدا ہو گیا تھا۔
 (ص ۱۱۵) تو پھر آخر زمانہ کہاں رہا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا دور ہی
 ان کے خروج کا دور ہوا مگر یہاں بھی مجتہد صاحب کو خطا اجتہادی ہو گئی۔
 کیونکہ روایت میں "يخرج في آخر الزمان قوم لهم نبز يقال لهم الرافضی" جس

کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ تعداد میں بھی زیادہ ہوں گے اور اس لقب خاص کے ساتھ ممتاز بھی ہوں گے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ بھی برحق ہے اس وقت بھی ابن سباموں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس قسم کے عقائد کا بیج پودیا گیا تھا۔ لیکن حضرت امیر المؤمنین کی سطوت اور محاسبہ کی وجہ سے ان کو کھل کھیلنے کا موقع نہ مل سکا لیکن بعد واسے دور میں اس حد تک بے باک ہو گئے کہ میدان کارزار میں لشکر اسلام کے سامنے علانیہ ایسے مطالبے شروع کر دیے اور پھر کسی ڈر جھمک کے بغیر مطالبہ پورا نہ ہونے پر علیحدہ ہو گئے اس کا نام ہے خروج و ظہور، اور یہ واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عرصہ دراز بعد ظہور پذیر ہوا لہذا آپ کا فرمان ”یخرج فی آخر الزمان“ بالکل درست اور بر محل ہو گیا جیسے کہ خوارج کی بنیاد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑ چکی تھی لیکن فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن کی نمازوں کے مقابل تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور ان کے روزوں کے مقابل اپنے روزوں کو ایخ لئذا رفض اور تشیع کے نظریات مخصوصہ کی بنیاد اگرچہ حضرت امیر کے دور امارت میں ابن سبہا کے ہاتھوں رکھی جا چکی تھی لیکن کما حقہ ان کا ظہور بعد میں ہوا۔

(۶) — نیز ڈھکوسا صاحب فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ”فانہم مشرکون“ کہا گیا ہے اور یہ بات خفائق کے سراسر خلاف ہے کہ شیعوں میں مانا کہ وہ خداوند عالم کو ذات و صفات اور افعال و عبادت میں واحد و یکتا مانتے ہیں دیسے اگر ہر صاحب کو بلا وجہ صرف ولایت اہل بیت کے جرم میں ہمارے خون ناحق میں ہاتھ رنگین کرنے کا شوق ہے تو تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر گویا اس وجہ سے بھی یہ روایت خلاف روایت ہے۔

لیکن اس ظالم - مظلوم نما - سے کوئی پوچھے کہ رافضہ تو غالیوں کو کہتے ہیں اور ان کا مذہب ہی سب و شتم اور تبراس ہے تو ملا وجہ صرف ولایت اہل بیت کا عقیدہ رکھنے کا جرم اور اس کی یہ سزا کیوں ٹھہرائی ہے معلوم ہوتا ہے ڈھکوصاحب خود کو غالیوں میں ہی شمار کرتے ہیں اگر کسی دوسرے زمرہ میں داخل ہوتے تو پھر سیخ یا ہوتے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح شرک کی نفی اور انکار زبانی تو آسان ہے۔ مگر عمل و کردار کی دنیا میں اس حقیقت کو جھٹکنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی جیسے ذوالجناح جیسے فرضی نام رکھ کر گھوڑوں کی پوجا پاٹ، مصنوعی قبریں بنا کر ان کی پوجا پاٹ اور تابوت و تعزیر بنا کر اس کی پوجا پاٹ وغیرہ جہاں بھی اصل کے مناسب سلوک نقل کے ساتھ شروع کر دیا جائے تو یہی شرک قرار پاتا ہے۔

ڈھکوصاحب خود اپنی کتاب اصول الشریعہ میں تصریح کرتے ہیں کہ امام رضا رضی اللہ عنہ سے غالیوں اور مفوضہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔
 ”الغلاة كفار والمفوضة مشركون رجوانہ عیون الاغیاء یعنی غالی کا نثر ہیں اور مفوضہ مشرک ہیں اور توہم کر کے ہوئے کہا جو مذمت غالیوں کی کی گئی ہے مفوضہ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ مفوضہ بھی غالیوں کی ہی ایک قسم ہے اور امام قاضی کے حوالہ سے کہا ہے اجمع العلماء علی کفر النالی، غالیوں کے کفر یہ علماء کا اجماع ہے جب کفر اور شرک مفوضہ کے حق میں خود تسلیم کر لیا اور ان کو شرک بھی تسلیم کر لیا تو پھر درایت کے خلاف قرار دے کر اس روایت پر اعتراض کا کیا معنی مزید تفصیل غلو اور افراط کا دیکھنی ہو تو ڈھکوصاحب کی کتاب اصول الشریعہ ص ۳۳ تا ص ۳۴ مطالعہ فرمادیں۔

(۷) ————— ملاذہ ازہیں مقام خیرت اور محل تعجب یہ ہے کہ کہیں تو ڈھکوصاحب کو صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرک نظر آنے لگتے ہیں اور الشریک اخفی فیکم من دبیب التمدل والی روایت کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخص ملاذہ اور انتہائی مترب صحابہ پر منطبق کر دیا جاتا ہے اور کہہ بن سبا

کئے لامرہ اور روحانی فرزندوں کے حق میں شرک کا امکان بھی نظر نہیں آتا کی
وہ حضرات نماز نہیں پڑھتے تھے۔ شہدائین ان کی زبان پر جاری نہیں ہوتی
نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہراتے تھے یا افعال
میں، آخر وہ ان سب امور سے منزہ مبرا ہونے کے باوجود مشرک ہو گئے
تو آپ اس قدر غیر شرعی افعال کا ارتکاب کر کے بلکہ غلط عقائد اور نظریات
کے حامل ہو کر کیسے مشرک نہیں ہو سکتے۔ کبھی خیال کیا ہے جناب نے؟
آپ کے فرقوں میں کئی حضرت علی کو خدا ماننے والے ہیں۔ کئی نبوت کا
حقدار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں۔ اور محمدی نبوت کو جبرائیل علیہ السلام
کی غلطی قرار دیتے ہیں اور کئی بظاہر حضرت علی کو عبد مانتے ہیں مگر معلول و اتحاف
کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آخر ان حقائق سے تفتہ کرنے کی کیا ضرورت پڑی؟
اور ان کے اعتراف و تسلیم میں کونسا جان و مال کا خطرہ لاحق ہو گیا۔

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق عقیدہ آپ نے
ملاحظہ فرمایا اور ان کے والد گرامی کا سلوک ان غالیوں کے ساتھ
جو شیخین کی جناب میں گستاخی کے مرتکب ہوئے آپ ملاحظہ کر
چکے تو اب بتلائیے۔

مسلمانوں کے کسی گروہ سے بھی امام صاحب نے جن کو شمار نہیں کیا وہ کون
ہیں؟ جن کو امام عالی مقام نے اپنی مجلس سے دفع فرمایا اور ان کے ساتھ وہی
سلوک فرمایا جو کفار کے ساتھ کرنا واجب ہے ”واغلظ علیہم“ ان کا عقیدہ اور
مذہب کیا تھا۔ ان غالیوں کے حق میں آپ کا یہ فرمانا ”اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے“
کس نظریہ کے ماتحت ہے اب ہم امید رکھتے ہیں کہ مدعیان محبت و توحید تو امام
عالی مقام سیدنا زین العابدین کو نہ جھٹلائیں گے بلکہ ان پر ایمان لائیں گے اور ان کے

مذہب اور عقیدہ کی تقلید کریں گے اور ان کے صاحبزادے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کا ارشاد اقدس -

اور عمل و کردار اور شیخین پر جان قربان کرنے کے جذبہ اور ان کی عزت و ناموس کے تحفظ کی خاطر ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کا عزم مشعل راہ بنائیں گے بلکہ ان کے صاحبزادے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد گرامی کو بھی مشعل راہ بنائیں گے جو ابھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کا مذہب اقدس اور آپ کا نظریہ بھی اسی کتاب کشف الغمہ کے ص ۲۲۰ پر ملاحظہ فرمادیں۔

وعن عروۃ عن عبد اللہ قال سئلت ابا جعفر محمد بن علی علیہما السلام عن حلیۃ السیوف فقال لا بأس بہ قد حلی ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سیفہ، قلت فتقول الصدیق؟ قال فوثب وثبۃ واستقبل القبلة فقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ لہ قولاً فی الدنیا ولا فی الآخرۃ۔ امام عالی مقام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے ایک شیعہ صاحب نے مسئلہ دریافت کیا کہ یا حضرت تواروں کو زیور لگانا جائز ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو زیور لگایا ہوا تھا۔ شیعہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں اس پر امام عالی مقام اچھل پڑے اور قبۃ شریف کی طرف رخ انور کر کے فرمایا کہ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ جو ان کو صدیق نہیں کہتا، اللہ اس کے کسی قول کو نہ دنیا میں سچا کرے نہ آخرت میں۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ امام عالی مقام کے ارشاد گرامی کس

کا ایمان ہے اور کون ان کے ارشاد کو نہیں مانتا، اہل السنہ والجماعت عزیز
تو امام عالی مقام کے ایک دفعہ فرمانے پر آٹنا و صدقنا کا لغو لگاتے ہیں مدعیان
محبت و تولی کے انتظار میں ہیں کہ پانچ دفعہ فرمانے کے باوجود بھی ایمان لاتے
ہیں یا نہیں ؟

کیوں جناب امام عالی مقام کا نظریہ کیا تھا، اور ان کے سچے غلام اور سچے
حلقہ بگوش کون ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ جو شخص صدیق اکبر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو
صدیق نہیں کہتا اس کے متعلق امام عالی مقام کی یہ بددعا کہ ”اللہ تعالیٰ اس کے کسی قول
کو دنیا و آخرت میں سچا نہ کرے“، خطا تو جانی نہیں سکتی۔ غالباً بلکہ یقیناً یہی تفسیر کی لعنت
ہی ہو سکتی ہے جس سے کوئی شخص ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق نہ کہنے والا۔
خالی نہیں۔ غرضیکہ تمام ائمہ معصومین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک
ابو بکر صدیق ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ مدعیان محبت اہل بیت اپنے عقیدے پر امام عالی مقام
کے مذہب اور ان کے عقیدے کو قربان کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیں کہ
امام صاحب نے قبلہ رو ہو کر محمدؐ ا جان بوجھ کر خلاف واقعہ فرمایا۔ مگر کوئی مسلمان
ان علمبرداران صدق و صفا کے شان اقدس میں اس قسم کی گستاخی کی جرأت
نہیں کر سکتا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کذب بیانی اور خلاف واقعہ امر کا اظہار
ان کی شان ارفع سے بہت دور ہے بلکہ مناقض ہے۔
دوسرا نقل کفر بننا شذ۔ اگر کذب بیانی یا تفسیر جائز سمجھتے تو کسی مخالف
کے سامنے نہ کہ اپنے شیعہ کے سامنے جو منکر خلفائے راشدین تھا بلکہ اہل تشیع
کے نظریہ کے ماتحت تو برعکس تفسیر کرتے کیونکہ ایک ہزار و دس سار کے سامنے
تفسیر کرنا سخت بے محل بات ہو سکتی ہے شاید شیعہ مذہب میں قسم اٹھا کر ہمیشہ
اور ہر بات میں ہر جگہ جھوٹ بولنا عبادت ہو۔

تتزیہ الامامیہ علامہ محمد حسین دھکو صاحب

(۲) — یہ روایت جسے مؤلف نے شیعی روایت ظاہر کیا ہے ابن الجوزی جیسے متعصب سنی عالم کی کتاب صفوة الصفوة سے منقول ہے اور صاحب کشف الغمہ نے اس کی ابتداء اور انتہا معین کر دی ہے۔
 (ب) — اس روایت کے راوی زید بن عبد اللہ شکر کو شیعہ ظاہر کیا گیا حالانکہ وہ سنی العقیدہ ہے۔

(ج) — اس کلام اہل نظام میں امام عالی مقام کے فرمان پر آمنا و صدقنا کا نعرہ مستانہ لگانے کا تذکرہ کیا گیا ہے کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ آپ کی صحاح ستہ میں اہل بیت سے کس قدر روایات لی گئی ہیں کیا فقہی کتابوں میں ڈھونڈنے سے ائمہ اہل بیت کا نام مل سکتا ہے کتب تفسیر میں کہہ اں ایک تفسیر اہل بیت پر انحصار کیا گیا ہے۔ پھر یہ چیز سمجھ سے بالاتر ہے۔
 کہ حضرت صاحب ائمہ اہل بیت کو مانتے کیا ہیں؟
 اگر نعرہ مستانہ لگانے میں صادق ہیں تو ہم نے اس رسالہ کی ابتداء میں ائمہ اثنا عشر کے ارشادات کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ یہ ذات مقدسہ اصحاب ثلاثہ کو آئمہ۔ غادر، خائن ظالم و جابر اور غاصب سمجھتے تھے۔ ہم انتظار ہیں کہ امام کے ایک دندہ نرمی نے پر آمنا و صدقنا کا نعرہ لگانے والے بیسیوں فرامین پر ایمان لاتے ہوئے خلافت ثلاثہ سے دست بردار ہو کر کب ولایت اہل بیت کا اقرار کرتے ہیں۔ ص ۹۸، ۹۷

تحفہ حسینیہ ابوالحسن محمد شرف السیال کو غفرلہ

الجواب وهو الموفق للصدق والصواب۔

(۲) — ڈھکو صاحب ہر جگہ وہی راگ الاپتے رہیں گے کہ بسنی کی روایت ہے اور فلاں کی ہے، فلاں کتاب سے ہے اور اس کا اول و آخر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کو ہمارے سامنے پیش کرنا محکم اور سینہ زوری ہے وغیرہ وغیرہ مگر آپ کے وزیر باتیر اربلی صاحب نے اس روایت کو نقل کرنے میں جو تدبیر پیش نظر رکھی وہ بھی تو بتلاؤ۔ اس روایت کو درج کر کے اس نے اہل السنۃ کو ہدایت کرنا چاہی اور رائے کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی تلقین کرنا چاہی کہ ابو بکر کو سدیق مانو اور نہ مانو گے تو دنیا و آخرت میں جھوٹے اور کاذب قرار پاؤ گے یا اہل تشیع کو پہلی شق کا بطلان تو مستثنیٰ از بیان ہے لہذا لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ شیعہ صاحبان کو غلو اور افراط سے باز رکھنا چاہتے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عمل کو حجت شرعیہ اور ان کی صدیقیت کے عقیدہ کو مدارج بات قرار دینا چاہتے تھے لہذا اس کے مطابق اعتقاد و عمل شیعہ صاحبان کو لازم یا پھر وزیر صاحب کو بے تدبیر بلکہ بد تدبیر ماننا لازم کہ ایسی روایات کتاب میں بھر دیں جو اہل تشیع کی تذلیل اور مذمت کا موجب بن گئیں اور اہل السنۃ کے خلاف نہ حجت بن سکیں نہ الزام بلکہ اربلی صاحب نے یہ کہہ کہہ اس قسم کی روایات ہمارے نزدیک مقبول ہیں اور ہمارے عقیدے کے مطابق ورنہ اس میں فقط شیعہ صاحبان کی ذلت و رسوائی کا سامان رہ جائے گا اور ہر کوئی مقصد پورا نہیں ہو سکے گا، ڈھکو صاحب کو اعتراض ہے کہ شیخ الاسلام کو تصنیف کا ڈھنگ نہیں آتا تھا مگر اربلی صاحب کے

دھنگ پر تو اعتراض نہ کرو اور ایمان سے آؤ۔

(ب) — حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے عید اللہ اکبر نام ہی نہیں لیا اور نہ اس کے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ڈھکو صاحب پنک میں یہ الفاظ لکھ گئے ہیں البتہ اتنا فرمایا کہ صاحب کتاب تمہارا ہے اور راوی در حقیقت امام ہیں لہذا ان کو سنی کہو گے تو بنا بنایا کیوں ختم ہو جائے گا جب آپ نے عید کا نام ہی نہیں لیا تو اس جواب کا بے محل موقع ہونا ادنیٰ سمجھ رکھنے والے طالب علم پر بھی غصی نہیں رہ سکتا پھر تفتیہ بانہ شیعہ بھی تو سنی ہی سمجھے جاتے ہیں دل چیر کر کون دیکھ سکتا ہے؟

(ج) — ڈھکو صاحب کو بہت غصہ آیا اور بیچ و تاب کھاتے ہوئے اور دانت پیستے ہوئے الزامات کی بارش کر دی کہ اگر آپ اتنے ہی محب اہل بیت تھے تو صحاح ستہ میں ان سے مردی روایات کیوں ذکر نہ کئے گئے وغیرہ وغیرہ۔

(۱) — صحاح ستہ میں بھی بحد شہان کی روایات اور ان کی عظمت شان کے روایات موجود ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی اور یہ روایات جنہوں نے آپ کو بہت پریشان کر رکھا ہے اور کوئی جواب ان کا نہیں بن رہا یہ بھی تو آپ کے اعتراف کے مطابق اہل سنت سے ہی لی گئی ہیں پھر اس الزام کا کیا مطلب؟

(۲) — علاوہ ازیں حقیقت حال یہ ہے کہ احادیث و روایات میں علو اسناد و قرب سند اور تعلیل رواۃ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ مثلاً حضرت جابر عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کریں اور دوسرے محدث کو بھی ان سے براہ راست سننے کا موقع میسر آیا ہو تو وہ براہ راست حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہی نسبت کریں گے نہ کہ حضرت امام محمد باقر یا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔

کی طرف اور شیعہ صاحبان کو روایات بنانے کا بعد میں خیال آیا اس لیے ۔
 سوائے ان تابعین یا تبع تابعین کی طرف نسبت کرنے کے کوئی چارہ نہ رہا۔
 (۳) — علاوہ ان میں قابل غور امر یہ ہے کہ اگر تین تین چار چار راویوں
 کے واسطہ کے باوجود وہ روایت اہل بیت کی رہتی ہے تو اتنے واسطوں
 سے جو روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہو وہ اہل بیت کی کیوں
 تصور نہیں کی جائے گی کیا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت سے خارج ہیں
 اور پانچ تن پاک میں سرفہرست نہیں ہیں۔ صرف امام جعفر صادق اور امام
 محمد باقر اہل بیت ہیں۔

(۴) — تفاسیر میں بھی سبھی حضرات کے اقوال موقع و محل کی مناسبت سے
 منقول ہیں اور جن دوسرے حضرات سے اہل سنت نے اقوال نقل کئے
 ہیں انہی کے اقوال شیعہ مفسرین نے اہل سنت سے اپنی کتابوں میں نقل کئے
 ہیں لہذا یہ جرم تو برابر رہا۔

(۵) — رہ گیا فقہ کا معاملہ تو ہم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی اقوال کو دین
 نہیں سمجھتے بلکہ جو کچھ انہوں نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور
 اکابر تابعین کے اقوال و اعمال سے سمجھا اس کو دین سمجھتے ہیں اور ان میں
 حضرات اہل بیت بھی داخل ہیں البتہ وہ بھی تابعی ہیں یا تبع تابعین اور امام
 محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کے ہم زبان لہذا وہ ہر قول ان
 سے نقل کرنے کے بجائے اوپر والے حضرات سے بھی نقل کریں گے۔
 لہذا صرف ان کے اقوال میں انحصار کی نفی ہو سکتی ہے اعتبار کی نہیں ہو سکتی
 پھر ان حضرات نے ایک موضوع کو سامنے رکھ کر اس پر پوری محنت و
 کوشش صرف کر کے کتب تالیف فرمائیں اور جمع و تدوین اور تصنیف و
 تالیف کا کون سا ہر انجام دیا جب کہ اہل بیت میں سے کسی کی کوئی تصنیف
 نہیں ملتی ایک تفسیر امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی تھی اس کو بھی ڈھکوا صاحب

نے ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دے دیا اور اگر تمہارے راویوں کا نقل کردہ مذہب ان ائمہ کا مذہب ہو سکتا ہے تو ہمارے راویوں کا نقل کردہ مذہب ان ائمہ کا مذہب کیوں نہیں ہوگا؟ یقیناً یہ مذہب انہیں کا ہے لیکن ان جھوٹے اور کذاب راویوں کے اتہامات اور موضوع اقوال جو ائمہ کی طرف منسوب کر دیے گئے ان سے امتیاز دینے کے لیے نسبت ان ائمہ مجتہدین کی طرف کر دی گئی۔

(۱۶) — نیز ڈھکوصاحب کو یہ بھی مغالطہ ہے کہ محبت اہل بیت کا دعویٰ بھی درست ہو سکتا ہے جب روایات صرف ان کی طرف منسوب کریں اور فقہ تفسیر ان کی طرف ہی منسوب ہو ذرا یہ تو بتلاؤ امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما یا حضرت امام موسیٰ کاظم کے بعد ولے ائمہ سے تمہارے ہاں کتنی روایات اور تفسیری اقوال اور فقہی اقوال مروی و منقول ہیں؟ تو کیا شیعہ کو ان سے محبت نہیں ہے۔

(۱۷) — علاوہ انہیں ہم چشتی قادری نقشبندی اور سمر دردی ہیں اور ان -

سلاسل اربہ کے روحانی بزرگ پیشوا ہمارے محبوب اور ائمہ ہیں مگر روایات اور تفسیری اقوال یا فقہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ علم و عمل اور شریعت و طریقت کے لحاظ سے اور دمول اہل اللہ کے طرق سے آگاہی اور اس کی تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اور اسی وجہ سے یہ حضرات ائمہ بھی ہمارے محبوب ہیں اور ان کے ارشادات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں علیحدہ کتابوں کی تصنیف اس محبت و عقیدت کی موجب نہیں ہے سلسلہ قادریہ میں امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ تک سارے ائمہ سلسلہ اور شجرہ شریف میں بالترتیب مذکور ہیں اور روحانی پیشوا ہیں صرف ان کے نہیں بلکہ سب کے کیونکہ یہ محض راہیں ہیں منزل مقصود ایک ہے اور اللہ تعالیٰ کے سب اولیاء اور محبوبان بارگاہ کی محبت عین ایمان ہے لیکن اس کے لیے ہم بغض و مہابہ کو لازمی شرط قرار نہیں دیتے جیسے ڈھکوصاحب اور ان کے ہم مشربوں کا خیال ہے۔

شیعی روایات کی صحت کی ضمانت کیسا ہے

(۸) — ڈھکوصاحب فرماتے ہیں اگرچہ صاحب سبیلوی اس آئنا صدقنا کے دعویٰ میں پتے ہیں تو ہماری بیان کردہ نقض و عداوت والی روایات پر ایمان لائیں اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ظالم اور خائن و غادر سمجھیں مگر ڈھکوصاحب آپ کے مذہب کی دو ہزار سے زیادہ متواتر روایات جو قرابت قرآن پر دلالت کرتی تھیں وہ سب کی سب آپ کے اعتراف کے مطابق غلط ہیں۔ اور ناقابل اعتبار تو پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف جو روایات درج کی ہیں ان کی صحت بھی ہمارے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ بلکہ وہ موضوع اور من گھڑت ہیں اور سبائی سازش کا نتیجہ۔

(۹) — پھر تم نے خود اعتراف کیا کہ اسی قرآن کو شیعوں و باطل کا معیار اور صحیح و سقیم احادیث کے معلوم کرنے کا میزان سمجھتے ہیں (تزییہ الامامیہ ص ۱) تو ذرا غبر اور قیامت اور دوزخ کو سامنے رکھ کر اور قوم کے عطیات اور خصوصاً جناب سید نواز شمس علی شاہ صاحب کی نوازشات اور تبرکات کو نظر سے ہٹا کر بتلائیں کہ قرآن مجید کی آیات مبارکہ جو ہم نے ذکر کی ہیں اور اس کے علاوہ بیسیوں روایات ہاجرین و انصار اور ان کے مقتداء و پیشوا و خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا گواہی دیتی ہیں اور ان کے تور میں آپ کی ان روایات کی حکمت و کدورت چھٹ جاتی ہے یا نہیں؟ یقیناً ان مؤید بالقرآن روایات کے ہوتے ہوئے ان موضوعہ روایات کا کیا اعتبار ہے۔

عمومات نصوص کے تقاضا پر ایمان کس کا ہے؟

(۱۰) — پھر تم نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ نصوص کے عموم الفاظ کو سامنے

ہونے پر افتخار اور ناز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت کا بین ثبوت ہے اور روشن برہان اور اس روایت کو بھی اربلی صاحب نے کتاب کو عندا ککل مقبول بنانے کے لیے اور سب کی رائے کے مطابق و موافق بنانے کے لیے ذکر کیا ہے لہذا اس کا قبول کرنا اور اس کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عقیدت اور ان کی محبت کا دل میں رکھنا اہل تشیع کے لیے از بس ضروری ہے کیونکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ان کی اولاد ہونے پر اظہار فرمایا ہے ۔

نعمۃ اللہ الجزائری الموسوی نے شیعہ کی طرف سے حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت زبیر و دیگر اکابر صحابہ کے نسب پر طعن و تشنیع اور بیجائی و بیباکی کے اظہار کے باوجود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اس قسم کے طعن و طنز سے گریز کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ۔ وأما عدم الطعن علیہ بالسوء کما سیأتی فی انساب امثاله فلعله لأن الأئمة من نسله وذلك لأن ام فروة ہی ام الصادق بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر (انوار نہایت جلد اول ص ۶۰) کہ آپ پر ایسے طعن ذکر نہ کرنے وجہ یہ ہے کہ ائمہ کرام علیہم السلام آپ کی نسل سے ہیں کیونکہ حضرت امام جعفر صادق کی والدہ ماجدہ ام فروہ قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کی بیٹی ہیں اور حضرت موسیٰ کاظم سے آخر الزمان امام تک سبھی ان کی اولاد ہیں ۔

سور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے حیائی

ایک طرف ائمہ کا ادب آتنا زیادہ کہ اس قدر دور کی نسبت کے باوجود بھی ایسے طعن و تشنیع سے گریز کیا لیکن دوسری طرف سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس قدر بے ادبی و بیجائی کہ ان کے سر حضرت عمر اور ان کے پھوپھی زاد بھائی زبیر کے نسب پر طعن کیا یعنی آنحضرت کی پھوپھی کو مورد الزام ٹھہرایا اور آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن ام اردی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں ان کو بھی

سورۃ الزام ٹھہرایا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے داماد حضرت عثمان پر اور
 آپ کے بالواسطہ داماد حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نسب کے لحاظ سے لعن و تشنیع کی ۔
 رکنیہ کہ آپ حضرت علی اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کی لخت جگر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما
 کے خاوند ہیں جیسا کہ ناقابل تردید دلائل و براہین سے اس کو ثابت کیا گیا ہے ، گویا
 شیعہ مذہب میں نہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کی ضرورت ہے ۔
 اور نہ ان کی لخت جگر حضرت زہرا کی اور آپ کے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہ ۔
 پھوپھی کی اور نہ پھوپھی زاد بہن کی ۔ نعوذ باللہ من ذلک کیا کسی مسلمان سے اس
 قسم کی بے حیائی اور بے باکی کا صادر ہونا ممکن ہے ؟ قطعاً نہیں ، اور کیا عقل سلیم
 اور فکر رسا کے نزدیک اس قسم کے افراط و تفریط کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے ؟ قطعاً
 نہیں ۔

افراط و تفریط کا اہم نمونہ

ایک طرف شیعہ صاحبان نے ان حضرات کے نسب پر بڑے غم خویش اعتراضات
 تنقید کر کے ان کے ایمانِ اسلام کو ناقابل اعتبار بنا سنے کی سعی مذموم کی لیکن دوسری
 طرف اس بارے میں علو اور افراط کا عالم یہ ہے کہ زنا کارہ پیشہ و ر عورت کو توبہ
 کے بعد انبیاءِ عظیم السلام کی ماں تسلیم کر لیا ہے ۔ اسی نعمتہ اللہ الجزائری کا بیان ملاحظہ
 فرمادیں ۔

روی انه کان فی بنی اسرائیل امرأة بغیة وكانت مفتتنة
 بحمالها وکان باب دارها ابداً مفتوحاً (الی) فتأبیت الی اللہ و
 اغلقت بابها ولبست ثیاباً خلقة واقلبت علی العبادۃ (الی)
 فتزوجته فولد له منها خمسة اولاد کلهم صاروا انبیاء فی بنی
 اسرائیل ۔ (التواریخ لعنایہ جلد اول ص ۲۳۶، ۲۳۷)

خلاصہ المرام یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں زنا کار عورت تھی اور اپنے

جمال پر فروزا نہ کرنے والی تھی اور اس کا دروازہ ہر دولت مند شہوت پرست کے لیے کھلا رہتا تھا۔ ایک فقیر کی نظر اس پر پڑی تو بے اختیار اس کے قدموں پر جا گرا اس نے اپنے متعہ کی قیمت بتلائی تو اسے تن بدن کے کپڑے بھی فروخت کرنے پڑے مگر جب تکمیل مقاصد کا وقت آیا تو خوف خدا دامگیر ہو گیا اور وہ بھاگ نکلا اس حالت کو دیکھ کر اس زنا کار زنڈی کے دل پر بھی خوف خدا طاری ہوا کہ یہ شخص پہلی دفعہ گناہ کرنے لگا تو اس کا یہ حال ہو گیا اور میں تو اس دھندے میں مگر گزار رہی ہوں تو اس نے توبہ کی اور پر اس نے کپڑے پہنے اور عبادت خداوند تعالیٰ میں مصروف ہو گئی۔ پھر اس شخص سے شادی کا خیال آیا اس کے پاس پہنچی، آنے کا مقصد بتلایا اور اپنا تعارف کرایا تو وہ غش کھا کر گرا اور مر گیا۔ چنانچہ اس نے اس کے مفلس بھائی سے شادی کر لی جس سے پانچ بچے پیدا ہوئے اور وہ بھی بنی اسرائیل میں منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ کیا ہے کوئی صاحب عقل اور مالک فہم جو یہ بتلائے کہ بنی اسرائیل کی زندگی کی توبہ بھی قبول ہو سکتی تھی اور پھر ان کے انبیاء و رسل بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ مگر عرب کے دور جاہلیت کے بعد نبی امی ملی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لیک کہنے والوں کی نہ توبہ قبول ہو سکتی تھی اور نہ ان سے مومن کامل پیدا ہو سکتے تھے اور نہ مجاہدین اسلام تو پھر میں کیوں نہ کہوں کہ اس مذہب رفض و تشیع کے بانی فقط یہود ہیں جو اپنی بد بالطنی کے اظہار کے لیے اور میدان کار راز میں ذلت و رسوائی اٹھانے کے بعد ان ذلیل حرکات پر اتر آئے اور اس رنگ میں ان حنین اسلام اور بانیاں شریعت و ملت سے بد لے لینے کی ناپاک کوشش میں مصروف ہو گئے

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب شافعی مصنفہ علم الہدی سید مرتضیٰ در تلخیص الشافعی مصنفہ محقق لموسیٰ امام الطائفہ جلد نمبر ۲ ص ۲۸۸ کی روایات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں اور اہل تشیع کی محبت اور تولی کا جائز لیتا ہوں۔

وروی عن جعفر بن محمد عن ابيه ان رجلا من قریش جاء الى امير المؤمنين عليه السلام فقال سمعته يقول في الخطبة انفا اللهم اصلحنا بما اصلحت به الخلفاء الراشدين فمن ههنا قال صاحبباي وعماك ابو بكر وعمر اماما الهدى وشيخا الاسلام ورجلا قریش والمقتدى بهما بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من اقتدى بهما عصم ومن اتبع آثارهما هدى الى صراط مستقيم۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قریش کا جوان امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الشریف کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا حضرت! میں نے آپ سے ابھی خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ فرما رہے تھے کہ اے میرے پروردگار! ہم پر اسی مہربانی کے ساتھ کرم فرما جو مہربانی دکر کم تو نے خلفائے راشدین پر فرمایا ہے تو وہ خلفائے راشدین کون ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ میرے پیارے ہیں اور تیرے چچا ہیں۔ ابو بکر اور عمر وہ دونوں ہدایت کے امام ہیں اور وہ دونوں اسلام کے پیشوا ہیں، جس نے ان کی پیروی کی وہ جہنم سے بچ گیا اور جس شخص نے ان کی اقتداء کی اس نے صراط مستقیم کی ہدایت پالی۔

علم الصدق والصفاء سیدنا امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صریح اور

واقعہ غیر مبہم ارشاد کی شان دیکھئے اور روایت بھی تمام تراجم صادقین و اہلین معصومین سے ہے۔ میں انتظار میں ہوں کہ محبت و توفیق کے دم بھرنے والے اس فرمان پر کہاں تک ایمان لانے کے لیے تیار ہوتے ہیں؟ ایک عجیب و غریب اعتراض بھی اس روایت پر سن لیں۔ جو شیعوں کے محقق طوسی نے اپنی کتاب تلخیص الشافی میں لکھ دیا ہے کہ اس روایت بیشک ائمہ کرام سے ہے مگر اس کے راوی ایک ایک ہیں۔ اس لیے اس پر اعتبار نہیں کرتا یعنی امام جعفر صادق صاحب اپنے والد امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں اور صرف امام محمد باقر صاحب اپنے والد امام زین العابدین سے روایت کرتے ہیں اور صرف زین العابدین اس روایت کو حضرت علی سے بیان فرماتے ہیں لہذا یہ خبر اعداد و زنا قابل اعتبار الشیعہ ہے مگر غالباً یہ کہنا بھول گیا کہ صرف حضرت علی غفلتے راشدین کو امام المہدی شیخ الاسلام اور مقتدائے پیشوا کہہ رہے ہیں اور صرف وہی ان کو پیار سے فرما رہے ہیں لہذا اس پر کیا اعتبار ؟

مگر ہم شیعوں کی تسلی کے لیے چودہ (۱۴) آدمیوں سے بیک وقت روایت پیش کرتے ہیں جو کتاب الشافی جلد دوم ص ۲۸ مطبوعہ نجف اشرف میں موجود ہے ان علیا علیہ السلام قال فی خطبۃ خیر ہذا الامۃ بعد نبیہا ابو بکر و عمرو فی بعض الاخبار انہ علیہ السلام خطب بذالک بعد ما انہی الیہ ان رجلاً تناول ابابکر و عمرو بالشیمۃ فدعی بہ و تقدم بعقوبۃ بعد ان شہدوا علیہ بذالک۔

یعنی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضور کی تمام امت سے افضل ابو بکر اور عمر ہیں، بعض روایتوں میں واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ حضرت شیر خدا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اطلاع پہنچی کہ ایک شخص نے (غالباً کسی شیعہ نے) حضرت ابو بکر (صدیق) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شاہاں میں سب بکا ہے۔ جس پر

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بلایا اور اس کے سبب یکنے پر شہادت ۔
 طلب فرمائی (یعنی باقاعدہ مقدمہ چلایا) اور شہادت گزرنے کے بعد اپنے دست
 بیدری کے ساتھ اس کو واصل جہنم فرمایا اور مبتلا عقوبت گردانا (شافی و تخیص الشافی
 جلد دوم ص ۴۲۸)

تتزیہ ہلالا مایہ از محمد حسین ڈھکو صاحب

کچھ کتاب شافی کے متعلق :- یہ کتاب فن مناظرہ اور مسئلہ
 امامت پر ہے، مسئلہ امامت پر قاضی عبدالجبار کی معرکہ الار کتاب
 "المفتی" کا محققانہ اور شافی و کافی جواب ہے جناب سید نے قاضی اور
 اپنے کلام میں امتیاز کرنے کے لیے قال اور اقول کی اصطلاح مقرر کی ہے
 قاضی کا کلام قال سے نقل کرتے ہیں اور اپنے کلام کا آغاز اقول سے
 کرتے ہیں۔ تمام مناظرین اہل السنۃ بالمعوم اور ہدایت خلق اور
 شیخ الاسلامی کے دعوے دار پیر سیالوی کی بالمخصوص یہ عادت شریفہ
 ہے کہ جہاں قاضی عبدالجبار کی کلام درج ہوتی ہے نقل کر دیتے ہیں۔
 اور پھر یہ ڈھنڈہ دراپٹتے ہیں کہ شیعہ کی معتبر ترین کتاب میں اصحاب ثلاثہ
 کی مدح لکھی ہوئی ہے۔

سہ نالائقہ سرگرمیاں ہے اسے کیا کیے (محض از ص ۱۷)

وہ روایت جس کو اہل السنۃ جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ
 سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آباء کرام کے سلسلہ سند سے رقاۃ
 کی ہے کہ اسد اللہ الثالث نے اللہ تعالیٰ سے ان اعمال صالحہ کی مانند
 اعمال صالحہ طلب کیے اور اس قسم کی صلاح و بہتری جو خلفاء راشدین کو عطا
 فرمائی تھی اور مسائل کے سوال پر کہ وہ کون ہیں تو آپ نے ابو بکر صدیق
 رضی اللہ عنہ، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی منقبت اور مدح و ثناء بیان

اور بتلایا کہ میری مراد غلقاء و راشدین سے وہ حضرات تھے تو یہ بات عجائب
روزگار سے ہے کہ یہ بات وہ امیر المؤمنین فرمائیں جو ہمیشہ اس کے خلاف
ارشاد فرماتے رہے ہیں یعنی اپنی مظلومی اور ان کے ظلم و ستم کا کھلم کھلا شکوہ
کرتے رہے ہیں۔

(۲) چنانچہ ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ جناب نے بارگاہ ایزدی
میں شکوہ شکایت کرتے ہوئے کہا یا اللہ میں قبری بارگاہ میں قریش کی
شکایت کرتا ہوں۔

(ب) آپ نے فرمایا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا
ہے میں برابر مظلوم رہا ہوں۔

(ج) زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ نے
فرمایا لوگوں نے ابو بکر کو بہت کڑی حالانکہ جس طرح مجھے اپنی قمیص میں تعریف
کا حق ہے اس سے زیادہ مجھے خلافت کا حق حاصل تھا لیکن بوجہ میں نے
اپنا غمہ پیا اور اپنے امر کا انتظار کیا۔

اس بیان سے ناظرین پر یہ بات روز روشن کی طرح عیان ہو گئی کہ
یہ روایت بطریق اہل سنت مروی ہیں اور وہ بھی بنا بر قواعد روایت و درایت
موضوع و مجموع ہے۔ (رسالہ تنزیہ الامامین ص ۷۶، ۷۷، ۷۸)

الجواب وهو المملہم للصدق والصواب تحفہ حسنیہ

جواب اول و علامہ ڈکٹر صاحب نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے پیش
کردہ دلائل جن کا تعلق پنج البلاغہ یا شرح ابن تیمیہ وغیرہ سے تھا انکے جوابات
توسرے سے دیے ہی نہیں اور اپنی ساری توانائیاں زیادہ تر ان تینوں کتابوں
کے حوالہ جات کے جوابات پر صرف کی ہیں۔ ناسخ التواتر بخ، کشف الغمہ اور
شافی و تلخیص الشافعی، جن کا لب لباب یہ ہے کہ یہ اہل سنت کی روایات۔

ہیں اور اس میں دھوکہ کیا گیا ہے مجلس سازی کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ کشف الغمہ کے مؤلف نے واضح کر دیا کہ میں وہی روایات ذکر کروں گا جو فریقین کے نزدیک مسلم ہوں گی اور اہل سنت کی کتابوں کا حوالہ اس لیے دوں گا تاکہ کتاب زیادہ قابل قبول ہو سکے اور جب ہمارا فریق مخالف بھی ایک حقیقت کو تسلیم کرتا ہو تو اس کی حقانیت مزید واضح اور مستحکم ہو جائے گی اور صاحب ناسخ التواریخ نے بھی تصریح کی ہے کہ میں فریقین کی متفق علیہ روایات ذکر کروں گا اور جو روایات ہمارے مسلک کے خلاف ہوں گی میں ان کی نشاندہی بھی کروں گا اور شیعی نقطہ نظر بھی وہاں پر واضح کروں گا

لیکن ڈھکوا صاحب نے لاطمی میں یاد دھوکہ دینے کے لیے وہاں بھی بار بار یہی رٹ لگائی ہے کہ یہ روایات سنی کتب سے لی گئی ہیں اور وہاں ماخذ کی نشاندہی کر دی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ نہ سوچا کہ آخر ان روایات کے ذکر کرنے کا مقصد کیا تھا اور خود مصنفین نے بھی اس کی کوئی وجہ بیان کی ہے یا نہیں؟ اور جب مؤلف و مصنف شیعہ ہے تو اہل سنت کی کتابوں سے روایات درج کرنے کا جواز کیا ہے؟ اور ان سے مؤلف کون سا مقصد کرنا چاہتا ہے؟ وہی شہور و شغب اور داد و فریاد بیاں بھی ہے کہ یہاں پر اہل سنت کی روایات کو رد کرنے کے لیے نقل کیا گیا ہے اور پیر صاحب نے جہاں قاضی القضاہ عبد الجبار کی کتاب المنہج کی عبارت درج کی گئی تھی وہاں سے حوالہ جات درج کر دیے ہیں۔ اور اس طرح گویا اپنی روایات کو شیعہ کے خلاف پیش کر دیا ہے جو نہ الزام و بدل قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ تحقیق و برہان لیکن حقیقت حال اس سے مختلف ہے اور ڈھکوا صاحب نے صرف جان چھڑانے کے لیے بہانہ سازی اور حیلہ گری سے کام لیا ہے۔ قاضی عبد الجبار نے جو روایات ذکر کی تھیں وہ اس حیثیت سے نہیں کہ محض اہل سنت اس کے قائل ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ فرقہ اسلامیہ (جن میں شیعہ کے مختلف گروہ بھی

شامل ہیں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کرام کے فضائل کے ساتھ ساتھ ان معصین اسلام اور مقتدایان انام کے فضائل و کمالات بھی بیان کئے ہیں لہذا ان کو نظر انداز کر کے کوئی نظریہ قائم کرنے اور عقیدہ اپنانے کی بجائے ان کو سامنے رکھ کر نصب العین کا تعین ضروری ہے۔ اگر یہ روایات صرف اور صرف اہل سنت کی طرف سے مروی ہوتیں تو صاحب شافعی کی طرف سے شیعی روایات درج کر کے جواب دینا انتہائی لغو اور بیہودہ حرکت ہو کر رہ جائے گا خود دیکھو صاحب نے شافعی سے علم المرتضیٰ کی نقل کردہ تین روایات ذکر کی ہیں تو اہل سنت کی روایات کا جواب شیعی روایات سے دیتا بھی اصول مناظرہ کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ برہانی مقدمات اور واقعی دلائل کے علاوہ صرف وہ حوالہ جات پیش کئے جاسکتے ہیں جو عند الختم مسلم ہوں اور شیعی روایات نہ اہل سنت کے خلاف بطور الزام اور جبریل پیش ہو سکتی ہیں اور نہ تحقیقی اور برہانی قیاس کے طور پر، جس سے صاف ظاہر ہے کہ خود علم المرتضیٰ کو ان روایات کا شیعی کتب میں موجود ہونا تسلیم ہے اور ان کے معنی و مفہوم پر مشتمل روایات کا شیعی کتب میں مذکور ہونا۔

علاوہ ازیں ہم انشاء اللہ ہر روایت کے متعلق صریح الفاظ یا اس کا معنی و مفہوم شیعی کتب کے حوالے سے بھی بیان کریں گے اور ظاہر ہے کہ اعتبار معانی و مفہوم کا ہوتا ہے نہ کہ صرف الفاظ و حروف کا، قرآن مجید میں ایک ہی واقعہ میں پیغمبران کرام اور ان کے مخالفین کے درمیان ہونے والی گفتگو کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے جہاں الفاظ و حروف کے تفاوت کے باوجود معنی و مفہوم کا اتحاد برقرار ہے لہذا واضح ہو گیا کہ اصول مناظرہ کے تحت مد مقابل اور ختم صرف الفاظ دکھانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا بلکہ صرف اور صرف اس معنی و مفہوم کے اثبات کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس لئے دیکھو صاحب کو یہ دکھانا چاہیئے تھا کہ ایسی کوئی روایت ہماری کتب میں موجود نہیں جو اس معنی و مفہوم پر دلالت کرے یوں تو دیکھو صاحب

بھی رسالہ مذہب شیعہ کی عبارت نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ تو کوئی شخص مذہب شیعہ کے حوالہ سے روایت پیش کرے تو کیا یہ کہنا کافی ہوگا کہ یہ کتاب تو پیر صاحب سیالوی سنی کی لکھی ہوئی ہے اس کا حوالہ کیسے دیا جاسکتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ جواب دیتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ وہ صرف جان چھڑانے کی کوشش کر رہا ہے اور تحقیقی جواب سے عاجز اور قاصر ہے اور ڈھکوسل صاحب کا عجز بھی واضح ہے کہ یہاں یہی مضمون اور مفہوم پنج البلاغہ وغیرہ کی عبارات سے پیش کیا گیا تو جناب نے سرے سے ان کا جواب ہی نہیں دیا اور یوں خاموشی سے گزر گئے کہ گویا ان حوالہ جات کا ذکر ہی نہیں تھا۔

روایات خیریت و فضیلت کی صحت کا اعتراف

علامہ ڈھکوسل صاحب نے شافعی اور تلخیص شافعی کا پوری طرح مطالعہ کیے بغیر وادیا اور شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ روایات اہل السنۃ کی ہیں اگر ان کو اپنی کتابوں کے مطالبہ کی توفیق ہوتی تو انہیں یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہتا کہ از روئے روایت بھی اجماعی محنت اور درستگی تسلیم کرنی ضروری ہے اور از روئے روایت بھی (۱) — صاحب شافعی علم الہدی صاحب نے کہا۔

روی عون بن ابی جحیفۃ قال سمعت علیاً رضی اللہ عنہ
 اذاخذتکم عن رسول اللہ فلان اخر من السماء فتخطفنی
 الطیر احب الی من ان اقول قال رسول اللہ ولم یقل واذا
 حدثتکم عن نفسی فانی محارب مکابدان اللہ قضی
 علی لسان نبیکم ان الحرب خدعة الا ان خیرھذا الامة بعد نبیہا
 ابو بکر و عمر و شئت لسمیت الثالث (شافعی ص ۳۰) وکذا تلخیص للشافعی ص ۳۰
 عون بن ابی جحیفہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

کو فرماتے ہوئے سنا جب میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کروں تو میں البتہ آسمان سے گہ پڑوں تو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں آپ کی نہ فرمائی ہوئی بات کے متعلق کہوں کہ آپ نے یوں فرمایا اور جب میں تمہیں اپنے طور پر کوئی بات کہوں تو حرب و قتال میں مصروف ہوں اور کید و مکر اور محقق تدابیر سے کام لینے والا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ قول جاری فرمایا ہے شک جنگ و صو کہ ہے (اور اس میں خداع اور مکر جائز ہے) غور سے سنو بے شک اس امت سے افضل اور بہتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر اور عمر ہیں اور اگر میں چاہوں تو میری شخصیت کا نام بھی گنوا دوں۔

اس روایت کو صاحب شافعی اور تلمیذ دو دنوں نے ذکر کیا اور اپنے اسناد کے ساتھ اور اس کی محنت کو بھی تسلیم کیا بلکہ اس کو بطور محبت اور دلیل پیش کیا ہے اور غیر ثابت اور غیر محقق بلکہ موضوع اور من گھڑت روایت سے محبت اور دلیل پیش کرنے کا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا جس سے صاف ظاہر کہ یہ روایت عند الشیوخ بالکل صحیح ہے اور موثوق بہ

شیعوہ کی فریب کاری:

لیکن شیعوہ صاحبان اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے الفاظ یہ ضرور کہے لیکن آپ ان کے معانی و مفاد ہم کے قائل اور مقتد نہیں تھے بلکہ آپ بطور مکر اور کید اور خداع کے ان کو استعمال کیا اور اپنے لشکریوں کو مطمئن کرنے کے لیے۔ کیونکہ ان کی عظیم اکثریت ابوبکر و عمر کی امامت بلکہ افضلیت کی نہایت تھی تو کہیں وہ بدمن ہو کر ساتھ چھوڑ دیں لہذا ان کو اپنا ہمنوا بنائے رکھنے

کے لیے ایسے الفاظ زبان پر لاتے تھے۔ اور خطبات میں خلفاء سابقین کی مدح و ثناء فرما دیتے تھے۔ اور ان کو ساری امت سے افضل قرار دے دیتے تھے۔

وهذا الكلام يدل على انه على سبيل التعريض (الی) ومعلوم ان جمهور اصحابه وجلههم كانوا ممن يعتقد امامة من تقدم عليه وفيهم من يفضلهم على جميع الامة (شانی ص ۳۱، تلخیص ص ۳۲) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے بطور تعریض کے یہ کلمات زبان پر جاری فرمائے نہ کہ حقیقی معنی مراد ہونے کی حیثیت میں اور یہ حقیقت ہر ایک کو معلوم ہے کہ آپ کے ساتھیوں کی عظیم اکثریت ان لوگوں کی تھی جو پہلے خلفاء کی خلافت اور امامت کے معتقد تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو انہیں ساری امت پر فضیلت دیتے تھے۔

وقيل ان معاوية بث الرجال في الشام يخبرون عنه عليه السلام بأنه يتبرأ من المتقدمين عليه وأنه شرك في دم عثمان لينفبر الناس عنه ويصرف وجوه أكثر اصحابه عن نصرته فلا ينكر ان يكون قال ذلك اطفال لهذه ^{الناطقة} تلخيص الشافعي ص ۳۰ و شافعي ص ۱۷۶ اور تحقیق یہ کہا گیا ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے شام میں ایسے لوگوں کو پھیلا دیا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوگوں کو یہ خبر دیتے تھے کہ یہ مقتدین خلفاء سے براہت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ حضرت عثمان کے خون میں شریک ہیں تاکہ لوگوں کو آپ سے متنفر اور بیزار کریں اور آپ کے ساتھیوں کی اکثریت کو آپ کی امداد و نصرت سے باز رکھیں لہذا اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے ایسے کلمات زبان پر جاری فرمائے ہوں تاکہ اس آگ کو بجھا سکیں۔

الحاصل یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ اس قسم کی روایات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ امیر معاویہؓ لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ یہ خلفاء سابقین کی عظمت و رفعت کے قائل نہیں بلکہ ان سے برات کے قائل ہیں اور آپؐ پر ایکنڈے اور افواہ کو بے اثر کرنے کے لیے اور اس فتز کی آگ کو بجھانے کے لیے اس طرح کے ارشاد فرماتے تھے اس لیے ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا تو جب ڈھکوماحب کے اسلاف تسلیم کر رہے ہیں کہ ایسے کلمات مدح و ثنا اور عظمت و رفعت خلفاء کے خطبے حضرت امیر المؤمنینؓ دیا کرتے تھے تو پھر شور و غل اور دایلا کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے

اہل السنۃ اور اہل تشیع میں فرق :

اس مضمون کی روایات اصول روایت اور روایت دونوں لحاظ سے صحیح اور درست ثابت ہو گئیں مگر فرق صرف یہ رہ گیا کہ اہل السنۃ کے نزدیک جو کچھ آپؐ زبان سے فرماتے تھے وہی آپؐ کا عقیدہ و نظریہ بھی تھا اور آپؐ کا دل اور زبان اس معاملہ میں باہم متفق اور متحد تھے لیکن شیعہ حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف رعایا اور لشکریوں کو بے خوف بنانے کے لیے اور امیر معاویہؓ کے افشاء رائے سے گھبرا کر اور لشکریوں کے چھوڑ جانے کے ڈر اور خوف و اندیشہ کی وجہ سے محض زبانی و زبانی اس طرح کے خطبے دیا کرتے تھے اور دلوں سے ان کے معتقد و معترف نہیں تھے گویا امیر معاویہؓ یہ سچ کہتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھوٹ بولتے تھے البیاض باشد

تاریخین کرام صحیح حقیقت کے مروج ہونے کے بعد ڈھکوماحب کے ٹٹاتے چراغ کذب کے بجائے اکوئی اخلاقی، عقلی اور شرعی جواز رہ جاتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کا تبصرہ

شانی پر اپنے قلمی حاشیہ میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا۔

عد هذا الكلام من المكائد الى) ابعد من الدراية لأن الاعلان على المنبر بانى اكيد فى كل ما اقول لا يتأتى عن جاهل فضلا عن باب مدينة العلم كرم الله وجهه لأن بهذا الاعلان على المنبر يرتفع الأمان عن قوله كائنا ما كان ولا يعتمد على ما قاله احد على ان الكائد قد ضاع كيدة بمثل هذا الاعلان لان الكيد لا يكون الا باخفاء امر و ابراز خلافه فمن اعلن بانى اكيد فى كل ما احدث فكيف يعتمد على قوله وكيف يفوز بكيدة لا سيما اذا كان اميرا و اعلن على المنبر الى) والله ان سيدنا عليا كرم الله وجهه الشريف ابرأ الناس مما يقول الظالمون. حضرت على المرتضى رضى الله عنه کے کلام کو مکائد سے شمار کرنا نقلی دلائل کے خلاف ہوتے کے علاوہ) درایت اور عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ آپ کا منبر شریف پر بیٹھ کر اعلان کرنا کہ میں جو کچھ اپنی طرف سے کہتا ہوں تو اس میں کید اور مکر سے کام لیتا ہوں کسی جاہل ترین آدمی سے بھی متوقع نہیں ہو سکتا چہ چائیکہ باب مدیرۃ العلم سے کیونکہ منبر پر ایسے اعلان کرنے سے آپ کے اقوال پر سے اعتماد اٹھ جائے گا خواہ جیسے اقوال بھی ہوں رد و مردوں کی مدح و ثنا میں ہوں یا اپنی تعریف و توصیف میں یا مخالفین کی مذمت میں) اور اس طرح کوئی بھی آپ کے ارشادات کے ظاہری معنی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

علاوہ ازیں جب کید اور مکر کرنے والا خود ہی کہہ دے کہ میرا کلام کید اور مکر پر مبنی ہے تو کید اور مکر ہی ختم ہو کر رہ گیا کیونکہ کید اور مکر کا دار و مدار اس پر ہے کہ مراد کو مخفی رکھا جائے اور خلاف مقصود کو ظاہر کیا جائے اور جب برہم نیرا میر وقت اپنے عساکر اور رعایا کے سامنے کہہ دے۔ میرا ذاتی کلام جو بھی ہو گا میں اس میں مکر اور خداع سے کام

سے رہا ہوں گا، اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوگا تو اس کے کلام کو
ظاہری معنی پر محمول کون کرے گا اور اس کلام کا فائدہ کیا ہوگا اور اس
میں کس کو مغالطہ کا شکار کیا جاسکے گا لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ
ظالموں کے ایسے اقوال سے بہت ہی دور اور منزہ رہے ہیں۔

اقول :- مقصد آپ کا یہ تھا کہ کس طرح امیر معاویہ نے میرے دل کی بات اور اصلی
عقیدہ کو جو ظاہر کر دیا ہے اس پر پردہ ڈالا جاسکے اور اس پردہ داری کی کوشش کرتے
ہوئے خود ہی پردہ درہی کر دی اور اپنا اصلی عقیدہ ظاہر کر دیا کہ میں ان کی تعریف مختص
دکھلا دے کے لیے کرتا ہوں اور مغالطہ دینے کے لیے، تو اس پردہ داری نے اللہ
آپ کے راز کو ناش کر دیا اور امیر معاویہ کے پیچھے چار کو میچ اور درست ثابت کر
دیا اور کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی معدن علم و حکمت اور مرقع دانش و نبش ہستی
کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایسی نامناسب اور ناموزوں حرکت کریں۔

عجیبہ :- حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر اہل بیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بالعموم
اور شیخین رضی اللہ عنہما کی بالخصوص تعریف و توصیف فرمادیں تو شیعہ صاحبان کہتے ہیں
دھوکہ اور مغالطہ دینے کے لیے ہے تاکہ لشکرِ سائنہ نہ چھوڑ دے کیا ایسے حربے خالص
دنیا دار اور دنیا کا طالب مردارِ خور کر سکتا ہے یا دین اور شریعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ترویج و اشاعت کے لیے مردِ مہر کی بازی لگانے والے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ”لَا يَخَافُونَ يُومَةَ لَأْتَمُّ“ کہ وہ اشاعتِ دین اور اس کی تنفیذ میں کسی ملامت
کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے اور کلمہ حق کہنے اور اس کو
نافذ کرنے میں ذرہ بھر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے جن کی شان ہے ”تأمرون بالمعروف
و تنہون عن المنکر“ کہ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو مگر شیعہ صاحبان
کہتے ہیں نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکریوں کو غلط عقائد و نظریات پر
برقرار رکھا بلکہ انہیں مغالطہ دیتے ہوئے ان کی مرضی کے مطابق خطبات دیتے
رہے اور فضائلِ شیخین بیان کرتے رہے تو کیا ان دوستِ نما دشمنوں نے

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان صفات کمال سے عاری اور محروم نہیں ثابت کر دکھلایا اور ان کو عام امتی کی صفات سے خالی ثابت کر دیا چہ جائیکہ ان کو امامت اور قیادت کی اہلیت کا مالک ثابت کریں گویا بقول ان کے آپ کا مطلع نظر صرف اور صرف یہ تھا کہ حکومت میرے قبضے میں رہے خواہ میری رعیت اور لشکری جہنم واصل کیوں نہ ہوں۔

۵ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

مقام حیرت : اگر کسی کے حق میں ائمہ کرام فرمادیں وہ کذاب و دربال ہے۔ اور یہود و مجوس سے بدتر ہے اور مشرک و کافر ہے تو شیعہ صاحبان کہتے ہیں نہیں وہ کامل مؤمن اور مخلص شیعہ ہے اور آپ نے صرف اس کی جان بچانے کے لیے اور دشمنان شیعہ سے اس کو تحفظ دینے کے لیے یہ کلمات مذمت اور الفاظ تحقیر و تذلیل استعمال کیے ہیں اور اگر کسی کی تعریف فرمادیں تو کہتے ہیں یہ ان کا عقیدہ نہیں صرف لوگوں کو سنانے اور اپنے ساتھ شامل رکھنے اور ہموا بنانے کے لیے بظاہر ایسے تعریفی کلمات کہہ دیے ہیں تو اس صورت میں کیا ائمہ کرام کی مذمت کا یا مدح و ثنا کا کوئی اعتبار ہو سکتا ہے اور ان کی کوئی بات قابل قبول ہو سکتی ہے؟ کیا ہادیان ملت اور مقتدایان انام اور معدنہائے رشد و ہدایت کا یہی حال ہوا کرتا ہے یہی وہ الزام تراشیاں اور بہتان بازیاں نہیں جن کو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے جوتے کی نوک سے ٹھکرا دیا اور اپنے خون سے کربلا کے رگڑا پر وہ امنٹ نقوش تحریر کئے جو رہتی دنیا تک ان کی حق گوئی و بیباکی کے شامد صادق رہیں گے اور ان کے رد باہی صفات اور رد ذیل اخلاق سے میرا و منزعہ ہونے کی دلیل ناطق اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

حدیث: بخبریں ہے کہ بازمانہ بھار

زمانہ ماتون ساز تو بازمانہ ستیز

لہذا ہم تو ائمہ اہل بیت اور علی الخصوص حضرت ابوالائمہ شہید فدا رضی اللہ عنہ

کو اس بے خبرانہ حدیث پر عمل پیرا تسلیم نہیں کرتے نہ ہمارا ضمیر اس کی اجازت دیتا ہے اور اگر کسی بے ضمیر کا ضمیر اس امر کی اجازت دیتا ہے تو وہ جانے اور اس کا کام۔

الغرض ہم یہ بانگ دہل کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو مذہب اور عقیدہ ظاہر فرمایا اور جس پر علانیہ عمل پیرا رہا ہے اور جس کا بر ملا اعلان اور اظہار فرماتے رہے وہ یہی اہل سنت والا مذہب تھا نہ کہ اہل تشیع والا اور ہم ظاہر کو ہی جان سکتے ہیں دلوں کی حالت کو صرف علیم بذات الصدور ہی جانتا ہے اور شریعت کا دار و مدار ہی ظاہر پر ہے لہذا اہل سنت کا مذہب بھی برحق ہے اور جو کچھ شافعی اور تخمیں سے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے مدح و ثناء شیخین کی نقل فرمائی اس کا ثابت اور محقق ہونا بھی واضح ہو گیا۔ والحمد للہ علی وضوح الحق۔

مدح شیخین بنیال معدن ولایت

اسی مضمون کی روایت یحییٰ بن حمزہ زیدی شیعوں کی کتاب الحواقیح الحامد فی مباحث الامام سے معروف قدمت ہے۔

عن سوید بن غفلة انه قال مررت بقوم ينتقصون ابا بكر وعمر رضي الله عنهما فاخبرت عليا وقلت لولا انهم يرون انك تفر ما اعلنوا ما اجترؤا على ذلك منهم عبد الله بن سبا وكان اول من اظهر ذلك فقال علي اعوذ بالله رجبهما الله ثم نهض واخذ بيدي وادخلني المسجد فصعد المنبر ثم قبض على لحيته وهي بيضاء فجعلت دموعه يتحادر على لحيته وجعل ينظر البقاء حتى اجتمع الناس ثم خطب فقال ما بال اقوام يذكرون اخوي رسول الله صلى الله عليه وسلم ووزيره وصاحبيه وسيدى قریش وأبوى المسلمين

وَأَنَا بَرِيٌّ مِمَّا يَذْكُرُونَ وَعَلَيْهِ مَعَاقِبُ صَحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 بِالْجِدِّ وَالْوَفَاءِ وَالْجِدِّ فِي أَمْرِ اللَّهِ يَا مَعْرَاتُ وَنِيَهْيَانُ وَيَعَاقِبَانِ لَا يَرَى
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَامِيَهُمَا رَأْيًا وَلَا يَحِبُّ كَيْفَهُمَا حُبًّا لِمَا يَرَى
 مِنْ عَزَمِهِمَا فِي أَمْرِ اللَّهِ فَقَبْضُ وَهُوَ عَنْهُمَا رَاضٍ وَالْمُسْلِمُونَ رَاضُونَ فَمَا
 تَجَاوَزَانِي أَمْرَهُمَا وَسَيَرْتَهُمَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرَهُ
 فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَمَاتِهِ فَقَبْضًا عَلَى ذَلِكَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ
 وَبَرَأَ النَّسَمَةَ لَا يَحِبُّهُمَا إِلَّا مَوْسِمٌ فَاضِلٌ وَلَا يَبْغِضُهُمَا إِلَّا شَقِيٌّ مَارِقٌ وَ
 جَهْمًا قَرِيبَةً وَبِغْضِهِمَا مَرُوقٌ. إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ رَجُلًا تَحْفَظُ اثْنَا عَشْرَةَ صَبْرًا⁹⁹
 سُوَيْدُ بْنُ غَفْلَةَ سَمِعَ مَرُوقِيًّا هُوَ كَمَا مَرَّ رَأْسِي قَوْمٍ بِرَبِيعٍ جَوَابُ بَكْرٍ وَغَمْرٍ
 رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَيْ تَقْبِضَ شَانُ أَوْ تَخْفِرَ كَرَسٍ تَحْتَهُ فِي نَسِ اسْمِ كِي
 الْمَلَأَ حَضْرَتِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كُودِي أَوْ سَاخَتْ هِيَ يَهْ بِمِ عَرْضِ كِيَا كِي
 أَكْثَرُ انْ كَا عَقِيدَةٍ يَهْ نَهْ هُوَ تَا كِي حَضْرَتِ عَلِيٍّ كَا أَصْلِي أَوْ قَبْلِي عَقِيدَةٍ بِمِ يَهْ
 جَسْ كُودَةٍ لَمْ يَكُنْ رَسٍ هِيَ تُوْهَ اسْمِ طَرَحِ كِي جَرَاتٍ أَوْ حَسَارَتِ
 نَهْ كَرْتِ أَوْ رَانِ مِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بِنِ سَبَا بِمِ تَخَا أَوْ رُوْهِي بِمَا شَخْصِ تَخَا جَسْ
 نَهْ اسْمِ كَا اِعْلَانِ أَوْ رَا لِي كِيَا تَخَا تُوْ حَضْرَتِ عَلِيٍّ نَهْ فَرَا يَاهِ اسْمِ
 عَقِيدَةٍ سَمِ اللَّهِ كِي پَنَاهِ نَا كَتَا هُوْ. اللَّهُ تَعَالَى ابُو بَكْرٍ وَغَمْرٌ بِرَحْمِ فَرَا تِ
 بِمِ رَا پِ اسْمِ مِ رَا هَا تَهْ بِكُرَا أَوْ رَجِي مَسْجِدِ مِ سَمِ سَمِ بِمِ رَا تَشْرِيفِ
 فَرَا هُوْ. بِمِ رَا پِي دَا رِي مَبَارَكِ كُوَا پِنِ لَمْ تَهْ سَمِ بِكُرَا أَوْ
 وَهْ سَفِيدِ تَقِي أَوْ رَا سَمِ دُورَانِ آ پِ كِي أَنْكُورِ سَمِ أَنْسُورِ كِي هُطْرِي
 لَكِ كِي أَوْ رُوْهْ دَا رِي مَبَارَكِ بِرِ كَرْنِ لَكِ أَوْ رَا پِ أَوْ رَا دَرِ
 زَمِينِ بِرَا پِي نَا هُوْ كُوْ بِمِ رَسٍ تَحْتِ كِي كُوْ جَمْعِ هُوْ كَتِ. تُو
 آ پِ نَهْ خُطْبَةٍ دِيَا أَوْ فَرَا يَاهِ انْ لُوْ كُوْ كَا كِيَا مَالِ هِيَ جُوْ رَسُوْلِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي دُوْ مَجَاثِيُوْ. آ پِ كِي دُرُوْزِيُوْ، سَا تَحِيُوْ

قریش کے سرداروں اور اہل اسلام کے ابوبین یعنی باپوں کو دربرائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں میں اس سے بری ہوں جس کا وہ ذکر کرتے ہیں اور میں اس حرکت پر متزادوں گا ان دونوں حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق محبت پوری محنت کوشش اور وفاداری کے ساتھ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کے امر میں جدوجہد کا حق ادا کیا، وہ امر وہی فرماتے قضا اور حدود و تقریرات قائم کرتے تھے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے کی طرح کسی کی رائے کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور نہ کسی محبوب اور پیاری شخصیت کو ان کی مانند محبوب رکھتے تھے بسبب اس عزم اور مٹنگی کے جو ان میں اللہ تعالیٰ کے امر کے متعلق ملاحظہ فرماتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ ان دونوں سے راضی تھے اور اہل اسلام بھی راضی تھے تو انہوں نے اپنے امور میں اور سیرت و کردار میں نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور نظریہ سے تجاوز کیا اور نہ ہی آپ کے امر سے آپ کی حیات میں اور نہ آپ کے وصال کے بعد اور اسی حالت میں وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت فرمائے۔

مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس نے دانہ کو پھاڑا اور پودے کو اگایا اور نفس انسانی کو تخلیق فرمایا۔ ان دونوں سے محبت نہیں رکھتا مگر مؤمن کامل اور ان سے بغض نہیں رکھتا مگر اذلی بد بخت اور دین سے دور ہونے والا۔ ان کی محبت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اور ان کا بغض دین سے امراض اور خروج کا موجب ہے۔

اس روایت نے جو زیدی شیعہ کے خوالہ سے منقول ہے ان حضرات کی عظمت شان کو اور ان کے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ نظریہ کو ہر تہذیب کی طرح واضح کر دیا اور یہ حقیقت بھی کھل گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پالیسی

اور زمانہ سازی سے بالکل بری تھے۔ یہ صرف عبداللہ بن سبا کی سازش اور اس کے دجل اور مکر و فریب کا کرشمہ ہے اور اس کے پیچھے چانٹوں کا ورنہ حضرات ائمہ۔ اس قسم کے الزامات سے بالکل مبرا و متبرہ ہیں اور نہ ہی ایسے امور ان کے شایان شان ہیں۔

اور شافی و تلخیص شافی سے نقل کردہ ان روایات کی تائید و تصدیق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے شیخین رضی اللہ عنہما کے حق میں فرمایا۔ لعمری ان مکانہما فی الاسلام لعظیم وان المصائب بہما لجرح فی الاسلام شدید (شرح ابن میثم جلد ۱ ص ۳۶۲)۔

(شرح ابن میثم جلد نمبر ۴ ص ۲۶۲) مجھے اپنے خالق حیات و زیست کی قسم۔ ان دونوں حضرات کا مرتبہ و مقام اسلام میں بہت عظیم ہے اور ان کا دجال اسلام کے لیے شدید اور گہرا اور نہ منہل ہونے والا زخم ہے، اور امیر معاویہ کے اس نظریہ کی رکن اہل اسلام میں سب سے افضل ابو بکر ہیں اور پھر عمر، تصدیق کرتے ہوئے فرمایا۔ وکان افضلہم فی الاسلام کما زعمت وانصہم للہ ولسولہ الخلیفۃ الصدیق و خلیفۃ الخلیفۃ الفاروق (شرح ابن میثم جلد ۱ ص ۳۶۲)۔

(شرح ابن میثم جلد نمبر ۴ ص ۲۶۲) کہ اسلام میں سب سے افضل ابو بکر ہیں جیسے کہ تو نے کہا اور سب سے زیادہ غلص اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلیفہ صدیق ہیں اور پھر ان کے خلیفہ عمر۔ پھر انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا۔ یرحمہما اللہ وجزاہما یا حسنہ اعمال اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں ان کے اچھے اعمال کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس دعوے اور اس تفصیل کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب کچھ مسلم جو تو نے ذکر کیا۔ مگر تیرا میرے سامنے ان امور کو ذکر کرنے کا کیا جواز ہے۔ ہاتھ صدیق سے کیا نسبت۔ انہوں نے تو ہمارے حق کی تصدیق کی اور اسے ثابت کیا اور ہمارے دشمنوں کے باطل کو باطل اور زیست و نابود کیا

اور تجھے فاروق سے کیا نسبت، فاروق نے تو ہمارے دشمنوں اور ہمارے درمیان
تفریق کی۔

وما انت والصدیق فالصدیق من صدق یحقنا وابطل
باطل عدونا وما انت والقاروق، قالقاروق من فرق بیننا
وبین اعدائنا۔ (ص: ۳۶۲ - ج ۴)

جب کہ اپنے متعلق ارشاد فرمایا، لعمری ما کنت الا رجلاً من المهاجرین
اور دت کما اور دوا وصدرت کما صدر وواو ما کان اللہ لیجمعہم علی ضلال
ولا یضربہم یعنی (جلد ۴ ص ۳۵۵) شرح ابن شیمم مجھے اپنی زندگی کی قسم
میں تو مهاجرین میں سے ایک غمخیز و غمناک تھا۔ جہاں وہ داخل ہوئے ہیں بھی داخل ہوا اور جہاں
سے وہ لوٹے ہیں بھی لوٹا اور اللہ تعالیٰ کے یہ شایان شان نہیں کہ ان کو گمراہی پر متفق کرے
اور نہ یہ کہ انہیں حق و صداقت کے مشاہدہ سے بے بہرہ اور اندھا کرے اس کے بعد
بھی کوئی شک و شبہ رہ سکتا ہے کہ آپ کا حضرات شیخین کے حق میں نظریہ عقیدہ کیا
تھا جب کہ ان کے مقام کو عظیم اور ان کے وصال کو اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان
قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو مهاجرین میں سے ایک عام فرد قرار دیتے ہیں جو
ان کے ساتھ موافق و مرافق ہے لہذا شافعی اور تلخیص الشافعی کی ان روایات کے
متعلق دعویٰ کرنا کہ یہ محض اہل السنہ کی روایات ہیں بالکل غلط ہے اور حقائق
سے آنکھیں بند کرنے کے مترادف اور جواب سے بجز اور بے بسی کا عملی اظہار۔

مذہب شیعوہ از شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

جناب ابوسفیان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کی پیشکش اور آپ کا جواب
وروی جعفر بن محمد عن ابیہ عن جیدہ علیہم السلام قال
لما استخلف ابوبکر جاء ابوسفیان فاستاذن علی علی علیہ السلام
قال البسط یدک ایا یعلک فواللہ لاملا تہا علی ابی فصیل خیلًا ورجلاً

فاتر وی عنہ علیہ السلام وقال ويحك ابا سفيان هذه من دواهيك
وقد اجتمع الناس على ابي بكر ما زلت تبغى الاسلام عوجا في الجاهيلة و
الاسلام والله ما ضل الاسلام شيئا الكتاب اثنا في جلد ۲ ص ۱۸۱ مطبوع نجف اشرف
امام جعفر صادق اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں اور وہ اپنے والد
سے روایت فرماتے ہیں اور وہ اپنے والد (امام زین العابدین رضی)
سے روایت فرماتے ہیں کہ جب (حضرت) ابو بکر (صدیق رضی) خلیفہ بنے
تو ابوسفیان نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مانری کی
اجازت چاہی (اور حاضر ہو کر) عرض کہ آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ سے
بیعت کرتا ہوں، خدا کی قسم، اس علاقہ کو سواروں اور پیدلوں سے
بھردوں گا (اگر حضور خوف کی وجہ سے خلافت کا اعلان نہیں فرما رہے
اور تقیہ خاموش ہیں) یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس
سے روگردانی فرمائی اور فرمایا کہ ابوسفیان تیرے لیے سخت افسوس
ہے یہ خیالات تیری تباہ کاریوں کی دلیل ہیں، حالانکہ ابو بکر (صدیق رضی)
کی خلافت پر صحابہ کا متفقہ اور اجماعی فیصلہ ہو چکا ہے تو تو ہمیشہ کفر
اور اسلام کی حالت میں فتنہ اور کبروی ہی تلاش کرتا رہا ہے۔ خدا
کی قسم (صدیق اکبر) ابو بکر کی خلافت کسی طرح بھی اسلام کے لیے
غیر مفید نہیں ہو سکتی اور تو تو ہمیشہ فتنہ باز ہی رہا ہے۔

لیجئے جناب یہ حدیث بھی امام عن امام عز فیکہ اس حدیث کی سند بھی تمام
ائمہ معصومین صادقین پر مشتمل ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ساتھ دوسرا شاہد
موجود نہیں در نہ شیعوں کے محقق موسیٰ اس پر ایمان لائے ہوتے کاش شیعوں
کا پیشوا اس بات پر ایمان رکھتا کہ ائمہ ہدی کے ارشاد سے زیادہ اور کوئی چیز
قابل یقین اور لائق اعتبار نہیں ہو سکتی اور ان کے ارشاد پر یقین کرنے کے لیے
کسی دوسری شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تحفہ حسینیہ

آیا بیعت خلافت کی پیشکش ابوسفیان کی طرف سے صرف اہل سنت کی روایت ہے ؟

علامہ ڈھکو صاحب نے یہاں بھی ساری شاعری صرف اس نکتہ پر صرف کر دی ہے کہ یہ روایت بھی قاضی عبدالجبار نے معنی میں نقل کی اور صاحب شافعی نے تو اس کا جواب دیا ہے لہذا یہ اہل تشیع کی روایت کس طرح بن گئی اور اسے ان کے خلاف پیش کرنے کا کیا مطلب ہے اور اپنی عبارت کو بے حیائی اور بے شرمی کا مرقع بنا دیا ہے اور کیوں نہ ہو ۔

اذ ایٹس الانسان طال لسانہ کسنور مغلوب یصول علی الکلب
جب انسان مایوس ہو جاتا ہے تو زبان درازی پر اتر آتا ہے جیسے
بلی عاجز آئے تو کتے پر حملہ آور ہو جاتی ہے ۔

(۱) — کوئی اس بھلے مانس سے پوچھے کہ قاضی عبدالجبار جو روایت معنی میں نقل کر دے وہ شیعہ کتب میں موجود نہیں ہو سکتی اور نہ وہ شیعہ روایت ہو سکتی ہے جب حقیقت یہ ہے کہ روایت متعدد شیعہ کتب میں موجود ہے اور نہج البلاغہ جیسی کتاب میں تو پھر اس شور و شر اور داویل کا مطلب کیا ۔ (ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مع شرح ابن مہیم جلد اول ص ۲۷۶)

لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخاطبہ العباس وابوسفیان
بن خربان یبایعہ بالخلافة ایہا الناس شقوا مواجر الفتن بسفن
النجاۃ وعرجوا عن طریق المناقرة وضعوا یتیمان المفاخرة ۶

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت عباسؓ نے اور جناب ابوسفیانؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کے لیے ہاتھ بڑھانے کو کہا تو آپؐ نے فرمایا اے لوگو فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں کے ساتھ

پھاڑو اور عبور کرو اور منافرت کا راستہ چھوڑ دو اور نبی و قبائلی فحز و تاز کے تاج سروں سے اتار بیٹھو۔ اور اس خطبہ کی شرح میں ابن شیم اور ابن ابی الحدید نے یہ تفصیلات بیان کی ہیں جو اس روایت میں موجود ہیں جو شافعی میں منقول ہے۔ لہذا اس روایت کو صرف یہ کہ کڑیال دینا کہ قاضی عبدالجبار نے نقل کی ہے اور مننی میں مرقوم ہے بالکل عجیب اور بے بسی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

(۲) — یہ کہہ کر اس روایت کی اہمیت کم کرنا کہ یہ صرف ابوسفیان کا خیال تھا اور وہ دشمن اسلام تھا اور وہ دار الخلافہ میں لڑائی کر دانا چاہتا تھا نہ اس کو ابوبکر سے دشمنی تھی اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی بلکہ وہ تو اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنا چاہتا تھا۔ تو آپ نے دشمن اسلام کی بیعت بڑی سازش کو ناکام کر کے اسلام کو تباہی سے بچالیا یہ بھی واقعات و حقائق کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس مشورہ میں حضرت عباس بھی شامل تھے اور حضرت زبیر بھی اور دیگر مہاجرین کی ایک جماعت بھی جیسے کہ ابن ابی الحدید نے ذکر کیا ہے۔ لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واشتغل علی علیہ السلام بغسله ودفنه وبويع ابوبکر خلا الزبير وابو سفیان وجماعة من المهاجرين بعلي وعباس رضی اللہ عنہما (رجالہ الراۃ وکلموا بکلام یقتضی الاستنہاض والتہیج ثم عبد اول من ۲۱۸) جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے غسل اور دفن میں مصروف ہو گئے اور ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی بیعت۔ خلافت کر لی گئی تو حضرت زبیر اور ابوسفیان اور مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے خلوت میں کلام کب صلاح و مشورہ کے لیے اور ایسا کلام کیا جو ابوبکر کی خلافت اور بیعت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور پہلی بچا دینے کا موجب تھا اور خود بیخ البلاغت سے مداح ثابت کہ حضرت عباس نے بھی یہی قول کیا لیکن

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کو منافرت کی راہ پر چلنے سے منع کیا اور نجات کی کشتیوں کے ذریعے ان فتنوں کی امواج کو بچھاڑنے اور عبور کرنے کا مشورہ دیا اور اپنی خلافت کو قبل از وقت کچا پھل توڑنے اور دوسروں کی زمین میں کھیتی کرنے کے مترادف قرار دیا جس سے صاف ظاہر واضح ہے کہ آپ مطلقاً حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف کوئی بھی اقدام کرنے کے مشورہ کو ناقابل قبول اور ناقابل عمل قرار دیتے تھے نہ محض اس لیے کہ مشورہ دینے والا ابوسفیان ہے اور اس کا اصلی مقصد میری محبت نہیں بلکہ اسلام کو ختم کرنا ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ مشورہ دینے میں تو بڑے بڑے اکابر اہل بیت اور صحابہ شامل تھے۔

(۳) — علاوہ انہی وہ کون سا محفوظ معصون اسلام تھا جس کو ابوسفیان کی سازش ناکام کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پچا لیا جب کہ تمہارا مذہب ہی یہ ہے "ارتد الناس الاثلاثۃ" تین اشخاص کے علاوہ بھی مرتد ہو گئے تو آپ نے نوحہ باشد ارتداد کا تحفظ کیا اور مرتدین کا یا اسلام کا اور اہل اسلام کا پیچ کہیے کونسی بات تمہاری سچی ہے۔

(۴) — نیز جناب کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عظیم اکثریت ان لوگوں کی تھی جو شیخین کی خلافت کو برحق جانتے تھے بلکہ ان کو افضل امت تسلیم کرتے تھے لہذا آپ ان کی دلوئی کے لیے اور ان کو ہنوا بنائے رکھنے کے لیے شیخین کی مدح و ثناء اور تعریف و توصیف فرما دیتے تھے اور اصل اسلام اور حقیقی دین جاری نہیں فرماتے تھے۔ تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ حصول خلافت کے لیے اور مخالفین کے ساتھ جوابی اقدام اور کارروائی کے لیے اگر اس وقت یہ سیاست اور حکمت عملی اپنائی جاسکتی تھی تو اس وقت اس سے مانع کیا تھا آپ ان کی امداد حاصل کر کے اس خلاف غاصبانہ کو ختم کر دیتے اور پھر ان کے ساتھ

نٹ لیتے اگر وہ طرز عمل درست تھا جو دوران خلافت اپنایا گیا تو وہ اس وقت درست کیوں نہیں تھا اور اگر اس وقت یہ چال اور حربہ اور خداع و مکر (نوذ باشد بزم عم شیعہ) درست نہیں تھا تو بعد میں کیوں درست ہو گیا۔ ہا تو اب رہا انکم ان کنتم صادقین

(۱۵) — قابل غور امر یہ ہے کہ جو خلافت نہیں دیتے وہ بھی مجرم اور جو ہر طرح کا تعاون کریں اور سواروں اور پیادوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی وادیوں کو بھر دینے کی پیشکش کریں وہ بھی مجرم تو یہ بلا فصل خلافت کسی کو حرم سے پاک رہنے بھی دیتی ہے یا سبھی کو مجرم اور گناہگار اور ظالم و غاصب ثابت کرنے کے لیے ہی اس کو فرض تسلیم کیا گیا ہے۔ حقیقت حال :- یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان حضرات کی اتباع و اطاعت اور ان کی متابعت و موافقت کا پابند کر دیا تھا اور آپ ان کی خلافت کو برحق سمجھتے تھے اس لیے آپ نے ایسی کسی تحریک کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ سختی سے ایسے لوگوں کو منع کر دیا جیسے کہ فرمایا۔ اذالمیشاق فی عنقی لغیری کما سیأتی .

ترجمہ صحیح ہے یا غلط :- ڈکٹو صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کے ترجمہ کو بھی ہدف تنقید بنایا اور کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد "ما زلت تبغی الاسلام عوجا فی الجاہلیۃ والاسلام واللہ ماضی الاسلام ذلک شیعۃ" کا مقصد یہ ہے کہ تو کفر و اسلام کی حالت میں کج روی اور رفتہ سامانی کرتا رہا ہے مگر تیری ان کارستانیوں نے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ وہ برابر پھیتا رہا اور پھیتا رہے گا۔ مگر مؤلف نے آخری جملے "ما ضر ذلک الاسلام شیعۃ" کا ترجمہ کیا ہے ۱۶ ابوبکر کی خلافت اسلام کے لیے غیر مفید بھی نہیں جو کہ سراسر غلط ہے اور جان بوجھ کر کیا گیا ہے تو محض ذلالت ہے اور نادانستہ کیا گیا ہے تو جہالت ہے (رسالہ تنزیہ ص ۸۲)

علامہ صاحب اس سے بے خبر تو نہیں ہو سکتے کہ کبھی تحت اللفظ ترجمہ کیا جاتا ہے اور کبھی مقصد قائل بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اہل اسلام کا اجماع و اتفاق بیاں کیا اور اس کی مخالفت کو فتنہ سامانی قرار دیا اور بعد ازاں ابوسفیان کی عادت اور معمول بیاں کیا کہ تو اسلام لانے سے قبل اور اسلام لانے کے بعد بھی اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہا ہے تو مجھ اسلام کو نقصان پہنچانے کے مواقع سے صدیق اکبر کی خلافت کا موقعہ بھی ہے لہذا اس کے خلاف کاروائی اسلام کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے اور اگر خود ابو بکر کی خلافت ہی اسلام کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوتی تو اس کے خلاف کاروائی تو اسلام کو بچانے کے لیے ہوتی نہ کہ اس کو نقصان پہنچانے کے لیے جس سے بالکل آفتاب نمروز کی طرح واضح ہو گیا کہ ابو بکر صدیق کی خلافت نے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور اس کے خلاف اقدام اسلام کو نقصان پہنچانے کا موجب ہو گا لہذا حضرت شیخ الاسلام نے اس جملہ مرتضویہ کے منزا اور مقصد کو بیان فرمایا تھا مگر بے منزا اور محروم فطنت و ذہانت اس کو سمجھنے سے قاصر رہا ہے اور اپنی ذلالت و جہالت کو اگل بیٹھے

الغرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے واضح ہو گیا کہ خلافت صدیقی کا دور اسلام کا سنہری دور ہے اور اس کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی نہ خود مخالفت کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو اس کی مخالفت کی اجازت دے سکتے ہیں خواہ کوئی بھی ہو۔

والحمد للہ علی ذلک۔

اب مدعیان محبت و تولی بتلائیں کہ جس حکومت کا تحفظ اور نگہبانی فرمانے والے خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوں اس کو غاصبانہ و ظالمانہ کیسے کہا جا سکتا ہے اور ننوڈ بانڈ حضرت امیر اس کی مخالفت و صیانت کر کے کیا خود بھی س جہم میں شریک اور حصہ دار نہیں بن گئے؟

علامہ و محکو کا دماغی چکر! و محکو صاحب حضرت شیخ الاسلام کی غلطی نکالتے نکالتے

ایسے چکرائے کہ اتنا ہوش بھی نہ رہا کہ تلخیص الشافی کس کی تصنیف ہے چنانچہ فرماتے ہیں یہ روایت کتاب مذکور کے اسی صفحہ سے نقل کی گئی ہے جس سے سابقہ دو جعلی روایتیں نقل کی گئی ہیں، سید علم الہدی نے کتاب الشافی کے ص ۴۲۰، ص ۴۳۱ پر اس کا مکمل جواب باصواب پیش کیا ہے (رسالہ ترمیم الامینہ ص ۸۱) حالانکہ یہ عبارت اور یہ صفحات تلخیص الشافی کے ہیں نہ کہ شافی کے جب کہ شافی ص ۲۹۵ پر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد تلخیص الشافی کے دو جز ہیں جن سے پہلا جز ص ۳۸۶ پر ختم ہوتا ہے اور یہ عبارت تلخیص کے دوسرے جز کی ہے اور وہ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی طوسی کی تصنیف ہے نہ کہ سید مرتضیٰ علم الہدی کی۔ مقام حیرت ہے کہ جب اس مذہب کے مجتہد کو اپنے مذہب کی کتاب کے مصنف کا بھی علم نہیں ہے تو اس کی شان اجتہاد کا عالم کیا ہو گا۔ دوسروں کی غلطیاں نکالنے کا ہی ہر وقت خیال رہتا ہے مگر اپنے دماغ بلکہ نصیب کے چکر سے بالکل بے خبر ہیں۔

لو نظر الناس الی عیبہم

ما عاب الناس بالناس

اگر اپنی حالت کا علم ہو جاتا تو اکابرین امت کو نشانہ کیونکر بنایا جاتا

نہ تمہی مال کی جب ہمیں اپنے خبر

رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر

تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کا جواب یہ ڈکھو صاحب نے تلخیص الشافی کے

ص ۴۲۰ و ص ۴۳۱ پر مذکور جس جواب باصواب کا حوالہ دیا ہے مختصر اس کا تذکرہ

اور اس میں موجود وجوہ سقم اور ضعف کی طرف بھی اشارہ کرتا چلوں طوسی صاحب

نے کہا: فهو خبر متی صح لم یکن فیہ دلالة علی اکثر من تہمة

امیر المؤمنین (آبی سفیان الی) ولا حجة فیہ علی امامة ابی بکر

ولا تفضيله ۱۶ یعنی یہ ایسی روایت اور خبر ہے کہ اگر صحیح ہو بھی تو اس سے اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ابوسفیان اس رائے کے اظہار میں متہم تھا اور اس میں نہ ابوبکر کی امامت پر کوئی دلالت ہے اور نہ ان کی فضیلت پر کیونکہ آپ نے مخالفت سے صرف اس لیے گریز کیا کہ کہیں ایسا نقصان لازم نہ آئے جس کی تلافی ممکن نہ ہو۔ لیکن اس سے یہ کہنے کا کسی کے لیے جواز پیدا نہیں ہو جاتا کہ اگر متولی الامر اس کا حقدار نہ ہوتا تو آپ اس کے خلاف فوج کشی سے گریز کیوں کرتے اور ابوسفیان کی بیعت لینے سے گریز کیوں کرتے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا اور اس کے تحت مخالفت سے دور رہنا واجب و لازم تھا اور اگر ترک نزاع و اختلاف کو اس کی دلیل بنالیا جائے کہ متولی امر مستحق ہے تو پھر ظالم بنو امیہ کو بھی مستحق خلافت ماننا پڑے گا۔ اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ کی مخالفت کا اگر کوئی مشورہ دیتا بھی تو آپ اس کو قبول نہ کرتے بلکہ نہ کیا اور مصالحت پر برقرار رہے اور منکرین مصالحت کو فرمایا کہ دین اور رائے اسی کے متقاضی ہیں جو کچھ میں نے کیا ہے یہ ہے مصل اس جواب بامواب کا جو طوسی صاحب نے نو سارے نو سطر میں ذکر کیا ہے جس میں سے کچھ س ۴۳۰ پر ہے اور کچھ ص ۴۲۱ پر

طوسی صاحب کے جواب کے وجوہ اختلاف

اقول ۱ اس جواب میں چند امور قابل توجہ ہیں۔ اول یہ کہ طوسی صاحب نے وہ دادیلا اور شور نہیں چایا بلکہ روایت درست ہونے کی صورت میں اس کا عمل بیان کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت بعض اہل سنت کی نہیں ورنہ وہ بھی دیکھو صاحب کی طرح آسمان سر پر اٹھا لیتے اور شور و شرکا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیتے

دوم طوسی صاحب نے بھی صرف اس روایت کے الفاظ کو سامنے رکھ کر

گلو خلاصی کی سعی ناکام فرمائی ہے حالانکہ دوسری اس مضمون کی روایات میں دوسرے حضرات حضرات کی شرکت بھی اس صلاح و مشورہ میں ثابت ہے اور اس منافرت اور عصبیت سے آپ کا انہیں منع فرمانا بھی ثابت ہے لہذا جواب کو صرف ان الفاظ تک محدود رکھنا اور گلو خلاصی کی سعی کرنا محققین کی شان سے بعید ہے۔

سوم یوں، یہ دعویٰ کہ اس سے تہ ابو بکر کی امامت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی فضیلت ثابت ہوتی ہے سراسر سبب زور دہی اور تکلم ہے اور اس باب میں دار رد دوسری روایات سے صریح نظر کر کے یہ قول کیا گیا ہے جن میں تصریح موجود ہے کہ ہمیں تیسرے سواروں اور پیادوں کی ضرورت نہیں ہے اگر ہم ابو بکر کو اس کا اہل نہ دیکھتے تو کبھی ان کو امامت و خلافت کے منصب پر فائز نہ ہونے دیتے ملاحظہ ہو شرح حدیدی جلد نمبر ۲ ص ۲۵ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میرا اس وقت بیعت لینا پھل پکے سے قبل توڑنے کے مترادف ہے اور دوسرے کی زمین میں کھیتی باڑی کرنے کے حکم میں ہے جس سے مناف ظاہر ہے کہ ابھی دوسرے حضرات کا وقت ہے اور جب وقت ہی ان کا ہے تو پھر ان کا استحقاق اور اہل ہونا خود ہی ثابت ہو گیا۔

ب۔ جب اس روایت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق پر صحابہ کرام کا اجماع و اتفاق تسلیم کر لیا تو اہمیت و استحقاق خود بخود واضح ہو گیا کیونکہ آپ کا اپنا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کو مخالفت پر جمع نہیں فرماتا اور نہ ان کو مشاہدہ حق سے محروم رکھتا اس کے شایان شان ہے لہذا فضیلت بھی ثابت ہو گئی اور امامت و خلافت بھی۔

ج۔ آپ نے ابو سعید کی سابقہ کاروائی اور معمول کا حوالہ دیکر کہا کہ تو رد و زاول سے اسلام کے خلاف سازش کرتا رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اب بھی یہ اسلام کے خلاف سازش ہے، جس سے اسلام کا قائم اور باقی ہونا اور محفوظ و معصوم ہونا ثابت ہو گیا حالانکہ شیعی نقطہ نظر

سے تو اسلام کی جگہ ارتداد نے لے لی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق اسلام باقی ہے تو امامت و خلافت کی تفصیل اور اس کا مدار ایمان و اسلام ہونے کا دعویٰ ختم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی حضرت صدیق کی خلافت و امامت کا ثبوت واضح ہو گیا۔

(د) ——— ظالم بنو امیہ کا یہاں حوالہ دینا اور اس معاملہ کو ان کی حکومت و بادشاہت پر قیاس کرنا ہی بنیادی غلطی ہے کیونکہ مہاجرین و انصار کے اجتماع کو حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے دلیل حقانیت قرار دیا ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی جیسے کہ نسخ البلاغہ میں ہے۔ **إِنَّمَا الْمَشُورَى لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ وَسَمُوهُ أَمَامًا كَانَ ذَلِكَ لِلَّهِ** (رضی رالی) قاتلوا علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین و ولایہ اللہ ماتوا لہ۔ شوری اور انتخاب کا حق صرف مہاجرین و انصار کے لیے ہے وہ کسی پر متفق ہو کر اسے امام اور خلیفہ نامزد کریں تو وہی اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے لہذا اگر کوئی اس کی مخالفت کرے اور بازنائے تو اس کے ساتھ مؤمنین کی راہ سے ہٹنے کی وجہ سے جنگ کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو ادھر پھیرے گا جہرکہ وہ پھرا۔ اس لیے خود اہل سنت نے خلافت راشدہ اور ملکیت کے درمیان فرق کیا ہے۔ مسلسل تیس سال تک خلافت راشدہ کا دور تسلیم کیا ہے اور اس کے بعد ملک و سلطنت جو کبھی رحمت اور کبھی زحمت بننا رہا لہذا اس دور خلافت کو ظالم بنو امیہ کے دور پر قیاس کرنا خود علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جھٹکانے کے مترادف ہے۔

(د) ——— حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو کوئی ہزار مرتبہ مشورہ دیتا کہ مصالحت ختم کر دو تو آپ ختم نہ کرتے اور نہ ہی ختم کی یہ بالکل بجا ہے لیکن تسلیم و تقویٰ کا اہل بھاتا تو سوچتی اگر وہ دین اسلام سے پرگشتہ تھے اور اور اسلام کے خلاف اصول و قواعد اور قوانین و آئین کے ناقد اور جاری

کرنے والے تو یقیناً آپ نے اسلام اور اہل اسلام پر زیادتی کی ہے اور آپ اس کے جواب دہ ہوں گے۔ العیاذ باللہ۔

موسیٰ صاحب کے اس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے نا اہل شخص کو حکومت اسلام دے کر حقوق اہل اسلام میں خلل اندازی کی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ جو سراسر ننو و باطل ہے۔ تو اس تفویض سے امیر معاویہ کی نفی فضیلت، ادرائیت و استحقاق مسلم ہے ہاں البتہ امام حسنؑ پر فضیلت لازم نہیں آتی اور نہ بحکم اس کے قائل ہیں ہاں خلافت معاویہؓ اگر ابتداء اہل مل و عقد ہاجرین و انصار کے اجماع سے ثابت ہوتی اور شورائی انداز میں تو پھر کلی یا جنوی فضیلت کا تسلیم کرنا ضروری تھا ورنہ ان کا اجماع محل تنقید و اعتراض بن جاتا۔

الغرض آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ موسیٰ صاحب کا جواب جواب سے کہوں دور ہے اور محض گویا کی سنی تمام اور تحقیق و تدقیق سے بالکل بیگانہ اور بے تعلق !

مذہب شیعہ :

حضرت علیؑ کے لیے قابل رشک اعمال نامہ

وردی جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر بن عبد اللہ لما غسل عمر و کفن دخل علیؑ ۱۰۰۰۰ فقال صلی اللہ علیہ ما علی الارض احد حب الی ان القی اللہ بصیفة ۱۰۰۰۰ هذا المسببی بین اظهر کم۔

امام جعفر صادق امام محمد باقر سے روایت فرماتے ہیں کہ جب (امیر المومنین) عمر شہید ہوئے اور ان کو کفن پنا یا گیا تو حضرت علی المرتضیٰؑ تشریف لائے اور فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ در رحمتیں و برکتیں ہوں تمام روئے زمین پر میرے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ تر نہیں کہ میں اللہ سے ملوں اور میرا۔

اعمال نامہ بھی اس کفن پوش کے اعمال نامہ کی طرح ہو جو اس وقت تمہارے سامنے موجود ہے۔

سبحان اللہ! مولیٰ مرتضیٰ تو ان کے اعمال نامہ کے ساتھ رشک فرما رہے ہیں اور مدعیان تو ان کو غاصب اور ظالم کہہ رہے ہیں اب سوال یہ ہے کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں؟ مولیٰ مشکل کشا کو پچا مانیں یا ان مدعیان محبت و تولیٰ کو! اس سے زیادہ بھی کوئی تعجب انگیز صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ کہ کتابیں بھی۔ اہل تشیع کی نہایت معتبر اور روایات بھی شروع سے آخر تک ائمہ صادقین۔ طاہرین معصومین کی، ان کتابوں کی کتابت اور طباعت بھی تہران یا نجف اشرف میں مشہور غالی شیعوں کی زیر نگرانی اور پھر روایات پر اہل تشیع ایمان نہ لائیں تو کتنا پڑتا ہے کہ ”فبأی حدیث بعدہ یؤمنون“ یہ بھی یاد رکھیے کہ سید مرتضیٰ مصنف کتاب شافی کے متعلق ملا مجلسی نے اپنی کتاب حق البقین ص ۱۵۰ مطبوعہ ایران میں لکھا ہے کہ از اکابر علمائے امامیہ است (یعنی شیعوں کے بہت بڑے علماء میں سے ہے) اور ابو جعفر طوسی کے متعلق بھی تمام مجتہدین شیعہ امام السلاطین لکھتے ہیں اس کی اپنی کتابیں بھی اس کے غالی شیعہ ہونے کی تصدیق کرتی ہیں۔

تتریمہ الامیہ۔

بارہا گفتہ ام و بارہا گری گویم۔ یہ خانہ ساز روایت اسی سابقہ (۱۱)

زنجیر کی کڑی ہے جینی سید مرحوم نے ص ۲۸ پر اس کو اہل السنۃ کے استدلال کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور پھر ص ۴۲ پر اس کا کافی و شافی جواب دیا ہے

اس میں درایتی سقم یہ ہے کہ رشک وہ کرتا ہے جس میں کوئی (۱۲)

علمی یا عملی کمزوری ہو اور کرتا اس پر ہے جس میں ایسی برتری موجود ہو مگر

یہاں ہر لحاظ سے معاد برعکس ہے لہذا ایسا جامع الصفات کامل انسان

عمر صاحب کے کس ایمانی، علمی یا عملی کارنامے پر رشک کر سکتا ہے۔ ان

کے ایمان چہرہ خود خلیفہ بیان فرماتے ہیں اسے خلیفہ خدا کی قسم میں منافقین سے ہوں یا ان کے یقین پر جن کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ رسول خدا کی نبوت درست پر شک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں یا ان کے علم و فضل پر جو خود کہتے ہیں۔ کہ بوڑھی عورتیں بھی مجھ سے زیادہ احکام شریعت جانتی ہیں یا ان کی زندگی پر جس کا اکثر و بیشتر حصہ کفر و شرک کی وادیوں میں چکر کاٹتے گزرا ان حالات میں کوئی دشمن عقل و ایمان ہی باور کر سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمر صاحب کے اعمال نامہ کے ساتھ رشک کیا۔ در نہ کوئی صاحب عقل و انصاف

تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تا بہ تصدیق چہ رسد؟
حقیقت یہ ہے کہ عمر صاحب کے اعمال نامہ میں کسی بھی آدمی کے

یہ کوئی قابل رشک کارنامہ نہیں ہے چہ جائیکہ حضرت امیر علیہ السلام۔
رشک کریں انج ص ۸۲، ۸۵، ۸۶ -

تحفہ حسینیہ :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قابل رشک اعمال نامہ اور اس کی روایتی و درایتی

درستگی اور محنت کا بیان :

جواب اول : ڈھکو صاحب نے سب سے پہلا جواب حسب سابق ۔
شور و شراد و ادب کے ساتھ دیا کہ یہ اہل سنت کی روایت ہے معنی میں مرقوم ہے ۔ قاضی عبد الجبار نے اس کو نقل کیا ہے اور سید مرتضیٰ نے تو اس کا کافی و شافی جواب دیا ہے وغیرہ وغیرہ گویا قاضی عبد الجبار کوئی آیت بھی ذکر کر دے تو ڈھکو صاحب کا جواب یہی ہوگا یہ سنی آیت ہے اس کو قاضی نے معنی میں ذکر کیا ہے اور سید مرتضیٰ نے تو اس کا جواب دیا ہے آخر اس احمقانہ حرکت کا بھی کوئی جواز ہے تم کہو ہماری کسی کتاب میں یہ روایت اور اس کا معنی و مفہوم مذکور نہیں ہے پھر تو کوئی بات ہوئی محض اس لیے کہ اس کو فلاں نے ذکر کیا ہے

اور فلاں نے اس کا جواب دیا ہے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دوسری کسی مذہبی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اگر جناب کو نہیں ملی تو ہم ہی یہ احسان کر دیتے ہیں اور آپ کو اپنی کتابوں کا مطالعہ کر دیتے ہیں۔ جس سے آپ کو تو نہیں لیکن اب باب عقل و دانش اور اصحاب دیانت و امانت کو تسلی ہو جائے گی کہ یہ روایت واقعی اہل تشیع نے بھی نقل کی ہے، ملاحظہ ہو درمعانی الاخبار ص ۱۱۷ مصنف ابو جعفر محمد بن علی بن الحسن بن موسیٰ بن بابویہ القمی۔

عن محمد بن سنان عن مفضل بن عمر قال سألت ابا عبد الله عليه السلام عن معنى قول امير المؤمنين اذا نظر الى الثاني وهو مسبى بشوبه ما احدا حب الى ان التقى الله بصعيقة من هذا المسبى فقال عفى بها الصعيقة التي كتبت في الكعبة۔

محمد بن سنان نے مفضل بن عمر سے روایت کی ہے کہ میں نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا حضرت امیر المؤمنین کے اس قول کے معنی کے متعلق جو آپ نے اس وقت کیا جب کہ ثانی یعنی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شہادت کے بعد کفن میں پیٹ دئے گئے تھے کہ کوئی بھی مجھے زیادہ محبوب نہیں اس سے کہ میں اس کے صیغہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں نسبت اس شخص کے جو کفن میں پٹا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا اس سے آپ کی مراد وہ صیغہ ہے جو کعبہ میں لکھا گیا تھا۔

ملاحظہ ہو۔ اس روایت سے یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات اپنی زبان مبارک سے ادا کیے تھے یہ باب بھی فالص شیعہ کی ہے اور راوی بھی سیمی شیعہ ہیں اور امام جعفر صادق سے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا معنی پوچھا جا رہا ہے اگر فرمان ہوتا ہی تو معنی پوچھنے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا؟ نیز امام موصوف فرمادیتے کہ یہ

فرمان ہی آپ کا نہیں ہے بلکہ بقول شیعہ آپ نے اس کی تفسیر بیاں فرمائی۔ امید ہے اب تو صاحب شرم و حیا لوگ یہ نہیں کہیں گے کہ یہ روایت شیعہ کی نہیں ہے۔
(۲) ابن ابی الحدید شیعہ معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں یہی روایت نقل کی ہے ترجمہ پہلے گزر چکا ہے الفاظ ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔

وقد جاء في رواية ان علياً عليه السلام جاء حتى وقف عليه فقال: ما احب الي ان اتقى الله بصحيفته من هذا المسيبي (جلد ۱۲ ص ۱۹۳) اب یہ بھی واضح ہو گیا کہ مرف سنی نہیں بلکہ معتزلہ اور تفضیلی۔ شیعہ بھی اور امامیہ اثنا عشریہ بھی اس روایت کے قائل ہیں۔

سید مرتضیٰ علم الہدی نے کتاب الشافی کے ص ۷۷ پر اسی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

ان في متقدمي اصحابنا من قال اقامتني ان يلقى الله بصحيفته ليخاصمه بما فيها ويحاكمه بما تضمنته يعني ہمارے بعض متقدمین اصحاب نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (حضرت ہر جیسے صحیفہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی آرزو اس لیے کی تاکہ جو کچھ اس میں ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے روبرو ان سے محاکمت کریں اور جس کو وہ صحیفہ متضمن ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور محاکمہ اور فیصلہ طلب کریں۔ اس قول میں سید مرتضیٰ نے متقدمین اصحاب کے نزدیک اس روایت کا حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے منقول ہونا تسلیم کر لیا لہذا روایت کا درست ہونا اور واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہونا مسلم ہو گیا۔

شیعی تاویل کا بطلان و اب رہا ابن ہالبوی قمی اور سید مرتضیٰ اور متقدمین شیعہ کا یہ قول کہ اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جو کعبہ میں لکھا گیا کہ حضرت علی کو خلیفہ نہیں بننے دیں گے یا صحیفہ اعمال ہی مراد ہے لیکن اس لیے اس کے

ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی تمنا کی تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے ذریعے حضور اور فیصلہ کے لیے عرض کر سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر صحیفہ کعبے والا یا صحیفہ اعمال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے متعلق فیصلہ کا مطالبہ کر سکیں گے اور جو پکار اس میں ہے اس کے متعلق حکم اور قضا کا مطالبہ کر سکیں گے ورنہ نہیں نعوذ باللہ من ذلك گویا جس کو ایسے مخالف نہیں تو ان کا کیس عدالت خداوندی میں پیش ہی نہیں ہو سکے گا اس طرح وہ سب مظلوم محروم عدل و انصاف رہیں گے جن کے پاس دستاویزی ثبوت نہیں ہوگا۔

۵ بریں عقل و دانش بباہر گریست
شیدہ برادر کی تاویل دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ
۵ خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی

اللہ تعالیٰ علیم و خیر کے حضور عدل و انصاف کے حصول کے لیے مظلومین کو ان تکلفات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے سب کچھ اس کے ہاں معلوم بھی ہے۔ اور مکتوب و مرقوم بھی اور ہر شخص کے اعمال کی ایسی دستاویز موجود ہوگی کہ وہ دیکھ کر پکار اٹھے گا: "ما لہذا الكتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا" علی تقدیر التسلیم اس کا ثبوت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا اور آرزو پوری ہو گئی صحیفہ آپ کو مل گیا بلکہ یقیناً آپ کو دستیاب نہیں ہوا تھا تو آپ قیامت کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ شیعی عقلا کے نزدیک اس کا دار و مدار اس صحیفہ کے دستیاب ہونے پر تھا اور وہ میاں نہ ہو سکا۔

۱۲۱ حضرت علی رضی اللہ عنہ علانیہ طور پر ان حضرات کے خلاف کوئی کلمہ اپنے دور خلافت میں بھی نہیں کہہ سکتے تھے چہ جائیکہ اس دور میں لہذا ظاہر یہی ہے کہ آپ نے عام حاضرین کو تاثر یہ دیا کہ میں ان کے کارہائے نمایاں اسلامی خدمات اور دین حنیف کی ترویج اور ترقی سے اس قدر متاثر ہوا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ آرزو پیش کر رہا ہوں کہ مجھے بھی اس قسم کے اعمال کی توفیق عطا فرمائے رہا یہ کہ آپ کے دل میں اس کے برعکس کچھ اور معنی تھا تو یہ دھوکہ اور فریب ذلیل اور گھٹیا انسانوں کا پیشہ اور طریقہ ہوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے شیر ایسی بزدلانہ اور رو باہی حرکات سے منزہ و مبرا ہوتے ہیں علی الخصوص امام حسین شہید کربلا کے ابا جان جیسے اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ

(۴) — اگر خواہ مخواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس اعمال نامہ کے حصول کی کوشش کرنی تھی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت عمر فاروق کے ساتھ مخاصمت اور مخالفت میں دستاویزی ثبوت کے طور پر درکار تھا تو پھر لوگوں کے سامنے اس طرح کہنے کی ضرورت نہیں تھی اور نہ انہیں غلط تاثر دینے کی بلکہ یہ کوشش اور تشاؤ آرزو تو گھر میں بیٹھ کر بھی ہو سکتی تھی اسد لوگوں کو اس منالطہ اور غلط فہمی سے بھی بچایا جاسکتا تھا کہ ان کے نیک اعمال اور اعلیٰ کارناموں کی وجہ سے ایسی ہستیاں ان کے ساتھ رشک کر رہی ہیں۔

تفسیر امام کے راویوں کا حال :-

اب ذرا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول اس روایت کے راویوں کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں تاکہ اس تفسیر کا مبنی بر تحریف ہونا واضح ہو جائے۔

مفضل بن عمر کا حال :- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا معنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر جس نے بیان کیا ہے ذرا اس ذات شریف کا تعارف۔ بھی کرنا ہوں تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے یہ لغویات ائمہ کرام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور پناہ بخدا کہ وہ اس قسم کی بے سرو پا اور غیر معقول باتیں کہیں (۱) حماد بن عثمان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام ابو عبد اللہ

کو فراتے ہوئے سنا کہ آپ مفضل بن عمر کو فرما رہے تھے۔

یا کافریا مشرک مالک و لابنی یعنی اسماعیل بن جعفر اے کافر اے مشرک۔
تجھے میرے بیٹے اسماعیل سے کیا تعلق ہے اور کون سی غرض ہے؟ (تو اس
کو کیوں تباہ و برباد کر رہا ہے)

(۱۲) — اسماعیل بن جابر سے مروی ہے کہ امام ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا
کہ مفضل بن عمر کے پاس جا اور اسے کہہ دیا کافریا مشرک ما ترید الی ابنی
ترید ان تقتلہ اے کافر اے مشرک تو میرے بیٹے کی طرف کیا ارادہ
رکھتا ہے کیا تو اس کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟

(۱۳) — ابو ثمر و الکشی نے یحییٰ بن عبد الحمید الحانی کی کتاب جو امامت
امیر المؤمنین کے اثبات میں لکھی گئی ہے سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ نے شریک
سے کہا، ان اقواما یزعمون ان جعفر بن محمد ضعیف الحدیث الخ یعنی
بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ جعفر بن محمد ضعیف احادیث بیان کرتے ہیں اور
اس فن میں قابل اعتماد نہیں ہیں تو انہوں نے کہا حقیقت حال اس سے
مختلف ہے دراصل بعض باہل اور جھوٹے لوگ اپنی دنیاوی اغراض اور
حرص و لالچ کے تحت آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے امداد
شروع کر دی اور لوگوں سے سنے ہیں امام جعفر صادق نے فرمایا۔ و یحدثون
با حادیث کلہا متکرات کذب موضوعۃ مالا نکہ عینی روایات بیاں کرتے
وہ سب منکر ہو ہیں اور موضوع و من گھڑت اور سراسر جھوٹ اور بھتان
جب عوام نے ان روایات کو سنا تو ان کو تسلیم کر کے ہلاک ہو گئے اور
بعض نے ان کا انکار کر دیا۔ اور وہ لوگ ہیں مفضل بن عمر نبیان، عمر و النبطی
در غیرہ۔ ذکر و ان جعفر احدثہم ان معرفة الامام تکفی من الصلاة والصوم الخ
یہ روایت بھی امام جعفر صادق سے نقل کر ڈالی کہ امام کی معرفت نماز اور
روزہ سے کافی ہے یعنی اس معرفت کے حصول کے بعد نماز و روزہ کی

ضرورت نہیں رہتی اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بادلوں میں ہیں اور ہوا کے ساتھ اڑتے ہیں۔ درمذید تفصیلات کے لیے رجال الکشی ص ۲۷۷ تا ۲۸۷ ملاحظہ فرمائیں)

محمد بن سنان راوی کا حال :- فضل بن شاذان کہتا ہے: لا استحل ان اروی احادیث محمد بن سنان اس کی احادیث کو روایت کرنا حلال نہیں سمجھتا اور بعض کتب میں اس کے متعلق فضل بن شاذان نے تصریح کی ہے ان من الکاذبین المشہورین سنان یعنی محمد بن سنان مشہور دروغگو لوگوں میں سے ہے۔ درمذید تفصیلات رجال الکشی کے ص ۲۳۷، ص ۲۳۸، ص ۲۳۹، ص ۲۴۰ پر ملاحظہ فرمادیں)

یہ مرتد و درویشوں کا حال ہے جو مذہب قارئین سے جس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات میں تحریف کرنے والے ہیں اور دجال و کذاب اور کافر و مشرک لہذا ایسے لوگ جب مذہب شیعہ کے بانی مبنائی ہیں اور شریعت مدار اور حجت الاسلام تو پھر اس مذہب میں خیر اور بھلائی کا پہلو کس طرح دھونڈے سے مل سکتا ہے۔

۷ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

جب تخریف منہوی روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی اور مہر فہم کی حالت میں واضح ہو گئی تو اب ارباب انصاف و دیانت اور اصحاب عقل و فہم کے لیے اس روایت کو اپنے ظاہری معنی و مفہوم پر محمول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اور یہ ماننا لازم ہے کہ امیر المؤمنین عمر فاروق کا اہمال نامہ وہ علیہ السلام ہمال نامہ ہے۔ جس کے ساتھ حضرت ابوالائمہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی رشک لاتے تھے اور اس قسم کے اہمال نامہ کے لیے دل و جان سے آرزو مند اور بدبارگاہ خداوندی میں اس کے لیے دست بدمارت تھے۔ والحمد للہ علیٰ وضوح الحق و ابیت کی حقیقت اور اصل معنی :- تخریف منہوی کے اثبات کے بعد اب اس کا حقیقی معنی ملاحظہ فرمادیں۔ ابن ابی الحدید نے "رت عبد اللہ بن عباس

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابو لؤلؤ مجوسی نے خنجر کا دار کر کے شدید زخمی کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "وَلَيْلِمُ عَمْرَانُ اللّٰهُ لَمْ يَغْفِرْ لَهُ" عمر کی امی کی ہلاکت ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بخشش اور مغفرت نہ فرمائی تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فَقُلْتُ وَاللّٰهِ اَنِي لَا رَجْوَانَ لَا تَرَاهَا الْاِمْقَدَارُ مَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اِنْ مِنْكُمْ الْاَوَارِدُهَا اَنْ كُنْتَ مَا عَلِمْنَا لَ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَ سَيِّدِ الْمُسْلِمِينَ، تَقْضَىٰ بِالْكِتَابِ وَتَقْسَمُ بِالْسَّوْمِ يَنْبِئُ الْبَرَّةَ اَمِيرٌ رَّكْعَتَا هَوْنٍ كَمْ نَزْدِيْكَوْكَ اُكْ لَمْ مَرُفَاتِنَا قَدَرُ حَوَالِ اللّٰهِ تَعَالٰی نَسْنَسْ فَرَمَا يَا كَمْ تَمِمْ سَسْ كُوْنِيْ بِيْ نَسْ لَمْ اَسْ مِيْنَ دَارِ دِهْوَسْ دَالَا سَسْ يَسِيْ پِلَا سَسْ كُوْرَتَسْ هُوْسْ بِيْشَكْ تَمِمْ هَارَسْ عِلْمْ كَسْ مَطَالِقُ الْبَرَّةَ مُؤْمِنِيْنَ كَسْ اَمِيْرَتَسْ - اور اہل اسلام کے سردار تم کتاب اللہ کے ساتھ فیصلے کرتے تھے اور تقسیم اموال میں مساوات سے کام لیتے تھے۔

فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب کو میری یہ بات بھی معلوم ہوئی آپ اٹھکر بیٹھ گئے اور کہا، اَشْهَدُ لِيْ يَا بِنَ عَبَّاسٍ كَيْفَا تَمِمْ مِيْرَسَ يَسْ اِسْ كِيْ شَهَادَتِ دِيْتَسْ هُو، تُو مِيْ سَسْ كَزُوْرِيْ كَا مَطَا هِرَهْ كَرْتَسْ هُوْسْ اِسْ شَهَادَتِ مِيْ ذِرَا، ہچکچاہٹ محسوس کد ضرب علیٰ بین کتفی وقال اشهد: تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان تھکی دی اور کہا گواہی دے، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا: لَمْ تَجْزِعْ يَا اَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ اِسْلَامُكَ عِزًّا وَاَمَارَتُكَ فَتَحًا وَّلَقَدْ مَلَأْتَ الْاَرْضَ عَدَا. تَمِمْ پَرِيشَانِيْ كَا اظْهَارِ كِيُوْنِ كَر رَسْ هُوْ غَدَا كِيْ قَسْمِ بَسْ شَكْ تَمَارَا اِسْلَامَا نَا مَوْجِبِ عِزَّتِ اُوْر غَلْبَهْ تَمَارَا اِمَارَتِ وَاَخْلَافَتِ سِرَا مَرْفُجِ تَمَارَا اُوْر يَقِيْنًا اُسْ نَسْ دَمِيْنِ كُوْ عَدُوْ كَسْ سَا مَقْدَمِ دِيَا تُوْ حَضْرَتِ عَمْرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَسْ كَمَا اَسْ اِبْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَا تَمِمْ اِسْ اَمْرُ كِيْ شَهَادَتِ دِيْتَسْ هُوْ تُوْ اُسْ نَسْ شَهَادَتِ دِيْنَسْ كُوْ پَسَنْدِ نَسْ كِيَا رَكِيُوْكَ اللّٰهُ تَعَالٰی پَر اِيْكَ حَكْمِ اُوْر فَيْصُلُ دِيْنَسْ كَسْ مَرَادِفِ تَمَارَا اُوْر

اس میں توقف کیا ”فقال له على عليه السلام قل نعم، انا معك فقال نعم“ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ وہاں میں شہادت دیتے ہوں نہ میں بھی اس شہادت میں تیرے ساتھ ہوں۔ (شرح حدیدی جلد نمبر ۱۲ ص ۱۹۲) اور اسی موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور یہ الفاظ زبان اقدس پر جاری فرمائے: ما احدا حب الی ان الحق اللہ بصیغۃ من هذا المسیء ۱۹۲ اس سیاق و سباق سے اس صحیفہ کا معنی مفہوم اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کی تمنا و آرزو کا مطلب و مقصد واضح ہو گیا اور ساری سبائی سازش اور یہود و نجوس کی تحریف و خود باطل ہو کر رہ گئی کیونکہ وہ تمنا و آرزو مگر بیٹھ کر بھی کی جاسکتی تھی لوگوں کے سامنے اور اس سیاق و سباق میں اس قدر تمنا و آرزو کا کیا جواز ہو سکتا تھا، اور خواہ مخواہ عام اہل اسلام میں ان کی عظمت اور رفعت و برتری کے عقیدہ کی بنیاد فراہم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

شیعی وراثت کی حقیقت = اب ذرا اٹھکو صاحب سے بے کرطوسی اور مرتضیٰ شیبی وغیرہ اسلاف کی وراثت کی حقیقت سے پردہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کی لزومیت اور بطلان واضح کیا جاتا ہے سب سے پہلی وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے جامع الکملات و صاحب مفاخر منقائب کو اس تمنا و آرزو کی ضرورت کیا ہو سکتی ہے؟ جب کہ رشک و ذکر تاتا ہے جس میں علمی یا عملی کمزوری ہو اور اس پر کرتا ہے جس میں علمی یا عملی برتری ہو اور یہاں معاملہ برعکس ہے لہذا رشک کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

الجواب: اولاً۔ رشک کرنے کے لیے صرف ذاتی علم اور عمل میں کمزوری کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دوسرے پہلو بھی ہو سکتے ہیں مثلاً فتونات کثیرہ اور اشاعت اسلام و ترویج دین اور اقامت مہدلت اور لوگوں کو راہ استقامت پر چلانا جس طرح کہ آپ نے فرمایا: ولیہم وال فاقام واستقام حتی وضع الدین بحرا نہ ابوبکر کے بعد ایسی شخصیت اہل اسلام کی والی اور امیر بنی ہو جو خود بھی راہ راست پر تھے اور لوگوں کو بھی راہ راست پر گامزن کیا حتیٰ کہ دین نے راست و سکون محسوس

کیا، اور یہ حقیقت کسی جاہل سے جاہل شخص پر بھی مخفی نہیں ہے کہ متعدی نیکی کا فائدہ اور اجر و ثواب غیر متعدی نیکی کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً بہت بڑا عالم ہو مگر پڑھائے نہ اور اس کے مقابل تھوڑا علم رکھنے والا ہو مگر شب و روز اس علم کو پڑھائے یا عابد ہے جو رات دن عبادت میں مصروف و مشغول ہے لیکن دوسروں سے واسطہ نہیں رکھتا اور اس کے مقابل دوسرا شخص فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ ہی ادا کرتا۔ ہے لیکن دوسروں کو بھی ان امور کی ادائیگی پر آمادہ کرتا ہے تو لازمی بات ہے کہ اس کا اجر و ثواب دوسرے شخص سے زیادہ ہے، الغرض رشک کرنے کا اس میں انحصار نہیں ہے۔ کہ ایک میں علمی و عملی کمزوری موجود ہو اور دوسرے میں فوقیت و برتری بلکہ علم و عمل میں کمال کے باوجود افادہ و اقامہ خلق اور ترویج و اشاعت دین میں امتیاز بھی قابل رشک ہو سکتا ہے، علی الخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیعی عقیدہ کے مطابق علم ماکات و مایکون حاصل تھا اور اہل السنۃ بھی آپ کو حقائق سے آگاہ اور نور ولایت سے عواقب امور کو دیکھنے والا یقین کرتے ہیں تو آپ کے علم میں ہو گا کہ میرا دور خلافت تو باہمی اختلاف و انتشار اور رکشت و خون کی نذر ہو جائے گا اور اشاعت دین اور فتوحات کا سلسلہ اس طرح برقرار نہیں رہ سکے گا تو آپ کا ایسے ساتھ رشک کرنا اور زیادہ موزوں و مناسب ہو جائے گا۔

(۲) ایک ہے واقعہ میں علم و عمل کے اندر افضل و برتر ہونا اور ایک ہے اس برتری اور افضلیت کا اعتقاد بھی رکھنا، اگر شیعہ صاحبان کے قول کے مطابق علم و عمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل و اعلیٰ بھی ہوں مگر یہ کہاں سے لازم آتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ کرام سے افضل و برتر سمجھیں بھی ہیں، آپ کا ارشاد گرامی نقل کیا جا چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: لعمری ما کنت الا رجلاً من المهاجرین الخ بخدا میں تو مهاجرین میں سے ایک عام ہاجر تھا۔ جہاں وہ داخل ہوئے میں بھی داخل ہوا جہاں سے وہ لوٹے میں بھی لوٹا شرح ابن اثیم ص ۳۵۵) اور

حقیقت بھی یہی ہے کہ باردار شاخ ہمیشہ جھکتی ہے اور بے ثمر بلند رہتی ہے۔
لہذا اذرہ تواضع و انکساری بھی تو رشک کیا جاسکتا ہے۔

تواضع زگر دن فرازاں کو است۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل اور شامل ہونے کی تمنا فرمائی حالانکہ ہر نبی تمام تراجم سے افضل و برتر ہوتا ہے لیکن مقصد تواضع تھا، تو فرمائیے شیعوں صاحبان کے نزدیک، زروئے عقل اس رشک کو محال اور ناممکن سمجھنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ ماسوائے حکم اور سبب زوری کے یا اظہار بغض و عداوت کے۔

(۱۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے جو نہج البلاغہ، ابن اثیم

۱۰ اور دیگر کتب امامیہ میں مذکور ہیں ان سے واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

ان دونوں بزرگواروں کے متعلق اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق

کس قدر فضیلت اور فوقیت کے قائل تھے۔ کہیں فرمایا بخدا ان کا مرتبہ

اسلام میں بہت بلند ہے اور ان کا وصال اسلام کے لیے گہرا زخم ہے

کہیں حضرت فاروق کو اہل اسلام کے لیے مرجع اور مجاہد و مادی قرار دیا۔

کہیں تبیج کے دانوں کے ربط و ضبط پر قرار رکھنے والے دھاگے کی مانند

اہل اسلام کے باہمی ربط و ضبط کا آپ کو ضامن قرار دیا۔ کہیں اسلام کے

لیے آپ کو قطب مدار قرار دیا جو اسلام کی چکی کی گردش اور نفعت و افادہ

کا ضامن ہے۔ کہیں ان کو کبھی دور کرنے والا بیماریوں کا علاج کرنے والا۔

ہر خیر اور عجلائی کو پانے والا اور شر و فساد سے دامن بچا کر نکل جانے

والا قرار دیا وغیر ذلک جب کہ ان کے لیے بطور وزیر و مشیر معاونت۔

بھی فرماتے رہے اور ان کے وصال پر بنانی ہوئی مشاورتی کمیٹی میں۔

بھی شامل ہو کر ان کی اطاعت کا حق ادا کرتے رہے تو اس کے بعد

اس فاروق اعظم کی افضلیت اور برتری میں اور خدا واد فضل و کمال میں

کون دشمن دین و عقل شک کر سکتا ہے، اور کس منہ سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلق اور نسبت کا دعویٰ کر سکتا ہے جب کہ وہ ان کے اقوال اور نظریات کو جھٹلانے والا ہے اور ان کے مدد میں اور منظمین و کرمین کی گستاخی اور بے ادبی کرنے والا ہے۔ نعوذ باللہ من هذا الشقاء۔

جواب الثانی: اور ڈھکوسل صاحب نے کہا وہ رشک کس چیز پر کریں گے، ان کے ایمان پر جو قسم اٹھا کر کہتے ہیں اسے خدیفہ میں منافقین میں سے ہوں ڈھکوسل صاحب نے گویا ذخیرہ احادیث میں سے صرف یہی ایک روایت دیکھی ہے دوسری کوئی روایت ان کی عظمت ایمانی اور صدیق اکبر کے بارساری امت پر راجح اور وزنی ہونے کی انہیں ملی ہی نہیں۔ ڈھکوسل صاحب! آپ کے اپنے اتراف اور اس کی اصلیت کو معلوم کئے بغیر اس بد بالی کے اظہار کو چھوڑ دو، یہ دیکھو کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر المومنین اور ائمہ کرام نے انکے متعلق کیا فرمایا ہے اگر آپ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں لکھا ہوا دیکھ لو "وَدَبْنَا ظَلَمْنَا انْفُسًا" اے رب ہمارے ہم نے اپنے نفوس اور جانوں پر ظلم کیا ہے تو ان کی خلافت اور نبوت کا انکار کر دو گے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی نفی کر دو گے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں آئی کنت من الظالمین دیکھ لو گے تو ان کی خدا داد رنفت و عظمت اور نبوت کا انکار کر دو گے؛ یہ سب تواضع اور انکساری کا اظہار ہے اور عرفان کے بلند ترین مراتب جب کھلتے ہیں تو بچنے مراتب کو اہمیت حاصل نہیں رہتی اس لیے ہر سطح کا کامل سے کامل فرو بھی "اهدنا الصراط المستقیم" کی التجا کرتا ہے کیونکہ اس کی نظر میں وہ مرتبہ عالی ہی ہدایت و توفیق اور نچلے مرتبہ کو وہ اہمیت نہیں دیتا لہذا عارف کامل جس ہدایت کو ہدایت نہیں سمجھ رہا اور بندہ تر مقام ہدایت پر نظر رکھ کر اس کا طلب گار ہے اس کی اس بچنے و بچہ کی ہدایت اگر ہیں نصیب ہو جائے تو ہم اپنے آپ کو مومن اکل بکھنے لگ جائیں مگر یہ امر ارعجنگ اور چرس میں مست اور نشہ کے رسیا

لوگوں کے غیظ و ماغ میں کب راہ پاسکتے ہیں

(ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس یقین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ رشک کریں گے جن کی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ رسول خدا کی نبوت و رسالت پر شک کرتے ہوئے نظر آتے ہیں؟ یہ بھی ڈھکوا صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نقل کیا ہے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جس سے ڈھکوا صاحب کی حماقت اور سخافت عقل ظاہر اور واضح ہے کیونکہ کاطین اور اکملین کے کمال عرفان کا تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ بلند مراتب ایمانی کے مقابل پچھلے مرتبہ کو کوئی اہمیت نہ دیں، علاوہ انہیں قلوب صافیہ کو معمولی سی تبدیلی بھی بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے جیسے دودھ میں تنکا یا شیشہ پر سانس پڑ جائے تو فوراً اس کا اثر محسوس ہوتا ہے لیکن رنگ آلود لوہے پر سانس کا اثر نمایاں نہیں ہوتا اور نہ کالے گڑ کے شربت میں معمولی تنکا کا وجود محسوس اور نمایاں ہوتا ہے لہذا یہ قول اسی قلبی صفائی اور شفافیت کا آئینہ دار ہے اور آپ کی اس تنگ دودھ میں جو آپ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کی تھی صرف اور صرف اشد اعلیٰ الکفار کے شان کا ظہور تھا لیکن شدت اور غیظ و غضب کے اظہار میں آپ نے جو سعی اور جدوجہد فرمائی محض اس لحاظ سے اس کو شک سے تعبیر فرمادیا کہ محض کفار و مشرکین کے خلاف غیظ و غضب ملحوظ نہیں رہنا چاہیے تھا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری اور منصب خلافت و نبابت کے تحت ہر بے رہنا چاہیے تھا۔ اور تسلیم و رضا کے اعلیٰ مقام پر استقامت اور استمرار کا مظاہر کرنا چاہیے تھا۔ ڈھکوا صاحب کہیں قرآن مجید میں بھی آدمؑ فتویٰ دیکھ کر یہ فتویٰ نہ لگا دینا کہ وہ خود ہدایت پر نہیں تھے دوسروں کے ہادی کیسے بن سکتے تھے اور ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے قابل رشک کب ہو سکتے تھے کیونکہ دوسری آیت بھی ملحوظ رکھنی ضروری ہے ”فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا“ وہ معمول گئے اور ان کا عزم و ارادہ عصیان اور نافرمانی کا نہیں تھا۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے باوجود ظاہری معنی کا عقیدہ رکھتا کفر ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے

فضل و کمال اور ایمانی و عرفانی بندگیوں کی گواہی اللہ تعالیٰ دے گا فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا و اؤده تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت یافتہ ہیں ورنہ نہیں اور ان کے ایمان کو ان کے لیے قابل تقلید نمونہ کے طور پر پیش فرمائے ”آمنوا کما آمن الناس“ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ لوگ ایمان لائے ہیں اور اعدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وفاتر ان شہادات سے پر ہوں اور حضرات اللہ کے ارشادات بکثرت موجود ہوں جن کے جواب دینے کی شیوہ کے اخلاف و اسلاف میں ہمت و جرأت ہی نہ ہو تو ان کے اپنے ذاتی قول کو جواز رہ تو اضع و انکساری سرزد ہوا اس کو کس طرح دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ ایس منکم رجل رشید! (ج ۱) ————— ڈھکو صاحب کا ارشاد ہے کہ حضرت علی ان کے علم کے ساتھ رشک کریں گے جو خود کہتے ہیں کہ مجھ سے مدینہ منورہ کی بوڑھی عورتیں احکام شرع کی زیادہ سے زیادہ واقف ہیں، مگر یہ بھی ان کا ذاتی قول ہے جو سراسر تواضع اور انکساری پر مبنی ہے اور ان عورتوں کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی پر جو غلیظہ وقت کو عین موقع پر اپنی رائے سے مطلع کرنے کا حوصلہ اور بر ملا اپنی معلومات کا اظہار کرنے کی ہمت رکھتی تھیں۔

ڈھکو صاحب ان بوڑھی عورتوں کا علم اپنی جگہ مسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتراف بھی مسلم مگر آپ اپنے فارسیوں سے یا رومیوں سے بھی یہ قول ثابت کر دیں کہ ان میں علم اور تدبیر نہیں ہے اور حکمت و دانش نہیں ہے جب کافر بھی یہ نہ کہہ سکیں بلکہ انہیں اس عظیم ہستی کی عظمتوں کا اعتراف کرنا پڑے تو تم اپنے آقا عبد اللہ بن سبا اور ابلیس کو خوش کرنے کے لیے ان کافروں سے بڑھ کر کیوں زور لگاتے ہو۔ قرآن مجید میں ”یخبر ان کرام کا یہ اعتراف موجود ہے کہ ”لا علم لنا“ ہمیں بالکل علم نہیں ہے۔ نکرہ تحت النقی ہے جو علوم نفی کا افادہ کرتا ہے تو یہاں بھی کہو گے کہ بوڑھی شیوخ عورتوں کے برابر بھی انبیاء کو علم نہیں تھا، نعوذ باللہ من ذلك۔ سچ ہے۔

ۛ خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے ۔

(د) ڈھکوماحب فرماتے ہیں کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب عمر کی زندگی پر رشک کریں گے جس کا اکثر و بیشتر حصہ کفر و شرک کی داریوں میں بھٹکتے گزر گیا۔ ڈھکوماحب یہ قاعدہ آپ نے کس یودی سے سیکھا ہے کہ جس کی ساری زندگی ایمان کی حالت پر گزرے وہ دوسروں سے افضل ہوا کرتا ہے۔ آپ کو پیدا ہوتے ہی مؤمن ہونے کا دعویٰ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل اور آپ کے اور سردر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تو کیا خیال ہے کہ تم ان سے افضل ہو گئے یا ان کے برابر؟ فعوذ باللہ من ذلک۔

علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد جو لوگ کسی وقت بھی حلقہ غلامی میں داخل ہوئے ان کے سابقہ عقائد اور اعمال کا عدم ہو گئے یا ان پر مواخذہ باقی ہے جب وہ اعمال قابل مواخذہ نہیں اور نہ اس شرک اور کفر پر ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی قسم کا عقاب ہے تو آخر شیعوں صاحبان کو اس مواخذہ اور تنقید کا حق کس نے دیا ہے اور اس کو مقام لعن و تشنیع میں ذکر کرنے کا؟ ماننے پر آئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانے والے اور عذاب خداوند تعالیٰ کا نشانہ بننے والے مرتدین کو دوبارہ زندہ ہونے اور توبہ کرنے پر نبی تسلیم کر لیں اور نہ ماننے پر آئیں تو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا ایمان ہی اس لیے تسلیم نہ کریں کہ وہ نبوت کے پھٹے سال شرف باسلام ہوئے یعنی صرف سترہ اٹھارہ سال شرف صحبت حاصل رہا لہذا اس کا کیا اعتبار ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علامہ کشی نے حضرت سلمان فارسی کی طرف منسوب روایت نقل کی ہے۔ والسبعین الذین اتھموا موسیٰ علی قتل ہارون فاخذتم الرحیفة من بغیرہم ثم بعثہم اللہ انبیاء مرسلین۔ (رجال الکشی ص ۲۶)۔ جن شرا آدمیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل کے ساتھ متہم کیا تھا اور ان کی

بناوت اور سرکشی کی وجہ سے ان کو زلزلہ نے اپنی لپیٹ میں سے لیا پھر انہیں زندہ کب اس حال میں کہ ان میں سے بعض انبیاء مرسلین تھے۔ اور بعض انبیاء تو تھے مگر مرسل نہیں تھے تو اس کے بعد کیوں نہ کہوں کہ ایسے لوگ یہودی ہیں اور عبدالمشرکین سبا کے دام تزویر میں گرفتار۔ ان کا اسلام اور اہل اسلام بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کرام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اور صرف از روئے نفاق کلمہ پڑھ کر اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اپنے مرتدین کو نبی مرسل بنا کر دکھاتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلط غلاموں اور قریبی رشتہ داروں کے ایمان کے بھی قائل نہیں جن کے ایمان داخل کے گواہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کرام علیہم السلام ہیں۔

اور یہی حکمت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس رشک کی تاکہ اہل اسلام یہودی سازش سے بچ سکیں اور انہیں پتہ ہو کہ جن بستیوں کے نامہ اعمال کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی ہستی رشک کرے ان کے متعلق کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش کیا ہو سکتی ہے یا اور آپ کا فرض منصبی تھا کہ آپ اہل اسلام کی ہدایت کا اہتمام فرماتے اور آپ نے اس کو باحسن طریق ادا فرمایا۔

جواب الثالث۔ ڈکھو صاحب نے شیطان مجسم بن کر اپنے غیظ و غضب اور بغض بالین کا اظہار اس رنگ میں کیا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین کا عمر صاحب کے نامہ اعمال سے رشک کرنا تو دور کی بات ہے کسی آدمی کے لیے بھی اس اعمال نامہ کے ساتھ رشک کا کوئی پلو موجود نہیں ہے۔ اس میں آدمی کا ذکر کر کے اور مؤمن کی تخصیص کو بھی ختم کر کے جس بے باکی اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس سے شیطان کو بھی شرم آرہی ہوگی کہ میں ان کے مخالف تو ضرور تھا مگر اعتراف حقیقت میں کبھی غل نہیں کیا اور "الاعباد لك منهم المخلصين" کہ کہ ان مقدس بستیوں کے سامنے اپنا اعتراف عجز کر لیا۔ مگر میرا یہ چیل اتنا حد سے تجاوز کر گیا ہے کہ کسی کو بھی معاف نہیں کیا اور وہ خود بھی اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور اہل ایمان کے ساتھ اس پر لعنت بھیجنے میں ضرور شریک ہوگا۔

دھکوا صاحب کیوں نہ اس عمن اسلام کے ساتھ اس غیظ و غضب کا اظہار کرتے
 انہوں نے سرزمین ایران فتح کر کے آگ کے بجاریوں کی آگ ختم کرائی اور زنا را تروائے
 یہود و نصاریٰ کے علاوہ فتح کر کے صلیبوں پرستش ختم کرائی اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
 کا اعلان کرایا اور خدائے واحد کے سامنے لوگوں کو سربسجود کیا اور ان کی بہنوں بیٹیوں اور
 ماؤں نانہوں اور دادیوں کو متہ کر دینے سے روک دیا وغیر ذلک تو ایسا شخص ان
 یہود و مجوس کے لیے کس طرح داد و تحسین کا حق دار ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اعمال نامہ
 ایسے انسان نامہ رندوں اور جانوروں کے لیے کیونکر قابل رشک ہو سکتا ہے؟ اگر
 اس کے اعمال نامہ سے رشک کریں گے تو ٹانگہ یا ٹانگہ نیرت اکابرین اسلام ہی کریں گے۔
 والحمد لله علی وضوح الحق و بطلان الباطل و اندفاع
 وساوس الوساوس الخناس۔

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

خطبہ حضرت عبداللہ بن عباس در حق خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم

قال ابن عباس رضی اللہ عنہما فی ابی بکر (الصديق) رحم
اللہ ابابکر کان واللہ للفقراء رحیما وللقرآن تالیا وعن المتکر
ناہیا ویدینہ عارفا ومن اللہ خائفا وعن المنہیات زاجرا
وبالمعروف آمراد وباللیل قائما وبالنہار صائما فاق اصحابہ
ورعا وكفافا وسادہم زہدا وعفافا فغضب اللہ علی من
ینقصہ ویطعن علیہ (ناسخ التواریخ جلد ۵ کتاب نمبر ۱۱۳۲ صفحہ ۱۱۳۲)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ)
کی شان میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے ابو بکر و صدیق پر کہ اللہ کی
قسم وہ فقیروں کے لیے رحیم تھے اور قرآن کریم کی تلاوت ہمیشہ کرنے
والے تھے۔ بری باتوں سے منع کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کچن کے
عالم تھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے۔ اور ناکردنی اعمال
سے ہٹانے والے تھے۔ اپنی باتوں کا حکم دینے والے تھے رات
کو خدا کی بندگی کرنے والے تھے اور دن کو روزہ رکھنے والے تھے۔
تمام صحابہ پر پرہیزگاری اور تقویٰ میں فوقیت حاصل کر چکے تھے دینا
سے بے رغبتی اور پاکدامنی میں سب سے زیادہ تھے پس جو شخص ان کی شان
میں تنقیص کرے یا ان پر طعن کرے تو ان کی شان میں تنقیص کرنے
والے پر خدا کا غضب ہو

شان فاروقی میں بھی ایک تصریح ملاحظہ ہو (ناسخ التواریخ کتاب نمبر ۱۱۳۲ صفحہ ۱۱۳۲)

رحم الله ابا حفص كان والله حليف الاسلام وما دى الايتام
ومنتهى الاحسان ومحل الايمان وكهف الضعفاء ومعقل المختلف
وقام بحق الله صابرا محتسبا حتى اوضع الدين وفتح البلاد وآمن
العباد اعقب الله من ينقصه اللعنة الى يوم القيامة۔

اللہ تعالیٰ رحمتیں فرمائے ابو حفص عمر رضی اللہ عنہ پر خدا کی قسم کہ وہ اسلام کے پچے
ہمدرد تھے۔ یتیموں کے آسرا تھے۔ احسان کے اعلیٰ مرتبہ پر شمع تھے۔
ایمان کا مرکز تھے ضعیفوں کے جائے پناہ تھے، متقی اور پرہیزگاروں کے
مجاہد و ماوی تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت فرمائی، جس میں تکلیفوں
اور مصیبتوں پر صبر کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے
والے تھے، یہاں تک کہ دین کو روشن کیا اور ملکوں کو فتح کیا۔ اور
اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خوف سے بچا کر امن میں رکھا۔ جو شخص بھی۔
ان کی شان کو گھٹائے وہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہے۔
اسی طرح شان ذی النورین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

رحم الله عثمان كان والله اكرم المحمدة وافضل البررة هجاء بالاجساد
كثير الدموع عند ذكر النار نهاضا عند كل مكرمة سباقا الى كل
منجية حبيبا وفتيا صاحب جيش العسرة ومحمور رسول الله صلى
الله عليه وآله فاعقب الله من يلعنه لعنة الالعنين۔

(تاریخ التواریخ جلد ۵ کتاب ۲ صفحہ ۱۴۴)

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں عثمان رضی اللہ عنہ، پر اللہ کی قسم وہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے شریف ترین داماد تھے، اور مقدس لوگوں سے
افضل تھے۔ بہت تہجد پڑھنے (نماز) والے تھے۔ نار جہنم کو یاد کرتے
وقت بہت رونے والے تھے۔ ہر بہترین کام میں ہر نجات دینے
والے پہلو کی طرف سب سے زیادہ سبقت کرنے والے تھے۔

غزوہ تبوک میں اسلامی لشکر کی امانت کرنے والے تھے غزوہ تبوک
میں اسلامی لشکر کی امانت کرنے والوں کے سردار تھے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے جو ان کی شان میں لعنت کرتا ہے
اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ان لوگوں کی لعنت ہے جو لعنت کرنے
والے ہیں۔

تترزیہ الامامیہ از محمد حسین دیکو صاحب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اس روایت سے بچدو۔
تسک کنادرست نہیں ہے۔

اولا ناسخ التواریخ میں یہ روایت مسعودی کی مروج الذہب سے لی گئی
ہے اور مسعودی اہل السنۃ کا جلیل القدر عالم بلکہ فاضل امام ہے۔

ثانیا عقلانی قاعدہ سے کہ کسی شخص کا کلام اس وقت اس کے عقیدہ کا ترجمان
ہو سکتا ہے جب کوئی قرینہ اس کے خلاف عقیدہ ہونے پر قائم نہ ہو اور
یہاں قرینہ موجود ہے جو اس کلام کے خلاف اعتقاد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔
ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کلمات مدح و ثناء مثلاً رضی اللہ عنہم کے
حق میں دربارِ معاویہ کے اندر کے اور اگر وہاں وہ حقیقی نظریہ بیان کرتے
جو اپنے استاد گرامی حضرت علی اور دیگر خاندانِ نبوت کے افرادِ کاملہ سے
ماصل کیا تھا تو جان سے ہاتھ دھوئے پڑتے اور جب جان کا خطرہ ہو تو
تقیہ جائز ہوتا ہے۔ لہذا یہ سب از روئے تقیہ کہا گیا ہے اس لیے اس کا
اعتبار نہیں۔

ثالثا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب یہ کلام ان کے مسلک
نظریات کے خلاف ہے جیسے کہ ان کے گرانقدر مکالمہ سے روز روشن
کی طرح واضح ہے جو انہوں نے حضرت عمرؓ خطاب رضی اللہ عنہ سے کئے

جیسے کہ طبری، محاضرات راغب میں مرقوم ہے اور شبلی نے ان کی تفصیل نقل کی ہے
 قطع نظر سابقہ وجوہ کے اگر واقعہ میں یہ اقوال حضرت عبداللہ بن عباس
 کے بھی ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مذہب شیعہ میں سند اور حجت صرف بنی ہے
 یا امام معصوم اور حسن کا قول ان کے قول و فعل کے خلاف ہو اس کو پرکاش کے برابر
 بھی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ (تزیینہ الامامیہ ص ۱۱۰ تا ۱۱۵)

تحفہ حسینینہ از ابوالحسن محمد اشرف السیالوی،

الجواب بتوفیق رب الأرباب

جواب الاول (۱) علامہ ڈکھو صاحب نے حسب عادت پہلا جواب یہ دیا کہ یہ
 روایت اہل السنۃ کی ہے لہذا ہمارے خلاف اس کو بطور حجت پیش نہیں
 کیا جاسکتا لیکن ہم نے اس سے قبل صاحب ناسخ التواریخ کی زبانی ثابت
 کر دیا ہے کہ اس نے متعلق علیہ روایت نقل کرنے کا الزام کر رکھا ہے اور
 اگر کہیں ایسی روایت آجائے جو عقیدہ شیعہ کے خلاف ہو تو وہ اپنے مذہب
 کا تحفظ کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ڈکھو صاحب
 نے اپنی مذہبی کتابوں کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا اور یہ پھر ترقیہ سے کام لیتے
 ہوئے غلط بیانی اور جھوٹ کو بروئے کار لاتے ہیں۔

(ب) اس روایت کے اہل السنۃ کی کتابوں سے ہونے کی دلیل یہ دی
 ہے کہ روایت مشہور دی کی مروج الذہب سے لی گئی ہے اور وہ علامہ
 اور امام فاضل اہل السنۃ کا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے
 اس مکاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے تحفہ اثنا عشریہ میں فرمایا۔
 کید بست دسوم آنکہ شخصے از علماء زیدیہ و بعضے فرق شیعہ غیر امامیہ

اثنا عشریہ نام برہمہ اول در مال او مبالغہ نمایند (تا) مثل زعفرانی صاحب
کشاف کہ تفضیلی و معتزلی است و اخطب خوارزم کہ زیدری غالی است و ابن
قیثمہ صاحب معارف کہ رافضی مقررہی است و ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ
کہ تشیع را با اعتزال جمع کردہ و ہشام کلبی مفسر کہ رافضی مقررہی است سعودی
صاحب مروج الذهب و ابوالفرج اصفہانی صاحب کتاب الانالی و علی
بن القیاس امثال رہنما را ایں فرقہ در اعداد اہل السنۃ داخل کنند و بقول
منقولات ایشان الزام اہل السنۃ خواهند۔

۲۳
تیسوں کراہل تشیع کا یہ ہے کہ اثنا عشریہ فرقہ کے علاوہ اپنے فرقوں میں
سے کسی فرقہ زیدریہ وغیرہ کے عالم کا نام لیں گے پہلے پہل اس کے حق میں
مبالغہ کریں گے کہ یہ بڑا متعصب سنی ہے بلکہ بعض اس کو سخت ترین نابھی
بھی کہہ جائیں گے پھر اس سے ایسی روایت نقل کر دیں گے جس سے مذہب
اثنا عشری کی تائید ہوتی ہوگی اور مذہب اہل السنۃ کا ابطال تاکہ اس
روایت اور نقل کو دیکھنے اور سننے والا غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے اور گمان
کرے کہ اس قدر متعصب سنی ہو کہ بغیر تحقیق محنت کے وہ ایسی روایات
کیونکر نقل کر سکتا ہے۔ اور پھر ان پر سکوت اور خاموشی کیونکر اختیار کرتا ہے
جیسے کہ زعفرانی صاحب کشاف جو تفضیلی شیعہ ہے اور معتزلی بھی اور
اخطب خوارزم جو زیدری غالی ہے اور ابن قیثمہ صاحب معارف رافضی
مقررہی ہے اور ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کہ جس نے تشیع اور
اعتزال کو یکجا کیا ہوا ہے۔ اسی طرح ہشام کلبی مفسر وہ بھی غالی رافضی
ہے اور سعودی صاحب مروج الذهب اور ابوالفرج اصفہانی صاحب
کتاب الانالی و علی بن القیاس اس قسم کے شیعوں علماء کو یہ گروہ پہلے پہل
اہل السنۃ کے علماء میں شمار کر دیتا ہے اور پھر ان کے اقوال اور
ان کی منقول روایات سے اہل السنۃ کو الزام دینے کی کوشش

کرتے ہیں۔

الفرق مسعودی صاحب اور انکی مروج الذہب اہل السنۃ کے نزدیک شیعوہ مؤلف کی
شیعی مذہب کی کتاب ہے اس لیے اس کو اہل السنۃ کے کھاتے میں ڈالنا سراسر دھوکہ بازی اور بدترن
مکاری و عیاری ہے نیز قاضی طبا طبائی شیعی نے بھی اس کے شیعی عالم ہونے کی تصریح کی ہے
جواب الثانی علامہ موصوف نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
سے یہ خطبات چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں سرزد ہوئے لہذا خوف جہاں
کی وجہ سے اپنے منیر کے برعکس کہنے پر مجبور تھے اور عقلانی قاعدہ کے تحت کہ جب قرینہ
قائم ہو کلام کا ظاہری معنی مراد متکلم نہیں ہو سکتا لہذا ان کے ان خطبات کا بھی ظاہری معنی و
مفہوم حضرت ابن عباس کی مراد و مقصود نہ تھا بس ویسے ہی زبان سے کہہ دیے لیکن
دریافت طلب امر یہ ہے کہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس دربار میں کون گرفتار کر کے لے
گیا تھا جب ایسے خطرات وہاں پر تھے تو ادمرمنہ کرنے کا حوصلہ ہی انہیں
کیونکر ہوا۔

آپ نے ایک طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اتنا بہادر ثابت
کر دیا کہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان
کے دور خلافت میں رد و بد مکالمہ کرتے ہوئے ان کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
پر ظلم اور جبر کوئے کا الزام عائد کیا اور ان کے رعب و حلال اور سطوت و جبروت کو ذرا
بھی خاطر میں نہ لائے جن کے بلا دے پر امیر شام کا پسینہ چھوٹ جاتا تھا اور جو
خالد بن الولید جیسی شخصیت کو حص کی گود نری سے منہ زل کر کے انہیں کی دستار ان
کے گلے میں ڈال کر لوگوں کے سامنے کھڑا کر کے جواب طلبی کرتے ہیں کہ یہ
اموال و امثلو کہاں سے آئے اور ظالان جگہ اتنا خرچ کیوں کیا وغیرہ وغیرہ بشرح
نیج البلاغہ، ابن ابی الحدید جلد اول ص ۱۸۰ آخر اس تضاد کا بھی جواب
کبھی سوچا۔؟

پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص تھے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ استاد گرامی کی تعلیم تو یہ ہے۔

اَنَّ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ لَا يَقْرِيَانِ مِنْ أَجْلِ وَلَا يَنْقُصَانِ مِنْ رِزْقٍ وَأَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ كَلِمَةٌ حَقٌّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِزٍ
کہ امر معروف اور نہی منکر نہ موت کے منہ میں دھکیلتے ہیں اور نہ رزق اور روزی سے محروم کرتے ہیں اور سب سے افضل صورت امر معروف اور نہی منکر کی یہ ہے کہ جو پیشہ سلطان کے سامنے کلمہ حق اور آوازہ عدل بلند کیا جائے۔

(منہج البلاغہ مع شرح حدیثی ص ۲۱۹)

حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما نے حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خاطر جان کی بازی لگا دی تو حضرت ابن عباس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر یہ قربانی دینا کیوں مشکل معلوم ہوا۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی ہچکچی ہٹ کے اپنا موقف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا اور مناظرانہ انداز میں اپنی صداقت و حقانیت واضح کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سچائی اور صداقت بھی لیکن ڈھکڑھکڑ صاحب کا خیال یہی ہو گا کہ کون اتنی بڑی کتاب منگوائے گا پھر اس کے دیکھنے کا تکلف کرے گا۔ اور نعتیہ میں اجر و ثواب بھی ملے گا۔ اور زحمت جواب سے بھی کسی حد تک خلاصی مل جائے گی لہذا ہم خرمادہم ثواب کرنے میں ہی عافیت ہے آئیے اصل حقیقت کے چہرہ سے نقاب الٹ کر دیکھیں۔ اور علامہ موصوف کی اپنے اسلاف کی تقلید و تاسی میں فریب کاری کا مشاہدہ فرماویں۔

ڈھکڑھکڑ صاحب کی فریب کاری:

ناسخ التواریخ جلد پنجم از کتاب دوم کے ص ۱۳۹ پر مؤرخ نے عنوان قائم کیا ہے ”زندہ عبداللہ بن عباس بر معاویہ“ رضی اللہ عنہم۔ اور اس کے تحت اپنے مسلک کی

کتاب الحفال سے روایت نقل کی ہے جس کو عبد الملک بن مروان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بنو ہاشم کے چند افراد بمع ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موجود تھے۔ جن کو امیر معاویہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا: بما تفخرون علينا ایس الاب والام واحد والدار والمولد واحد "تم ہم پر کس وجہ سے فخر ظاہر کرتے ہو کیا ہمارے ماں باپ ایک نہیں ہیں اور منشاؤ مولد ایک نہیں ہیں جس کے جواب میں حضرت ابن عباس بولے اور وجہ مفاخر بیان کیے اور یہ سلسلہ گفتگو دو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر عمرو بن العاص نے مداخلت کی اور آپ نے بڑے سخت لب و لہجہ میں ان سے کلام کیا۔ اس کے بعد ص ۴۲ پر فاضل مجلسی کا کلام مجالس شیخ مفید سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ امیر معاویہ نے آپ سے کہا: انکم تریدون ان تخرنوا الامامة کما اختصصتموا بالنبوۃ واللہ لا یجمعان ابداً الخ تم چاہتے ہو کہ نبوت کے اختصاص کے بعد خلافت بھی اپنے ہی خاندان میں جمع کر لو لیکن بخدا اس طرح نہیں ہو سکتا انم جس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دیا جو تقریباً دو صفحوں پر پھیلا ہے جس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہاں تک کہا کہ تیری امارت کی وجہ سے لوگوں پر عذاب اور تکلیف ظاہر ہے اور تیرے بعد تیرے لڑکے اور تیری جدی برادری کی سلطنت سیرج عقیم سے بھی زیادہ لوگوں کے لیے موجب ہلاکت ہوگی پھر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ذریعے تم سے انتقام لے گا اور انجام کار مملکت و سلطنت متعین کے ہاتھوں میں ہوگی۔

اس کے بعد خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا آخر اتنی دھاندلی بھی کوئی روا کر سکتا ہے کہ ان عبارات سے قبل پورے پانچ صفحات پر انتہائی سخت لب و لہجہ میں گفتگو ہو اور براہ راست امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید، وہاں جان کا خطرہ لاحق نہ ہوا اور صرف خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں جان کا خطرہ لاحق ہو گیا اور تنقید کی ڈھال استعمال کرنی پڑی۔

سراپا تعجب و حیرت = سراسر تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ چونکہ میر
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہی مطالبہ پر آپ نے امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
کی شان اور عظمت پر خطبہ دیا اور اس کے آغاز میں فرمایا رضی اللہ عن ابی الحسن
کان واللہ علم الہدی و کھفت التقی و محل المحبہ و بحر الندی اور آخر میں فرمایا لہو تر عین
مثله و لن تری فعلی من یبغضہ لعنة اللہ و العباد
الی یوم القیامة - یعنی اللہ تعالیٰ حضرت ابوالحسن سے راضی ہو
بخدا وہ ہدایت کے علم تھے اور تقویٰ کے بجا و مادی اور محل عقل و دانش اور وجود و سخا
کے سمندر، نہ میری آنکھ نے ان جیسا دیکھا اور نہ کہیں دیکھے گی پس ان کے ساتھ بنقص
رکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور اس کے تمام بندوں کی تاقیام قیامت، جس
پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف ان الفاظ میں تبصرہ کیا "یا بن عباس در حق
پسر علم خود فزونی جستی و فراوان گھنٹی انوں از پدر خود عیاں گوئی" اے ابن عباس تم نے
اپنے چچا زاد بھائی کے حق میں مبالغہ آمیزی اور فراوانی کے ساتھ کہنے اور ان کے مقام
کو زیادہ بڑھانے کی کوشش کی ہے اچھا اب اپنے والد کے متعلق کچھ بیان کیجیے۔
المرض اس سیاق و سباق کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے پر سمجھنے کے بعد کوئی
شخص بھی بقائم ہوش و حواس اور بقاء ایمان و انصاف یہ کہنے کی جرأت نہیں کر
سکتا کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے جو کچھ کہا وہ جان بچانے کی خاطر تقیہ کرتے
ہوئے کہا ہے۔

علاوہ انہیں یہی مضمون آپ سے اس وقت بھی مروی و منقول ہے جب کہ آپ
کو طائف کی طرف منتقل ہونا پڑا جب کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے آپ کو اختلاف
ہوا۔ اور اہل طائف آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور
بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے بعد خلفاء راشدین کا ذکر کرتے اور
فرماتے: ذہبوا قلم یدعوا امثالہم ولا اشباہہم ولا من یدانہم
ولکن بقی اقوام یطلبون الدنیا یعمل الآخرة۔ (شرح حدیدی بحوالہ ملائی جلد ۴ ص ۱۲۵)

وہ خلفاء بنوی دنیا سے تشریف لے گئے اور اپنے بعد نہ اپنی مثال چھوڑی نہ کوئی اپنے مشابہ بلکہ کوئی ایسا بھی نہیں جو ان کے اخلاق اعمال اور سمیرت و کردار کے قریب بھی ہو چہ جائیکہ ان جیسا ہو لیکن اب صرف ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو اعمال آخرت کے بدلے دنیا کو طلب کرتے ہیں۔

آپ کو طائف میں تو کوئی خطرہ اور خوف درپیش نہیں تھا جس سے بالکل واضح ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنے ضمیر کی آواز اور اپنا پسندیدہ نظریہ اہل اسلام کو بتلانا چاہتے تھے اور آپ نے اس اعلان حق میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی تھی۔ نہ اس میں تقیہ کا ذرہ بھر شائبہ تھا اور نہ ہی جان کا کوئی خطرہ تھا۔

(۴) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ ان حضرات کے قریبی رشتہ دار تھے اس لیے وہاں جاتے بھی رہتے تھے اور بے تکلفی میں بات چیت بھی کرتے رہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں جب کہ مخالفت عروج پر تھی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور بہت ہی عزت و کرامت وہاں پر دیکھی لیکن جب انہوں نے اپنے برتاؤ کے متعلق خطبہ دینے کو کہا تو کس قدر کھل کر حضرت علی کی عظمت بیان فرمائی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان کی نسبت کم مرتبت ہونا واضح اور ظاہر کیا جیسے کہ ابن ابی الحدید نے اس کو اپنے تشیع اور اعتزالی پس منظر میں بڑے غلیظ انداز میں بیان کیا ہے۔ الغرض وہاں نہ کوئی جان کا خطرہ تھا اور نہ ہی کوئی جبر و اکراہ تھا لہذا عقلانی قرینہ تو اس طرح سرائی اور قصیدہ خوانی کو حضرت ابن عباس کے عقیدہ کے برعکس سمجھنے پر دلالت کرتا نہیں دے لیسے مزاج تشیع کو یہ حقیقت ناقابل برداشت محسوس ہو تو اس کا کیا علاج ہے۔ بلکہ امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران فرماتے ہیں میرے والد گرامی فرماتے تھے۔

لا تکرہوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فارقتموہ لوائتیم الرؤس
تندر عن الکواہل کا مختلط، امیر معاویہ کی امارت کو نا پسند نہ کرو۔ اگر

تم ان سے جدا ہوئے (اور ان کی وفات ہو گئی) تو تم سرور کو کندھوں سے اس طرح جدا ہوتے دیکھو گے جس طرح کہ خنفل کو بیل سے جدا کیا جاتا ہے۔
 (شرح ابن ابی الحدید جلد نمبر ۱ ص ۲۶ بحوالہ ابوالحسن المدائنی) اگر نگاہ حسن بلکہ
 نگاہ مرتضیٰ رضی اللہ عنہما میں وہ خلافت و امارت اتنی ہی جابرانہ ہوتی تو آپ یہ
 ارشاد کیوں فرماتے اور پھر امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی خلافت ان کے حواسے ہی
 کیوں فرماتے اور مصالحت کیوں کرتے لہذا جان کے خطرے والا بہتان
 لغو و باطل ہے۔

جواب الثالث :- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے مکالمات میں اپنا
 حقیقی عقیدہ ظاہر کر دیا ہے لہذا اسی کا اعتبار ہے نہ کہ اس کا جو دربار معاویہ میں کیا گیا
 اس مقام پر علامہ صاحب نے الفاروق قبیل النعمانی کے حواسے سے دو مکالمے نقل
 کئے گئے ہیں۔

پہلا مکالمہ حضرت عمرؓ : کیوں عبداللہ بن عباس ! علیؓ ہمارے ساتھ،
 کیوں شریک نہیں ہوتے؟
 عبداللہ عباسؓ : میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ : تمہارے باپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے اور تم
 آپ کے چچے بھائی ہو، پھر تمہاری قوم تمہاری طرف دار کیوں نہ ہوئی؟
 حضرت ابن عباسؓ : میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ : وہ نبوت اور خلافت کا ایک ہی خاندان میں جمع ہونا پسند
 نہیں کرتے تھے۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابو بکرؓ نے تمہیں خلافت سے محروم
 کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے ابو بکرؓ نے وہی کیا جس سے زیادہ
 مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ایسا
 کرنا تمہارے حق میں مفید نہ ہوتا۔

اس پورے مکالمے کو غور سے پڑھو بار بار پڑھو اور بتلاؤ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

کے کسی لفظ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ آپ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کی خلافت کو غاصبانہ اور ظالمانہ سمجھتے تھے۔ اس مکالمہ میں سرے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا لفظ ہی موجود نہیں ہے۔ اگر ایک شخص مجتہد العصر اور حجتہ الاسلام ہونے کا دعویٰ کرے تو ایسے دلائل دینے لگے اور مدعا کو اس قسم کے مکالمات سے ثابت کرنا چاہے تو اس سے زیادہ اندھیرنگری کیا ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے شبلی صاحب کی اردو عبارت میں بھی علامہ صاحب کو غور و فکر کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔

دوسرا مکالمہ : ڈھکو صاحب فرماتے ہیں دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں وہی ہیں اور کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ : کیوں عبداللہ بن عباس تمہاری نسبت میں بعض باتیں سنا کر سنا تھا لیکن میں نے اس خیال سے ان کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری نگاہوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ : وہ کیا باتیں ہیں؟
حضرت عمرؓ : میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو ہمارے خاندان سے خلافت حسد اور ظلماً چھین لی گئی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ : ظلم کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے لیکن حسد تو اس کا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم علیہ السلام پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے۔

حضرت عمرؓ : افسوس بنو ہاشم کے دل سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے حضرت ابن عباسؓ : ایسی بات نہ کہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاشمی تھے۔

11) اس مکالمہ میں حسد اور ظلم کے الفاظ موجود ہیں لیکن سوال یہ ہے

کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مکالمہ میں حاسد اور ظالم کس کو کہا ہے؟ علامہ ڈکھو صاحب کا درج کردہ پہلا مکالمہ ہی اس کی وضاحت کر دیتا ہے کہ ہماری قوم نے یہ نہ چاہا کہ ان کو نبوت کی فضیلت کے ساتھ ساتھ خلافت کی فضیلت بھی مل جائے اور خلافت و امامت تو انہیں کے شوری اور انتخاب سے ہی ملنی تھی لیکن انہوں نے اس خیال پر کہ اگر ایک ہی گھرانہ میں نبوت اور خلافت جمع ہو گئی تو وہ دوسروں کو حقیر سمجھیں گے اور کوئی اہمیت ہی نہیں دیں گے۔ لہذا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف داری نہ کی اور حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ بنا دیا۔ لہذا اگر نسبت حسد یا ظلم کی ہو سکتی ہے تو قوم قریش کی طرف نہ کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی طرف اور اگر کہنے اور ربخ وغیرہ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھے بھی تو دوسرے حضرات کے ساتھ جن کے افراد خاندان حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے یا جن کے ہاتھوں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قریبی شہید ہوئے یا دور اسلام سے قبل جو باہمی نزاع اور اختلاف ہوا کرتا تھا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پرانے ربخ اور کہنے کون سے ہو سکتے تھے۔

ان دونوں مکالموں سے صاف ظاہر ہے کہ خلافت و امامت کا حصول قوم کی معاونت و موافقت پر مبنی تھا نہ کہ یہ امر منصوص من اللہ تھا۔ لہذا ڈکھو صاحب کے ان مکالموں سے بھی ان کا مذہب باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔

کہ قوم چاہتی تو ان کو خلیفہ بنا سکتی تھی لیکن انہوں نے اپنی مصلحتوں کے تحت ایسا نہ چاہا لہذا حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو خلافت نہ مل سکی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس مکالمہ میں کوئی تخصیص نہیں بلکہ نبوہاشم کے گھرانہ کی بات ہے تو اس سے بھی اہل تشیع کا مدعا پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ ثبوت اہم ثبوت اخص کو مستلزم نہیں ہوا کرتا اور جب خلافت بنو عباس کو مل بھی گئی۔

تو انہوں نے اولاد علی رضی اللہ عنہم کو واپس نہیں کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے

(۲)

(۳)

کہ وہ اپنا حق ہی سمجھتے تھے ۔

(۴) جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا معاملہ آیا یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا تو بنو عبد المطلب اور بنو ہاشم میں سے کسی نے حضرت علی کا ساتھ دیا ؟ اور بیعت میں توقف بھی فرمایا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر بنو عبد المطلب اور بنو ہاشم بھی اس حسد اور ظلم میں شریک ماننے ضروری ہیں ۔ نیز حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرب خاص تھے اور مشیر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح و صفائی کرانے والے اگر خلافت لالمانہ اور غاصبانہ سمجھتے تھے تو ان سے معاونت کیوں فرماتے تھے ۔ مزید تفصیل بیعت صدیق کے ضمن میں ذکر کی جائے گی ۔

(۵) نیز یہ مکالمات بھی محض تاریخی روایت اور حکایت ہیں اور عقائد کے معاملہ میں اخبار آحاد و صحاح اربعہ کے بھی بقول ڈھکوا صاحب کارآمد ثابت نہیں ہو سکتے ۔ (ملاحظہ ہو اصول الشرائع ص ۲۰) تو ان تاریخی حکایات سے کیونکر عقائد کا اثبات ممکن ہے نہ اسلام میں ایک عقیدہ کو رکن بنانے اور نہ ہی کسی شخص کا عقیدہ اسلام ثابت کرنا ایسی حکایات و روایات تاریخیہ سے ممکن ہے کیونکہ ان میں ہر قسم کے رطب و یابس ہوتے ہیں ۔

لہذا یہ ساری تطویل لافاضل ہے اور ڈھکوا صاحب نے صرف ڈوبتے کو تنکے کا سہارا والا طریقہ اختیار کیا ہے ۔ ڈھکوا صاحب کے ہی بیان کردہ قاعدہ و قانون کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عباس بکمان کے والد گرامی اور بھائی صاحبان کا زندگی بھر کا طرز عمل اور ارشادات جو کتب اہل سنت میں علی الخصوص صحاح میں موجود ہیں وہ اس حقیقت کی بین برہان ہیں کہ آپ دل و جان سے ان حضرات کی خلافت حق کے قائل تھے اور معترف جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملنے پر اس کے قائل اور معترف ہوئے اور ان کا پورا پورا ساتھ دیا لہذا اہل سنت کی طرف ابن عباس

کے کسی ایسے عقیدہ کی حکایت و روایت کو منسوب کرنا سراسر افتراء اور بہتان ہے اور واقعہ حقیقت کے بھی سراسر خلاف ہے۔

جواب الرابع :- ڈھکو صاحب نے اپنے جوابات کی کمزوریاں اور وجوہ ضعف عموماً کرتے ہوئے دل کی اصل بات اگل ہی ڈالی کہ چلو ابن عباس کا یہ عقیدہ ہو تو مذہب شیعہ کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہم تو صرف نبی کے فرمان یا امام وقت کے فرمان کو حجت سمجھتے ہیں اور دوسرے کسی شخص کے قول کو پرکاہ کی اہمیت نہیں دیتے لیکن ڈھکو صاحب مشکل یہ بن جائے گی کہ علی مرتضیٰ کے چچا زاد بھائی تلمیذ خاص، وزیر خاص، شیر خاص، مفسر صحابہ اور آپ کی طرف سے نامزد متاخر اور فیصل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر جن کو فقہ دین اور تفسیر قرآن کے علوم و معارف اور نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوئے اگر وہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے حق میں اس قدر مدح و ثناء پر مشتمل خطبات دیں اور ان کی تنقیص کرنے والوں پر لعنت بھیجیں تو اس کا عمومی تاثر اور رد عمل کیا ہوگا۔ اگر گھر والے ہی خلافت بلا فصل اور وصیت و نامزدگی کا انکار کریں اور قبول شیعہ خلافت مضب کرنے والوں سے کسی ناراضگی کا اظہار نہ کریں بلکہ ناراضگی کا اظہار کرنے والوں پر لعنت بھیجیں تو دوسرے لوگ یہی کہیں گے جب گھر والے اس خلافت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور بلا فصل کی پھر کے قائل نہیں اور اس کے خلاف کرنے والوں کے دین و ایمان میں ان کو کوئی نقص نظر نہیں آتا تو پھر یہ افسانہ ہی ہے اور اس کو حقیقت اور واقعہ سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اسے محض یہ کہہ کر ٹھکرایا نہیں جاسکتا کہ میں ابن عباس کے قول کی کیا پروا؟ اگر ڈھکو صاحب جیسا پندرہویں صدی کا عالم خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ایسا خطبہ دے تو پھل پھل جائے اور شیعہ مذہب میں شدید زلزلہ محسوس ہو لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس قدر عزائم اور بے اعتبار سمجھے جائیں۔ اس سے بڑھ کر مقام حیرت اور عمل تعجب کیا ہو سکتا ہے؟

وہ گیارہویں صدی کا فرماں یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد

اور ادعاء نص والا ہمارے تو وہ چودہ سو سال سے شیعہ صاحبان کے ذمے ہے مگر آج تک اس کو ثابت کرنے کی ہمت کسی میں نہیں ہوئی۔ مفصل بحث بیعت اور خلافت کی بحث میں ذکر کی جائے گی۔ فانتظر۔

مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام اقدس سرہ العزیز

منقبت عثمان رضی اللہ عنہ

کافی کتاب الروضہ مطبوعہ مکتبہ کے ص ۹۹ و ص ۱۰۶ و ص ۱۵۱ پر ائمہ کرام سے یہ روایت موجود ہے کہ بیعت الرضوان کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک دست مقدس کو امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور دوسرے دست مقدس کو اسکے اوپر رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے جو تمہارا ساتھ ہی ساتھ بیعت کے شرف سے شرف ہو رہا ہے راقول اور صحابہ کرام عظیم الرضوان نے جب حضرت عثمان کے کہ مکرمہ پینے پر شہرے جے میں کہا کہ وہ تو بیعت اللہ کے طواف کا شرف حاصل کر لیں گے لیکن ہم یہیں پر روک دیئے گئے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ عثمان ہمارے بغیر طواف کر لیں چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس حدیبیہ میں تشریف لائے تو مرویہ علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ آیاتم نے طواف کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ میں کس طرح طواف کر لیتا جب رسول اللہ نے طواف نہیں کیا اہل عربیہ بھی مطالعہ فرمائیں موبایعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین وضرب بالحدی یدیدہ علی الاخری لعثمان وقال المسلمون طوبی لعثمان قد طاف بالبيت وسعی بین الصفا والمروة واحل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان لیفعل فلما جاء عثمان قال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطلقت بالبيت فقال ما کنت لا طوف بالبيت ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یطف کتاب الروضہ للکافی ص ۲۲۶ مطبوعہ ^{تہران} اور اسی مضمون کو علامہ باذل شیعہ نے فارسی اشعار میں اسی طرح ادا کیا ہے۔

بجو شید آنگہ بدل مہر خون
بغمان چنیں گفت آنہر نگوں
کہ گر میل داری تو طوف حرم
بکن مانعت نیست کس زین چشم
ولیکن محال است ایں سبکداز
کہ آید محمد برائے طواف
چوں بشنید عثمان از وایں سخن
چنیں داد پاسخ بہ آل احمرین
کہ طوف حرم بے رسول خدا
نباشد بر پیر دانش روا ۔

(کتاب صلوٰۃ حیدری تالیف مرزا محمد رفیع التخلّص باذیل ص ۱۱۹)

سبحان اللہ یہ منزلت اور یگانگت، یہ اتحاد اور یہ رتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا۔
اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کے مدعی ان کی شان میں جو اس کریں یہ
شرف اور بھی کسی کو نصیب ہوا جو اس ہستی مقدس کے حصّہ میں آیا کہ جس ہاتھ کو اللہ تعالیٰ
نے اپنا ہاتھ قرار دیا اللہ فوق ایدہم اس کو آپ نے عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور
جن بیعت کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ جو لوگ تمہارے ہاتھ پر
ہاتھ رکھ کر بیعت کر رہے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کر رہے ہیں۔
ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ان میں
شامل فرما کر اس اعزاز و اکرام کے ساتھ نوازا اور جن بیعت کرنے والوں کے متعلق
ارشاد فرمایا کہ میں ان سے نفی ہو چکا ہوں اور میں نے ان کے دلوں کی کیفیت معلوم کر لی
ہے ”لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرة فعلموا
فی قلوبہم“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے بیعت لے
کر اس فصیلت میں ان کو بھی داخل فرمایا، نیز ان کے متعلق اپنے طور پر اس اعتماد اور
المینان کا اظہار فرمایا دیا کہ عثمان کی محبت و عقیدت سے یہ بعید ہے کہ وہ ہمارے
بغیر بیت اللہ کا طواف کرے یا صفا و مروہ میں سعی کرے اور احرام کھول دے۔
اس سے بڑھ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد اور المینان کا ثبوت کیا ہوگا۔ اور
حضرت عثمان کا اس اعتماد پر پورا اترنے کا مزید کیا ثبوت درکار ہوگا اور عشق مصطفیٰ۔
صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نمونہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پیش کیا ہے اس قسم کا بے مثال

نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا نے بزرگ و بڑتر کا عظیم گھر سامنے ہے اور قریش کی طرف سے طواف اور سعی کی مکمل آزادی بھی ہے لیکن وہ کہہ رہے ہیں میرا رسول طواف کرے گا تو میں بھی کروں گا۔ اور میرا رسول سعی کرے گا تو میں بھی کروں گا میرا رسول احرام کھوے گا تو میں بھی کھو لوں گا یہیں تو کعبہ سے تعلق اور پیار ہے یا سعی صفا و مردہ سے دلچسپی تو ان کے لطیف انہیں کا شوق اور عشق اس سعی و طواف میں ہمارا امام ہے۔ لہذا انکے بغیر یہ عظیم عبادات ادا نہیں ہو سکتیں اور نہ اکیلے یہ ساداتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ محمد اشرف سیالوی! ائمہ ہدی کی ان تصریحات کا انکار صرف اس صورت میں کارگر ہو سکتا ہے کہ اہل تشیع کے ذاکرین مذہب شیعہ کی تمام ترکاتوں کو منقطع کرادیں اور ان کی کلی یا جزوی اشاعت قانوناً جرم قرار دے دیں! بتائیے اس کے بغیر بھی کوئی چارہ ہے یا روایات کا انکار کوئی معنی رکھتا ہے۔

محترم بھائیو! میں خدا کو حاضر ناظر یقین کرتے ہوئے مذہبی تعصب کو درکنار رکھ کر محض حق پسندی اور انصاف سے عرض کرتا ہوں کہ ائمہ طاہرین کی اس قدر واضح اور غیر مبہم تصریحات سے انکار کرنا اور ان کی بعید از عقل و قیاس تاویلیں کرنا۔ ان کے اصل مفہوم اور معنی سے انحراف کر کے عقل سلیم اور صحیح نظر و فکر کے خلاف توجہیں کرنا صرف اس شخص سے ممکن ہے جو دل سے ان کے ساتھ رائی کے برابر بھی الفت نہیں رکھتا اور اس کے دل میں ان مقربین بارگاہ صمدیت کی ذرہ بھر وقت نہیں صرف دعویٰ یا محرم کے چند دنوں میں ہنگامہ آرائی۔ ائمہ صادقین کے صریح ارشادات کی خلاف ورزی کا تدارک نہیں کر سکتی اور ان ائمہ ہدی کے واضح تراجم و احکامات اور ان کے حلیہ بیانات اور قسمیہ تصریحات کو خلاف واقعہ اور جھوٹ یقین کرنے والا ان کا محب اور مؤمن نہیں ہو سکتا۔ کافی کتاب الروضہ مطبوعہ لکھنؤ ص ۹۹ و مطبوعہ تہران ص ۲۰۹ بھی ملاحظہ فرماتے جائیے۔

ینادی صناد فی اول النہار الا ان فلان بن فلان و شیعتہ ہم الفائزون۔
الفائون و ینادی آخر النہار الا ان عثمان و شیعتہ ہم الفائزون۔ یعنی

ح لو ایک نداء دینے والا نداء دیتا ہے کہ ہوشیار ہو کر اور خبردار ہو کر سنو کہ فلاں بن فلاں اور ان کا گروہ ہی فائز المرام ہیں اور شام کے قریب ایک نداء دینے والا نداء دیتا ہے کہ ہوش سے اور خبردار ہو کر سنو کہ عثمان اور ان کا گروہ ہی فائز المرام ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اور ان کے تبعین کے فائز المرام ہونے کی تصریح کے ساتھ جس دوسری شخصیت اور ان کے تبعین کے فائز المرام ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے فلاں بن فلاں کے ساتھ تو دیکھنا یہ ہے کہ اس فلاں سے کون مراد ہیں تو اہل تشیع کی عادت یہ ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام نامی اگر ناچار لکھنا پڑ جائے تو فلاں لکھ کر سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سایے سے بھی اس اس طرح بھاگتے ہیں کہ دوسرا راستہ اختیار کرتے ہوئے فلاں کہہ دیتے ہیں اہل تشیع نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ یہ طرز اختیار کیا ہے مثلاً کتاب منہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۱۹ مطبوعہ ایران میں: اللہ بلاد فلان فلقد قوم الاود الخ حضرت امام الاثر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کی شرح میں صاحب بجمۃ المدائق، ابن ابی الدرداء اور صاحب منہاج البراعۃ اور لایہی اور ابن تیم تصریح کرتے ہیں کہ فلاں سے مراد عمر ہیں البتہ ابن تیم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ اور الدرۃ النقیۃ میں ہے کہ ابوبکر صدیق مراد ہیں۔ (نوٹ) دیکھو صاحب ان دونوں روایات کا جواب ہضم کر گئے اور عملی طور پر گویا اپنے مجز اور بے مائیگی کا اعتراف کر لیا اور اپنی جماعت کی وکالت میں ناکامی کا اقرار کر لیا۔

تحفہ حسینیہ

الغرض صبح کو یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ اور یا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین کے متعلق اور پچھلے ہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین کے متعلق کہ وہ فائز المرام ہیں اور یہی اعلان قرآن مجید نے بھی ان کے متعلق فرمایا ہے قال اللہ تعالیٰ: والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوہم باحسان رضی

اللہ عنہم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجری تحتہا الانہار خالد بن فیہما
 ایداً ذلک الفون العظیم ، یعنی اسلام کی طرف سبقت لے جانے والے
 مہاجرین اور انصار اور جو اچھے طریقہ پر ان کے پیروکار ہوئے اللہ تعالیٰ ان سے راضی
 اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔
 جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور وہ بہت بڑی فوز و فلاح اور کامیابی
 ہے لہذا اس روایت کا وہی معنی مقبر ہوگا۔ جو اس آیت کریمہ کے مطابق ہوگا اور
 اس کا خلاف باطل و مردود ہوگا کیونکہ وہ قرآن مجید اور ثقل اکبر کے خلاف ہوگا۔
 ہذا والحمد للہ۔

غزوہ تبوک کی تجہیز پر حضرت عثمان کیلئے بشارات

القصہ چوں پیغمبر لختے تخریض جہاد بن کر دو دردمد مدینہ جنیش پر یہ گشت لا
 جرم عثمان بن عفان کہ اس وقت مدلیست شتر و دلیست اوقیہ سیم از بہر تجارت
 شام لبنا کر رہ بود تمامت بکفرت رسول آورد و برائے تجہیز لشکر پیشداشت،
 پیغمبر فرمود: لا یضر عثمان ما عمل بعد ہذا و بروایتی سیصد شتر با ساز و برگ و
 ہزار شقال زر سرخ حاضر کر دو پیغمبر فرمود: اللہم ارض عن عثمان فانی عنہ راضی و نیز گفتہ
 انداز سی ہزار تن لشکر کہ سفر تبوک کر دو دیہرہ ما عثمان تجہیز فرمود و علماء عامہ از بھر اوقیش
 حدیث کنند کہ پیغمبر فرمود: من جہز جيش العسرة فله الجنة فجهزها
 عثمان“
 رنا صخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۴۲۲)

رسالت عسرت یعنی غزوہ تبوک کے موقعہ پر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے جہاد کی طرف ترغیب پر مشتمل گفتگو فرمائی اور ساکنین مدینہ مہاجرین و انصار میں
 جوش و خروش پیدا ہو گیا تو عثمان رضی اللہ عنہ (جنہوں نے در سوا دنٹ اور
 اور دسوا اوقیہ چاندی راکھ ہزار و سیم اشام کی تجارت کیلئے تیار کر رکھے تھے) ان کے

تمام لاکھ بار گاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں لشکر کی تیاری کے لیے پیش کر دیئے ،
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان اس کے بعد جو بھی کرے اس کا ضرر و نقصان
 اس کو لاحق نہیں ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ اور باز پرس نہیں فرمائے گا۔
 اور ایک روایت میں ہے کہ تین سو اونٹ بمع ساز و سامان اور ایک ہزار
 دینار زر خالص کا حاضر کیا اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کو دعا دیتے ہوئے کہا اے اللہ عثمان
 سے راضی ہو جائیو کہ میں دیر محبوب و مطلوب ہوں جس کی رضا از رہ کرم تو چاہتا ہے اور میں
 ان سے راضی ہو چکا ہوں۔ نیز علماء نے کہا ہے کہ تبوک کی طرف سفر کرنے والے تیس
 ہزار افراد پر مشتمل لشکر میں سے دو تہائی کی تیاری کا انتظام و اہتمام انہوں نے کیا تھا۔
 اور علامہ راہل السنت والجماعت نے ان کے لیے اس طرح حدیث نقل کی ہے کہ
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص حبشہ کی طرف سفر کرے تبوک کے
 شدت اور سختی کی حالت میں ہے اور فخر و فاقہ سے دوچار ہے، اس کو تیار کرے گا
 اور ان کے لیے ضروری ساز و سامان ہم پہنچائے گا تو اس کے لیے جنت ہے۔ تو
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پورے لشکر کے لیے ضروری ساز و سامان مہیا فرمایا۔
 تبیہ علی عامہ کی روایت کو علیحدہ ذکر کر کے صاحب تاریخ نے واضح کر دیا کہ
 پہلی روایت میں علماء شیعہ بھی اہل سنت کے ساتھ متفق ہیں اور اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
 کے لیے یہ بشارت بھی ہے کہ ان سے مواخذہ اور باز پرس نہیں ہوگی اور یہ دعا بھی
 ہے کہ اے اللہ ان سے راضی ہو جا اور وہ محبوب جس کے دل کا ارادہ بدے۔ تو
 اللہ تعالیٰ عین نماز میں قبلہ بلا دے اور اپنی قضاء و قدر کو تبدیل فرما دے ان کی
 صریح دعا کیونکر رائیگاں جاسکتی ہے اور پھر ان سے اپنے راضی ہونے کی تصریح بھی
 ہے جس کو رضاء الہی کے حصول کی علت اور سبب موجب کے طور پر ذکر کیا ہے
 کہ میں تیرا محبوب۔ ہوں اور تو ازراہ کرم میری رضا کا طالب ہے لہذا جب میں ان سے
 راضی ہو چکا تو اس لطف عظیم اور کرم قدیم کا تقاضا یہ ہے کہ تو ان سے بھی لامحالہ راضی
 ہو لہذا یقینی طور پر ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی اور یہی قرآن مجید کا اعلان

ہے؟ ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ نیز خصوصی طور پر غزوہ تبوک اور حبشہ عسرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ”لقد تاب الله على النبي والمهاجرين والانصار الذين اتبعوه في ساعة

العسرة (الی) ثم تاب عليهم انه يلهو رءوف رحيم“

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نظر رحمت فرمائی اپنے نبی علیہ السلام پر اور مهاجرین و انصار پر جنہوں نے مشکل گھڑی میں ان کی اتباع کی اور ساتھ دیا دتا، اس نے پھر ان پر نظر رحمت اور نگاہ لطف فرمائی بیشک وہ ان کے لیے بہت ہی رافت اور رحمت فرماتے والا ہے۔ جب بعض جنگ کے لیے جانے والوں کا غرور و شرف اور اعزاز و اکرام یہ ہے تو جو عملی طور پر بھی اس جنگ میں شامل تھے اور اس عظیم شکر کی تیاری کے لیے اس قدر عظیم قربانی دینے والے ہیں ان کے اجر جمیل اور جزائے جمیل کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور رافت و رحمت کی کیا حد و نہایت ہو سکتی ہے والحمد للہ۔

چاہ رومہ کے خرید کر وقف کرنے اور مسجد نبوی میں توسیع پر بشارت

جب عبداللہ بن سبا یہودی کے لیکچروں اور تقاریر سے متاثرہ کوئی، بصری اور مصری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور بعض صحابہ کرام بھی بعض مصلحتوں کے تحت وہاں موجود تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محرم ہجری کی دیوار سے سر مبارک ان کی طرف بلند کیا اور دریافت فرمایا کہ اس مجمع میں سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن العوام ہیں انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں کیسے آپ کیا کتنا چاہتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

سو گندمیدیم شمار بخدا لئے کہ جزا و تعالیٰ خدا لئے نیست شنیدید کہ یک روز نزد یک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رفتم و گفتم آں مرید کہ فرماں دادی بخردیم فرمود بمسجد در افزائی تا ثواب آں از بہر تو ذخیرہ بود من چنان کردم گفتند چہیں بود گفت اسے خدا گواہ باش۔ آنگاہ گفت شمار بخدا سو گندمیدیم کہ شنیدید کہ روز مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

گفت خداوند آسمی را بیا مزد که چاہ رومہ را بخرد من بخیریدم فرمود آنچاہ را سبیل
کن سبیل کردم تا مسلمانان را باشد گفتند چنین بود گفت اسے خدا گواہ باش رہی آخرہ
ناسخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۲

میں تمہیں اس خداوند تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے
کیا تم نے سنا کہ ایک دن مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر ہوا وہ
میں نے عرض کیا کہ وہ قطعہ زمین جو کہ کھدیا نوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا میں نے
آپ کے فرمان کے مطابق اس کو خرید لیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کو وقف
کر دو اور میری مسجد میں شامل کر کے اس میں توسیع کا اہتمام کر دنا کہ اس کا ثواب
تمہارے لیے ذخیرہ ہو اور دائم و باقی ہو چنانچہ میں نے اسی طرح کیا انہوں نے تصدیق
کرتے ہوئے کہا واقعی اسی طرح ہوا تھا، تو آپ نے عرض کیا اسے بارگاہ گواہ رہنا۔
پھر فرمایا میں تمہیں قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ آیا تمہیں معلوم ہے کہ
ایک دن پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے
معفرت اور بخشش فرمائے گا جو چاہ رومہ کو خرید کرے میں نے اسے خرید لیا تو
آپ نے فرمایا کہ اس کو نہیں کو اہل اسلام کے لیے وقف کر دے تو میں نے حسب الارشاد
اس کو اہل اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ تو ان صحابہ نے تائید و تصدیق کرتے ہوئے
فرمایا ہاں ایسے ہی تھا تو آپ نے کہا اسے اللہ گواہ ہو جا۔

ان دونوں مصدقہ اور مسلمہ روایتوں اور حدیثوں سے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کی معفرت و بخشش کا اعلان اور ان کے صدقات جاریہ اور ثواب دائم و مستمر
کی واضح شہادت ملتی ہے اور سابق الیٰ الخیرات ہونے کی اور مقام غور اور محل فکر
ہے کہ جو اسلام اور حب اہل بیت کو کماٹی کا ذریعہ بنائیں اور لاکھوں روپے کا ٹھیکہ
نہ ملے تو اہل بیت کا نام لیتا بھی گوارا نہ کریں وہ تو بچے مومن ہوں اور ان کا ایمان و
اسلام شک و شبہ سے بالاتر ہے مگر جو اسلام اور اہل اسلام کے لیے اور سید عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کے تعمیل ارشاد اور امثال حکم میں اس قدر عظیم مالی قربانیاں پیش کریں اور اپنے

میں اس قوم نے ہمارے دروازوں کو کسی بڑے مقصد اور بڑی نیت کے تحت
 جلادیا ہے اور تمہارے والد گرامی علی بن ابی طالب اس وقت تمہارے حق
 میں بہت اندیشہ ناک ہوں گے لہذا میں تمہیں قسم اور اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ
 دے کر کہتا ہوں کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جائیں تب حضرت حسن
 رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے۔

بلوائیوں کی خلاف جنگ کیلئے حضرت علی المرتضیٰ کا حضرت عثمان سے اذن طلب کرنا

خود امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت یہ تھی کہ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ تمہاری موجودگی میں اگر حضرت عثمان شہید ہو گئے
 تو لا محالہ تمہارا دامن بھی ان کے خون سے آلودہ سمجھا جائے گا اس لیے تقاضائے مصلحت
 یہ ہے کہ آپ مدینہ منورہ سے ینبع کی طرف چلے جائیں تو آپ نے فرمایا اس بلوا اور
 ہنگامہ آرائی میں میرا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے اور میں ان کے پاس آدمی بھیجتا ہوں اور
 اگر وہ چاہیں اور اذن دیں تو ان کی امداد و اعانت میں کسی کوتاہی کو روا نہیں رکھوں گا۔
 پس امام حسن علیہ السلام را گفت اسے فرزند نزدیک عثمان شود جو پدر من تو نگر
 انت و چنان کمشوف می افتد کہ اس قوم قصد قتل تو دارند اگر خواہی ترا مدد و بیم دایں
 قوم را از سرائے تو دور داریم حسن بنزدیک عثمان آمد و کلمات علی را ابلاغ کرد و دتا
 پس عثمان با امام حسن عرض کرد کہ بنحو اہم کہ رنجہ شوی و با اس قوم رزم دہی و طغر خونئی
 چنان خواہم ایں روزہ کہ دارم در خدمت مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم بکشایم لا جرم حضرت
 حسن علیہ السلام مراجعت کرد۔ تاریخ التواریخ جلد دوم کتاب دوم ص ۵۲۵

پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اسے میرے لغت جنگ حضرت عثمان کے
 پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میرے والد گرامی آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں اور تمہارے
 اذن کے منتظر ہیں، اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ بلوائی لوگ تمہارے قتل کے درپے
 ہیں اگر آپ چاہیں تو آپ کو مدد و تعاون فراہم کریں اور انہیں آپ کے دولت سرائے

سے دور رکھیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلمات و ارشادات انہیں پہنچائے تو انہوں نے آپ سے
 عرض کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں رنج و تکلیف پہنچے اور ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو
 اور غلبہ و فتح مندی کی کوشش کرو میں چاہتا ہوں کہ جو روزہ میں نے رکھا ہے شہید
 ہو کر، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچوں اور آپ کی بارگاہ میں ہی اس
 کو افطار کروں یہ جواب سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ مجبوراً واپس ہوئے

**شکریان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام
 کا مطالبہ اور آپ کا جواب**

قد قال له قوم من الصحابة لو عاقبت قوماً ممن اجلب
 على عثمان فقال عليه السلام يا اخوتاه : انى لست اجهل ما تعلمون
 ولكن كيف لى بالقوة والقوم المجلبون على احد شوكتهم يملكوننا
 ولا نملكهم وهامهم هولاء قد ثارت معهم عباد انكم والتفت اليهم
 اعرابكم وهم خلا لكم يسومونكم ما شاءوا وقتل ترون موضعا للقدرة
 على شئ تريدونه ؟ وان هذا الامر امر جاهلية وان لهؤلاء القوم
 مادة ، ان الناس من هذا الامر اذا حرك على امور فرقة ترى
 ماترون وفرقة ترى ما لا ترون وفرقة لا ترى هذا اول ذلك ،
 فاصبروا حتى يهدوا الناس وتقع القلوب مواقعها وتوخذ الحقوق
 مسمحة فاصدوا عني وانظر واماذا يا تيكم به امرى ؟
 (نهج البلاغة مصرى جلد اول ص ۳۹)

(ونہج البلاغہ مع ابن میثم جلد ثالث ص ۳۲)

ترجمہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت نے آپ سے عرض کیا کہ
 کاش آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوا کرتے والوں اور
 ان کو شہید کرنے والوں کو سزا دیتے اور عقاب و انتقام کا نشانہ

بناتے تو آپ نے فرمایا اے میرے بھائیو! میں اس سے بے خبر
 نہیں ہوں جو تمہارے علم میں ہے۔ لیکن ابھی میرے پاس اس قدر قوت و
 طاقت نہیں ہے اور ان کے خلاف کارروائی کرنے والی قوم اپنی
 پوری قوت پر ہے وہ ہم پر حکم چلانے کی قوت رکھتے ہیں اور ہم
 ان پر حکمرانی کی قوت و طاقت نہیں رکھتے اور اس پر بھی نظر رکھو
 کہ تمہارے غلام اور اوباش سبھی ان کے ساتھ ہیں اور اعراب بھی
 انہیں سے ربط و تعلق قائم کیے ہوئے ہیں اور وہ تمہارے
 درمیان موجود ہیں اور تمہیں جس امر کی چاہیں تکلیف اور مشقت دے
 سکتے ہیں لیکن کیا تم بھی اپنے اندر کسی ایسی چیز کی قدرت محسوس کرتے
 ہوئے جس کے کر گزرنے کا تم ارادہ رکھتے ہو۔ اور بے شک
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کیا جانے والا یہ اقدام جاہلیت
 کے امور سے ہے اور ان لوگوں کے لیے مزید مدد و اعانت کی
 صورتیں موجود و متحقق ہیں۔

اگر اس معاملہ کو چھڑا جائے تو اس میں یمن قسم کے نظریات کے لوگ موجود ہیں،
 ایک جماعت وہ ہے جس کا نظریہ وہی ہے جو تمہارا نظریہ ہے دوسرا گروہ وہ ہے
 جو ایسا نظریہ رکھتا ہے جو تم سے مختلف ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو کہ توقف
 اور تردد کی حالت میں ہے نہ اس نظریہ کا حامل ہے جو تمہارا ہے اور نہ ہی دوسرے
 فریق کے نظریہ سے متفق ہے لہذا میری تجویز سے کام لو یہاں تک کہ لوگ پرسکون
 ہو جائیں اور ندوب و اذیان اپنی سابقہ حالت پر آجائیں اور یہ یمنی کیفیت مائل
 ہو جائیں اور حقوق آسانی حاصل کئے جاسکیں لہذا میری طرف سے مطمئن رہو اور
 دیکھو کہ میری طرف سے کیا فیصلہ تمہارے سامنے آتا ہے آخر

علامہ ابن تیمیہ حیرانی نے اسی کی شرح میں کہا: واعلم ان هذا الكلام اعتد
 منه عليه السلام في تاخير القصاص عن قتلة عثمان وقوله... اف

لست اجهل ما تعلمون“ دلیل علیٰ اِنَّہ کان فی نفسہ (الی) ان هذا الامر مرجہ لہیۃ
یرید الامر المجلیبین علی عثمان اذ لم یکن قتلہم ایاہ بمقتضی الشریعۃ اذ الصداور
عنه من الاحداث لا یجب فیہا قتل۔ الی۔ قوله فاھدعوا عنی وانظروا ما ذا
یا تیکم بہ امری یدل علی ترصده وانتظارہ للفرصۃ من هذا الامر۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اس کلام امیر اور خطبہ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں حضرت عثمان
کے قاتلوں سے قصاص اور انتقام لینے میں تاخیر والتواء کا عذر بیان کیا گیا ہے۔ اور
آپ کے اس فرمان میں کہ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں تمہارے علم میں ہے اس امر
کی دلیل صریح ہے کہ آپ کے دل میں قصاص اور انتقام کا پختہ غم تھا۔ اور آپ کا
یہ فرمان کہ یہ امر جاہلیت کا امر ہے تو اس سے آپ کی مدد یہ ہے کہ امیر عثمان کے
خلاف کاروائی فعل جاہلیت ہے کیونکہ ان کا آپ کو قتل کرنا مقتضائے شرع کے
مطابق نہیں تھا کیونکہ آپ سے سرزد ہونے والے افعال سے اندر وئے شرع استحقاق
قتل ثابت نہیں ہوتا تھا اور آپ کا یہ فرمان کہ میری طرف سے مطمئن رہو اور میرے
فیصلہ کا انتظار کرو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ انتقامی کاروائی اور قصاص کے لیے
موقعہ کی انتہائی پیمیں تھے اور فرصت کی تاک میں تھے۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے صاف ظاہر کہ آپ جس طرح
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی امداد و اعانت کے لیے ہر وقت
آمادہ و تیار تھے ان کی شہادت کے بعد بھی حق نصرت و اعانت اور انتقامی کاروائی
میں کسی قسم کی کوتاہی کو رد نہیں سمجھتے تھے بلکہ صرف موزوں اور مناسب
وقت کی انتظار میں تھے حالانکہ اگر آپ کے نزدیک حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ ارتداد یا
نفاق میں مبتلا تھے اور باغیوں نے شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہ کاروائی کی تھی اور
انہوں نے کامل مومن ہونے کا مظاہرہ کیا تھا تو آپ کے ارادہ انتقام اور قصاص کے غم
کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا تھا اور باغیوں کے اس اقدام کو جاہلیت کا تقاضا اور قبل از اسلام
سرزد ہونے والی ناجائز حرکات جیسی حرکت قرار دینے کا کوئی جواز نہیں تھا لہذا صاف

ظاہر ہے آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مخلص مومن سمجھتے تھے اور منطوق معلوم خلیفہ اور آپ کے مخالفین کو ظالم اور حد سے تجاوز اور مستحق عتاب و عقاب۔

الغرض مناقب عثمان رضی اللہ عنہ جو شیعی کتب معجزہ میں منقول ہیں ان سب کو جمع کریں تو بہت بڑا دفتر تیار ہو جائے لیکن منصف مزاج تارین انہیں چند حوالہ جات سے ان کی عظمت خدا داد کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

فضیلت شیعین بزبان امام ابو جعفر محمد تقی رضی اللہ عنہم

اسی ضمن میں امام علی رضا رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت ابو جعفر محمد تقی رضی اللہ عنہ کا نظریہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم کرتے چلیں یہ روایت احتجاج طبرسی کی ہے اور اس نے صحیح اور متواتر اور مشہور روایات کو اپنی کتاب میں درج کرنے کا التزام کر رکھا ہے۔

فقال ابو جعفر (محمد بن علی) است بکرم فضل ابی بکر و قال است بکرم فضل عمر و لیکن ابابکر افضل من عمر (انتمی بقدر الضرورة) یعنی امام ابو جعفر محمد بن علیؑ نے فرمایا میں ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا منکر نہیں اور نہ میں عمر بن الخطاب کی فضیلت کا منکر ہوں لیکن ابوبکر عمر سے افضل ہیں رضی اللہ عنہما۔ لہذا دونوں کا اولوالفضل ہونا بھی ظاہر ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے افضل ہونا بھی۔

اب ذرا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین نیز حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی حضرت امام سعد بن ولایت رضی اللہ عنہ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں اور ان کے باہمی نزاع کی نوعیت کا بھی اندازہ فرمائیں کہ آیا ان میں کفر و اسلام کی جنگ تھی یا اسلام و ایمان میں اشتراک کے باوجود صرف غلط فہمی اور خطاء اجتہادی کی وجہ سے اختلاف و نزاع کی نوبت یہاں تک

پہنچی اور کوئی شخص جس رفعت اور بڑی مقام پر بھی فائز ہو بشری تقلب سے کچھ نہ کچھ اس میں موجود ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء و نوح بشر کے عظیم ترین افراد ہیں مگر دیکھئے سگے بھائی ہو کر حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں نزاع نے کیا صورت اختیار کر لی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان تو انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کو پہنچ ہی نہیں سکتے۔ لہذا اس سے اس قسم کے افعال کا صدور بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔ بہر کیف اختلاف و نزاع کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کے متعلق قولی اور عملی رد عمل اور طریقہ کار ملاحظہ فرمادیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ارشادِ تفسیری

(۱) فخرجوا بحرفون بحرمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما تخرج الامة عند شرائہا متوجہین بہا الی البصرۃ فحبسانساءہما فی بیوتہما وابرزا حبیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہما ولغیرہما الم وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کو اپنے ہمراہ کھینچتے ہوئے بصرہ کی طرف نکلے جیسے کہ لونڈی کو خریداری کے وقت کھینچا جاتا ہے پس اپنی عورتوں کو تو ان دونوں (حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما) نے اپنے گھروں میں بٹھایا ہوا ہے اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستورہ و مخدّرہ کو اپنے اور لوگوں کے سامنے ظاہر کر رکھا ہے۔ (نیج البلاغہ مصری جلد اول ص ۳۲۸)

(۲) حضرت صدیقہ کے ساتھ اپنی شکر ربی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا لہا بعد حرمہا الاثنی والحساب علی اللہ نیج البلاغہ جلد اول ص ۳۲۸) اب بھی اس کے لیے میرے دل میں وہی سابقہ عزت و حرمت اور قدر و منزلت ہے اور قلبی معاملات کا حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہے)

(۳) وقد روى ان الناس اجتمعوا الى امير المؤمنين يوم البصرة فقالوا يا امير المؤمنين اقسام بيتنا غنائمهم قال ايكم ياخذ ام المؤمنين في سهمه (كتاب علل الشرائع ص ۶۳) وكذا في قلوب الاستاذ والابن العباس قتي من اصحاب الامام الحسن العسكري۔

تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ بصرہ کے دن فقیہ اب ہونے کے بعد حضرت علیؑ کے لشکر آپ کی خدمت میں اکٹھے ہو کر عرض کرنے لگے اے امیر المؤمنین ان اہل بصرہ کے اموال غنیمت ہمارے درمیان تقسیم فرماؤ تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون ام المؤمنین عائشہ کو اپنے حصہ میں لیتا ہے اور یہی مضمون ابو العباس قتی نے قرب الاسناد میں ذکر کیا ہے اور وہ امام حسن عسکری کے اصحاب سے ہے۔ عربی عبارت ملاحظہ ہو۔ فقال له قائلون يا علي اقسام الفيء بيننا والبي قال قلما اكثر و قال ايكم ياخذ ام المؤمنين في سهمه فسكتوا۔

تو یہ تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی عزت و قدر اور حرمت و کرامت اور ام المؤمنین ہونے کا اظہار و اعلان باوجود اس اقدام کے ام المؤمنین اور احترام مرتضیٰ۔ اب ذرا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف سے صورت حال کا مشاہدہ کیجیے۔ (علل الشرائع ص ۸۵)

قالت: قضی القضاء وجفت الاقلام واللہ لو كانت لی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشرون ذکرا کلهم مثل عبد الرحمن بن الحارث بن هشام فتکلمتم بموت و قتل کان الیسر علی من خرج علی علی و مسرای الذی سریت فالی اللہ اشکوا لا الی غیرہ۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قضا وارد ہو چکی اور تلمیں اس کو لکھ کر خشک ہو گئی تھیں بخدا اگر میرے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس فرزند عبد الرحمن بن حارث ابن ہشام جیسے ہوتے پھر میں یکے بعد دیگرے ان کی موت یا شہادت کے غم میں مبتلا ہوتی تو وہ خیر و الم میرے لیے برداشت کرنا اس سے سہل اور آسان تھا جو میرے علی المرتضیٰ

کے خلاف خروج کرنے اور اس راہ پر چلنے سے لاحق ہوا پس میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس امر کی شکایت کرتی ہوں نہ کسی دوسرے شخص کی طرف (اور اللہ تعالیٰ سے اس پر معذرت خواہ ہوں)

اس کے علاوہ بھی بہت سے کلمات اسی مضمون کے مروج ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف و نزاع کا وقوع مسلم گمراہ کے باوجود باہمی احترام اور اکرام برقرار تھا اور برقرار رہا لہذا ہم کس مومنہ سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی شان میں تقصیر و تفریط کر سکتے ہیں یا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان رفیع میں ایک طرف سب مومنین کی ماں اور دوسری طرف معدن ولایت اور سرچشمہ روحانیت۔ اگر حضرت علی کی جلالت مرتبت حضرت صدیقہ کی شان میں گستاخی پر آمادہ کرے تو قول باری تعالیٰ "وَلَا تَقُلْ لِهَٰٓئِذَا فِی الْاٰیٰتِ" کو سامنے رکھو یعنی ماں باپ کو نہ اُٹ کہو اور نہ جھڑکو بلکہ ان کے ساتھ نرم لہجہ میں بات کرو اگر اپنی ماں کے متعلق حکم یہ ہے تو سب مومنین بلکہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کرام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی روحانی ماں کا درجہ کیا ہوگا۔

اگر اعتراض ہی کرنا ہو تو جس طرح حضرت صدیقہ پر کیا جاسکتا ہے کوئی خارجی حضرت علی کے حق میں بھی تو کہہ سکتا ہے کہ جن کے خلاف اُن کرنا اور اپنی بات کرنا درست نہیں ان کے خلاف تلوار اٹھانا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے بلکہ جس طرح حضرت ہارون و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے معاملہ میں سوائے زبان بند رکھنے کے اور ادب و احترام سے کام لینے کے کوئی چارہ نہیں یہاں بھی اسی طرز عمل کو اپنانا لازمی ہے (حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت معاویہ اور اہل شام کے متعلق فرمان مرتضیٰ)

وَكَانَ يَدْعُو اَمْرًا اَنَا التَّقِيْنَا وَالْقَوْمَ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرَانِ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيْنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتُنَا فِي الْاِسْلَامِ وَاحِدَةٌ وَلَا نَسْتَزِيْدُھُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصَدِیْقِ بِرَسُوْلِهِ وَلَا يَسْتَزِيْدُ وَنَنَا وَالْاَمْرَ وَاحِدٌ اَلَا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْہِ مِنْ دَمِ عَثْمَانَ وَغَنٍّ مِنْہِ بَرَاءً۔ ۶۱

رنج البلاغہ مع شرح حدیدی جلد ہفتم ص ۱۴۱، رنج البلاغہ مصری جلد دوم ص ۱۵۱) ہمارے امر کا آغاز یہ تھا کہ ہم اور اہل شام میں سے ایک قوم باہم میدا کارزار میں لڑائی کے لیے اترے اور یقیناً ہمارا رب ایک ہے نبی ہمارے ایک ہیں اور دعوت ہم دونوں فریق کی ایک ہے یعنی دعوت اسلام اور شہادتین، نہ ہم ان پر ایمان باشد اور تصدیق بالرسول میں زائد ہونے اور افضل ہونے کے دعوے دار ہیں۔ اور نہ وہ ہم پر اور معاملہ بالکل ایک ہے ماسوا اس کے جس میں ہمارے اندر اختلاف پیدا ہوا یعنی خون عثمان رضی اللہ عنہ اور ہم اس سے بری ہیں۔ الخ۔

اس فرمان مرتضوی سے کس صراحت اور وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ ہم آپس میں رشتہ اسلام و ایمان کے لحاظ سے بھائی ہیں اور ہم میں سے نہ کوئی فریق دوسرے پر ایمان و تصدیق میں فوقیت جتلا سکتا ہے اور نہ دوسرے کو نیچا دکھلا سکتا ہے۔ جھگڑا صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ دینی امور اور ارکان اسلام و ایمان میں جس میں حضرت علیؑ یقیناً حق پر ہیں اور آپ کے ساتھ نزاع کرنے والے منالط کا شکار لیکن اس ایک معاملہ میں ان کی غلطی کو ان کے ایمان و اسلام کے کالعدم ہو جانے کا سبب قرار نہیں دے سکتے۔ آخر اللہ تعالیٰ کے قوانین اور آئین کو بالکل نظر انداز کرنے کا کیا جواز ہے۔ اس نے من يعمل مثقال ذرة خیراً میرہ بھی فرمایا ہے اور من يعمل مثقال ذرة شراً بھی لہذا ہر نیکی کا بدلہ ملنا ضروری ہے اور ہر بدی کا بدلہ ملنا ضروری ہے۔ اس نے منی ضروری نہیں اگرچہ شمار میں آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان ہے۔

”ان الله لا يعقران يشرك به ويفقر ما دون ذلك لمن يشاء“

اللہ تعالیٰ شرک اور کفر کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے گا دوسرے گناہ بخش دے گا

قال تعالى: فالذين هاجروا واخرجوا من ديارهم واوذوا في سبيل
وقاتلوا وقتلوا لا كفرن عنهم سيئاتهم ولا دخلناهم جناب تجري
من تحتها الا تنهار ثوابا من عند الله والله عند حسن
الثواب۔ (سورہ آل عمران)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور گھروں سے نکلے گئے اور سیری راہ
میں تکلیف دے گئے اور راہ خدا میں جہاد کیا اور قتل کئے گئے
میں ضرور ان کے گناہ دور کر دیے گا اور ضرور ان کو جنات میں داخل
کر دیے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب
کے طور پر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی اچھا ثواب ہے۔

نیز ارشاد خداوند تعالیٰ ہے۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اتَّقَىٰ مِنَ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً
مِنَ الَّذِينَ اتَّقَوْا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ
تم میں سے جہاد لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ تعالیٰ کی راہ میں
مال خرچ کیا اور جہاد و قتال کیا وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے
والوں اور جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں بلکہ پہلے راہ خدا میں
خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ان سے درجات کے
 لحاظ سے عظیم تر ہیں جنہوں نے بعد میں راہ خدا میں مال خرچ
کیا اور جہاد و قتال کیا اور ہر ایک فریق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے
جنت کا وعدہ کیا ہے۔

اور دنیا میں اگر باہمی بخشش اور مکرر پاپا بھی کیا تو اللہ تعالیٰ دونوں فریق
میں صلح و صفائی کرا کے دونوں کو جنت میں داخل فرما دے گا کما قال تعالیٰ :
وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّقَابِلِينَ اور ہم نے سبب کر لیا وہ کینہ
اور غیظ و غضب جو ان کے دلوں میں تھا۔ درانحالیکہ وہ بھائی بھائی بن کر ایک

دوسرے کے سامنے جنتی تختوں اور مسابند پر بیٹھے ہوں گے۔ لہذا ثقل اکبر اور ثقل اصغر کے بیانات میں اتفاق و اتحاد کے بعد امیر معاویہ اور دیگر صحابہ کرام مہاجرین و انصار علیہم الرضوان جو ان کے معاون تھے ان کے ایمان پر حملہ کی اور ان کو منافق بلکہ کافر قرار دینے کی نفوذ باللہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور علی المرتضیٰ منہجہ حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت امیر معاویہ کے مؤمن غلص ہونے کی سند اور ضمانت ہے ورنہ خود امام حسن مجتبیٰ کی حیثیت ایمانی و اسلامی مورد طعن و تشنیع بن جائے گی کہ آپ نے امور امت اور معاملات دین اور احکام اسلام کے تفاق کو غیر مسلم کے ہاتھ میں دے دیا نعوذ باللہ من ذلک نیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا امام حسن رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد امیر معاویہ کے ساتھ مصالحت و مسالمت کو برقرار رکھنا اور حرب و قتال سے گریز فرمانا بھی ان کے ایمان و اخلاص کی واضح دلیل ہے اور ان کی وفات کے بعد یزید کے خلاف آپ کا اقدام باپ بیٹے میں فرق اور امتیاز کی بین برہان ہے۔

بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دوسرے خطبات سے بھی یہی حقیقت واضح اور آشکارا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے فرمایا، اما بعد فانا کنا نحن وانتم علی ما ذکرتم من الالفۃ والجماعۃ ففرق بیننا و بینکم امس انا آمتا و کفرتم والیوم انا استقمنا و فتنتم۔
 رنج البلاغ مصری جلد ثانی ص ۱۶۲ انا بیدرس

بیشک ہم اور تم جیسے تو نے ذکر کیا باہمی الفت اور اجتماع و اتفاق کی حالت میں تھے لیکن پہلے ہمارے اور تمہارے درمیان اس امر نے تفریق ڈالی کہ ہم اسلام لائے اور تم کفر پر برقرار رہے اور تمہارے اسلام لانے کے بعد اس امر نے تفریق پیدا کر دی ہے کہ ہم اسلام پر پوری طرح ثابت قدم ہیں اور تم ثابت قدم نہیں رہے بلکہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہو۔ اور یہی مضمون دوسرے خطبہ میں ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے جو آپ نے اہل بصرہ کے خلاف قتال کی تیاری کرتے

وقت دیا۔

وما لي ولقریش والله لقد قاتلتهمو کافرین ولا قاتلتهم مفتونین
وانی لصاحبهم بالامس کما انا صاحبهم الیوم والله ما انتقم منا قریش الا
ان الله اختارنا علیهم فادخلناهم فی حیزنا۔

(نہج البلاغہ مع شرح حدیدی جلد ثانی ص ۱۸۵) مجھے قریش سے اور انہیں مجھ سے کیا کام
بغذا میں نے ان کے ساتھ قتال کیا جب کہ وہ کافر تھے اور میں ضرور ان سے قتال
کروں گا جب کہ وہ فتنہ میں پڑ گئے ہیں یقیناً میں ہی کل ان کا صاحب قتال تھا۔
جیسے آج کے دن بغذا قریش ہم سے ناپسند نہیں کرتے مگر اس امر کو کہ اللہ تعالیٰ
نے ہمیں ان پر ترجیح دی لیکن ہم نے ان کو اپنی جماعت اور قبیلہ میں شمار کیا۔

ان دونوں جگہوں پر مفتون کو کافر کے مقابل ذکر کیا گیا جس سے صاف ظاہر کہ
آپ کے ساتھ حرب و قتال کرنے والے کافر نہیں خون عثمان رضی اللہ عنہ کے
معاذ میں غلط فہمی کا شکار ہیں اور مفتون ہیں۔ اسی لیے ابن ابی الحدید معتزلی شیعہ
نے اس مقام پر کہا۔ و هذا الکلام یؤكد قول اصحابنا ان اصحاب الصقین

والجمل لیسوا بکفار خلا فاللامامیة فانهم یزعمون انهم کفار و شرح حدیدی جلد
ثانی ص ۱۸۷ یہ کلام ہمارے اصحاب بغدادیوں کے قول کی تاکید کرتا ہے کہ اصحاب
صفین اور جبل کفار نہیں ہیں۔ بخلاف شیعہ امامیہ کے وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کفار ہیں۔

فرمان نبوی حرب بک حربی کا صحیح مفہوم : رہا یہ سوال کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا، اے علیؓ حرب بک حربی و سلمیٰ تیرے ساتھ جنگ میرے ساتھ جنگ۔

ہے اور تیرے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام تشبیہ
بلغ کے قبیل سے ہے مثلاً کہا جاتا ہے زیدؑ اسدؑ زید شیر ہے لیکن یہ مقصد
نہیں کہ زید اور شیر میں عینیت اور اتحاد ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ زید شیر کی مانند ہے۔

بعض وجوہ سے یہاں بھی یہی مقصد ہے کہ تیرے ساتھ جنگ یا مسالمت اور مصالحت
میرے ساتھ جنگ اور مصالحت کی مانند ہے بعض وجوہ میں یعنی میں حق پر ہوں

اور میرا مخالف غلطی پر ہوگا اسی طرح تم حق پر ہو گے اور تمہارے مخالف غلطی پر ہوں گے اور تمام وجوہ میں مشارکت اور برابری لازم نہیں آتی کہ میرے ساتھ جنگ کرنے والا کافر ہے لہذا تمہارے ساتھ جنگ کرنے والا بھی کافر ہے کیونکہ اسکی اپنے نبی کے ساتھ تو حرب و قتال نہیں کر سکتا لیکن امتیوں میں باہم نزاع و قتال ہو سکتا ہے کما قال تعالیٰ ”وان طائفتان من المؤمنین اختلفتا فاصلا حوا بینہما فیکم فان بغت احداہما علی الاخری فقاتلوا الذی تبغی حتی تفتی الی امر اللہ“ اگر مؤمنین کے دو گروہ آپس میں جنگ و جدال اور حرب و قتال پر آئیں تو ان دونوں بھائی فریتوں میں مصالحت کراؤ اگر ایک گروہ دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو باہمی فریق کے خلاف جنگ کر دو تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر کی طرف لوٹے اس کی مزید توضیح درکار ہو تو ایک حوالہ ضمیمہ مقبول کا سنتے چلیں شاید مقبول خاطر ہو اور حقیقت حال منکشف ہو جائے حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جس نے تمہارے شیعوں کی اہانت کی اس نے تمہاری اہانت کی اور جس نے تمہاری اہانت کی اس نے میری اہانت کی اور جس نے میری اہانت کی اسے اللہ تعالیٰ آتش و زرخ میں داخل کرے گا۔

تمہارے شیعوں ہمارے خیر کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں پس جو ان کو دوست رکھے گا وہ ہمارا دوست ہوگا۔ اور جو انہیں غضب ناک کرے گا وہ ہمیں غضب ناک کرے گا اور جو ان سے دشمنی کرے گا وہ ہمارا دشمن ہے۔ جو ان سے دلی محبت رکھے گا وہ ہمارا دلی دوست ہے (ضمیمہ مقبول ص ۲۸۲ و ص ۲۸۳) تو بتلایئے کیا ہر شیعوں سے جنگ بھی کفر ہے اور یہ سبھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت و عداوت میں ہم پلہ ہیں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسی طرح مقام نبوت اور مقام خلافت و امامت میں بھی فرق کو تا ضروری ہے اور خود حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرق واضح طور پر کیا ہے جیسے کہ سابقہ عبارات اور ارشادات شریفہ فیوضی اس پر شاہد ہیں

بشریکہ چشم بنایا، بلکہ دل بنایا اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

لمحہ فکر یہ = جب ان حضرات کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ اور طرز عمل واضح ہو گیا جن کے ساتھ عملاً لڑائیاں اور جنگیں نہیں تو جن کے ساتھ لڑائی اور جنگ تک نوبت ہی نہیں آئی ان کے متعلق سب دُشمن اور کالی گلوٹھ اور کافر و منافق کے فتووں کا کیا جواز ہو سکتا ہے علی الخصوص جب کہ آپ سے ان کے محامد و مدائح ثابت ہیں اور ایسے قطعی اور ناقابل تردید و انکار حوالوں کے ساتھ کہ ڈکھو صاحب نے ان کے جواب میں چپ ساڑھنے میں ہی عافیت سمجھی اور علی الخصوص قرآن مجید اور ثقل اکبر کی شہادتوں کے بعد کسی چون و چرا کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کا رجوع =

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آغاز کار میں حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نقض عہد کیا لیکن میدان کارزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یاد دہانی پر انہیں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد آگیا اور وہ یہ تھا کہ اسے زبیر آج تم علی کے ساتھ بہت پیار کر رہے ہو تو آپ نے عرض کیا۔ دمالی لا احبہ و ہواخی و ابن خالی میں کیوں نہ ان سے محبت کروں مالا کہ وہ میرے بھائی ہیں اور میرے ماموں کے لڑکے تو آپ نے فرمایا: "اما انک ستقاربہ وانت ظالم لہ" غور سے سنو تم ان کے ساتھ جنگ کرو گے جب کہ تم زیادتی اور تجاوز کرنے والے ہو گے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اذکرتنی علی حدیثنا التسانیہ الدھر علی تم نے مجھے وہ بات یاد دلائی جو مردِ پیام نے مجھے بھلا دی تھی۔ چنانچہ آپ میدان کارزار سے واپس ہوئے اور وادی سباع میں ابن جرموز نے آپ کو دھوکے سے شہید کر دیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کا سر لے کر گیا اور بروایت بعض صرف تلوار پیش کی تو آپ نے فرمایا۔ واللہ ما کان ابن الصغیۃ حیانا ولا لیسما ولکن الحین فمصارع اللہ

بھذا ابن صفیہ نہ بزدل تھا اور نہ گھٹیا صفات کا حامل لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے .
 مقرر وقت اور مقرر جگہ کا فیصلہ ہے (جس کے تحت ابن جرموز جیسا آدمی ان کو .
 قتل اور شہید کرنے پر قادر ہو گیا) پھر ابن جرموز کو فرمایا تلوار اٹھ دے، جب اس
 نے تلوار پیش کی تو فرمایا: سیف طالما جلی بہ الکرب عن وجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یہ تلوار ہے جس نے بہت دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس اور ذات
 مقدسہ پر سے کروب و شدائد کو دور کیا ہے۔ جب ابن جرموز نے انعام کا مطالبہ
 کیا تو آپ نے فرمایا: "أما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول:
 بشوقا تل ابن صفیة بالنار" غور سے سن میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے
 ہوئے سنا کہ ابن صفیہ یعنی زبیر بن العوام کے قاتل کو نار جہنم کی بشارت دے دے اور
 وہ غائب و غاسر ہو کر لوٹا اور بالآخر خوارج کے ساتھ مل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے
 لشکریوں کے ہاتھوں قتل ہوا (ع حدیثی ص ۲۳۲ تا ۲۳۶) جلد اول

اور حضرت طلحہ کے متعلق ابن ابی الحدید شیعی معتزلی کہتا ہے کہ امامیہ اثنا عشریہ کی
 روایت کے برعکس صورت حال یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حرب بصرہ
 میں کامیاب ہو گئے۔ اور آپ نے مقتولین میں گھوم پھر کر ہر ایک کو مخاطب ٹھہرایا
 تو حضرت طلحہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اعز علی ابی محمد ان اراک معفرا
 تحت نجوم السماء وفي بطن هذا الوادی ابعدا جهادک فی اللہ
 وذیک عن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اے ابو محمد تم مجھ پر اس سے زیادہ ہی معزز اور مکرم تھے کہ میں تمہیں آسمان
 کے ستاروں کے نیچے اور اس وادی میں خاک پر لوٹے ہوئے دیکھتا کیا اللہ تعالیٰ
 کے لیے جہاد کے بعد اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وقار اور اپنی
 جان اور اپنے جسم کو آپ کے لیے سپرد وصال بنانے کے بعد بھی ہم نے آپ
 کو اس حال میں دیکھنا تھا) تو اسی دوران ایک آدمی دوڑتا ہوا حاضر خدمت ہوا
 اور عرض کیا اے امیر المؤمنین میں شہادت دیتا ہوں کہ میرا ان پر گزر ہوا جب کہ

وہ تیر لگنے سے زخمی ہو کر گر چکے تھے تو مجھے بلایا اور دریافت کیا تو کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے تو میں نے کہا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی جماعت سے تو آپ نے کہا "امد دیدك لا بايع الامير المؤمنين فمدت اليه يدي فبايعني لك فقال علي عليه السلام ابى الله ان يدخل طلحة الجنة الا وبيعتي في عنقه۔"

شرح

حدید عی جلد اول ص ۲۴۸ و ص ۲۴۹ اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تیر سے ہاتھ پر امیر المؤمنین علی کے لیے بیعت کروں چنانچہ انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار کیا کہ طلحہ جنت میں داخل ہوں مگر اس حال میں کہ میری بیعت ان کی گردن میں ہو اور وہ اس کے پابند ہوں حضرت زبیر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حواری اور مددگار فرمایا اور حضرت طلحہ کے متعلق جنگ احد میں عظیم قربانیاں دینے کی وجہ سے فرمایا "وجب طلحة" طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کھلی ہے۔ الغرض ان کا خروج بھی اہل سنت کے نزدیک خطا ہے اور غلطی اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق لیکن خدائے عادل کی بارگاہ میں ان کی سابقہ خدمات کو بہر حال نظر انداز نہیں کیا جائے گا علی الخصوص جب کہ بدری صحابہ کے متعلق اعمال و امال شہم فقد غفرت لکم کا مژدہ اور بشارت موجود ہے۔ کہ تم جو کرو اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرمائے گا اور جب کہ یہ نص قرآن کے تحت دو مؤمن فریقوں میں جنگ تھی جس کو کفر و اسلام کی جنگ قرار نہیں دیا جاسکتا تو اس وجہ سے ان حضرات کے ایمان پر حملہ کرنا اور ان کو نعوذ باللہ منافق یا کافر قرار دینا قطعاً غلط ہے اور اپنی عاقبت برباد کرنے کے مترادف۔

قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام میں نوبت ہاتھ پائی اور باہم دست و گریبان ہونے تک پہنچی حالانکہ نبی تھے۔ تو اگر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نزاع و اختلاف پایا جائے تو اس کو بھی بشری تقاضوں پر محمول کیا جائے گا اور صحابیت کے شرف کے بیش نظر زبان لعن و تشبیع دراز

نہیں کی جائے گی، پچھلے عنوان میں مندرج آیات اور دیگر حوالہ جات میں اچھی طرح غور و خوض کرنے سے مجددی حقیقت منکشف ہو جائے گی واللہ اولو آخراً۔

مذہب شیعہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل و کردار اور خلفائے ثلاثہ

رضی اللہ عنہم“

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات اور وہ بھی ائمہ معصومین کی اسنادات کے ساتھ جن کا نمونہ آپ دیکھ چکے اب ہم آپ کو شیر خدا رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بھی پیش کرتے ہیں (ناسخ التواریخ جلد نمبر ۲ ص ۳۴ مطبوعہ ایران)

پس از ہفتاد و شب با ابوبکر بیعت کرد و بروایتی پس از شش ماہ با ابوبکر بیعت کرد یعنی متردنون کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بیعت کی اور دو روایت کے مطابق چھ ماہ کے بعد۔

ہاں جی ضرور کی اگر چھ سال کے بعد بیعت کرتے اس کو بیعت ہی کہا جاتا۔ رہے اس تاخیر کے اسباب تو اس واقعہ کو تیرہ سو ستر سٹھ سال ہو گئے ہیں جو راوی دو ماہ دس دن سے کچھ کر چھ ماہ تک سے جاسکتا ہے وہ ایک آدھ دن سے دو ماہ تک بھی سے جاسکتا ہے، دوسرا چھ ماہ کے عرصہ میں جس نے کہہ لیا کہ سامان مہیا نہیں کیا اور آخر پورے غور و خوض کے بعد بیعت ہی کو اختیار فرمایا تو بہر حال انہیں کی رائے عالی صائب تھی۔

تیسرا کتاب شافی لعلم الہدیٰ جو عالی ترین شیعوں کی تصنیف ہے اور کتاب تلخیص الشافی جو شیعوں کے محقق موسیٰ کی تصنیف ہے جن کا حوالہ گزر چکا ان میں صاف صاف روایت موجود ہے جس کو امام جعفر صادق امام محمد باقر سے اور وہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہم سے نقل فرماتے ہیں کہ جب ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے

تو ابوسفیان نے ان کی خلافت کو ناپسند کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے
انتہائی کوشش کی جس پر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس کو وہ دھڑ بٹائی کہ تاقیامت عبرت
رہے گی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو سراہا اور برحق تسلیم فرمایا۔

اس واقعہ سے تقیۃ یا جبراً بیعت کا سوال بھی اٹھ جاتا ہے جب اس قدر فوج
ہی تھی تو پھر خوف کا ہے کا تھا، جبراً بیعت کا فائدہ ہی کیا تھا۔ جب جبراً دھڑ
کی پرچی حاصل نہیں کی جاسکتی تو وعدہ الاماعت اور عہد و فاجبراً حاصل کرنا کیا معنی
رکھتا ہے اور پھر تقیۃ اور جبراً بیعت کرنا بھی انوکھی منطق کا نتیجہ ہے

بھائی تقیۃ کا تو معنی ہی یہ ہے کہ ظاہر میں طرف دار اور دل سے بیزار تو پھر
مجبور ہونا اور نقل کفر کرنا شاید گھیسٹنے کی نوبت آنا، (واللہ اعلم) (معاذ اللہ) گئے میں
رہہ ڈلو اگر گھیسٹنے کی حالت میں مسجد میں جانا بھی عجیب نہ مندی اور طرف داری
کا اظہار ہے۔ دراصل اہل تشیع بیعت نہ کرنے اور ناخوشنودی کے جتنے احتمالات
ہو سکتے ہیں بیک وقت پیش کر کے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں
باہمی اختلاف ثابت کرتے وقت عقل سے بھی تقیۃ کر جاتے ہیں اور یہی ایک تقیۃ
ہی تمام تر شیعہ مذہب کے دردوں کی دوا ہے (رسالہ مذہب شیعہ ص ۴۰)

منزہ الامیر علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

پیر صاحب نے اصرار دہرایا تھا پیر مار کر یہ ثابت کرنے کا کام کوشش کی ہے
کہ جناب امیر علیہ السلام نے ابو بکر کی بیعت کر لی تھی (معاذ اللہ) اس موضوع پر تفصیل
گفتگو تو وہاں کریں گے جہاں بیعت کے موضوع پر بحث آئے گی یہاں درست
ناسخ کی اس عبارت پر تبصرہ کیا جاتا ہے سو واضح ہو کہ پیر صاحب سیالوی نے اپنی
عادت کے مطابق خیانت سے کام لیا اور اس کو قطع و بیز کر کے پیش کیا صاحب
ناسخ نے ثابت کیا ہے کہ حضرت امیر دربار میں تشریف لے گئے اپنی خلافت
کے دلائل پیش کیے اور قبول نہ ہونے پر بغیر بیعت کئے واپس ہوئے بیعت

ناکردہ بازسیراے شد، یہ ہے صاحب ناسخ کی ذاتی تحقیق جسے انہوں نے دوسرے شیعہ اہل علم کی طرح بلا کم و کاست پیش کر دیا اس کے بعد وہ عبارت موجود ہے جس کا ٹکڑا مؤلف نے پیش کیا جس کا آغاز یوں ہے گویند چوں فالما سلام اللہ علیہا و داغ جہاں گفت پس از ہفتاد شب انم اور گویند یعنی لوگ کہتے ہیں اس امر کی دلیل ہے کہ یہ دو مردوں کا نظریہ ہے اور وہ ہیں جمہور اہل السنۃ (ملخص ص ۱۱۵، ۱۱۶)

اس کے بعد علامہ دہلوی صاحب نے ایک اہل قلم کو سنی ظاہر کر کے اس کی زبانی حضرت امیر کا پہلے بیعت سے کنارہ کش رہنا اور بعد میں حالات کے جبر سے بیعت کرنا ذکر کیا ہے۔ اور اسی سنی قلم کار کی اہل عبارت میں لفظ یہ درج کئے ہیں ”انہوں نے اس ظلم کے خلاف امتد تعالیٰ سے فریاد کی اور بیعت سے کنارہ کش رہے گو بعد میں ایسے واقعات پیش آئے کہ انہیں بھی بیعت کرنا پڑی انھیں ص ۱۱۶

تحریر حسینہ از محمد اشرف السیالوی غفرلہ شیعی مجتہد کی فریب کاریاں اور بیعت مرتضوی کا اثبات

- (۱) علامہ دہلوی صاحب کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ علماء شیعہ بمع صاحب ناسخ التوازیخ بیعت مرتضوی کے قائل نہیں اور یہ صرف اہل السنۃ کا مسدک ہے جس کو ازراہ خیانت شیعوں کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔
- (۲) ہم اس کی حقیقت موضوع بیعت کے تحت بیان کریں گے۔
- (۳) مشہور سنی اہل قلم ابوالنضر عمر نے اس کو جبر و اکراہ اور تقاضائے حالات کے تحت کی جانے والی بیعت قرار دیا۔

اقول اگر ابوالنضر عمر خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ظلم اور زیادتی کہہ کر بھی سنی

ہے تو پھر جہاں میں شیعہ ہے ہی کوئی نہ صرف اہل السنۃ ہی اہل السنۃ ہیں، ڈھکو صاحب کا یہ بہت ہی بڑا دھوکہ اور فریب ہے اور ایسے شیعہ اور بد قماش اہل قلم کو سنی لکھ کر عوام اہل اسلام کی نظروں میں دھول جھونکنے والی بات ہے اور بددیانتی کی بدترین مثال

رہا ڈھکو صاحب کا بلند بانگ اعلان کہ موضوع بیعت میں اس حقیقت پر سے نقاب الٹا جائے گا ہم نے رسالہ تتریمہ الانامیہ کے سب اوراق الٹے پلٹے پر یہیں کہیں اس موضوع پر ڈھکو صاحب کے قلم فریب رقم کا کوئی نقش بے ثبات ایسا نظر نہیں آیا جس میں اس موضوع پر کوئی ہلکا سا تبصرہ بھی کیا گیا ہو لہذا۔

س ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا۔

اب ہم حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ابوبکر صدیق بلکہ تینوں - خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کرنے کے دلائل اور شواہد پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مذہب اہل تشیع ان کی کتب سے ہی واضح ہو جائے۔ اور ڈھکو صاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ اور بلا برہان اعلان صبا و منشور ہو جائے۔ سب سے پہلے ناسخ التواریخ کے متعلق جو دعویٰ ڈھکو صاحب نے کیا ہے کہ وہ علماء شیعہ کے ساتھ متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اس کی حقیقت ہمیشہ خدمت ہے مجتہد صاحب نے ایک جملہ لکھ کر ”بیعت ناکردہ باز بمراسے شد“ یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیعت کی نفی ہو گئی حالانکہ یہ طرز استدلال قواعد و ضوابط اور واقعات و حقائق کے سراسر خلاف ہے اور درایت و بصیرت کے بھی خلاف۔

ڈھکو صاحب کا دعویٰ از روئے نقل و عقل خلاف واقع ہے۔

امانقلًا : چنانچہ صاحب ناسخ التواریخ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت

اور بیعت کی بحث کو ص ۷۱ تا ص ۸۷ شیعوں اور سنی ہر دو فریق کی روایات کے مطابق بیان کیا ہے۔ اور انہوں نے مستقل عنوان قائم کر کے شیعوں مسلک کو بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۴۴) جہاں عنوان یہ قائم کیا ہے

”طلب کردن علی علیہ السلام را بمسجد برائے بیعت ابو بکر بر روایت مردم شیعہ“

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں بیعت ابو بکر کے لیے طلب کرنا شیعوں کو گوں کی روایت کے مطابق اور ص ۵۴ پر یوں عنوان قائم کیا ہے۔ ”بردن علی علیہ السلام را بمسجد پیغمبر برائے بیعت با ابو بکر موافق روایت شیعہ“ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں پہنچانا بیعت ابو بکر کے لیے شیعہ روایت کے مطابق اور ص ۶۴ پر یوں عنوان قائم کیا ہے ”اجتماع علی و اصحاب اور بعد از بیعت با ابو بکر و عمر“ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا بیعت کرنے کے بعد ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ مباحثہ و مناظرہ، کیا اب بھی کوئی شخص دین و ریاست اور ایمان و امانت کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ صاحب نسخہ التواریخ نے صرف سینوں کا مذہب و مسلک بیان کیا ہے۔

اما عقلا و درایۃ : دعویٰ تو یہ ہے کہ بالکل حضرت ابو بکر صدیق رضی

اللہ عنہ کے ساتھ بیعت نہیں کی اور دلیں میں ایک وقت دلائل حقیقت پیش کر کے بغیر بیعت کئے واپس جانے کا ذکر کیا گیا ہے کیا میں علامہ صاحب سے دریافت کر سکتا ہوں کہ وجوہ احتجاج و استدلال یعنی قیاس استقراء اور تمثیل میں سے یہ کونسا قسم ہے۔ ایک وقت میں بیعت نہ کرنا گویا جزئی ہے اور بالکل بیعت نہ کرنا کلی حکم ہے تو ایک جزئی کے ذریعے حکم کلی ثابت کرنا قیاس ہے اور نہ استقراء و تمثیل کلی سے جزئی کا حکم ثابت کرنے کو قیاس کہتے ہیں جس طرح ہر انسان حیوان ہے لہذا زید حیوان ہے اور اکثر جزئیات کا حال معلوم کر کے حکم کلی لگا دینے کو استقراء کہتے ہیں جس طرح کلی حیوان بھڑکے گا الا سفل عند المضغ ہر حیوان چباستے۔ وقت نچلا جھڑا ہوتا ہے حالانکہ حکم لگانے والے نے جمیع جزئیات کا احاطہ نہیں کیا۔

لہذا یہ حکم ظنی ہو گا اور غلطی کا محتمل جیسے مگر پھر میں اس کے برعکس قول کیا گیا ہے۔ اور
جہزئی کے ذریعے جہزئی کا حکم ثابت کرنا جیسے شراب حرام ہے بوجہ نشہ آور ہونے
کے لہذا ایون بھی حرام ہے اس کو تمثیل کہتے ہیں اور یہ استدلال بھی موجب ظن ہوا
کرتا ہے۔ الغرض ڈھکوسل صاحب کا استدلال عند العقل معتبر وجوہ استدلال میں سے
کوئی وجہ بھی نہیں بن سکتا۔

علاوہ ازیں اس کی پیش کردہ عبارت متردن بعد بیعت یا پھر ماہ بعد بیعت
کرنے کے منافی بھی نہیں ہو سکتی۔ ایک وقت میں بیعت نہ فرمائی دوسرے وقت
میں فرمائی لہذا کوئی مخالفت اور تعارض لازم نہیں آ سکتا تو ڈھکوسل صاحب کا یہ جواب
صرف مجنونانہ حرکت ہے۔

بیعت ابی بکر کا ثبوت

اب پیش خدمت ہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیعت فرمانے کے
حوالہ جات، سب سے پہلے تاریخ التواریخ کے انہیں صفحات سے حوالہ جات۔
ملاحظہ ہوں۔

۱۱) فقال له ابو بكر يا يعز فقال له علي فان انا لم ابايع قال اضرب
الذي فيه عيناك فرقع رأسه الى السماء ثم قال اللهم اشهد
ثم مد يده فبايعه ص ۶۳۔

تو انہیں (حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا بیعت کرو تو حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہو گا تو انہوں نے کیا
ہم آپ کا سر قلم کر دیں گے تو آپ نے اپنا سر اقدس آسمان کی طرف
اٹھایا اور عرض کیا اے اللہ گواہ ہو جا پھر ہاتھ بڑھایا اور ابو بکر صدیق
سے بیعت کی۔

و کذا فی تلخیص الشافعی ص ۳۹۸

(۱۲) فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان وجدتم علیہم اعداء فاجاہدوہم و ان انت لم تجد اعداء فبايعوا حق منہ ^{صلی اللہ علیہ وسلم} اگر ان کے خلاف معاون و مددگار میسر ہوں تو ان سے جہاد کرنا اور ان کی خلافت کو پھینک دینا اور اگر معاونین و مددگار دستیاب نہ ہوں تو بیعت کر لینا اور اپنی جان بچانا اور اس حقیقت کا انکار کون کر سکتا ہے بلکہ خود شیعہ کے اقرار و اعتراف کے مطابق "تو دانی اسے خدا کہ برائے من کس ہمدست نشد" کوئی آپ کا معاون و مددگار نہیں تھا لہذا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بیعت ضروری ٹھہری اور واقعی آپ نے بیعت فرمائی، کذا فی احتجاج الطبری ص ۱۹۰ مطبوعہ مشہد

(۱۳) بروایت آل ہنگام عباس بن عبد المطلب را آگاہی دادند کہ اینک علی در زیر شمشیر عمر نشسته است عباس شتاب کناں درواں درواں برسد و بھی فریاد برداشت کہ با پسرم رفق و مدارا کنید بر من است کہ او بیعت کند و چوں درآمد دست علی را گرفت و بکشید و بدست ابی بکر مسج داد پس علی را رها دادند ص ۶۳

ایک روایت میں اس طرح وارد ہے کہ اس وقت حضرت عباس بن عبد المطلب کو لوگوں نے اطلاع دی کہ یہ علی ہیں جو عمر بن الخطاب کی تلوار کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں حضرت عباس جلدی جلدی دوڑے دوڑے اور زور زور سے پکارتے ہوئے آ رہے تھے کہ میرے بھتیجے کے ساتھ نرمی اور رواداری سے کام لیتا میں اس کی طرف سے بیعت کا ضامن ہوں اور جب آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہینا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھو دیا پس انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ صاحب تاریخ نے ص ۶۷ پر بیعت کے اقرار اور اس کے

جبر و اکراہ کے ساتھ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا قصہ بیعت امیر المؤمنین علی علیہ السلام یا ابو بکر بروایت مردم شیعہ نیز مرقوم افتاد و علماء اثنا عشریہ برمدق دعویٰ خود از روایت و روایات اہل السنۃ حجت کنند از جملہ تخریق در سرائے فاطمہ دزدن عمر در رایہ پہلوئے فاطمہ و سقط محسن و کشیدن علی علیہ السلام را بلعاً ۔
بمسند بیشتر از علماء سنۃ را استوار نمی افتد شگفت آنست کہ ابن ابی الحدید در ذیل قصہ سقیفہ بنی ساعدہ میگوید مردم شیعہ در تقریر این روایات و تخریق باب و سقط محسن متفر داند من ۶۷

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کا قصہ شیعہ علماء اور روایت کے مطابق بھی ذکر ہو چکا اور علماء اثنا عشریہ اپنے دعویٰ کی صداقت پر اہل السنۃ کے راویوں اور ان کی روایات سے استدلال ہمیشہ کرتے ہیں منجملہ جن کے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان کا دروازہ جلانا اور دروازہ کا ان کے پہلو پر گرانا اور حضرت محسن کا ساقط ہو جانا اور حضرت علی علیہ السلام کے گئے میں کپڑا ڈال کر مسجد کی طرف گھیسٹنا علماء اہل السنۃ کے نزدیک درست نہیں ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن ابی الحدید سقیفہ بنو ساعدہ کے قضیہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ شیعہ لوگ جبر و اکراہ وغیرہ اور حضرت محسن کے اسقاط اور دروازہ کے جلانے کی روایات کے ساتھ منفرد ہیں کوئی سنی ان کے ساتھ شریک نہیں ہے ۔

نوٹ ۱ اور صاحب تاریخ التواریخ نے ہی نقل کیا ہے کہ ابن ابی الحدید نے ۔

ابو جعفر نقیب بصرہ رئیس فرقہ اثنا عشریہ کے حوالہ سے لکھا کہ میں نے کہا کیا میں تمہاری طرف سے یہ روایت بیان کروں کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس طرح تشدد ہوا اور آپ کا محل ساقط ہو گیا تو اس نے کہا لا تروہ عفی ولا ترو عفی بطلانہما فانی متوقف فی هذا الموضع لتعارض الاخبار عندی نہ میری طرف سے اس امر کے صحیح ہونے کی روایت کرنا اور نہ ہی اس کے بطلان کی کیونکہ میں اس مقام میں توقف اور تردید کا شکار ہوں کیونکہ اس مقام پر مروی روایات باہم متعارض ہیں

جب خود رؤساء علماء شیعہ کو تردد اور توقف ہے تو اس کو اہل السنۃ کے سر تقویٰ نے
 کا جواز کیا ہو سکتا ہے اور ان روایات کے ذریعے ان المذہبی اور خلفاء راشدین
 کی ذوات قدسیہ کو مورد طعن و تشنیع بنانے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ البتہ صاحب
 تاریخ التواریخ نے ”برون علی علیہ السلام را بمسجد یمنبر برائے بیعت ابو بکر موافق۔
 روایت شیعہ“ کا عنوان قائم کر کے ص ۵۷ دروازہ جلائے کی دھمکی کا ان الفاظ
 میں تذکرہ کیا ہے ”فالجماعا ما قفدنا الی اعضاء قبیہا ودخلها فکسر ضلعا
 من جنبها فالقت جنینا فالقت جنینا من بطنها“ نعوذ باللہ عنہا
 لمحہ فکریہ! (۱۱) علامہ ڈھکو صاحب تو کہتے تھے کہ بیعت ہوئی ہی نہیں اور صاحب
 تاریخ التواریخ اس کا قائل ہی نہیں مگر ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ یہ صاحب نہ صرف
 بیعت کا قائل ہے بلکہ ایسے بھونڈے انداز اور ذلیل طرز بیان کے ساتھ کہ
 کوئی غیرت مند انسان ان حالات میں زندہ رہتا گوارا ہی نہیں کر سکتا چوبائیکہ
 جا کر بیعت کر لے اور گھر واپس آکر آرام سے بیٹھ جائے اور شیر خدا بھی کہلائے
 اور فاتح خیر بھی اور اعلان بھی یہ فرمائیں المقیۃ دلالۃ الدنیۃ (منہج البلاغہ) کہ
 موت اختیار کی جا سکتی ہے لیکن ذلت اور حقارت برداشت نہیں کی جا سکتی
 الغرض ڈھکو صاحب کے حق میں ہم آیت معلوم پڑھنے کا حق پوری طرح محفوظ
 رکھتے ہیں۔

(۱۲) نیز شیر خدا رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ملکہ را آمد نہ
 کرنے والے اور خلاف فرمان کا ارتکاب کرنے کا مورد طعن بھی ثابت کر دیا
 کیونکہ آپ کا تو ارشاد یہ تھا اگر مساوین و مددگار نہ ملیں تو بیعت کر لیتا لیکن آپ
 نے بیعت نہ کر کے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی سخت توہین کرائی اور ان کی ہتک
 حرمت کا موجب بنے

(۱۳) علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر کی توہین ہوتی دیکھ کر
 چپ چاپ رہنا اور اس کا بدلہ نہ لیتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون۔

سی عقیدت اور رعیت کی دلیل ہے اگر یہ واقعات درست ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے عزت مصطفویٰ اور عزت زہرا رضی اللہ عنہا کو بھی کوئی اہمیت نہ دی۔

(۴) پھر تفتیش کے لیے ایجاد کیا گیا تھا جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ تفتیش کرنا ہوتا تو نوبت اس صورت حال تک نہ پہنچتی اور اگر ان حالات میں بھی تفتیش نہیں کیا تو اس کا جواز بھی ختم ہو گیا چنانچہ اس کا عین ایمان ہونا یا نوسے فیصد دین کا اس میں منحصر ہونا لہذا یہ دعویٰ سراسر نفوذ باطل ٹھہرا

(۵) رجال کشی اور بیعت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (ص ۱۲ احوال سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ) ہولاء الذین دارت علیہم الرحی والیوان یبایعوا لابی بکر المقداد وابوذر و سلمان الفارسی

حتیٰ جاؤ و ابامیر المؤمنین مکرھا فبایعہی وہ من حضرات تھے مقداد، ابوذر اور سلمان الفارسی جن پر اسلام کی چکی گردش کر رہی تھی (دوسرے نفوذ یافتہ مرتد ہو چکے تھے) اور انہوں نے ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا حتیٰ کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے لائے تو انہوں نے بیعت کر لی (اور ان تینوں نے بھی)

(۶) احتجاج طبرسی اور بیعت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (ص ۸۴ مطبوعہ مشہد) ثم تناول ید ابی بکر فبایعہ - پھر آپ نے ابوبکر صدیقؓ کا ہاتھ پکڑا اور ان کے ساتھ بیعت کی۔

(۷) ما من الامة اجد بایع مکرھا غیر علی و اربعتنا یعنی امت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی نے بھی مجبور ہو کر بیعت نہیں کی تھی ماسوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور ہم چار کے (ص ۵۲)

(نوٹ) اس روایت سے واضح ہو گیا کہ تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب نے بھناد رعیت بیعت کر لی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیعت کرنے کا انتظار نہیں۔

کیا تھا بلکہ بقول شیوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتہائی منت سماجت کے باوجود اور ان کو بہنو بنانے کی آخری حد تک سعی و کوشش اور جدوجہد کے باوجود انہوں نے آپ کا ذرہ بھر تعاون نہ کیا۔ ذرا عبارت ملاحظہ و مشاہدہ کر کے خود فیصلہ کر و کہ ان نبیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو محبت کے رنگ میں کس طرح غیر اہم اور ناقابل التفات اور خلافت و امامت کے لیے غیر موزوں ثابت کر دکھایا ہے کہ اپنے انتہائی قریبی رشتہ دار بھی آپ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

فاما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم اشتغلت بفصله وتكفينه الى ثم اخذت بيد فاطمة وابني الحسن والحسين فدرت على اهل بدر واهل السابقة فنادت بهم حتى ودعوتهم الى نصرتي فما اصابني الا اربعة رهط سلمان وعمار وابو ذر والمقداد ولقد راوت في ذلك بقية اهل بيتي فابوا على الا السكوت (احتجاج طبرسي ص ۴۰)

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں آپ کے غسل اور کفن و دفن میں مشغول رہا۔ پھر میں نے قسم کھالی کہ چاروں اس وقت تک نہیں اڑھو گا جب تک قرآن جمع نہ کر لوں چنانچہ اس کو جمع کر چکا تو میں نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دونوں صاحبزادوں حسن و حسین کا اور اہل بدر اور سابقین اسلام کے گھروں پر گیا۔ انہیں اپنے حق کا واسطہ دیا اور اپنی مدد کی طرف بلایا لیکن میری دعوت کو سوائے چار کے کسی نے قبول نہ کیا یعنی ابو ذر سلمان فارسی عمار بن یاسر اور مقداد رضی اللہ عنہم اور البتہ تحقیق میں نے اس معاملہ میں اپنے بقیہ اہل بیت کو اپنے ساتھ لانے کی کوشش کی لیکن سب نے صرف سکوت اور خاموشی پر اکتفا کیا اور میرے مطالبہ کو بالکل نظر انداز کیا اور درخور اعتناء و التفات ہی نہ سمجھا۔

خلافت کے لیے اس قدر سر توڑ کوشش اور حضرت زہرا کی عزت و حرمت کو

کو بھی داؤ پر لگا دینے کے باوجود کوئی دھڑ نہ ملے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ
نوفی اللہ مہاجرین و انصار تو درکنار خود اہل بیت اور بنو ہاشم و بنو عبد المطلب میں بھی
آپ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا اور ناقابل توجہ اور اتفاقات بھا گیا تھا حقیقت یہ ہے
کہ اہل تشیع کی یہ دوستی اور محبت دراصل بدترین دشمنی ہے اور ایسی دشمنی کہ جس کے
بعد آپ کے کسی دشمن کو دشمنی کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہ جاتی۔
۵۔ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو۔

کتاب الروضہ للکافی اور بیعت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ (ص ۱۳۹)

(۹) بایع مکرہا حیث لم یجد اعداؤنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر بیعت
کی کیونکہ آپ کو معاون و مددگار میسر نہیں تھے مفصل روایت مذہب شیعہ میں حضرت
شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے قلم سے آرہی ہے۔

تتزیہ الانبیاء مؤلفہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور بیعت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔
(۱۰) فاما البیعة فان ارید بها العرض والتسلیم فلم یبایع امیر المؤمنین
علیہ السلام القوم بھذا التفسیر علی وجہ من الوجوہ ومن ادعی
ذلک کانت علیہ الدلالة فانه لا یجدھا وان ارید بالبیعة الصفقة
واظهار الرضا فذلک ما وقع عنہ الخ (تتزیہ الانبیاء ص ۱۳۸)
لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ بیعت جس کا اہل سنت
والجماعت نے دعویٰ کیا ہے، تو اس بیعت سے اگر ان کی مراد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کی تسلیم و رضا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بایں معنی ان کے ساتھ بالکل بیعت نہیں
کی اور جس کا یہ دعویٰ ہے اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے اور کوئی دلیل اس دعویٰ
پر نہیں پائے گا اور اگر اس بیعت سے مراد ہے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور تسلیم و رضا کا
اظہار کرنا تو یہ بیعت واقعی آپ کی طرف پائی گئی ہے۔

جب شیعہ کا یہ عظیم مناظرہ و مشکم اور ممتاز مولیٰ اس بیعت ظاہرہ کو تسلیم کر رہا ہے
تو پھر علامہ ڈھکو صاحب کے لیے اس بیعت کے انکار کیا کتنا شہ ہو سکتی ہے؟ رہ گیا دل

کا معاملہ تو وہ اللہ عظیم و خیر جانتا ہے شریعت مطہرہ کا دار و مدار ظاہر پر ہے نیز اگر ظاہری بیعت کا رآمد اور سود مند نہ ہوتی تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس پر اصرار کیوں کرتے اور بقول شیخ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے انکار کیوں کرتے۔ جب ان کا انکار ختم ہو گیا اور انکا اصرار پورا ہو گیا تو اس بیعت کی افادیت اور محبت واضح ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اسی ظاہری بیعت واسے عذر کو مسترد کرتے ہوئے اسی کو حقیقی بیعت قرار دیا اور دل و جان سے صادر ہونے والا عہد اور پیمانہ۔



”بیعت مرفضوی کا ثبوت بروایات متواترہ“

الفرض ان کے علاوہ بہت سی روایات اس مضمون کی وارد ہیں جو متواتر مرفضوی کے قبیلہ سے ہیں جن میں بیعت کا اقرار تو کیا گیا ہے۔ لیکن شیر خدا رضی اللہ عنہ کو مجبور روئے ہیں اور گلے میں رسی لٹوا ئے یا تلواروں کے سائے میں بیعت کرتے دکھایا گیا ہے۔ ابو جعفر طوسی صاحب نے تلخیص میں اس کے تواتر کا اقرار کیا ہے عبارت ملاحظہ ہو۔

معنی اکل خبر ما ذکرناہ وان کان وارد عن طریق الاحاد فان معناه
الذی تضمنہ متواتر بہ والمعول علی المعنی دون اللفظ ومن استقری
الاخبار وجد معنی اکراہہ علیہ السلام علی البیعة و
انہ دخل فیہا مستند فعلاً للشر وحقاً من تفرق کلمۃ
المسلمین الخ

(ان روایات کے اخبار آحاد ہونے واسے توہم کے جواب میں)

ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے ہر ایک خبر واحد ہے مگر معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں اور اعتماد و اعتبار معنی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا اور جو شخص بھی اس ضمن میں وارد روایات کا تتبع کرے تو آپ کے بیعت پر مجبور ہونے کی حقیقت اس پر واضح ہو جائے گی اور یہ کہ آپ شر و فساد کو دور کرنے کے لیے اور اہل اسلام کی وحدت کو برائے گندگی سے بچانے کے لیے بیعت کرنے والوں میں شامل ہوئے۔

الفرض ثبوت بیعت تو متواتر طریقہ سے ہو گیا جس کا انکار دوہرے کے سورج کے انکار کے مترادف ہے رہا جبر و اکراہ اور مجبوری و بے بسی کا معاملہ تو اس کا عقلی اور نقلی وجود سے روشنی اسلام کے سابقہ کلام میں بھی موجود ہے اور آگے بھی متعدد مقامات پر اس پر رد و قدح کا بیان آ رہا ہے جس میں بنظر انصاف غور کرنے سے جبر و اکراہ کا افسانہ بیخ و بن سے اکھڑ جاتا ہے اور اس جال کا بیت عنکبوت سے بھی کمزور تر ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

”حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت رضی اللہ عنہ“

چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا اور آپ کے لیے وثیقہ خلافت لکھ کر اس پر بیعت لی تھی لہذا کسی کی خلافت و ریزی اور انکار بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا اس لیے یہ بیعت عند الکل مسلم اور متفق علیہ ہے چنانچہ ناسخ التواتر میں مرقوم ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب کو نصیحت و وصیت فرمانے کے بعد حاضرین امیر و جوہرین سے کہا: اے مردمان! عمر بن الخطاب را با مات شما گماشتیم آیا بدال راضی شدید یا کسی را استکبار سے واستنکار سے است گفتند آنچه فرمان کنی سر از الاعت تو بر نتابیم۔

(ص ۲۱۵ جلد دوم از کتاب دوم)

اسے لوگو! میں نے عمر بن الخطاب کو تمہاری امامت کے لیے منتخب اور نامزد کیا ہے کیا تم اس پر راضی ہو گئے ہو یا کسی کو اس پر انکار ہے اور اس سے اراض تو سب نے یک زبان ہو کر کہا جو حکم دو ہم آپ کی اطاعت سے سر نہیں پھیر سکتے اور ابن ابی الحدید نے اس مقام پر ہی مضمون نقل کیا ہے کہ جب عہد خلافت اور وثیقہ امامت کی کتابت ہو گئی تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا جائے اور انہیں آگاہ کیا جائے چنانچہ کہتے ہیں ثم اتم العہد وامران یقرء علی الناس فقرء علیہم (جلد اول ص ۱۶۵)

علاوہ ازیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے منتخب ارکان شوری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شامل ہونا اس حقیقت کا روشن برہان ہے کہ جب شوری میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں اور اس کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر تیار ہیں تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ شوری میں شامل ہو کر آپ نے علیؓ کی طور پر ثابت کر دیا کہ میں خلافت و امامت کے لیے نامزد نہیں تھا اور جو فیصلہ شوری کرے گی مجھے اس کا انکار نہیں ہو گا اور نہ اس سے انحراف۔ تو اس سے حضرت عمر بن الخطاب کے حکم کا پابند ہونا اور اس کی خلافت کا قائل اور معترف ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔ مزید تفصیل آئندہ صفحات میں درج کی جائے گی۔

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ“

جب شوری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت و امامت کے لیے نامزد کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا وہ نبی البلاغ سے پیش مدت ہے۔

لقد علمتم انی احق بہا من غیری وواللہ لا سلین ما سلمت امور المسلمین ولم یکن فیہا جور الا علی خاصۃ الناس لا جرد لک وفضلہ وزہدا فیما تنافستوا من زخرفہ وزیرجہ۔

(نبی البلاغ جلد اول ص ۱۴۶) یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ میں خلافت کی بیعت لینے کا زیادہ

حقدار ہوں اور بندگان میں ہر حال میں عثمان بن عفان کے لیے امر خلافت کو تسلیم کروں گا جب تک امور مسلمین سلامتی کے ساتھ انجام پذیر ہوتے رہے اور کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہوئی ماسوائے میرے میں اپنے اوپر اگر زیادتی ہوئی بھی تو اس کو اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے اور درجہ فضیلت کے حصول کی خاطر برداشت کروں گا اور اس امر خلافت سے زیادہ بے رغبتی ظاہر کرنے کے لیے جس کی آرائش و زیبائش میں تم نے میدان اور رغبت ظاہر کی ہے فرداً فرداً خلفائے ثلاثہ کی بیعت کے دلائل و شواہد کے بعد اب ایک جامع خطبہ ملاحظہ فرمائیں۔

جامع خطبہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اور خلفائے ثلاثہ کی بیعت کا ثبوت

یہ خطبہ آپ نے مصر کے ہاتھ سے نکل جانے اور آپ کے عامل و گورنر محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے کے بعد دیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء اور رفت و مرتبت کو بیان فرمایا۔ پھر اہل اسلام کے امر خلافت میں نزاع و اختلاف کو اور اپنے بیعت سے ابتداء میں انگ رہنے اور اپنے آپ کو اس امر کا زیادہ مستحق سمجھنے کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا۔

قلبت بذلک ما شاء اللہ حتی رایت راجعة من الناس رجعت عن الاسلام یدعون الی محق دین اللہ و ملۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فخشیت ان لم انصر الاسلام و اہله ان اری فیہ ثلما و ہذا یكون المصاب بہما علی اعظم من فوات ولایۃ امور کما التی انما ہی متاع ایام قلائل ثم یزول ما کان منہا کما یزول السراب و کما یتقشر السحاب فمشیت الی ابی بکر فبایعته و نهضت فی تلك الأحداث حتی زاعم الباطل و زہق و کانت کلمۃ اللہ ہی العلیا و لو کرة الکافرون۔
فتولی ابو بکر تلك الامور فیسرو سد و قارب و اقصد و صحبته مناصحا و اطعته فیما اطاع اللہ فیہ جاہدا و ما طمعت ان

لو حدث به حادث وانما حتى ان يرد الى الامر الذي نازعته فيه طمع
مستيقن ولا يثبت منه يأس من لا يرجوه ولولا خاصة ما كان
بينه وبين عمر بطنت انه لا يدفعها عني فلما احتضرت بعث الى عمر
قولاة فسمعنا واطعنا وناصحنا وتولى عمر الامر فكان مرضى
السيرة صيمون النقيبة، حتى اذا احتضرت فقلت في نفسي لن
يعد لها عني، ليس يدافعها عني فجعلني سادس ستة رالي
فاجمعوا اجماعا واحدا فصرفوا الولاية الى عثمان من هار جاء
ان ينالوها ويتداولوها اذ يتسوا ان ينالوها من
قبلي ثم قالوا لهم فبايعوا واجاهدناك فبايعت مستكرها
وصبرت محتسبا (شرح حديد جلد ۲ ص ۹۵، ۹۶)
پس میں اس حال میں رہا یعنی غوث نشین اور عزت گزین رہا، جب تک
کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کی خاص تعداد اسلام سے
روگردانی کرنے لگی ہے اور وہ دوسروں کو اسلام کے مٹانے کی
دعوت دیتے ہیں اور غوث مصطفیٰ علی اللہ علیہ وسلم کو نیست و نابود
کرنے کی کوشش میں ہیں تو میں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ اگر اس وقت
میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں تو اس کے مضبوط قلعہ میں دربار میں
پڑ جائیں گی درمہدم ہو کر رہ جائیں گے گا جس کی وجہ سے پھر پر مصیبت
اور پریشانی اس سے زیادہ ہوگی جو کہ امور مسلمین کی ولایت اور خلافت
کے ہاتھ سے نکلنے کی وجہ سے لاحق ہوئی جو کہ صرف چند دنوں کی متاع
ہے اور پھر اسی طرح زائل ہو جانے والی ہے جس طرح سراب زائل
ہوتا ہے یا بادل چھٹ جاتا ہے۔

تو میں ابو بکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی طرف چل کر گیا اور ان کے
ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں اور

حادثات میں اہل اسلام کا ہاتھ بٹانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی پوری قوت صرف کر دی حتیٰ کہ باطل کا رخ پھر گیا اور وہ بھاگ گیا اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ توحید اور علم شریعت بلند ہو گیا اگرچہ کفار اس کو پسند نہیں کرتے تھے تو ابو بکر ان امور کے متولی و متصرف ہوئے انہوں نے لوگوں پر آسانی اور سہولت کا اہتمام کیا اور ثنابت قدمی اور مضبوطی سے کام لیا اور حق کی مقاربت اور میانہ روی کو اختیار کیا اور میں نے ان کی پورے غلوں اور ہمدردی کے ساتھ مصاحبت اور موافقت کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مشتمل تمام امور میں ان کی فرمانبرداری میں پوری قوت صرف کی اور میں نے کبھی یہ طمع نہ کیا کہ اگر ان کو حادثہ موت پیش آئے اور میں اس دوران زندہ ہوں تو اس امر خلافت کو میری طرف لوٹائیں جس میں میں نے ان کے ساتھ اختلاف کیا تھا۔ نہ اس طرح کا حتمی طمع اور بختہ آرزو تھی۔ اور نہ ہی میں اس سے مکمل طور پر مایوس تھا۔ جیسے بالکل اس کی امید ہی نہ ہو اور اگر عمر بن الخطاب اور ان کے درمیان خصوصی تعلقات و روابط نہ ہوتے تو مجھے غالب گمان ہی تھا کہ وہ مجھ کو خلافت سے دور بھی نہ رکھتے۔

چنانچہ جب ان کا وقت وفات قریب آ گیا تو انہوں نے عمر بن الخطاب کو بلایا اور امور خلافت کا دالی بنا دیا تو ہم نے ابو بکر کے وصیت نامہ اور وثیقہ خلافت کو قبول کیا، اس کی اطاعت کی اور غلوں و ہمدردی میں کوئی کمی اور کوتاہی روانہ رکھی پس عمر بن الخطاب متولی امور خلافت بنے تو وہ پسندیدہ سیرت نکلے اور بابرکت خلافت اور ولایت واسے ثابت ہوئے جنہوں نے سرحدات اسلام کو بہت وسیع کر دیا اور قیصر و کسری کی سلطنتوں کو با مال کر دیا۔

جب ان کا وقت وفات قریب آیا تو میں نے دل میں کہا

یہ ہرگز مجھ سے خلافت کو دوسری طرف نہیں پھیریں گے اور اس کو ہرگز مجھ سے دور نہیں کریں گے لیکن انہوں نے اس کو شوریٰ پر پھوڑا اور مجھے ان میں سے چٹا فرد قرار دیا (تا) چنانچہ شوریٰ نے مکمل اتفاق کے ساتھ اس کو عثمان کے حوالے کر دیا اس امید پر کہ وہ خود بھی اس کو پالیں گے اور یکے بعد دیگرے ان کو بھی خلافت کا شرف اور اعزاز حاصل ہوتا رہے گا جب کہ میری طرف سے انہیں مایوسی تھی پھر انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ آؤ اور عثمان کے ساتھ بیعت کر دو ورنہ ہم تمہارے خلاف جہاد کریں گے تو میں نے بادل ناخواستہ بیعت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حصول ثواب کی امید پر صبر کیا۔ انتہی۔

اس طویل خطبہ سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیعت کرنا اور شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکمل اخلاص اور ہمدردی کا اظہار اور ان کی سیرت اور عملی زندگی پر مکمل اطمینان کا اظہار موجود ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت میں اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب کی امید رکھنے کا ذکر ہے جو قلبی ارادہ اور نیت خالصہ کے بغیر ممکن نہیں لہذا اس میں بیعت پر جبر کرنا تو ثابت ہوتا ہے لیکن کسی کا اس شیر خدا کو مجبور و بے بس کر کے بیعت کر لینا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

الغرض تینوں حضرات کے ساتھ بیعت ثابت ہو گئی اور یہ خطبہ اگرچہ ہم نے ابن ابی الحدید کی شرح سے نقل کیا ہے لیکن اس کے بیشتر حصے شریف مرتضیٰ نے نہج البلاغہ میں ذکر کئے ہیں اور بالکل انہی الفاظ کے ساتھ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۱۵۷، ۱۵۸ اور شرح ابن قیم جلد پنجم ص ۲۰۱ اور اسی خطبہ کا آخری حصہ دائرہ لوقیہم واحد اور ہم مطلق الارض الخ نہج البلاغہ میں ص ۱۰۴ و ص ۱۶۰ پر موجود ہے اور ابن قیم میں ص ۲۰۶، ۲۰۷ جلد پنجم پر موجود ہے لیکن وہ اس آٹھویں مکمل خطبہ نقل کرنے کی پابندی قبول نہیں کرتا کہ میں نے صرف فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر پورے اترنے واسطے جملے نقل کرنے ہوتے ہیں اس لیے خطبہ مکمل ذکر نہیں کرتا اور دوسرے شراح حضرات پورے خطبے نقل کرتے ہیں۔

لہذا ناچار انہیں کی زبانی اس کا اندراج کرنا پڑتا ہے اور خطبہ کی صحت عند المؤلف اس کے منتخب جملوں کی شناخت کے بعد بالکل بے غبار ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ ابن ابی الحدید تفصیل شیعہ ہے بلکہ اصحاب صفین اور اصحاب جمل کے حق میں بالکل شیعوں والا عقیدہ رکھتا ہے سوائے حضرت صدیقہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے اس لیے بھی اس کی نقل عند الشیعہ لازماً محبت ہے نیز یہ شرح اس سے ابن علقمی جیسے متعصب اور اہل السنت کے ساتھ غداری کرنے والے غالی شیعہ کی لکھوائی ہوئی ہے اور اسی کے اخراجات پر اس کی تالیف ہوئی ہے لہذا اس کے متعلق چونکہ حیرا کی شیعہ صاحبان کو کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

یہ مضمون ناسخ التواریخ جلد سوم کتاب دوم ص ۲۹۷ تا ۲۹۹ پر موجود ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ مبارک سے لکھ کر عمرو بن الحمق، حجر بن عدی، حارث اعور اور عبداللہ بن سبا کے حوالے فرمایا، اس اجمال کی تفصیل صاحب ناسخ کی زبانی سماعت فرمادیں حدیث کردہ اند کہ عمرو بن الحمق و حجر بن عدی و حارث الاعور و عبداللہ بن سبا بعد از شہادت محمد بن ابی بکر و خنن آنحضرت بر شہادت اور بر امیر المومنین آمدند و عرض کردند یا امیر المومنین بحق ابوبکر و عمر چہ فرمائی، امیر المومنین فرمود آیا از غلبہ دشمن بر فتح مصر قتل شیعیان من بدست اعداء شمارا الے و فرے رسیدہ باشند من مکتوبے از بھر شمار قوم دارم و شمارا انانچہ پرشش کردید اگا ہی میدہم و از شما میخواہم کہ آن مکتوب را از بکینہ بر شیعیان من قراوت کنید و از انانچہ حق مرا ضائع کردہ اند باز نمایند و اخوان و انصار من باشند و آن مکتوب را بدیشاں فرستاد۔

علامہ حدیث نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت محمد بن ابی بکر کی شہادت کے بعد اور حضرت امیر المومنین کے ان کی شہادت پر سخت غمگین اور رنجیدہ خاطر ہونے کے بعد عمرو بن الحمق، حارث الاعور اور عبداللہ بن سبا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مصر پر دشمن کے حملہ اور فتح مدینہ کی وجہ سے

اور میرے طرف داروں کے اعداء و مخالفین کے ہاتھ قتل ہو جانے کی وجہ سے تمہیں رنج و الم اور فزع و حزن لاحق ہو رہا ہے۔ میں تمہارے لیے ایک خط تحریر کرتا ہوں اور جو کچھ تم نے دریافت کیا ہے اس سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس مکتوب کو خود بھی یاد کرو اور میرے متعلقین پر اس کی قرارت کرو اور جنہوں نے میرے حق کو ضائع کیا ہے ان کو واضح کرو اور میرے معاون و مددگار رہو پھر یہ خط ان کی طرف بھیجا اور اس کے الفاظ اور معنوں بالکل وہی ہے جو شرح حدیدی کے حوالے سے نقل ہو چکے ہیں اور اس پر تبصرہ بھی ہدیہ ناظرین ہو چکا۔ دوبارہ اس کا بغور مطالعہ کریں اور اس عبارت کو ساتھ لاکر یہودی اور سبائی ذہنیت اور موقف سے فائدہ اٹھانے کی سعی مذموم کو ملاحظہ فرمادیں کہ جب حضرت امیر المومنین کو غزوہ دیکھا اور رنجیدہ خاطر پایا تو فوراً انہیں ان اسباب رنج و الم کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے کھاتے میں ڈالنے اور ان کے ذمہ لگانے کی طرف ترغیب دی اور مائل کیا یعنی اگر روز اول سے خلافت آپ کو مل جاتی تو یہ صورت حال پیش نہ آتی لہذا ان تمام پریشانیوں اور غم و آلام کے باعث اور سبب موجب وہی ہیں مگر حضرت امیر کے مکتوب نے ان کی سعی مذموم پر پانی پھیر دیا لیکن انہوں نے عوام کا لالچام میں اپنی اس ذہنیت اور نظریہ کو رائج کرنے میں کسی حد تک کامیابی حاصل کر لی اور معدودے چند لوگ ان کے دام ترویج میں آگئے اور رفتہ رفتہ اس نظریہ فاسدہ پر جب اہل بیت کی طمع کاری کر کے ان سب کے تلامذہ اور مترشدین بنے اس کو مزید ترقی دی اور ایک مستقل مذہب بنا ڈالا (فائدہ جلیلہ - اس خطبہ اور دیگر کئی خطبات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کے متعلق یہ ایشارہ اور جذبہ مذکور ہے کہ اسلام دشمن قوتوں کے برے اور ناپاک عزائم خاک میں ملانے کے لیے آپ نے ابو بکر صدیق کی بیعت کی اور اہل اسلام کا پورا پورا ساتھ دیا جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اگر آپ کو ان حضرات کے خلاف کوئی شکایت تھی تو وہ براہ راست شکر ربی اور ایمان کی حد تک تھی نہ کہ ایمان و کفر اور اخلاص و نفاق والا اختلاف پیدا ہو گیا تھا ورنہ پھر ان کے ساتھ بیعت کر کے اسلام کو

ترقی دینے اور کفر و باطل کو مغلوب کرنے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا بلکہ خاتم بدھن منکرین
زکوٰۃ اور دیگر مرتدین کی اعانت یا برسر اقتدار لوگوں کی اعانت برابر تھی۔

علاوہ ازیں اس خطبہ سے یہ تو واضح ہو گیا کہ ارتداد کی ہر اٹھی تھی اور اسلام کے
لیے خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن جو جماعت اسلام کے تحفظ کے لیے سرکھٹ اور
کفن بردوش ہو کر میدان میں اتری وہ کونسی تھی وہ بھی ہر نیم روز کی طرح واضح ہو گیا اب
قرآن مجید اور ثقل اکبر کی شہادت کو ثقل اصغر کی شہادت کیے ساتھ کر بیچہ دیکھئے
اور ایمان و امانت اور دین و دیانت کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے حقیقت کے
اعتراف میں کسی بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیجئے اور اس جماعت خدا آگاہ اور حق نما
اور باطل شکن کی عظمت خدا داد کو سلام کیجئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”یا ایہا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف ینافی
اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین

یحاہدون فی سبیل اللہ ولا ینافون لومة لائم“

اے ایمان والو اگر تم میں سے کچھ لوگ مرتد ہوئے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جن
سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں مومنین پر نرم اور مہربان ہیں
اور کفار مشرکین پر عزیز و غالب، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اس راہ
میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ذرہ بھر اندیشہ اور خوف رکھنے والے
نہیں ہیں۔

کیا یہ صفات کاملہ اور اخلاق عالیہ اور امتیازی علامات اس جماعت مقدسہ کے
نہیں جنہوں نے جھوٹے نبیوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا اور ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے
عالم عرب کے دامن کو صاف کیا اور منکرین زکوٰۃ کا قلع قمع کیا جب اس جماعت کی شان
یہ ہے تو اس کے سربراہ کی عظمت کا انکار کون بذخمت کر سکتا ہے اور ان کو ان اعزازات
اور کرامات سے محروم رکھنے کی کوشش کون ساشقی کر سکتا ہے۔

”عقیدہ مرتضویہ اور عقائد صحابہ کا توافق“

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی نامزد فرمایا اور آپ نے اس میں شمولیت اختیار فرمائی اگر مذہب اور عقیدہ میں اختلاف ہوتا اور ان حضرات کو آپ کے متعلق ذرا بھی اندیشہ مذہبی اختلاف کا ہوتا تو اس طرح کی نامزدگی کا کوئی امکان نہ تھا اور دوسرے حضرات کو بھی اس قسم کا گمان ہوتا تو پہلی دفعہ ہی آپ کے خلاف یہ حربہ استعمال کیا جاتا اور آپ کو نکال باہر کیا جاتا جس سے صاف ظاہر کہ آپ کا مذہب اور عقیدہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک وہی تھا جو ان کا اپنا تھا خدا جانے سبائی پارٹی کو کہاں سے یہ غیبی علوم ہاتھ لگ گئے اور آپ کا عقیدہ مذہب اور عقیدہ کس طرح معلوم کر لیا جو کم از کم برصغیر کی تاریخ میں چودہویں صدی سے قبل خود اولاد مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی معلوم نہ ہو سکا۔ صرف اس صدی میں دولت اور امارت کے نشہ میں چور چند افراد اپنے اسلاف کے عقیدہ اور مذہب سے برگشتہ ہو کر اس دام تزویر میں پھنسے و لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ورنہ ان سے پہلے تیرہ صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ اسلام اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اہل السنۃ کی امامت و قیادت علی مرتضیٰ کی اولاد رضی اللہ عنہم اور اہل بیت نبوی کے لاڈلوں کے پاس ہی رہی رہتی اس مذہب و مسلک کے بانی اور سمار تھے اور اس کو اوج ثریا تک پہنچانے والے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔



مذہب شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خدام خاص کا تعامل اور

طرز عمل

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص الخواص خدام حضرات جن میں حضرت سلمان فارسی حضرت عمار بن یاسر اور حضرت مقداد اور حضرت ابوذر کے ہی نام آتے ہیں ان میں سے ہمیں حضرات نے خلافت فاروقی میں مختلف مناصب اور عہدے سنبھالے اور حروب و قتال میں حصہ لیتے رہے جس کا اعتراف محقق طوسی نے ان الفاظ میں کیا ہے

تولی سلمان لعمر المداثن وكذلك تولی عمار رحمة الله عليه الكوفة ونقد المقداد في بعوث القوم - (ص ۲۰۲ تلخیص مشافی، لمخص، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن میں حضرت عمرؓ کے نائب اور گورنر رہے اور اسی طرح عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کوفہ میں عامل اور نائب رہے اور حضرت مقداد جنگوں میں شامل رہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات آپ کی خلافت پر رضامند تھے اور انہوں نے آپ کو اپنا امیر اور سب مؤمنین کا امیر و امام تسلیم کر لیا تھا تو اس کے جواب

میں طوسی صاحب نے محروف حربہ کا سہارا لیا اور اس کو بھی تفتہ کے سایہ میں حلال اور
مباح قرار دے دیا۔ محمد اشرف ،

کتاب الشافعی مع التلخیص ص ۴۰۲ سطر نمبر ۳۱ کا بھی مطالعہ کرتے چلیں جہاں شیر خدا
رضی اللہ عنہ کے خواص کی بیعت اور ان مناصب اور عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ ان لفظوں
میں بیان کی گئی ہے ۔

فان قيل تولى سلمان لعمر المداين فلولاً انه راضيا بذلك والام
يتول ذلك قيل ذلك ايضا محمول على التقية وما اقمضى اظهار البيعة والرضا
يقتضيه وليس لهم ان يقولوا اي تقية في الولايات لانه غير متمنع ان يعرض
عليه هذه الولايات ليمتنع بها ويغلب في ظنه انه ان عدل عنها وابتاها
نسب الى الخلف واعتقدت فيه العداوة ولم يأمن المكروه
وهذه حال توجب عليه ان يتولى ما عرض عليه وكذلك
الكلام في تولى العمار الكوفة ونفوذ المقداد في بعوث القوم اگر کہا جائے
کہ حضرت سلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مدائن کے نائب اور عامل رہے تو لامحالہ
آپ اس خلافت و امامت پر راضی تھے ورنہ اس عہد کے متولی نہ ہوتے تو جواب میں
یوں کہا جائے گا کہ یہ بھی تفتہ پر محمول ہے اور جو امر بیعت خلافت کے اظہار اور
اس پر رضا مندی ظاہر کرنے کا موجب بنا وہی موجب اور مقتضی یہاں بھی موجود
ہے اور ہمارے مخالف یہ نہیں کہہ سکتے کہ ولایت عہد میں اور مناصب پر فائز
ہونے میں کون سا تفتہ ہو سکتا ہے کیونکہ از روئے عقل یہ بات ناممکن اور محال نہیں
ہے کہ جناب فاروق ان پر یہ عہدے پیش کر کے امتحان لیں اور ان کا غالب گمان
یہ ہو کہ اگر ان عہدوں سے عدول و اعراض کریں اور ان کے قبول کرنے سے انکار
کریں تو ان کو مخالف سمجھا جائے گا اور ان کے حق میں بغض و عداوت کا اعتقاد پیدا ہو
جائے گا اور خلیفہ المسلمین کی طرف سے مکروہ اور ناپسندیدہ رد عمل اور انتقامی کارروائی
سے بے فکر نہ ہوں اور یہ ایسی حالت ہے جو ایسے عہدے قبول کرنے پر مجبور کرتی

ہے اور ایسے ہی حضرت عمار کے کوفہ میں نائب بننے اور حضرت مقداد کے قوم کی طرف سے جنگوں میں شامل ہو کر دشمنان اسلام کے خلاف کارروائی کرنے کا جواب دیا جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ ان حضرات کا یہ اقدام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد اور صلاح و مشورہ کے بغیر ممکن نہیں جس سے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعامل اور تعاون و توافق ان حضرات کے ساتھ واضح ہو گیا۔ اس عبارت نے چند حقائق واضح کر دئے، اول یہ ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفاء راشدین کے زمانہ خلافت میں حتی المقدور ان کی اطاعت فرمانبرداری میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور کوئی ایسا فعل اور عمل ظاہر نہیں ہونے دیا جس سے مخالفت معلوم ہو سکے اور کوئی ایسا کلام نہیں فرمایا جس سے ان کا آپس میں اختلاف معلوم ہو سکے دوسرا یہ کہ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کو ان حالات میں واجب یقین کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو کتاب الشافی مع التلخیص مطبوعہ ایران ص ۲۹۸ جس پر مرقوم ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے ایک مخلص جانشین مہدی حضرت بریدہ کو حکم دیتے ہیں کہ تم ابو بکر صدیق کے ساتھ بیعت کرو: جاء بریدۃ حتی وکذا یتہ فی وسط اسلم ثم قال لا ابایع الا ان علی بن ابی طالب فقال علی یا بریدۃ فیما دخل فیہ الناس فان اجتمعوا ہم احب الی من اختلافہم الیوم۔ حضرت بریدہ آئے اور اپنے قبیلہ اسلم کے وسط میں اپنا جھنڈا گاڑ دیا پھر کہا میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک علی بن ابی طالب بیعت نہ کریں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے جانشین خادم کو حکم دیا کہ تم بیعت کرنے والے زمرہ میں شامل ہو جاؤ کیونکہ اجتماع بہ نسبت اختلاف کے ٹھیکے بہت پسند ہے (اور اس روایت سے ذرا آگے دوسری روایت میں یہ تصریح موجود ہے ص ۳۹۸) کہ حضرت بریدہ کا قبیلہ بیعت صدیق سے انکاری تھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بریدہ کو بیعت کا حکم دے کر پورے قبیلہ کو حضرت ابو بکر کا حلقہ بگوش بنادیا اور انہیں اختلاف و افتراق سے باز رکھا: عن موسیٰ بن عبد اللہ بن الحسن قال ابیت اسلم ان تبایع فقالوا ما کتا بنایع حتی یبایع بریدۃ لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبریدۃ علی ولکم من بعدی کہ قبیلہ اسلم نے

ابو بکر صدیق کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا جب تک بریدہ بیعت نہیں کریں گے ہم بھی بیعت نہیں کریں گے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ کو فرمایا تھا علی میرے بعد تمہارے ولی ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف ایک حضرت بریدہ کا معاملہ نہیں بلکہ قبیلہ کا معاملہ ہے اور وہ حضرت بریدہ کو اپنا قائد بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جہاد اور حرب و قتال کے لیے تیار ہیں لیکن آپ نے بیعت کا حکم دے کر نہ صرف حضرت بریدہ بلکہ تمام قبیلہ کو حضرت ابو بکر کے تابع فرمان بنا دیا۔

اب اس تصریح کے ساتھ ذرا جبر و اکراہ والی روایت کو ٹاکر پڑھو اور اس کے بعد اور نہیں تو شیعہ مذہب کا ماتم ہی کر لو۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا -

تنبیہ اقول : زحمت نہ ہو تو ذرا احتجاج طبرسی کے حوالے سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے تقیہ اور مجبوری و بے بسی کے بہانے کا تار و پود ادا کرتا دیکھتے چلئے اور تحقیق شیعہ اور ان کے ائمہ اسلام اور مؤلفین مباح کا مکرو فریب اور ان کی دھوکہ بازی کا شاہدہ کرتے چلئے، احتجاج طبرسی مطبوعہ مشهد کے ص ۳۰ پر حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کے تادیبی خط کا جواب دیتے ہوئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے لکھا :

واعلم انی لم اتوجه اسو سہم واقیم حد و اللہ فیہم اولا
 بارشاد دلیل عالم فہمیت بنہجہ فیہم وسرت فیہم بسیرتہ
 (الی) واعلم انک سید رکک عواقب ظلمک فی دنیاک و آخرتک
 وسوف تسأل عما قدمت و عما اخرت والحمد للہ -
 اس بات کا اچھی طرح یقین کر لیجئے کہ میں اہل مدائن کی سیاست و نگرانی
 اور ان میں اقامت حد و داشتہ کی طرف جو متوجہ ہوا ہوں (تو آپ کی خاطر
 نہیں بلکہ) صرف اس ہستی کی وجہ سے اور ان کے حکم کے تحت جو دلیل
 صحیح اور عالم ہیں اور میں ان میں انہیں کے طرز پر چلا ہوں اور انہیں کی
 میرت کے مطابق اور اس کا بھی یقین رکھیے کہ عنقریب تمہیں اپنے ظلم

کامیاب اور انجام اپنی دنیوی زندگی میں اور آخرت میں پہنچ جائے گا اور ضرور بالفرد
 تم سے پہلے اور پچھلے کئے ہوئے امور کے متعلق سوال ہو جائے گا۔
 اس جواب کو پڑھ کر کوئی بھی صاحب عقل یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت سلمان نے
 اپنے متعلق یا اپنے ہادی و رہنما اور دلیل و حجت کے متعلق کوئی پردہ اور خفا کی صورت
 چھوڑی ہے؛ کیا اس کو تقیہ کہا جاتا ہے کہ نائب ہو کر اپنے اصلی حاکم کو للکارے اور
 اس کو ظالم کے اور عذاب دنیا و آخرت سے ڈرائے اگر طوسی صاحب سچے ہیں تو
 میری صاحب جھوٹے ہیں اور میری صاحب سچے ہیں تو طوسی صاحب نے جھوٹ
 بولنے کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ محمد شرف سیالوی غفرلہ

لیکن آئیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جو عمل محمد بن یعقوب کلینی نے بیان کیا
 ہے وہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں تاکہ مرید و مرشد کے طرز عمل میں واضح تفاوت سامنے آ سکے
 اور ان کے نیچ اور سیرت پر چلنے کے دعویٰ کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو
 جائے اور اس جگہ بھی تضاد آشکار ہو جائے (کتاب الروضہ ص ۱۲۹)

عن ابی جعفر علیہ السلام قال ان الناس لما صنعوا اذبا يعوا
 ابا بكر لم يمنعا امير المؤمنين عليه السلام ان يدعوا الى نفسه
 الا نظروا للناس وتخوفوا عليه همان يرتدوا عن الاسلام فيعبدوا
 الاوثان ولا يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله
 وكان الاحب اليه ان يقرهم على ما صنعوا من ان يرتدوا
 عن جميع الاسلام وانما هلك الذين ركبوا فاما من لم يصنع
 ذلك ودخل فيما دخل فيه الناس على غير علم ولا عداوة
 لامير المؤمنين عليه السلام فان ذلك لا يكفره ولا يخرج منه من الاسلام
 فلذلك كنتم عنى عليه السلام امره وبايع مكرها حيث لم يجدا عوانا.
 حضرت امام جعفر صادق کے والد گرامی رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب
 کرتے ہوئے روایت ہے کہ لوگوں نے جب ہدیٰ اکبر رضی اللہ عنہ

کے ساتھ بیعت کرنی شروع کر لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ بیعت کرتے کے لیے لوگوں کو اس خوف سے نہ بلایا کہ لوگ پورے اسلام سے ہی مرتد نہ ہو جائیں اور نہ بت پرستی نہ شروع کر دیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دنیا ترک ہی نہ کر دیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے مرید ہو جانے سے زیادہ پسند یہ بات تھی کہ لوگوں کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر برقرار رکھیں کیونکہ صدیق اکبر کی بیعت نہ تو لوگوں کو کافر بناتی تھی اور نہ ہی اسلام سے خارج کرتی تھی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے امر کو چھپایا اور مجبور ہو کر بیعت کی جب کہ اپنا کوئی مددگار نہ بنایا۔

اہل عقل و ہوش تھوڑا سا غور اس بات پر بھی فرمائیں کہ جس بات کو شیر خدا جیسی عقلمند ہستی نے اور خیم ترین شخصیت نے اس طرح چھپایا کہ اس زمانہ کے عقلمند اور مسلم ترین سیاستدان نہ سمجھ سکے اور شیر خدا رضی اللہ عنہ کو اپنے ہر معاملہ میں شیر بنائے رکھا تو سینکڑوں برس کے بعد دور دراز ملک کے رہنے والوں نے شیر خدا رضی اللہ عنہ کی وہ قلبی کیفیت کیسے معلوم کر لی جو امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے قریب ترین رشتہ دار کو اور نعت جگر کو معلوم نہ ہو سکی اور قریب ترین علم رکھنے والی ہستی کو معلوم نہ ہو سکی۔ پھر آپ نے تو اپنے امر کو پوشیدہ رکھا تو ان خواص اور نیاز مندوں کو آپ کے طریقہ کے برعکس اس کے اظہار کا اور تحریری ثبوت مخالفت کا فرائم کرنے کی جرات کیونکر ہوئی لہذا یا تو صاحب احتجاج نے حضرت سلمان پر جھوٹ باندھا اور یا پھر کلینی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھا ہے۔

شیعوں کی کتاب کافی میں کی جگہ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا خلفاء راشدین کے ساتھ بیعت کرنے کا ذکر ہے اور اسی طرح کتاب الشافی مع التلخیص ص ۱۳۹۸ اور ص ۲۹۹ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کو ثابت

کیا ہے بلکہ اس کے تو اتر معنوی کا دعویٰ کیا ہے علیٰ ہذا القیاس اسی کتاب کے ص ۲۵۲ و ص ۲۹۷ و ص ۳۹۹ و ص ۴۰۰ و ص ۴۰۰ وغیرہ ملاحظہ کریں، البتہ ان صفحات میں بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے رضامندی اور خوشی کے ساتھ بیعت کی تاکہ لوگوں میں اتفاق قائم رہے اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ اس اندیشہ کے تحت بیعت کی کہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں اور یہ بھی تصریح ہے کہ لوگوں کو بھی آپ کی بیعت کرنے کا حکم دیا کہ وہ بھی خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں اور بعض روایات میں ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ڈر کر بیعت فرمائی اور اصل مقصد کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

بہر حال بیعت کا ثبوت اخبار متواترہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نیت کے متعلق ٹوٹل بعد کے ہیں۔ اور بعض روایات کافی میں تصریح ہے کہ آپ نے مجبور ہو کر بیعت کی اور معاذ اللہ العظیم گلے میں رسی ڈالوا کر کشاں کشاں وعدہ اطاعت کے لیے بیعت کرنے کی خاطر شیر خدا تشریف لے گئے اور شیر خدا نے تقیہ کیا ہوا تھا یعنی ظاہر میں ان کے ساتھ تھے اور اندرون میں طور پر بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اہل تشیع کے فضلاء سے کوئی پوچھے کہ ظاہر اطر فدا ری اور جبر و اکراہ کی باہمی آمیزش و امتزاج اور ان کا باہمی ربط و تعلق تو سمجھاؤ، کہیں آپ اجتماع نقیضین کی مثال تو نہیں دے رہے یا قضیہ مانعہ الجمع کو محقق الوجود تو نہیں بتا رہے؟ اس جبر و اکراہ اور تقیہ کا باہمی امتزاج اور آمیزش کی شان دیکھنی ہو تو تاریخ التواریخ جلد ص ۶۳ و ص ۶۴ اور کتاب جملہ حیدری مصنف علامہ باذل مطالعہ کریں۔ لیکن کافی و شافی اور ناسخ و غیرہ کتب کے مصنفین کے تجنیزوں کے مقابل ذرا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے بیانات اور علقی اعلانات کو بھی پڑھیے کہ وہ شیر خدا اور اسد اللہ غالب ہے یا رومدگار ہو کر اور گلے میں رسی ڈالوا کر اور تلواریں کی جگ سے ڈر کر بیعت کرنے والے تھے یا نہ؟

خوف اور تقيہ کے دعاوی کا بطلان خود

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعلان سے

(۱۱) — انی واللہ لو لقیتم واحدًا وھم طلاع الاسض

کلہا ما بالیت ولا استوحشت یعنی بخدا اگر میں اکیلے ان کے مقابل آجاؤں اور

تمام روئے زمین کے لوگ میرے مقابلہ میں ہوں تو اللہ تعالیٰ کی قسم نہ میرے

دل میں کوئی کھٹکا محسوس ہوگا اور نہ ہی مجھے کسی قسم کا خوف دہرا اس ہوگا (نیج البلاغہ

مطبوعہ ایران خطبہ نمبر ۲۹۸)

آئنا وصدقنا! واقعی شان حیدری کا یہی تقاضا ہے اور فرایہ ارشادات بھی

ملاحظہ کرتے چلیں۔

(۱۲) — واللہ لو تظاہرت العرب علی قتالی لما ولیت عنہا ولو امکنت

الفروص من رقابہا لسا رعت الیہا (نیج البلاغہ مصری جلد ثانی ص ۹۶) بخدا اگر

تمام عرب میرے ساتھ حرب و قتال پر متفق ہو جائیں تو میں ان سے پیٹھ نہیں پھیروں

گا اور جو نہی ان کی گردنیں اڑانے کی فرصت ملی تو فوراً ان کو قتل کر دوں گا

(۱۳) — موتات الدنیا اھون علی من موتات الآخرة فكانت معالجة

القتال اھون علی من معالجة العقاب دنیا کی موتیں آخرت کی موتوں سے بھر

پراسان ہیں اور حرب و قتال کا برداشت کرنا میرے لیے عذاب آخرت

کے برداشت کرنے سے آسان ہے۔

(۱۴) — فواللہ ما ابالی ادخلت الی الموت او دخل الموت علی،

بخدا مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں موت کی طرف بڑھ رہا ہوں

یا موت میری طرف بڑھ رہی ہے (ص ۱۲۲ جلد نمبر ۱)

(۱۵) — واللہ لعلی بن ابی طالب آتس بالموت من الطقل

بشدی امہ، بخدا علی بن ابی طالب موت کے ساتھ اس سے بھی زیادہ

مانوس ہے جس قدر شیر خوار بچہ اپنی ماں کی چھاتی کے ساتھ (ص ۴۷)

(۶) — المنيّة ولا الدنية والتقلل ولا التذلل . (نہج البلاغہ ص ۴۸)

موت برداشت ہو سکتی ہے مگر ذلت برداشت نہیں ہو سکتی اور قلت و فقر

برداشت ہو سکتا ہے مگر حقارت و ذلت برداشت نہیں ہو سکتی ۔ کیا ان

ارشادات اور عقیذہ بیانات کے بعد کسی مؤمن اور قدر مر تقضوی کے جانتے

والے کے لیے ان توہمات اور ظنون فاسدہ کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے ۔

اور اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ جناب ابوسفیان ایک

لشکر جبار کے ساتھ امداد پر آمادہ رہیں اور ایک اشارہ مر تقضوی پر تمام علاقہ کو پیدلوں

اور سواروں کے ساتھ پر کر دینے پر تے ہوئے ہیں (جس کا حوالہ گزیر چکا ہے یعنی

کتاب الشافی سے) اور مزید احتجاج طبری کا حوالہ بھی مطالعہ کرتے چلیں ۔

وجاء ابوسفیان بن حرب وقال يا ابا الحسن لو شئت لملأنا

خيلاً ورجالاً يعني المدينة (صف ۲) اور ابوسفیان بن حرب نے عرض کیا

اے ابوالحسن اگر چاہو تو میں مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں تو فرمائیے

اب بے یار و مددگار ہونا کیا معنی رکھتا ہے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتی قوت و طاقت

علاوہ ازیں آپ کو یاروں اور مددگاروں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب کہ

شیر خدا رخصی اللہ عنہ فقط بائیں ہاتھ سے تتر ہزار دشمن کے سر نوچ سکتے ہیں، تلوار اٹھانے

کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی ملاحظہ ہو کتاب علل الشرائع جلد ثانی ص ۱۶۲ اندہ قادر علی

ان یقتل خمسين الفاً بشماله دون يمينه، اور لطف یہ ہے کہ اس روایت

کے راوی مع دیگر گیارہ خصائص کی روایت کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتائے گئے ہیں

کہ انہوں نے اپنی خلافت کے پہلے دن منبر پر جلوہ فرما ہوتے ہی یہ خصائص بیان

فرمانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے آپ نے سن کر فرمایا "اعترفت بالحق قبل ان یشهد علیک" تم نے خود ہی حق کا اعتراف کر لیا قبل اس کے کہ تم پر شہادت قائم کی جاتی۔

گویا ایسی روایت ہوئی کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے قائل اور حضرت عمر بن الخطاب بھی اس کے قائل و معترف اور تمام صحابہ و حاضرین کو بھی اس کا قائل اور معترف بنانے کے لیے برسرِ منبر اس کا اعلان کیا جا رہا ہے اور کوئی اس کا انکار کرنے والا بھی نہیں ہے اور پھر رعب و دبیرہ اور جاہ و جلال یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دور سے دیکھ کر لرزہ بر اندام ہو جاتے ہیں ملاحظہ ہو کتاب الخراج و الجراح للراوندی ص ۲۱۲
روی سلمان ان علیا بلغه عن عمر عن ذکر شیعته فاستقبله (الی) ثم رمی علی بالقوس علی الارض فاذا هی ثعبان کالبعیر فاغرافاه وقد اقبل نحو عمر لیبتلعه فصاح عمر الله الله یا ابا الحسن لا عدت بعدھا فی شیء وجعل یتضرع الیه (الی) ثم قال رعب الثعبان فی قلبه الی ان یموت۔

حضرت سلمان فارسی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عمر بن الخطاب کے متعلق اطلاع ملی کہ انہوں نے آپ کے شیعہ کا ذکر براہی کے ساتھ کیا ہے تو آپ ان کو مدنیہ شریف کے ایک باغ میں مل گئے اور اس واقعہ کے متعلق سرزنش کی جب عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں درستی کی تو آپ نے اپنے ہاتھ میں موجود قوس کو زمین پر پھینکا تو وہ اونٹ کے برابر اثر و حاکی صورت میں دھل گئی اور اپنا پھن کھو لے عمر بن الخطاب کی طرف متوجہ ہوئی تاکہ ان کو نکل جائے تو عمر چلائے اور عرض کیا اے ابوالحسن خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو میں اس کے بعد آپ کے شیعہ کی گستاخی بالکل نہیں کروں گا اور منت و زاری شروع کی تو آپ نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو سابقہ حالت میں ہو گیا یعنی گمان بن گیا۔ پھر آپ کو معلوم ہوا کہ علاقہ مشرق سے مال عمر بن الخطاب کے پاس پہنچا ہے اور وہ اس کو تقسیم کرنے

کا ارادہ نہیں رکھتے تو سلمان فارسی کو بھیجا اور دھمکی دی کہ یہ مال فوری طور پر تقسیم کر دو ورنہ میں تمہیں رسوا کر دوں گا، القصد وہ پیغام سن کر لرزہ بر اندام ہوئے اور تمیل کا عہد کیا جب سلمان فارسی نے واپس آکر ان کا رد عمل بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے سانپ کا رعب تادم زیست اس کے دل سے نہیں جائے گا۔

فائدہ: سبحان اللہ! شیعہ کی گستاخی پر تو اس قدر کرامات اور معجزوں کا ظہور ہوا اور گستاخی کے مرکب کو ایسا مرعوب کیا جائے کہ موت سے قبل اس کے دل سے خوف دور ہوا ہو سکے اور حضرت زہراء کی بے حرمتی ہو پسلیاں ٹوٹیں اور حمل ساقط ہو۔ خلافت چلی جائے۔ قرآن بدل جائے۔ گلے میں رسی ڈال کر لوگ گھیسٹے پھریں تو کوئی معجزہ اور کرامت ظاہر نہ ہو سکے تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک صرف شیعہ کی عزت کا تحفظ ضروری تھا۔ دوسرے کسی بھی شخص اور کسی بھی اہم اسلامی حکم کی کوئی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں تھی۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم (ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی غفرلہ) الغرض امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں جب کہ قیصر و کسری اور دنیا نے کفران کے نام سے لرز رہی تھی وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لرزہ بر اندام تھے تو خدا کے واسطے سوچو کہ ایسے شیر خدا رضی اللہ عنہ کو کس کا ڈر تھا۔ اہل تشیع کی ان متبرکت کتابوں کی ڈرنے والی روایات کو اگر سچا مان لیا جائے تو یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ علقاء سابقین کی فحاشی کرنے میں خدا تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و سیمان کی خلاف ورزی سے ڈرتے تھے جس کے حوالے تاریخ التواریخ اور نہج البلاغہ وغیرہ کتب شیعہ سے پیش کئے جا چکے ہیں، اس کے علاوہ اسد اشراق الثالب کے دل مقدس میں اور اس امام الائمہ کے قلب المہر میں غیر خدا کا خوف قطعاً نہیں آسکتا، علی الخصوص جب کہ ان کو اپنے وقت وصال کا بھی پتہ ہوا اور اس کی کیفیت کا بھی علم ہوا اور پھر موت و حیات کا معاملہ بھی اپنے اختیار میں ہو جیسے کہ اصول کافی میں مستقل ابواب قائم کر کے ان عقائد کو بیان کیا گیا ہے تو پھر ڈر کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟

انوکھا اسمدلال : ایک دفعہ شیعہ کے ایک علامہ صاحب نے شیر خدا کے ڈر جانے کی میرے سامنے دلیل یہ پیش کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو دشمنوں سے ڈر گئے تھے اور ہجرت فرما ہو گئے تھے۔ میں نے عرض کیا اگر ڈر کی وجہ سے ہجرت فرمائی تھی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی ایسی دشمنی بھی ثابت کریں (معاذ اللہ) کہ جس کی وجہ سے اپنے بستر پر ان کو سونے کا حکم دیا ہے۔ میاں اس وقت جہاد فرض ہوا نہیں تھا اور سکون والہینان کے ساتھ عبادت الہی میں مشغول ہونے کا یہی ایک ذریعہ تھا یا ہجرت کا فلسفہ خدا جانے یا ہجرت کرنے والے جانیں، بہر حال اگر ڈر ہوتا تو اپنے چچا زاد بھائی کو اپنے ساتھ رکھتے جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے چلے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تابع حکم الہی تھے جیسے کہ تفسیر امام حسن عسکری کی حدیث سے واضح ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ شیر خدا قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ میں نہیں ڈر سکتا اور یہ کہ بچہ اپنی ماں کے دودھ کو جس طرح پسند کرتا ہے میں موت کو اس سے بھی زیادہ پسند کرتا ہوں۔ پھر وہ شیریں، وہ دلیری وہ کرامات اور وہ بے پناہ لشکر اور اس کے باوجود شیر خدا ان سے ڈرتے تھے تو پھر اہل مقدس ہستی کو قوت پروردگار اور ہیبت الہی کہنے سے کیا حاصل ہے! اسے براوردان وطن کچھ خدا سے بھی ڈر وادراں قسم کے بے سرو پا ٹوٹل اور نخینے شیر خدا کے مصلیہ بیانات کے بالمقابل صحیح نہ سمجھو!

سب سے بڑی بات تو شان حیدری کا لحاظ رکھنا ہے کہ وہ شیر خدا کسی خوف یا ڈر کی بناء پر بیعت کرنے والے تھے یا نہ! دوسرا امام حسینؑ کا اسی بیعت کے سوال میں سرد سے دینا اور بیعت کے لیے ہاتھ نہ دینا نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور ان باپ بیٹے کے نظریات میں غلاف و تضاد تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تیسرا شان حیدری کے برعکس اگر تبتہ و مجبوراً بیعت کا انتقاد فرض بھی کر لیا جائے تو حسب ارشاد مرتضوی درنج البلاغہ خطبہ نمبر ۱ و تاریخ التواریخ جلد ۲ حصہ ۲ ص ۲۳ و ص ۲۸ پر جو آگے مذکور ہوگا۔ کہ زیر یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے صرف ہاتھ سے بیعت کی ہے اور دل سے

نہیں کی تو بیعت کرنے کا اس نے یقیناً اقرار کیا اور بیعت کرنے والے زمرہ میں داخل ہو گیا۔ الخ

چوتھا حضرت زبیرؓ نے جو بیعت کی تھی، جس کو حضرت علیؓ صحیح قرار دے رہے ہیں وہ بھی حسب تصریح ناسخ التواریخ جلد نمبر ۳ ص ۷۷ انتہائی جبر و اکراہ کی بناء پر تھی۔ دیکھو اصل عبارت ناسخ التواریخ :-

از پس او اشرار و بے با تر میر کرد، فقال قم یا زید و الله لا نیازم احد الا و ضربت قوطه بهذا السيف، گفت اے زبیر میر عزیز و بیعت کن، سو گند با خدائے ہیچکس از در متازعت بیرون نشود الا آنکہ سرش برگیرم پس زبیر برخواست و بیعت کرد الخ
یعنی حضرت علیؓ کے غلام خاص اشرار نے حضرت زبیرؓ کی طرف منہ کر کے کہا اٹھ اور بیعت کر، خدا کی قسم جو شخص بھی بیعت کرنے سے انکار کرے گا تو میں اس کا سر قلم کر کے رکھ دوں گا پس زبیر اٹھے اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ الخ
اب اس جبر و اکراہ کے ساتھ بھی بیعت صحیح بیعت کے حکم میں ہے تو حضرت علیؓ کا خلفائے راشدین کے ہاتھ پر بیعت کرنا اسی طرح صحیح بیعت ہی تسلیم کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

اہل بصیرت کے سامنے اس پر تبصرہ تحصیل حاصل ہو گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بیعت کرنے سے لوگ (معاذ اللہ) مرتد ہو جاتے اور صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے اگر لوگوں کو ہٹایا جائے تو مرتد ہو جائیں گے تو پھر حسب دیوانہ ناسخ التواریخ و حمد حیدری وغیرہ چھ ماہ تک یا (بروایت) دو ماہ تک توقف کیوں فرمایا اور جب ارتداد جیسے یقینے کو روکنا تھا تو نقل کفر کفر نباشد) ریمان اندازی اور کشاکشی کی تہمت کیوں لگائی گئی؟ اور جب حسب روایت ناسخ التواریخ و شافعی وغیرہ) ابوسفیان اور ان کے ساتھی ایک بے پناہ لشکر لے کر امداد کے لیے حاضر ہوئے تو مجبوری کے کیا معنی اور بے یار و مددگار ہونے کا کیا مطلب۔
مسلمان بھائیو! شیر خدا کی شان ہی جب ان مدعیان تولی کو معلوم نہیں تو اس

قسم کی بے سرو پار وایات نہ گھڑتے تو کیا کرتے۔ شاید امام عالی مقام شہید کربلا سے زیادہ شیر خدا بیعت کرنے پر مجبور تھے۔ (نعوذ باللہ ان نکون من الجاہلین) یا یہ کہ میدان کربلا میں خانوادہ نبوت کی شہادت اور گلستان نبوت اور چمنستان رسالت کا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) نذر خزاں ہونا مجاہد کربلا کی بیعت کر لینے سے روکا نہیں جا سکتا تھا اور مساندین اور شہید کنندگان سید شباب اہل الجنۃ اور حضور کے سارے۔ خاندان عالی شان کو شہید کرنے والوں نے مرتد اور اسلام سے خارج نہیں ہونا تھا۔ جن کو کفر اور ارتداد سے روکنا امام عالی مقام شہید کربلا کا اولین فریضہ تھا اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سنت اقدس پر عمل کرنا اپنی جگہ پر ضروری تھا اور ہم خرم اور ہم ثواب فی حد ذاتہ ایک مصلحت موجود تھی۔

مذہب شیعہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح و ثنا از امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

ناخ التواریخ جلد سوم از کتاب دوم ص ۵۲۱ پر مستور و کایہ خطبہ منقول ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و حمد کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما کی عظمت و برتری کے ساتھ خطبہ دیا اور وہ خوارج کا رئیس اور قائد تھا لیکن یہ اس کے ذاتی رائے قرار نہیں دیا جاسکتی کیونکہ انہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اگر اختلاف پیدا ہوا تو صرف تحکیم کے موقع پر اور اس کی وجہ سے ورنہ وہ آپ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور آپ کے ہی کاندہ اور ستر شدین تھے اور آپ کی خاطر نام المؤمنین کے ساتھ جنگ کرنے سے گریز کیا اور نہ بدری صحابہ اور حواری رسول حضرت زبیر اور سہر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہ کے ساتھ جنگ کرنے میں تذبذب کا مظاہرہ کیا اور نہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اور حضرت فاروق اعظم اور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے نائب اور عامل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ
جنگ کرنے میں کسی شک و شبہ کا شکار ہوئے لہذا جو کچھ کہا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا
ہی عقیدہ اور ان کی تعلیم و تربیت کا مانس بیان کیا، اسی لیے محقق طوسی نے تلخیص الشافی
ص ۴۳۳ پر کہا: والمعروف من مذهبہم تعظیم امیر المؤمنین علیہ السلام
وتفضیلہ والقول فیہ باحسن الاقوال قبل التحکیم الخ کہ ان کا
معروف و مشہور مذہب امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم ہے اور آپ کی افضلیت
کا اعتراف اور ان کے حق میں احسن ترین قول و کلام کرنا قبل از تحکیم۔ اور آخر میں ہم
خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وہی مضمون اور تقریباً وہی الفاظ بھی
پیش کریں گے، الغرض اس نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:-

فحمد الله واشتني عليه وصلى على محمد صلى الله عليه وسلم ثم قال اتانا
بالعدل معلنا مقالته مبلغا عن ربه ناصحا لامته حتى قبضه الله
تعالى غير مختارا ثم قام الصديق فصدق عن نبیه وقاتل من ارتد
عن دين ربه وذكر ان الله قرن الصلوة والزکوة قرأی تعطيل احداها
طعننا على الاخرى لا بل على جميع منازل الدين ثم قبضه الله اليه موفورا
ثم بعدة الفارق ففرق بين الحق والباطل سويًا بين الناس لا مؤثرا
لا قاربه ولا محكما في دين ربه

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود
شریف کے بعد کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف
لائے عدل و انصاف کے ساتھ ایسی حالت میں کہ اپنی شریعت کا اعلان
فرمانے والے تھے اور اپنے پروردگار کی طرف سے تبلیغ رسالت و
احکام شرع بیان فرمانے والے تھے اور امت کے لیے مخلص اور
ہمدرد و غماز تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی حالت میں وصال بخشا کہ
آپ اس میں مختار اور با اختیار تھے پھر آپ کے بعد ابوبکر صدیق خلیفہ

بنے اور امور امت و ملت کے ساتھ قیام فرما ہوئے انہوں نے
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کے دین سے جو
لوگ مرتد ہو گئے تھے ان کے خلاف جہاد کیا اور یہ اعلان فرمایا کہ
اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھا بیان کیا ہے لہذا ان کا عقیدہ
یہ تھا کہ ان میں سے ایک کا انکار دوسرے کا بھی انکار ہے۔ نہیں
نہیں ساری شریعت کا انکار ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مکمل طور پر
اپنے جوار رحمت میں جگہ دی اور وافر اجر و ثواب کے ساتھ اپنے
پاس بلایا۔ پھر ان کے بعد فاروق (اعظم رضی اللہ عنہ) خلیفہ ہوئے تو
آپ نے حق و باطل کو الگ الگ کیا۔ لوگوں میں ایسی مساوات قائم
فرمائی کہ اپنے اقرباء کو بھی کوئی ترجیح نہ دی اور نہ اللہ تعالیٰ کے دین
میں اپنی طرف سے کسی قسم کا دخل دیا۔

آئیے اب یہی مہمنون حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زیانی سماعت فرماتے چلیں
وَذَكَرْتُ اَنْ اجْتَبَيْتُ لَهُ مِنَ السَّلَامِيْنَ اَعْوَانًا اِيْدُهُمْ بِهِ فَكَانُوا فِيْ مَنَازِلِهِمْ
عِنْدَهُ عَلَى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الْاِسْلَامِ وَكَانَ اَفْضَلُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ كَمَا
زَعَمْتُ وَاَنْصَحُهُمْ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ الْخَلِيْفَةُ الصَّدِيْقُ وَخَلِيْفَةُ الْخَلِيْفَةِ
الْفَارُوقُ وَلِعَصْرِيْ اِنْ مَكَانَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ لِعَظِيْمٍ وَاِنْ الْمَصَابِ
بِهِمَا الْجُرْحُ فِي الْاِسْلَامِ شَدِيْدٌ يَرْجِيْهِمَا اللّٰهُ وَجَزَاؤُهُمَا بِاِحْسَنِ مَا عَمِلَا
(الی) وَمَا اَنْتَ وَالصَّدِيْقُ فَالْصَّدِيْقُ مِنْ صَدَقٍ بِحَقِّنَا وَابْطَلُ بَاطِلُ
عَدُوْنَا وَمَا اَنْتَ وَالْفَارُوقُ فَالْفَارُوقُ مِنْ فِرْقٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
اَعْدَاؤِنَا (شرح ابن ہیثم بحرفی جلد رابع ص ۳۶۲)

یعنی اسے مساویہ تم بیان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام
کے لیے معاون و مددگار مسلمانوں سے منتخب فرمائے جن کو آپ کے
ساتھ تائید و تقویت بخشی تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے

مرتبوں میں وہی قدر و منزلت رکھتے ہیں جس قدر کہ اسلام میں ان کے فضائل ہیں۔ واقعی تمام صحابہ سے اسلام میں افضل جیسے کہ تیرا زعم اور دعویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے زیادہ غمخوار اور ہمدرد خلیفہ صدیق تھے اور ان کے خلیفہ فاروق اور مجھے اپنی زندگانی کی قسم ان دونوں کا مرتبہ و مقام اسلام میں البتہ عظیم ہے اور ان کی وفات اسلام کے لیے گمراہی کا خم ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا عطا فرمائے لیکن تجھے صدیق سے کیا واسطہ صدیق تو وہ شخص ہے کہ اس نے ہمارے حق کی تصدیق کی اور ہمارے اعداء کے باطل اور ناحق کو باطل ٹھہرایا اور فاروق سے تجھے کیا واسطہ فاروق تو وہ مقدس ہستی ہے کہ اس نے ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے درمیان تفریق کی۔

یہ وہ کلمات قدس سمات ہیں جو اہل تشیع کے علامہ ابن شہیم نے شرح نہج البلاغہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کئے ہیں جو آپ نے اپنے ایک طویل خط میں رقم فرمائے جو بصورت جواب امیر معاویہ کی طرف ارسال فرمایا اور جس کو جامع نہج البلاغہ نے بمقتضائے صداقت و دیانت قطع و برید کر کے اور تحریف و تبدیل کر کے نقل کیا، لیکن ابن شہیم بحرانی نے اس کو نقل مطابق اصل تمامہ درج کیا اور اس میں جامع نہج البلاغہ (رضی) کی قطع و برید اور تقدیم و تاخیر کو واضح کیا جس نے قول باری تعالیٰ۔ "أَفْتَوْهُمْ بَبَعْضِ الْكُتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ" کے مطابق بعض کلمات مرتضویہ پر ایمان اور بعض کے ساتھ کفر و انکار اور جھوٹ و استکبار کی یاد تازہ کر دی۔

الغرض حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی ان کلمات طیبات کے ساتھ تقریب فرمادیں اور ان کے لشکر اور ان سے تعلیم پانے والے ان کی اس طرح تعظیم و تکریم کریں

اور محبت و تولی کے مدعیان ان کو ظالم اور غاصب کہیں بناؤ کس کو سچا جانتے ہو۔
اور کون جھوٹا ہے؟ حضرت مولا علی تو راستبازوں کے امام ہیں لہذا صرف اور صرف
وہی لوگ جھوٹے ہیں جو ان کے کلام فیضِ ترجمان کو جھٹلاتے ہیں۔

علامہ ڈھکو کی بے بسی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان کلمات قدسیر اور شیعین رضی اللہ عنہما کی۔
اس مدح و ثنا کا علامہ ڈھکو صاحب نے قطعاً کوئی جواب نہیں دیا اور بالکل ڈکار
تک بھی نہیں لیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے عملی طور پر اپنے عجز اور بے بسی
کا اعتراف کر لیا ہے۔ نہ خط کے ان مندرجات کو جھٹلا سکا ہے اور نہ ہی جواب میں
عام فرسائی کی ہمت ہوئی ہے اس کو کہتے ہیں۔

جادو دہ جو سر چڑھ کر بوسے!



فائدہ عظیم

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات میں یا خطوط میں۔
 اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق تعریفی کلمات موجود ہوتے ہیں وہاں شریف فی جیسے
 جامع نہج البلاغہ کس طرح تحریف اور قطع و بریر سے کام لیتے ہیں اور حضرت سیدنا المرتضیٰ
 رضی اللہ عنہ کی مرضی اور مراد کے برعکس آپ کا مضمون بنا دیتے ہیں جس سے صاف
 ظاہر ہے کہ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کتب شیعوہ میں جو اعتراض و تنقید اور
 جرح و تنقیص اور تظلم و فساد مروی و منقول ہے وہ سب ایجاد بندہ کے قلیل سے
 ہے۔ اگر یہ لوگ آپ کے بیان فرمودہ مدارج و محامد اور اوصاف و کمالات اور محاسن و
 فضائل کو بھی من و عن نقل کرنے کی کوشش کرتے تو ہم سوچ سکتے تھے کہ واقعی حضرت
 امیر المومنین کی طرف سے چونکہ دونوں طرح کی اقوال مروی و منقول ہیں لہذا اس مخالف
 تعارض کو دور کرنے کی کوشش کریں لیکن رواۃ شیعہ اور ان کے مصنفین ہر قیمت
 پر اور ہر چہ بادا بادیماں و امانت اور دین و دیانت کا دامن چھوڑ سکتے ہیں مگر
 حتی المقدور فضائل اور محاسن صحابہ اور ان کے خداداد امتیازی اوصاف و کمالات
 کو قلم زد کر کے رہتے ہیں تو یہ اجماع اور تواثر ائمہ کی روایات کا نہیں اور نہ اہل بیت
 کے ارشادات پر مبنی ہے بلکہ ان کی طرف از روئے افتراء و بتان منسوب کردہ روایات
 پر مبنی ہے اور ظاہر ہے اس کا نہ اعتبار اور نہ اس سے ہمیں غرض ہم نے تقلید کا
 مذہب و مسلک اور ان کا طرز و طریق دیکھا ہے اور اسی کے مطابق ایمان و عقیدہ رکھنا
 ہے نہ کہ ہر راوی اور رد جلت سے ایمان و عقیدہ حاصل کرنا ہے۔

عسا کر تضرع فی مخالفت یحییٰ برادشت نہیں کرتے

لمحکمہ فکریہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفا ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور اقتدار و

اختیار اور زمانہ تصرف و تسلط میں تو ان کے خلاف علامت اس قسم کے خطبے دے نہیں
 سکتے تھے لہذا کوئی ایسی روایت اگر ملے گی تو مخصوص قسم کے لوگوں سے جو سب سے پسند
 اس قسم کی روایات کو چلانے کے درپے تھے، اگر علایت اور کھلم کھلا ان کے خلاف
 شکایت کر سکتے تھے اور اپنی مظلومیت کا اظہار کر سکتے تھے تو اپنے دور خلافت
 میں اور زمانہ امارت میں لیکن اس دور میں بھی عظیم اکثریت صرف ان لوگوں کی تھی
 جو اصحاب ثلاثہ اور بالخصوص شیخین رضی اللہ عنہما کے ایمان و اخلاص کے خلاف کوئی لفظ
 سننا گوارا نہیں کر سکتے تھے اور ان کے اطوار و اخلاق اور ان کے جاری کردہ احکام
 رسوم کے خلاف کوئی کلمہ سن ہی نہیں سکتے تھے جیسے کہ خود علامہ ڈھکو صاحب اور
 ان کے طبیب روحانی و جسمانی امیر دین صاحب نے اعتراف کیا ہے ملاحظہ ہو رسالہ
 تتریمہ الامامیہ ص ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸ جس کا غلاف مضمون یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اب
 اگر میں ان لوگوں کو ان حکام کے پیدا کردہ بدعات کے ترک کا حکم دوں اور
 تمام سنن نبویہ کو اسلی طرز پر جاری کرنے کا حکم دوں تو میرے لشکر کے سب
 لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا، میں نے لوگوں کو کہا کہ
 رمضان المبارک میں تراویح پڑھنا بدعت ہے لہذا اس کو چھوڑ دیں تو میرے لشکر
 کے لوگ جو میرے ساتھ ہو کر جنگ کر رہے تھے پکارا اٹھے اے مسلمانو! دیکھو
 حضرت عمر کی سنت تبدیل کی جا رہی ہے۔ اس سے مجھے یہ خوف پیدا ہوا کہ یہ میرے
 لشکر میں اشتعال و بغاوت پیدا کرتے ہیں انھیں

لہذا مقام حیرت ہے کہ حیب تراویح جن کے چھوٹنے سے بدنی راحت
 اور آرام و سکون میسر آ سکتا تھا۔ ان کا چھوڑنا صرف اس لیے ناگوار گذرا کہ حضرت عمر
 کی جاری کردہ سنت کو تبدیل کرنا غلط ہے اور ناقابل معافی اقدام جہاں عقیدت و
 محبت کا یہ حال ہو کہ زندہ اور صاحب زمان امام کا حکم مدتوں دینا سے کوچ کر جانے
 والے امام کے خلاف ہو تو بغاوت پر آمادہ ہو جائیں اور ان کا ساتھ چھوڑنے پر
 تیار ہو جائیں تو اگر ان کے ایمان و اخلاص اور اخلاق و کردار پر اعتراض کیا جاتا اور

ان کی ذاتوں کو نشانہ بنایا جاتا تو وہ لشکری کس طرح برداشت کر سکتے تھے لہذا یہ ہر اس عقل و فہم اور دانش و فراست اور حقائق و واقعات کے خلاف ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کے خلاف غلایہ اس طرح کے رد عمل کا اظہار کر سکیں اور پھر یار لوگوں کے مذہب تقید کے ایجاد کا آخر نام نہ ہی کیا ہو سکتا تھا اگر اس طرح حق کوئی سے کام لیتا تھا اور دل کی بات ڈنکے کی چوٹ کہنی تھی!

لشکریوں کی دلجوئی اور شیخین کی تعریف

ہاں البتہ جو کچھ قرین قیاس ہے اور حالات جس کے متقاضی تھے وہ یہی ہے کہ آپ اپنے لشکریوں کی دلجوئی فرمادیں اور حضرات شیخین کے حق میں کلمات حیر کس تا کہ کسی قسم کی بدظنی ان لشکریوں کو نہ ہونے پائے اور یہی پہلو علم المرتضیٰ الشیعی نے کتاب الشافی میں اور طوسی نے تلخیص الشافی میں اختیار کیا ہے کہ جہاں یہ رراست ملتی ہے۔ "خیر ہذا الامۃ بعد نبیہا ابو بکر و عمر" یعنی اس امت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابو بکر ہیں اور پھر عمر رضی اللہ عنہما تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے لشکریوں کی عظیم اکثریت ان خلفاء کی امامت کی قائل تھی بلکہ ان میں وہ بھی موجود رہتے جو ان کو ساری امت پر افضل مانتے تھے اور علی الخصوص۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو باور کرانا شروع کیا ہوا تھا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کی امامت کے منکر ہیں اور ان کو ظالم و غاصب سمجھتے ہیں اور حضرت عثمان کے شہید کرنے میں حصہ دار ہیں اس لیے بھی آپ کو اس پر دیکھنے کے مذموم اور نہ ہر پے اثرات کا ازالہ کرنے کے لیے حضرات شیخین کی امامت اور افضلیت، عظمت اور رفعت کا خرافہ کرنا پڑتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے اور قاتلوں سے بیزاری ماہر کرنا پڑتی تھی اور ان کی امامت بھی برحق ماننی پڑتی تھی، مضمون و مفہوم ملاحظہ فرما چکے "اب اسل

بہارت بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ مزید المینان حاصل ہو جائے کتاب الشافی ص ۷۱ و تلخیص الشافی ص ۱۳۔

ومعلوم أن جمهور اصحابه وجله كانوا ممن يعتقد
امامة من تقدم عليه وفيهم من يفضلهم على جميع الأمة وقد قيل إن معاوية
بث الرجال في الشام يخبرون عنه بأنه يتبرأ من المتقدمين وأنه شرك
في دم عثمان لينفرا الناس عنه ويصرف وجوه أكثر اصحابه عن نصرته
فلا ينكر أن يكون قال ذلك اطفاء لهذه النائرة ومرادة بالقول ما
تقدم مما لا يخالف الحق۔

البتہ ان دونوں شیعہ اکابر کے نزدیک حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ
”الحرب ضرعة“ کے مطابق اپنے لشکریوں کو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس
قسم کے خطبات اور خطوط سے دھوکہ دینا چاہتے تھے نہ کہ آپ کا حقیقی عقیدہ یہ
تھا، بہر حال حقیقت حال تو حضرت امیر جانیں اور ان کا عظیم و خیر خدا جاسے بہم نے
یہ دکھانا تھا کہ علایزہ جو کچھ فرمایا جاتا تھا وہ ان حضرات کی تعریف و توصیف، فضیلت و
برتری اور مدارج و مراتب عالیہ کا بیان تو ہو سکتا تھا ان کی خلافت و امامت
اور ان کے ایمان و اخلاص کے خلاف ایک جملہ بھی نہیں بولا جاسکتا تھا، لہذا جو
کچھ آپ سے ظاہر اور سہا ہر میں تو اتر کے ساتھ ثابت ہو سکتا ہے وہ صرف اور
صرف جمہور اصحاب اور عظیم اکثریت کے عقیدہ کے مطابق ہی ہو سکتا ہے اور
جو کچھ اس کے برعکس اور منافی و معارض ہے وہ صدی روایات اور خانہ دانی نسخوں
کے قبیل سے ہے اور تفسیر والی مریضی کے ضمن میں آتا ہے لہذا اس کا قطعاً کوئی
اعتبار نہیں ہو سکتا، علی الخصوص جب کہ ثقل اکبر و اعظم کتاب اللہ اور خدا تعالیٰ
کا آخری پیغام پکار کر ان کی عظمت اور رفعت مراتب کا اعلان کر رہا ہو،
ہذا والحمد للہ۔

تہذیبہ الامامیہ از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

فضائل صحابہ کرام اور بالخصوص فضائل خلفاء رضی اللہ عنہم میں وارد روایات واقادش اور اقوال ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جواب دینے کے لیے علامہ ڈھکو صاحب نے اپنے طیب خاص کے رسالہ اور طویل مقالہ کو نقل کرتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا۔

”فصل اول بحق ثلاثہ، ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی اعتقادات“

اور کہا کہ اب ہم ان احادیث کتب شیعہ کی فہرست مع حوالہ جات بطور نمونہ تحریر کرتے ہیں جن میں حضرت ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر جاثم علیہ السلام اور دیگر ائمہ اہل بیت کی ناراضگی اور ان سے نفرت اور بطلان خلافت ثلاثہ اور ان کا جور و ستم اور مخالفت شرع محمدی اور ان کی مذمت اور جناب علیؑ کے اپنے مذہب حق کی توضیح صریح الفاظ میں موجود ہے جن کے ساتھ مطابقت دیتے ہوئے مکتوبات و خطبات کے کلمات متنازعہ کے حقیقی معانی بہ آسانی سمجھ آسکتے ہیں ص ۵۲۔

اس کے بعد خطبۃ الوسیلہ کو بحوالہ رد منہ کافی اور تفسیر صافی نقل کیا ہے نہج البلاغہ سے مختلف فقرات جمع کیے ہیں اور بالخصوص خطبہ شقیہ کا حوالہ دیا اور چند ایک دوسرے حوالے بھی ذکر کیے ہیں جو ص ۵۳ سے ص ۵۹ تک مرقوم ہیں۔ جس کے بعد بطور تفریح کہا، اُس قدر متواتر اور صحیح اخبار کے خلاف اگر کوئی خبر واحد کہیں سے ملے تو اس کو شاذ مر جوح اور ساقط عن الاعتبار سمجھا جائے گا یا اس کا ایسا معنی مراد لیا جائے گا جو ان احادیث کے مطابق ہو۔

تحفہ حسینیہ از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

ناظرین کرام پر یہ حقیقت تو محض نہیں ہو سکتی کہ جب روافض اور اہل تشیع

کے مذہب کا دار و مدار ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ بالعموم اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بالخصوص بغض و عناد اور نفرت و کدورت پر ہے تو لامحالہ ان کی اپنی تصنیف کردہ کتابوں میں ایسی روایات لازماً مذکور ہونی چاہئیں ورنہ اس مذہب کی ایجاد اور ترویج و ترقی کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ سے یہ دعویٰ نہیں فرمایا تھا کہ کتب شیعہ میں صرف اور صرف صحابہ کرام کے محامد اور مدارج ہی مذکور ہیں بلکہ آپ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ ”تمام صحابہ ماجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب میں آیات کلام اللہ و احادیث صحاح اس کثرت کے ساتھ وارد ہیں کہ جن کو لکھا جائے تو ایک بہت بڑی ضخیم کتاب بن جائے گی اور اہل تشیع حضرات کی معتبر ترین تصانیف بھی اگر غور سے مطالعہ کی جائیں تو جھکڑا ختم ہو جاتا ہے اور تنزیہ الامامیہ ص ۵ پر ڈھکوصاحب نے خود بھی یہی اقتباس نقل کیا ہے لہذا اس کے جواب میں اپنی متعدد روایات نقل کر دیتا اور ان کو محض زبانی دعویٰ کر کے صحیح متواتر کہہ دینا کافی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے ائمہ کرام کی زبانی روایات کے صحیح اور معتبر ہونے کا معیار اور دار و مدار شیعہ کتب سے واضح کر دیا ہے کہ صرف اور صرف وہ روایات صحیح ہیں جو کلام اللہ کے موافق ہیں۔ جماعت اہل اسلام اور سواد اعظم کے مطابق نہ کہ جو تہتر اسلامی فرقوں میں صرف غالی اور سبب شیعہ اور روافض کی خواہشات نفس کے مطابق ہوں اس لیے یہ جواب بالکل غلط ہے اور خلاف ضابطہ۔

نیز صحت روایت کے لیے اس کے مضمون اور متن کا قطعاً تلبے موافق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یا راویوں کا صادق اور صحیح الاعتقاد ہونا جب کہ مذکورہ روایات کلام مجید کے سراسر خلاف ہیں اور دیگر تمام فرق اسلام کی متواتر روایات کے خلاف اور ان کے راوی وہ ہیں جن کا نام لے لے کر ائمہ نے ملعون، کذاب، مشرک، کافر، یہود اور نصاریٰ سے بدتر اور مجوس و آتش پرستوں سے گئے گزرے وغیرہ وغیرہ قرار دے کر ان کی روایات سننے سے

اور ان پر اعتبار کرنے سے اجتناب اور احتراز کا حکم دیا جائے کہ شیعہ کتب رجال اور علی الخصوص رجال الکشی میں اس قسم کی مستقل پارٹی کی نشاندہی کی گئی ہے اور ہم نے متعدد جگہ پر ان ذوات خیشہ کے متعلق مفصل حوالے نقل کیے ہیں لہذا ان کو صحیح کہنا حق و صداقت کے ساتھ استہزاء اور مذاق ہے اور متواتر کہنا حق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

الغرض ان روایات کی رو سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی منظومیت، اور خلافت و امامت کے بلا شرکت غیرے حق دار ہونے کے دعویٰ اور خلفائ ثلاثہ پر ظلم اور زیاتی وغیرہ کے الزامات سراسر بے بنیاد ہیں کیونکہ علامہ کشی کے اعتراف کے مطابق یہ سب امور عبد اللہ بن سبا یہودی اینڈ کمپنی کے ایجاد کردہ نظریات ہیں اور اس کے ہمنوا یہودیوں مجوسیوں کی خفیہ سازشوں اور کمر و خداع کے ذریعے اہل اسلام میں آہستہ آہستہ اور طویل المیاد منصوبے کے تحت پھیلانے جانے والے عقائد ہیں جیسے کہ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے لہذا علامہ ڈھکو صاحب کا اختلاف قلب اور اضطراب صدراں نسخوں سے دور نہیں ہو سکتا۔

اب ذرا خطبہ شقشقیہ اور خطبہ الوسیلہ وغیرہ کے تواتر اور دعویٰ صحت کا حال تفصیل عرض کیے دیتا ہوں تاکہ اس اجمال کی تفصیل سامنے آجائے اور شیعہ متواتر اور صحیح ترین روایات کی حقیقت بے غبار ہو جائے اس پس منظر میں دوسرے حوالوں کی حقیقت حال بھی کھل کر سامنے آجائے گی۔

”خطبہ شقشقیہ کے تواتر لفظی کا انکار خود شیعہ علماء کی زبانی“

اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب خطبہ شقشقیہ میں خلفائ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اس کی حقیقت حال شیعہ علماء کی زبانی معلوم کرنے کے بعد یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یار لوگوں

نے اپنے الفاظ استعمال کر کے مفہوم و مضمون کو بالکل دوسرا رنگ دے دیا جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں تعارض اور تناقض والی صورت پیدا ہو گئی اور اس قسم کی عبارات کو شکوک و شبہات کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔
حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اس خطبہ میں ہے۔

”أما والله لقد تقمصها فلان وإنه ليعلم أن محلي منها محل القطب من الرحى (الی) فصبرت وفي العين قد نى وفي المخلق شجا أرى تراثي نهبا حتى مضى الأول لسبيله فأدلى بها إلى فلان بعده (الی) فصبرت على طول المدة وشدة المحنة حتى إذا مضى لسبيله جعلها في جماعة زعم أني أحدهم فبإلله وللشورى الخ
(ہنج الباغہ مصری جلد اول ص ۱۰۱ اور ابن میثم بلد اول صفحہ ۲۵۱)
یعنی قمیص خلافت کو ابوبکر نے زبردستی اپنے اوپر اوڑھ لیا حالانکہ وہ یقیناً جانتے تھے کہ میری اور خلافت کی وہ نسبت ہے جو چچی اور اس کے مدار اور سرخ کی ہوتی ہے رتا، تو میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھ میں تینکے کی طرح اور علق میں ہڈی کی طرح وہ خلافت مجھے چھتی تھی اور میں اپنی وراثت کو لٹتا ہوا دیکھتا تھا یہاں تک کہ اول یعنی ابوبکر کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے بعد فلاں یعنی عمر بن الخطاب کے حواسے امر خلافت کو کر دیا رتا، تو میں نے طویل مدت پر صبر کیا اور شدت محنت پر یعنی ان کے ایام خلافت کی طولانی کی وجہ سے وہ دن صبر آزما ہو چکے تھے حتیٰ کہ جب وہ راہی ملک بقاء ہوئے تو اس کے شوخی کے انعقاد پر۔

اس کے آگے کافی طویل خطبہ ہے جس کے متعلق اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ یہ سرے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہی نہیں بلکہ رضی نے یا اس سے پہلے خلفاء ثلاثہ کے مخالفین نے اس کو وضع کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا جب کہ بعض شیعی علماء اس کے متواتر ہونے کے

دعویٰ داریں لیکن علامہ ابن میثم بحرانی نے اپنے اس عہد کی قسم کھاتے ہوئے کہ
 بے جا تعصب سے کام نہیں لوں گا اور اعتراف حقیقت میں کسی خیال کا مظاہرہ
 نہیں کروں گا اور اس عہد کی تجدید کرتے ہوئے کہا: "وَأَنَا مَجْدُ دِلْعَهْدِ اللَّهِ
 عَلَيَّ أَنِّي لَا أَحْكُمُ فِي هَذَا الْكَلَامِ إِلَّا بِمَا اجْزَمَ بِهِ أَوْ يَغْلِبُ
 عَلَيَّ ظَنِّي أَنَّهُ مِنْ كَلَامِهِ أَوْ هُوَ مَقْصُودُهُ" یعنی میں
 اس عہد کی تجدید کرتے ہوئے کتا ہوں کہ میں اس کلام میں صرف وہی حکم کروں
 گا جس کا مجھے جزم اور یقین ہو گا یا ظن غالب کہ یہ آپ کا کلام ہے یا آپ کا
 مقصود یہ ہے، جزم یا ظن غالب حاصل ہوئے بغیر میں کوئی حکم اور فیصلہ صادر
 نہیں کروں گا۔

فأقول ان كل واحد من الفريقين المذکورين خارج
 عن العدل اما المدعون لتواتر هذه الالفاظ من الشيعة
 فانهم في طرف الافراط واما المنكرون لوقوعها اصلاً فهم في طرف
 التقريط واما ضعف كلام الأولين فلان المعتبرين من الشيعة لم يدعوا
 ذلك ولو كان كل واحد من هذه الالفاظ منقولاً بتواتر لما اختص به
 بعض الشيعة دون بعض (شرح ابن میثم بحرانی جلد اول ص ۲۵۱)

تو میں کتا ہوں کہ دونوں فریق حد اعتدال سے خارج ہیں لیکن شیعہ نے ان
 الفاظ کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو وہ حد افراط میں ہیں اور تجاوز کا شکار
 اور جنہوں نے سرے سے اس قسم کی شکایت کا انکار کیا ہے تو وہ تقريط اور کوتاہی و
 تقصیر کی جانب میں ہیں، پہلے فریق یعنی شیعہ کے دعویٰ تواتر کی وجہ ضعف یہ ہے
 کہ قابل اعتبار و اعتماد علماء شیعہ نے اس کے متعلق تواتر کا دعویٰ نہیں کیا
 اور اگر اس خطبہ کا ہر ہر لفظ متواتر ہو رہے متقول ہوتا تو اس کی نقل صرف بعض
 شیعہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی بلکہ تمام علماء شیعہ کو نقل کرتے آگے چل کر دیکھتے
 ہیں کہ نفس اختلاف کا شیعہ اور سنی کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اسی لیے شیعہ

میں سے بہت سے اس کے قائل ہیں کہ بالکل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی نہیں کی تھی اور بعض نے کہا ”انہ بايع بعد ستة اشهر کرھا“ کہ آپ نے چھ ماہ کے بعد مجبور ہو کر بیعت کی اور ان کے مخالفین نے کہا کہ کچھ رسد تعلق اور مثال مٹول کے بعد بیعت کی بہر حال دونوں طرف سے خلافت کی رغبت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ ملنے پر آپ کی طرف سے شکوہ و شکایت مسلم امر ہے۔ ”أما خصوصيات الشكايات بالفاظها المعينة فغير متواترة وإن كان بعضها اشهر من بعض“ ۲۵۲۔ لیکن مخصوص شکایات اپنے مخصوص الفاظ کے ساتھ تو وہ تواتر کے ساتھ منقول نہیں اگرچہ بعض نسبت دوسرے بعض کے زیادہ معروف ہیں۔

شعبی علماء کی زبانی جب یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ مخصوص شکایات بھی متواتر نہیں اور ان کے الفاظ مخصوصہ بھی متواتر نہیں ہیں تو ایسے خطبات کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی ذوات مقدسہ کو مورد الزام ٹھہرانے اور ان کے ایمان و اخلاص پر حملہ کرنے کا

کسی مؤمن کو کیونکر حیات ہو سکتی ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق یہ شکایت تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ انہوں نے خلافت کا حق ادا نہیں کیا اور آپ نے اسی وجہ سے ان کے سراقدس اور ڈاڑھی مبارک کے بال کچڑ کر گھسیٹنا بھی شروع کر دیا لیکن کوئی یہودی یہاں اپنے طور پر موسیٰ علیہ السلام کی ترجیح کرتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام کے ایمان و اخلاص پر اعتراض کر دے اور ان کی پچھڑا پرست یہودیوں اور سامری کے ساتھ موافقت اور ساز باز دالے الفاظ استعمال کر دے جیسے کہ موجودہ تورات میں کیا گیا ہے تو کیا اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نظریہ تسلیم کر لیا جائے گا ایک شخص کو بھائی سے شکوہ ہوتا ہے مگر اس کی تعمیر الگ ہوتی ہے اور دشمن سے بھی شکوہ ہوتا ہے لیکن اس کے ترجیحی جملے اور الفاظ الگ ہوا کرتے ہیں اور اگر دو

بھائیوں کی برادرانہ شکریہ بھی کو ایک بھائی کا دشمن بیان کرے گا تو وہ دوسرے بھائی کی ترجیحی نہیں ہوگی بلکہ اس موقعہ محل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف اپنے غیظ و غضب اور بغض و کینہ کا اظہار مقصود ہوگا، اس لیے شیعہ صاحبان نے جو رنگ دیا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقصد سے بالکل مختلف ہے اس کا اگر مزید اطمینان کرنا ہو تو اسی مضمون کے دوسرے خطبات جو دیگر کتب میں منقول ہیں ان کے الفاظ دیکھ لو جو ڈھکوسل صاحب اور ان کے طبیب نے ذکر کیے ہیں نیز کلمہ التقدیم میں علامہ بحرانی کی زبانی نقل کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی شخص سرے سے ایسے خطبات کا انکار کر دے اور ان اشعار امت کے متعلق عوام اہل اسلام کو ان کا باہمی اتحاد و اتفاق باور کرنا مقصود ہو اور عوام اہل اسلام کو بھی باہمی اختلاف و انتشار سے بچانا اور ان میں بھائی چارہ کی فضاء پیدا کرنا تو یہ پوٹنیک اور مستحسن اقدام ہے، کاش کہ اس اہم اور نیک مقصد کی خاطر اس خطبہ کا راور دیگر اس مضمون کے خطبات کا انکار کر دیا جاتا اور ایسے خطبات کا انکار کرتے وقت یہ عظیم مقصد پیش نظر ہوتا۔ شرح ابن مہیم جلد اول ص ۲۵

خطبۃ الوسیلہ اور اس کی موضوعیت

کے قرائن اور شواہد

خطبۃ الوسیلہ جس کو درود شکانی میں نقل کیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔
 لقد تقمصہا دونی الاشقیان نازعانی فیما لیس لہما بحق
 و رکبہا ضلالۃ و اعتقدہا جہالۃ فلیس ما علیہ و رداء الخ
 میرے سوا دو بد بختوں نے خلافت کا کرتہ پہن لیا اور انہوں نے ناحق
 میرے ساتھ جھگڑا کیا اور گمراہی سے خلافت پر سوار ہو گئے اور جمالت سے

اسے اپنی چیز سمجھ لیا پس دونوں نے برے فعل کا ارتکاب کیا انہیں اس میں
چند امور قابل غور اور مستحق توجہ ہیں۔

۱۔ بیچ البدائع کا خطبہ جس کے تواتر کا دعویٰ بعض شیعہ صاحبان نے کیا ہے اس
میں اس قدر شدید الفاظ استعمال نہیں کیے گئے جتنے کہ اس خطبہ میں استعمال
کیے ہیں لہذا خصوصیات الفاظ کے تواتر کا دعویٰ بالکل غلط ہے جیسے کہ
علامہ ابن یثم جبرانی شیعہ نے خود اعتراف کیا۔

۲۔ اس خطبہ کو بقول صاحب کافی جب امام ابو جعفر محمد باقر نے جابر بن یزید کے سامنے
بیان کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کو حکم دیا کہ اپنے وطن جا کر صرف ہمارے
شیعہ کو بتلانا "بلغ حدیث انتہت بك راحلتك ائی فاذا انتہت
بك راحلتك الى بلادك فبلغ شیعتنا (ص ۱۸ مع حاشیہ)
لہذا اس اختتام سے اس کے تواتر عمومی کا فقدان واضح ہو گیا بلکہ یہ صدی
نسخہ کے حکم میں ہو گیا اور مخفی اور سر بستہ راز کے قبیل سے۔

۳۔ یہ خطبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتویں دن بعد دیا گیا
ہے "خطب الناس بالمدینۃ بعد سبعة ايام من وفاة رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذلك حين فرغ من جمع القرآن وتالیفہ"
حالانکہ اس وقت صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غلیفہ تھے نہ کہ دونوں
حضرات تو یہ کہنا کہ دونوں نے خلافت کا کرتہ پہن لیا غلط محض ہے اور
خلاف حقیقت جس سے اس کا من گھڑت ہونا صاف ظاہر ہے۔

۴۔ خطبہ شعیفہ ان تینوں حضرات کی خلافت کے بعد ہے مگر اس میں یہ تشدید
اور تغلیظ نہیں اور یہ خطبہ وصال نبوی کے ساتویں دن بعد ہے اور اس
میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہ گناہ شامل کر کے فتوے لگا دئے
گئے ہیں جو سراسر باجواز ہیں اور خلافت عدل و انصاف۔

۵۔ اگر غیبی خبر کے طور پر معلوم ہو گیا کہ دونوں جبراً خلافت سے لیں گے تو

پھر بھی علم میں نقص و قصور لازم آئے گا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک ہیں اور ان کی مدت خلافت ان دونوں کی مجموعی مدت خلافت کے قریب ہے۔ پھر ان کو نظر انداز کرنے کی اور فتووں کے ساتھ نہ نوازنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

۶۔ اگر ان کی خلافت کا بوجھ شوری قائم کرنے والے پر ہے لہذا حضرت عثمان و دیگر کے قابل ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بوجھ بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سر ہے جنہوں نے ان کی مرضی کے برعکس ان کو خلیفہ بنا دیا اور حکمایہ ذمہ داری سنبھالتے پر مجبور کیا۔ ملاحظہ ہو۔

تاریخ التواریخ جلد دوم از کتاب دوم ص ۲۱۵
دانتہ باش اسے عمر کہ من از برائے تو عہد نامہ نگاشتہ ام و ترانائب و
خلیفہ خویش داشتہ ام کتاب عہد رافرا گرو بار دل قوی بکار خویش بردار و عمر گفت
اسے خلیفہ رسول خدا مرا بخلاف حاجت نیست ابو بکر گفت خلافت را تو حاجت
است، لہذا پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھی قابل غفہ سمجھنا چاہئے
تھا کیونکہ حضرت صدیق نے ان کو حکم دیا کہ اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ میں نے
تمہارے لیے عہد نامہ لکھا ہے اور تمہیں اپنا نائب اور خلیفہ نامزد کیا ہے۔
عہد نامہ لیجئے اور دل کو مضبوط کر کے اپنے فرائض خدمت کی ادائیگی میں مشغول
ہو جائیے، آپ نے کہا مجھے خلافت کی ضرورت نہیں ہے تو حضرت صدیق نے
کہا خلافت کو تمہاری ضرورت ہے۔

۷۔ ان حضرات نے حضرت امیر سے خلافت لی ہی نہیں بلکہ انصار حضرت
سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا رہے تھے جس کے بعد کسی مہاجر اور قریشی کو
خلافت ملنا ممکن ہی نہ تھا لہذا انہوں نے حسن تدبیر سے حضرت سعد بن عبادہ
کو اس منصب سے ہٹا دیا اور اس کے اہل قبیلہ بھی اس کی طرف داری
سے باز آ گئے اور حضرت ابو بکر صدیق کو خلیفہ بنا دیا جس کی برکت سے

حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے نمبر پر خلیفہ بن گئے ورنہ تو اس کی امید بھی نہیں کی جا سکتی تھی، لہذا انہوں نے خلافت کا یہی تواتر سے اگر وہ یہ قدم نہ اٹھاتے تو نہ یہ حضرات سقیفہ بنی ساعدہ میں جاتے اور نہ ہی فوری طور پر خلافت کا مسکہ کھڑا ہوتا لہذا اندریں صورت ان دونوں کو بھی درگزر اور عفو و معافیات کے قابل سمجھتے ہوئے سارا بوجھ صرف انصار پر ڈالنا چاہیے تھا۔

ذرا انصاف کی نظر سے دیکھو۔ تو یہ حقیقت مہر نیر وند سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے کہ انصار کے شہر اور وطن میں بھی جب ان کے ہاتھ سے سیادت اور قیادت جا رہی تھی تو کم از کم جب وہ دینا قربان کر رہے تھے تو دین کو تو ہاتھ سے نہ جانے دیتے کوئی اتنا کم عقل بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی دینا بھی خراب کرے اور آخرت کو بھی تباہ کرے۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق بار بار خلیفہ بلا فصل کے اعلان کئے ہوتے تھے تو انہوں نے فوراً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبرداری کا اعلان کیوں نہ کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ قطعاً ایسا کوئی اعلان نہیں کیا گیا تھا اور یہ سب یار لوگوں کے تیار کردہ افسانے ہیں اور رسیاٹی سازش کے شاخسانے کیونکہ جب ابو بکرؓ کی زبانی حدیث نبویؐ ”الائمۃ من قریش“ سن کر انصار اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے تھے تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سنے ہوئے ارشادات کو کیونکر نظر انداز کر سکتے تھے؟ اور خلافت علی سے اراض اور روگردانی کیونکر کر سکتے تھے۔

۸۔ یہ خلافت جبر و اکراہ پر مبنی نہیں تھی بلکہ مہاجرین و انصار کے انتخاب سے معرض وجود میں آئی خواہ ابتداء میں سارے شامل نہ بھی بہر حال انہیں کی عظیم اکثریت نے اس طریقہ خلافت کی بنیاد رکھی اس لیے ان دونوں حضرات کو اس قدر غیظ و غضب کا نشانہ بنایا جائے تو کیوں؟ اگر دو امیدوار

مقابلے میں کھڑے ہوں اور سب لوگ اپنا نمائندہ ان میں ایک کو چن لیں اور دوسرے کو اپنا نمائندہ نہ بنائیں تو قصور کس کا ہوگا؟ جب کہ مہاجرین اور انصار کے فضائل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان سے مستند حوالوں سے عرض کئے جا چکے ہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہی یہ نہیں ہے کہ سب کو گمراہی پر اکٹھا کرے۔ ملاحظہ ہو شرح ابن میثم کی عبارت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں داخل تھی مگر شریف رضی صاحب کی شرافت نے اس کو نگاہ اہل اسلام سے ہمیشہ کے لیے اوجھل کرنے کی ٹھانی اور اس پر قنچی چلا دی مگر الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ کے مصداق حق ظاہر ہو کر رہا اور ابن میثم نے قطع و برید اور ترتیب میں گڑبڑ کی نشاندہی کرتے ہوئے اس عبارت کو اگلی دیا۔

ولعمری ما کنت الارجل من المهاجرین اوردت کما وردا و صدرت کما صدر و او ما کان اللہ لیجمعہم علی ضلال و لا یضربہم بعمی (ص ۳۵۵ جلد رابع)

مجھے اپنی زندگی کے قسم میں نہیں تھا مگر مہاجرین میں سے ایک عام فرد، جہاں اور جیسے وہ وارد ہوئے میں بھی وارد ہوا اور جہاں سے اور جیسے وہ پھرے میں بھی پھرا اور اللہ تعالیٰ کے یہ شایان شان نہ تھا کہ وہ ان کو ضلالت اور گمراہی پر جمع کرتا اور نہ اس کو یہ زیبا تھا کہ وہ سب کو نابینا اور حق ناشناس بنا دیتا۔ جب صرف مہاجرین کا حکم یہ ہے تو مہاجرین اور انصار کے اجماع کا حکم اس کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے اور یہی مضمون قول باری تعالیٰ "و یتبع غیر سبیل المؤمنین" (الکہف) سے ظاہر اور حضرت امیر کے ارشاد۔

۹۔ پھر اس خطبہ میں حضرت علی کو مہاجر بھی اور انصاری بھی کہا گیا ہے حالانکہ

قرآن مجید نے دونوں فرقوں میں ہمیشہ واضح امتیاز برقرار رکھا ہے، کبھی انصار کا مہاجرین پر عطف کر کے، کبھی مہاجرین کو ”الذین اخرجوا من ديارهم واموالهم“ سے تعبیر فرما کر اور انصار کو ”والذین تبوءوا الدار والايمان من قبلهم“ میں مہاجر الیم“ فرما کر لہذا خطبہ کی عبارت ”وان مہاجر آل ابی قحافة خیر من المہاجر الا انصارى الرباني تاصوس هاشمو بن عبد مناف“ واقعہ اور حقیقت کے خلاف ہے اور یہ لوگوں کی اختراع ہے یعنی انہوں نے جھوٹا دعویٰ کیا کہ آل ابی قحافہ کا مہاجر ہاشم بن عبد مناف کی ناموس اور مہاجر و ربانی انصار علی سے بہتر ہے۔

۱۰۔ علاوہ انہیں اس خطبہ میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے ”ان اول شهادة الزور وقعت في الاسلام شهادة تهمان صاحبهم مستغلف رسول الله فلما كان من امر سعد بن عباد ما كان رجوعا عن ذلك“ یعنی پہلی جھوٹی شہادت جو اسلام میں واقع ہوئی وہ ان کی یہ شہادت تھی کہ ان کا منتخب خلیفہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا خلیفہ ہے لیکن جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف سامنے آیا تو اس سے رجوع کر لیا اور کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ حالانکہ یہ ہر امر واقعات کے خلاف ہے، اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں کوئی دلیل بطور حدیث کے پیش کی گئی تو وہ صرف اور صرف ”الاثمة من قریش“ والی حدیث تھی کہ ائمہ قریش سے ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ انصار سے اور اسی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ تبصرہ بھی نفع البلاء عنہ وغیرہ میں جا بجا موجود ہے کہ ثمرہ اہل بیت کا تو اعتبار کر لیا یعنی بالعموم قریشی ہوتے کا اور اصل و شجرہ کو نظر انداز کر دیا یعنی بالخصوص اہل بیت اور قریش ہونے کا

لہذا یہ بھی سراسر خلاف حقیقت کلام ہے۔

الغرض ہر ایک نے ایک ہی مضمون کو اپنی اپنی خواہش نفس اور قلبی غیظ و غضب کے مطابق مختلف رنگ دئے ہیں جیسے کہ اس مضمون کی کئی روایات اور عبارات ڈھکوسلے اور اس کے پیشوائے نقل کی ہے جو دوسرے ارشادات مرتضویہ کے بھی خلاف ہیں اور فرمودات باری تعالیٰ کے بھی خلاف ہیں اور قبل ازیں مفصل طور پر بیان کر چکا ہوں کہ وہی روایت قابل قبول ہو سکتی ہے جو کلام اللہ کے مطابق ہو اور اہل بیت کا بھی صرف اور صرف وہی مذہب سمجھا جائے گا جو قرآن مجید سے ثابت ہو۔

هذا والحمد لله وصلى الله على حبيب محمد وآله وصحبه اجمعين
تنبیہ: اگر شیوہ کتب سے منقول تمام عبارات پر مفصل بحث کروں تو بہت لموالت ہو جائے گی اسی بحث سے آپ باقی عبارات کی سخافت اور موضوعیت کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں یعنی یہ

شدن پریشان خواب من از کثرت تعبیرھا۔

حقیقت کچھ اور تھی مگر ان دشمنان صحابہ کی تعبیرات نے کچھ اور بنا دی بلکہ

کلام العدی ضرب من الہذیان۔

ترجمہ الامامیہ علامہ محمد حسین ڈھکوسل صاحب

”کتب سینہ سے مضمون بالا کی تائید“ کا عنوان قائم کر کے علامہ ڈھکوسل صاحب

کے طبیب خاص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سے یوں فرماتے دکھایا ہے

ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نری لنا حقاً

لقرابتنا من رسول الله۔

یعنی تم نے اپنی رائے سے بلا رضامندی ہم اہل بیت رسول کی خلافت و امامت

پر تسلط حاصل کر لیا حالانکہ ہم بوجہ قرابت رسول کے اسے اپنا حق جانتے تھے۔

نیز مسلم جلد ثانی ص ۹۱ پر حضرت عمر خود اعتقاد امیر بحق شیخین کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں کہ عمر صاحب جناب علی اور حضرت عباس کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر خلیفہ تھے تو آپ دونوں نے اپنے اعتقاد میں ان کو جھوٹا، گناہگار، دغا باز اور خیانتی سمجھ رکھا تھا اور جب میں خلیفہ ہوا ہوں تو بھی تم دونوں نے مجھے جھوٹا، گناہگار، دغا باز اور خیانتی سمجھا ہوا ہے حضرت علی نے یہ سن کر انکار نہیں فرمایا۔ جب کہ سکوت و دلیل رضا ہوا کرتا ہے تو اس طرح گویا حضرت امیر کا عقیدہ ان دونوں کے متعلق واضح ہو گیا، اس کے بعد ڈھکو صاحب نے مسعودی اور ابن ابی الجدید کو سنی ظاہر کر کے متعدد حوالے مروج الذہب للمسعودی اور شرح ابن ابی الجدید سے نقل کئے ہیں اور بعض عبارات تاریخی کتب کے حوالے سے نقل کر دی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ص ۶ تا ص ۶ تک چلا گیا ہے جس کے آخر میں خلاصہ یوں بیان کیا۔ ان عبارات کتب سینہ سے ثابت ہوا کہ حضرت علی خلافت خلفاء ثلاثہ کو غاصبانہ اور ظالمانہ سمجھتے تھے اور آپ دعویٰ خلافت ظاہر فرماتے رہے، اس حد تک آپ کو اپنے استحقاق کا یقین تھا کہ خوف اختلاف وارتداد نہ ہوتا تو جنگ بھی کرتے اور خلافت ثلاثہ کو آپ ایک دزداناک مصیبت تصور کرتے تھے جس پر صبر فرمایا۔

تحفہ حسینیہ
از ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی

مسلم شریعت کی روایت علماء شیعہ کی مخالطہ آفرینی
علامہ ڈھکو صاحب امدان کے معالج نے کتب سینہ سے اپنے غلط نظریات عقائد کی اور خلافت کے غصب وغیرہ کی تائید پیش کرتے ہوئے بزم خویش مسلم شریف کی دو روایتیں پیش کی ہیں اور باہم ناچاکی اور سخت کلامی ثابت کرنا چاہی ہے لیکن سب سے پہلے۔

۱۔ ڈھکو صاحب کو اپنے ضابطہ کی روشنی میں یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ آخر اہل سنت

کی کتابوں میں متواتر روایات کون سی ہیں باہم محبت و اخلاص والی اور ایک دوسرے کی عزت افزائی اور تنظیم و توقیر والی یا اس کے برعکس، آخر یہ کون سی دیانت علمی ہے اور کس قسم کی تحقیق اور شان اجتہاد ہے کہ اپنے لئے ایک پیمانہ اختیار کر لیا جائے اور دوسروں کے لئے دوسرا پیمانہ۔ ہر چہ برائے خود پسندی برائے دیگران ہم پسند

۲۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس روایت میں یہ اعتراف ہے ”لم ننفس خيراً ساقه الله اليك“ جس خیر اور بھلائی کو اور عز و شرف کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حوالے کیا ہے ہم اس کے متعلق آپ کے ساتھ حسد نہیں کرتے جس میں صاف صاف اعتراف ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ہی یہ منصب عطا کیا ہے اور ہمیں آپ کے ساتھ اس بارے میں حسد اور منافست نہیں ہے بلکہ اس کا دلی طور پر اعتراف ہے اور احترام بھی۔

۳۔ اور اسی میں تصریح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”موعدك العشيّة للبيعة“ میری طرف سے آپ کے ساتھ کل بعد نماز ظہر بیعت کا وعدہ ہے اور اگلے دن آگے آپ نے بیعت کر لی اور آپ کے اس اقدام پر تمام مہاجرین و انصاریہ نے داد و تحسین فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں کے بیان کردہ اغیار اور اسباب پر الہیمان کا اظہار کیا۔ مگر ان دونوں حقیقتوں کو ان دونوں شیعی مولفین نے بطور تفتیر نکل لیا۔

۴۔ ڈھکوسل صاحب نے استبداد کے لغوی معانی اور وہ بھی صلات کے اختلاف کے ساتھ بیان کر کے قریب کاری کی کوشش کی ہے مثلاً استبداد برائے اپنی رائے میں منفرد ہو کر گمراہ ہوا وغیرہ کیا ہے حالانکہ اس جگہ الفاظ ہی مختلف ہیں یعنی استبداد تم بالامر ہے کہ تم نے خلافت میں ہمیں بطور مشیر بھی شامل

نہیں کیا اس قدر ہم تمہارے نزدیک غیر اہم اور ناقابل اعتبار و اعتداد تھے جو میرا سر ایک برادر شکر رنجی ہے اور میرے پرواہی برتنے کا گلہ ہے جو حقیقت حال واضح ہونے پر نائل ہو گیا جب کہ حضرت صدیق نے واضح کیا کہ ہم تو سقیفہ بنو ساعدہ میں اختلاف کی بنیاد ختم کرنے گئے تھے لیکن حالات نے یہ رخ اختیار کر لیا کہ فوری طور پر خلیفہ کا انتخاب کرنا ضروری ہو گیا ورنہ مرکز اسلام میں ہی افتراق و انتشار کی بنیاد قائم ہو جاتی اور اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتیں۔

رہا آپ کا فرمان ”کنا نری أن لنا حقاً القرابتنا من رسول الله صلى الله عليه وسلم“ تو اس میں آپ کی نامزدگی کیسے ثابت ہو گئی اور پھر قرابت صرف آپ میں ہی تو نہیں تھی بلکہ تمام بنو ہاشم اور بنو عبد مناف اس میں شامل تھے تو کیا سب کو خلیفہ بنایا جاتا بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس قرابت کے لحاظ سے زیادہ حقدار تھے کیونکہ حجازاد بھائیوں کا درجہ بہر حال چھوٹا اور اہم کے بعد ہی ہوتا ہے کیونکہ اصول وراثت سے یہاں ہے کہ اقرب البعد کے لیے حاجب ہوتا ہے اس لیے چچے کے ہوتے ہوئے چچا زاد بھائی محروم رہتا ہے اور اس دلیل کے پیش نظر بعض لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو احق بالخلیفة قرار بھی دیا ہے ملاحظہ ہو تلخیص الشافعی از محقق طوسی ص ۲۸۹

حضرت عباسؓ کے اصل حقدارِ خلافت ہونے کا دعویٰ

المخالف لامامة امير المؤمنين بعد النبي صلى الله عليه وسلم
بلا فصل طائفتان احداهما يذهب الى امامة العباس راحة
الله عليه والاخرى الى امامة ابي بكر فالقائلون بامامة العباس
يتعلقون في امامته بالميراث وباخبار يروونها لا تعلق لها
بالامامة ص ۳۸۸

یعنی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ
بلافصل ہونے میں اہل تشیع اور امامیہ کے ساتھ اختلاف رکھنے والے دو گروہ
ہیں ایک گروہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا قائل ہے اور دوسرا
فریق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا اور جو فریق حضرت عباس
رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا قائل ہے وہ اس مسلک پر ادلا وراثت کو
دلیل بناتے ہیں اور ثانیان روایات کو جو انہوں نے نقل کی ہیں مگر ان کا اس
موضوع اور مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے

الفرض اگر وراثت علت خلافت ہے تو پھر پہلا حق حضرت عباس رضی اللہ
کا بنتا ہے واذلیں فلیس، اگر ان کی خلافت بلافصل ثابت نہیں ہو سکتی تو پھر اس
کا تقاضا صرف یہی ثابت ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کو اعتماد
میں لے کر اور ان کے صلاح و مشورہ سے خلیفہ کا تقرر عمل میں آنا چاہیے تھا اور
اس کا لحاظ کیوں نہیں کیا گیا جس کے متعلق حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی
پوزیشن واضح کر دی اور باہم صلح و صفائی ہو گئی اور سب صحابہ کرام میں خوشی
اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

لہذا اس روایت سے قطعاً شیعہ صاحبان کی تائید فی الواقع نہیں ہوتی اور
ماینویا کا علاج کوئی نہیں ہو سکتا۔

مسلم شریف کی روایت ۱۲ اور شیوخ حضرات کی فریب کاری

علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے معالج صاحب نے مسلم شریف کی ایک اور
روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین رضی اللہ عنہما کو آم،
عہد شکن اور خیانت پیشہ سمجھتے تھے کیونکہ جناب عمر نے ان کا یہ نظریہ بیان کیا اور
انہوں نے انکار نہ فرمایا لہذا سکوت دلیل رضا ہو گیا اور اس طرح سینوں کا
شیعوں کے ساتھ حلقہ اربعہ رضی اللہ عنہما میں باہم اختلاف اور سوء ظن پر اتفاق

ثابت ہو گیا نعرہ حیدری یا علی۔

والجواب بالصواب بفضل اللہ الوہاب۔

۱۔ اس روایت کی رو سے سب سے پہلے جس نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور جن کے حق میں کئے ہیں وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں ”فقال عباس اقض بینی وبين هذا الكاذب الاثم القادر الخائن“

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تعالیٰ نے اس پر بھی سکوت اختیار فرمایا۔ کیا یہاں بھی سکوت دلیل رضا ہے؟ اور آپ کا اپنے متعلق بھی یہی عقیدہ تھا اور جو کچھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کیا وہ صحیح تھا؟ یعنی حضرت علیؑ کاذب اثم، عہد شکن اور قاتل ہیں تو ذی اللہ

۲۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود ان دونوں حضرات کی طرف سے اپنے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ خیال ذکر کیا ہے تو ساتھ

ہی حضرت صدیق کے متعلق یہ الفاظ بھی ذکر کئے ہیں۔ واللہ یعلم انہ لصادق بار راشد تابع للحق“ اور اپنے متعلق بھی یہ کلمات ذکر فرمائے

ہیں۔ واللہ یعلم انی لصادق بار راشد تابع للحق“ کہ

اللہ تعالیٰ جانتا ہے ابو بکرؓ یا سچے، محسن، راہ راست پر گامزن اور حق

کے پیروکار تھے اور اللہ جانتا ہے کہ میں بھی یقیناً سچا، نیکوکار، راستی

پر قائم اور حق کا پیروکار ہوں اور اس پر بھی دونوں حضرات نے خاموشی

اختیار فرمائی کیا یہاں بھی سکوت دلیل رضا ہے یا نہیں؟ ایک جگہ سکوت

کو دلیل رضا قرار دینا اور دوسرے مقامات پر اس کو دلیل رضا نہ سمجھنا

کہاں کا انصاف ہے اور کون سی دیانتداری ہے۔

۳۔ ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا خیال بیان کیا اور دوسری

طرف اللہ تعالیٰ کا حضرت ابو بکرؓ اور اپنے متعلق محسن، تابع الحق اور

راہ راست پر گامزن ہونے کے حق میں حتمی اور قطعی علم بیان کیا اور وہ دونوں حضرات خاموش رہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط امر کی نسبت پر ضرور ٹوکنا چاہیے تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک یہ حقیقت مسلم تھی کہ واقعی عند اللہ یہ ان اوصاف کمال کے مالک ہیں اور جب یہ تسلیم ہو گیا تو پھر پہلے کلمات کا جواب بھی اسی میں آگیا لہذا انہوں نے جواب دینے کی کیا ضرورت تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں سکوت کا گمان ہی بذات خود غلط ہے تو اس پر متفرع نتیجہ کی یہودگی میں کیا خفا ہو سکتا ہے۔

۴۔ یہ دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فدک کے انتظامی امور کی تولیت میں اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے تشریف لائے تھے اور حضرت عثمان، حضرت سعد، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہم کو اپنا سفارشی بنا کر لائے تھے جس شخص کے متعلق یہ عقیدہ ہو اس کو فیصلہ بنانے کا کیا مطلب؟ اور ایسے عظیم انعام کی سفارشات کے ذریعے فیصلہ کرنے پر روند دینے اور اصرار کرنے پر زور دینے کا کیا مطلب؟

حقیقت حال

۵۔ لہذا اس روایت سے ڈھکھو صاحب اور ان کے معالج کی اندرونی بھڑکتی آگ کی تسکین نہیں ہو سکتی اور نہ وہ بچھ سکتی ہے "قل موتوا بغيظکم" البتہ حقیقت حال ہم واضح کئے دیتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جناب میں یہ سخت لفظ استعمال کئے گو آپ ان کے لیے مثل والد کے تھے مگر آپ کی جلالت شان اور عظمت قدر کی وجہ سے قطعاً مناسب نہیں تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق کو اور اپنے آپ کو بھی ساتھ ملا دیا اور کہا یہاں

تو جھگڑا صرف انتظام میں ہوا تو یہ الفاظ استعمال ہوتے لگ گئے تو پھر ہمارے متعلق بھی یہی عقیدہ رکھتے ہو جنہوں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کا دعویٰ کرتے ہوئے سرے سے تمہیں فدک دیا ہی نہیں اور جب ہمارے متعلق یہ الفاظ استعمال نہیں کرتے تو ادھر کیوں اس قدر برا فروختہ ہو گئے ہو لیکن ان کی عمر رسیدگی اور قرب مصطفویٰ اور آپ کے لیے یقیناً الّا بار ہونے کے ناطے صرف انہیں کو مخاطب نہ ٹھہرایا بلکہ اپنے جس عزیز کے حق میں انہوں نے یہ الفاظ استعمال کئے تھے انہیں بھی ساتھ شامل کر دیا، الغرض اس سے مقصود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عزت و عظمت کا تحفظ تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان سخت الفاظ کا احسن طریقہ پر رد اور ان پر انکار لیکن چشم بد بھی ہنر کو عیب ہی دیکھتی ہے اگر فدک نہ دینا کذب، خیانت اور گناہ وغیرہ کا موجب تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اپنے دور خلافت میں اس طرح کیوں سہا جو شیخین رضی اللہ عنہما کا تھا اور حضرت زہراء کی اولاد کو یہ حق نہ دیکروہ بھی کیا انہیں عیوب سے متصف ہو گئے تھے؟

۶۔ قاضی عیاض اور علامہ مازری رحمہما اللہ نے فرمایا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے استعمال کردہ یہ الفاظ نہ ان کے شایان شان ہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں قطعاً ان قبائح کے تحقق کا کوئی شائبہ ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ اس قسم کی روایات جو حضرات صحابہ کے شایان شان نہ ہوں اور ان کی مناسب توجیہ اور تاویل بھی نہ ہو سکے تو وہاں راوی کو چھوٹا کر دینا آسان ہے نسبت ان ہستیوں پر کسی بدگمانی کے جن کی طہارت دامن قرآن مجید اور احادیث صحاح کے ساتھ ثابت ہے ”واذا نسد طرق تاویلہا نسبنا الکذب الی روائہا“ اور اس لیے امام بخاری نے اور دیگر محدثین نے ان الفاظ کو ذکر نہیں کیا۔ ”قال النووی نقلًا عن المازری“ وقد

حمل هذا المعنى بعض الناس على ان ازال هذا اللفظ
عن نسخته تورعاً عن اثبات مثل هذا ولعله حمل
الوهم على روايته . (شرح مسلم للتووی ص ۹ جلد اول)

یعنی اس حقیقت نے بعض حضرات کو اس امر پر آمادہ کیا کہ انہوں نے اپنے
نسخہ سے ان الفاظ کو حذف کر دیا اس سے پرہیز کرتے ہوئے کہ حضرت
علی رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس قسم کے
کلمات ثابت کریں اور اس کو انہوں نے راویوں کا وہم قرار دیا اور یہی
قاعدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ ظن اور گمان کی بنا پر
کسی ثقہ اور معتمد علیہ شخصیت کے خلاف فیصلہ دینا ظلم ہے اور کمینہ حرکت
رنج البلاغہ مع شرح ابن شیم جلد نمبر ۲۵ ص ۲۵

ليس من العدل القضاء على الثقة بالنظن اى من كان
عندك ثقة معروف بالامانة فحكمك عليه بالخيانة عن ظن
خروج عن العدل وهو ذيلة الجور . هذا والحمد لله .

۴۔ علاوہ انہیں غصہ اور ناراضگی کی حالت میں بعض سخت الفاظ آدمی کے مونہ
سے نکل جاتے ہیں لیکن وہ عقیدہ نہیں ہوا کرتا اس لیے اس وقت مونہ
سے نکلے ہوئے الفاظ کو سند اور دلیل نہیں بنایا جاسکتا یونکہ زبانی تشدد
کی بجائے نوبت دست درازی تک بھی آسکتی ہے بیت افضل النمل لوق
جماعت کے متعلق بار بار بیان کر چکا ہوں یعنی انبیاء علیہم السلام میں بھی بشری
تقاضوں کے تحت نوبت یہاں تک پہنچ سکتی ہے جیسے کہ حضرت دوسری
علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ معاملہ قرآن نے بیان فرمایا
لہذا اس قسم کے یہودہ استدلال ڈھک صاحب اور ان کے مرشد صاحب
کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اور یہ تنکے ان کو بحر غضب نہاد و مدد تعالیٰ
میں غرق ہونے سے نہیں بچا سکتے . فبعد اللقوم الظالمین .

۱۔ ڈھکو صاحب کو اعتراف ہے کہ ہم اپنی صحاح اربعہ کی ہر روایت کو بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ رسالہ تنزیہ الامامیہ ص ۳۳۰ حالانکہ ان کے اکابر نے اسماء و رجال اور جرح و تعدیل کے حکم میں اور ان اصطلاحات اور قواعد و ضوابط کے ایجاد و اختراع میں علماء اہل سنت کی تقلید و پیروی کی ہے ملاحظہ ہو مقدمہ منہج الصادقین۔ تو اہل سنت کو کیوں اپنے ان قواعد و ضوابط کے مطابق ایسی روایات کے متعلق فیصلہ کا حق نہیں دیتے ہمارا مسلم قانون ہے کہ راوی صحابہ کی عزت و عظمت بہر حال مقدم ہے اور راوی کو جھوٹا کہنا سہل ہے نسبت صحابی کو مٹھرانے کے۔

دیانت و امانت کا خون :

علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے معالج خاص نے مسعودی صاحب مولف مروج الذهب کو اور ابن ابی الحدید کو سنی ثابت کر کے ان کی عبارات سے ہمیں الزام دینے کی کوشش کی ہے حالانکہ دونوں نہ سنی ہیں اور نہ ان کی تصنیفات اہل سنت کے نزدیک حجت بلکہ ابن ابی الحدید نے بار بار اپنے مقتزی اور تفضیلی شیعہ ہونے کا اعتراف کیا ہے اور اس کا عقیدہ اصحاب جمل اور اصحاب صفین کے متعلق سب رافضیوں والا ہے جس کو اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر بار بار راحت سے بیان کیا ہے اور مسعودی کا حال حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ میں مفصل بیان کر دیا ہے نیز قاضی محمد علی طباطبائی شیعہ نے انوار نعمانیہ کے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ مؤرخ کبیر مسعودی صاحب مروج الذهب علامہ امامیہ سے ہے: وافقہم ایضا من الامامیۃ علی بن الحسین المسعودی المؤرخ الکبیر صاحب مروج الذهب (انوار نعمانیہ جلد اول ص ۳۶۵) لیکن بایں ہمہ خود ہی ان کو سنی فرض کر کے پھر ان کی عبارات کو اہل سنت کے خلاف بطور الزام پیش کرنا ایسی دھاندلی اور ڈھٹائی اور بے شرمی و بے حیائی ہے جس کی نظیر کسی یودی اور دیگر غیر مسلم مصنف کے ہاں بھی ڈھونڈنے سے

دل سکے گی سچ ہے ۔

اذا لم تستح فاصنع ما شئت ۔

بن ابی الحدید کے سنی شیعہ ہونے پر ہر حال ہم نے دوسری جگہ باحوالہ بحث کر دی ہے اور سب ابی ہمہ شرح حدیدی سے منقول مکالمات پر بھی مفصل تبصرہ کر دیا ہے جس سے بالکل مہر نیروند کی طرح واضح کر دیا ہے کہ یہ حضرت مراد و حضرت ابن عباس والے مکالمات تشیع اور رفض کے مردہ جسم میں جان نہیں ڈال سکتے لہذا یہاں اس تطویل لا طائل سے احتراز کرتے ہوئے اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں ۔

نیز علامہ ڈھکو صاحب اور اس کے معالج نے ان کے علاوہ تاریخ کامل اور طبری وغیرہ کے نام بھی اس ضمن میں گنوا بیٹے ہیں لیکن ڈھکو صاحب کو خود اعتراف ہے جسے کہ انہوں نے نسخ التواریخ کے حوالہ جات کے جواب میں کہا کہ تاریخ کتب میں ہر قسم کے رطب و یابس اور ضعیف و سقیم روایات ہوتے ہی ہیں تو پھر یہاں تاریخ روایات پیش کرنے کی خود کیوں چسارت کی ہے اور اپنا وہ نظریہ نتائج فراموش کر دیا ہے جس سے ان کی بدحواسی اور اضطراری کیفیت ظاہر ہے ۔

مدار استدلال

اصول اسلامیہ کے مطابق اصل دلیل قرآن مجید ہے پھر حدیث و سنت جو قرآن مجید کے مطابق ہو لیکن ناظرین کرام اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے کہ دونوں شیعہ عالم قطعاً قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی اس ضمن میں استدلال پیش نہیں کر سکے اور نہ کوئی صحیح حدیث جب کہ ہم نے ان حضرات صحابہ کے اخلص، لہیت، صداقت اور ایثار و قربانی اور آخر دی فوز و فلاح پر واضح اور صریح صریح الدلائل متعدد روایات پیش کی ہیں اور پھر ان کے موافق اور مطابق ۔ شیعہ کتب سے روایات پیش کی ہیں جو ائمہ کرام بلکہ خود رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ معیار صحت اور مدار صریح کے عین مطابق ہیں لیکن شیعہ علماء نے محض ہیرا پھیری سے کام لیا ہے اور فریب کاری اور دھوکہ دہی سے ۔

جس کی علم و حکمت اور عدل و انصاف کی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے
اور نہ ہی اہمیت و وقعت۔

کیا حضرت امیر خلافت کے ہمیشہ خواہشمند رہے

اور خلافت قلعاء کو مصیبت سمجھتے رہے تو اس کے جواب میں یہ بیسیوں
حوالے کتب شیعہ سے علی الخصوص پنج البلاغ سے بحث خلافت میں ذکر کیے جائیں
گئے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حلیہ بیان دیتے ہیں کہ مجھے خلافت میں قطعاً
کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں اور اگر ایسے کسی دوسرے کے حوالے کو دو تو میں سب
سے زیادہ اس کا اعلیٰ اعتزاز رکھتا ہوں گا اور میرا وزیر رہنا نسبت امیر بننے
کے تمہارے سے یہ مفید تر ہے اور آپ نے خلافت فاروقیہ کو خدا تعالیٰ
کی موعود خلافت قرار دیا اور آپ کے شکر کو خدا تعالیٰ کا شکر اور اس کی نصرت و تمندی
کا اللہ تعالیٰ کو ضامن قرار دیا۔ اور کتب اہل السنۃ میں مذکور ایسی روایات
شمار سے باہر ہیں اللہ یاں بھی حکیم صاحب اور علامہ ڈھکو صاحب نے اپنی صحیح
ترین کتب مذہب کا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا مذاق اڑایا ہے کیونکہ جب
وہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بھی خلیفہ بنائے جانے والے حضرات کی خلافت
کو تسلیم کرنے اور ان کا سب سے زیادہ مطیع و تابع رہنے کا بر ملا اور علنی
اعلان کر رہے ہیں تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم جن کی عظمت و وقعت تمام مہاجرین و
انصار کے ہاں مسلم تھی وہاں بیزاری اور اظہار مصیبت کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟
حالانکہ آپ علی طور پیمان کے وزیر و شیر رہے اور شریک کار بھی۔

تم الجزء الاول من التحفة الحیضیة بحمد اللہ و حسن
توفیقہ و جعلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد اللہ و خلقہ
اجمعین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین و اتابعین بہم
بالاحسان الی یوم الدین۔

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹)

اسلامی عقائد و معمولات قرآن و حدیث کی روشنی میں

اسلامی عقائد و معمولات

مؤلف

ڈاکٹر خان گل خان

اہل السنہ پہلی کیشنز شاندار بیکری والی گلی منگلاروڈ دینہ جہلم

فون نمبر: 0333-5833360 Mob 0321:7641096

بہت جلد دلکش انداز میں چھپ کر منظر عام پر آ رہا ہے

محرم الحرام سے ذوالحجہ تک مختلف موضوعات پر

(59) انسٹھ خطبات کا شاندار مجموعہ

خطبات ہاشمی

﴿مؤلف﴾

حضرت مولانا صاحبزادہ محمد عبدالرؤف ہاشمی

نقشبندی مجددی فاضل علوم اسلامیہ خطیب جہلم

ناشر

اہل السنہ پبلی کیشنز شاندار بیکری والی گلی منگلاروڈ دینہ جہلم

فون نمبر: 0333-5833360 Mob 0321:7641096

مناظر اسلام شیخ الحدیث
مدظلہ
محمد اشرف

سیالوی

کی قابل قدر تصانیف

تحفہ حسینیہ

کوثر الخیرات

مختار اور اسلام

جلال الصدور

گمشد تو حیدور سالت

ہدایۃ المتذنب الحیران فی الاستعاذۃ بالایاء الرحمن

انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین

تنویر الابصار بنور النبی المختار

دی ہولی بائبل اور شان انبیاء میں گستاخیاں

Printed By: M. Saghr Dina 0344-5751600, 0300-9536420

احمد سنی پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم

Phone: 0321-7641096